اِنَّ ھٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ

بے شک یہ علم دین ہے، پس خوب سوچ لو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو؟

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور • کراچی • پاکستان

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

Scanned with CamScanner

إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ (مسلم)

بیشک یہ علم دین ہے پس خوب سوچ لو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو؟

تفہیم المسائل

جلد ہشتم

پروفیسر مفتی مُنیب الرحمٰن

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	تفہیم المسائل (جلد ہشتم)
مصنف	پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن
	چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان
	صدر تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپوزنگ	عبدالمجید چانڈیو، محمد جمشید ہاشمی
تاریخ اشاعت	باراول، ستمبر 2016ء، باردوم، مارچ 2019ء
	بارسوم، فروری 2020ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	FQ11

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 32630411-32212011-021۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail: info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

Scanned with CamScanner

آغازِ تکلّم

الحمدللہ رب العٰلمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رحمۃ للعٰلمین، سیدنا ومولانا محمدٍوّعلیٰ اٰلہ الطیبین الطاہرین وعلیٰ صحابتہ الصدیقین الکاملین، وعلیٰ اولیاءِ امتہ وعلماءِ ملتہ من الفقہاء المجتہدین والمحدثین والمفسرین اجمعین

الحمدللہ علیٰ احسانہٖ! تفہیم المسائل کی آٹھویں جلد پیشِ خدمت ہے۔ ربِّ ذوالجلال کا شکر ہے کہ تسلسل کو قائم رکھنے میں کامیابی نصیب ہوئی۔

اس جلد کی تدوین وتبویب اور حوالہ جات نکالنے میں مفتی عبدالرزاق نقشبندی کا تعاون گراں قدر ہے اور میں اس کے لیے ان کا شکر گزار ہوں۔ کمپوزنگ کے لیے مولانا عبدالمجید چانڈیو کی مساعی قابلِ قدر ہیں، میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مسوّدے کے تبییض کے آخری مرحلے میں، میں ہمیشہ حضرت علامہ مفتی محمد الیاس رضوی اشرفی زید مجدہم کو زحمت دیتا ہوں۔ مسائل پر ان کی نظر بڑی عمیق ہے اور فقہی جزئیات انہیں مستحضر ہیں۔ حضرت مفتی صاحب زبان وبیان کی بھی تصحیح کرتے ہیں اور معنوی اعتبار سے بھی عرق ریزی سے کام لیتے ہیں، تمام حوالہ جات کو ایک ایک کرکے دیکھتے ہیں اور اصل سے ملاتے ہیں۔ میں اُن کے علمی تعاون پر تہ دل سے شکر گزار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اور عمر صالح میں مزید برکات عطا فرمائے۔ اس کے علاوہ مولانا محمد ناصر خان چشتی اور مولانا بختیار احمد نے بھی عمیق نظر سے آخری مسودے کو پڑھا اور مفید مشورے دیئے، جن سے اسے مزید بہتر بنانے میں مدد ملی، اللہ تعالیٰ میرے ان تمام عزیزان محترم کی عمر وعلم میں برکات عطا فرمائے اور ان کی علمی وفکری کاوش کو اپنی بارگاہ میں ماجور فرمائے۔

المفتقر الی اللہ الغنی

منیب الرحمٰن

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

فہرست

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

نکاح کے مسائل 215

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

Scanned with CamScanner

وراثت کے مسائل

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

عقائد کے مسائل

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جو اُمور ثابت نہ ہوں، اُن کا اعلانِ عام نامناسب ہے

سوال:

ہماری مسجد کے امام صاحب نے دس محرم الحرام سے ایک ہفتہ قبل اعلان کرنا شروع کردیا کہ دس محرم کو بعد نمازِ ظہر دعائے عاشورہ ہوگی، جو لوگ اس دعا میں شامل ہوں گے اور آمین کہیں گے، اس دعا کی برکت سے آئندہ ایک سال تک اس کی موت واقع نہیں ہوگی، سمجھو اُس کا ایک سال کا بیمہ ہوگیا اور جس کی موت واقع ہونی ہوگی، اللہ اس کو آمین کہنے کی توفیق ہی نہیں دے گا۔ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک سال تک موت واقع نہ ہونے کے دعویٰ پر رہنمائی فرمائیں۔ (محمد صدیق رفیع، D/3-7 نارتھ کراچی)

جواب:

مذکورہ امام صاحب کا یوں بھرے مجمع میں اس طرح کے اعلان کرنا اُن کی نادانی اور دینی حکمت سے عاری ہونے کی دلیل ہے اور بظاہر دعوائے غیب بھی، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش نازل فرماتا ہے اور وہی (ازخود) جانتا ہے کہ (ماؤں کے) رحموں میں کیا ہے؟، اور کوئی (ازخود) نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی شخص (ازخود) نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا، بے شک اللہ ہی بہت جاننے والا سب کی خبر رکھنے والا ہے''۔ (لقمان:34)

موت ایک اٹل حقیقت ہے، جس کا وقت مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ

ترجمہ: ''بے شک جب (موت کے لیے) اللہ کا مقررہ وقت آجائے گا، تو اس کو مؤخر نہیں کیا جاسکے گا''۔ (نوح:4)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: ''سو جب اُن (کی موت) کا مقررہ وقت آجائے گا، تو ایک لمحے کی بھی تقدیم وتاخیر نہ ہو سکے گی''۔ (نحل: 61)

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ

ترجمہ: ''تم جہاں کہیں بھی ہو (مقررہ وقت پر) تم کو موت پالے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں (محفوظ) ہو''۔ (نساء: 78)

اِس طرح کی دعائیں احادیثِ صحیحہ میں موجود نہیں ہیں، ہاں! صوفیائے کرام سے منقول بعض اَوراد و وظائف کی کتابوں میں ایسی دعائیں ملتی ہیں، لیکن اُن کی صحت اور سند کی کوئی تصدیق نہیں پائی جاتی۔ غوث محمد گوالیار کی کتاب ''جواہرِ خمسہ'' میں یومِ عاشور سے متعلق ایک دعا نقل ہے، جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: جو شخص عاشور کے روز اسے سات بار پڑھے، تو اس سال موت کے صدمے سے محفوظ رہے گا، جس سال موت ہوگی اُس سال دعا نہیں پڑھ سکے گا۔

مالی نقصان، آفات وبلیات سے حفاظت کے لیے، شیاطین، دشمنوں، حاسدوں، بدخواہوں کے شَر سے بچنے کے لیے اَحادیثِ مبارکہ میں مختلف دعاؤں کی تعلیم اور ترغیب دی گئی ہے، لیکن قضا وقدر کے فیصلے رب تعالیٰ کی بارگاہ سے مُقدر ہوتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے:

عَنْ أَبَانِ بنِ عُثْمَان، قَالَ: سَمِعْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: مَا مِنْ عَبْدٍ يَقُولُ، فِي صَبَاحِ كُلِّ يَومٍ، وَمَسَاءِ كُلِّ لَيْلَةٍ: بِسْمِ اللهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَيَضُرَّهُ شَيْءٌ۔ قَالَ: وَكَانَ أَبَانُ قَدْ أَصَابَهُ طَرَفٌ مِنَ الْفَالِجِ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ أَبَانُ: مَا تَنْظُرُ إِلَيَّ؟، أَمَا أَنَّ الْحَدِيثَ كَمَا قَدْ حَدَّثْتُكَ، وَلٰكِنِّي لَمْ أَقُلْهُ يَوْمَئِذٍ، لِيُمْضِيَ اللهُ عَلَيَّ قَدَرَهُ۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ترجمہ: ''حضرت ابان بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان فرماتے ہیں:
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو بندہ صبح کے وقت یہ کلمات:
بِسْمِ اللهِ الَّذِی لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ
(ترجمہ: اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جس کے نام کی برکت سے زمین وآسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاسکتی، وہ خوب جاننے والا اور سننے والا ہے)، ہر روز صبح وشام تین مرتبہ پڑھے تو اُسے کوئی چیز ضرر نہیں پہنچائے گی''۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت اَبان رضی اللہ عنہ کو فالج کا مرض لاحق ہوگیا، ایک شخص نے (اس روایت کے تناظر میں حیرت سے) اُن کی طرف دیکھا، حضرت اَبان نے فرمایا: میری طرف کیا دیکھتے ہو؟، رہا حدیث کا معاملہ، تو وہ جس طرح تھی میں نے تم سے بیان کردی، لیکن جس دن اِس تکلیف کا پہنچنا مقدر تھا، (اللہ کی تقدیر سے) میں یہ دعا نہ پڑھ سکا تاکہ اللہ کی تقدیر مجھ پر نافذ ہوجائے''۔ (سنن ابن ماجہ: 3869)

یعنی اَمراض کے اِزالے یا اُن سے بچاؤ کے لیے ظاہری اسباب (جیسے دوا اور طبیب) کو ہم اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم اور تقدیر ہو تو وہ مؤثر ہوجاتے ہیں، ورنہ غیر مؤثر رہ جاتے ہیں اور اس طرح کے مشاہدے ہم روزمرہ کی زندگی میں عام دیکھتے ہیں۔ لیکن بعض صورتوں میں دوا یا طبیب کے غیر مؤثر ہونے کے سبب لوگوں نے علاج معالجے کو کبھی ترک نہیں کیا۔ سو بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آفات وبلیات اور اَمراض کے رَد کے لیے دعائیں بھی روحانی اسباب ہیں اور بعض دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ثابت ہیں۔ بس فرق یہ ہے کہ دوا غیر مؤثر ہوجائے تو اس پر صرف کی گئی محنت اور رقم بے مصرف چلی جاتی ہے، لیکن جو بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے، وہ اس دعا کے ذریعے اُن کی ذات کو مؤثر حقیقی مانتا ہے، تو اس سے ایمان کو تقویت ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کا اظہار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا بجائے خود شریعت کا مطلوب ہے اور شریعت کی رو سے ایک پسندیدہ اَمر ہے۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

مذکورہ امام صاحب کا ایسی دعاؤں کے بارے میں مجمع عام میں اعلان کرنا اور اِس طرح قطعیت کے ساتھ تشہیر کرنا حکمتِ دین کے تحت نامناسب بات ہے، اسی طرح صرف وہی باتیں بیان کرنی چاہییں، جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

حَفِظْتُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وِعَائَيْنِ: فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُومُ۔

ترجمہ: ''میرے پاس رسول اللہ ﷺ کے بیان کردہ دو قسم کے علم محفوظ ہیں، ایک علم (یعنی علمِ ظاہر شریعت کے علم) کو میں نے لوگوں میں پھیلا دیا اور اگر دوسرے علم (یعنی علمِ باطن) کو اگر میں عام کردوں، تو یہ حلقوم کاٹ دیا جائے گا'' (صحیح بخاری:120)۔ یعنی ہر شخص دین کی ہر حکمت کو جاننے کا اہل نہیں ہوتا۔

دعوتِ دین کو قرآن مجید نے حکمت کے ساتھ مشروط کیا ہے اور مقاصد شریعت میں ''سدِّ ذرائع'' بھی ہے، یعنی ممکنہ شر کا سدِّ باب کرنا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فَإِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ لَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهِ، قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ، قَالَ: لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوا۔

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اُس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں اور اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر بندوں کا حق یہ ہے کہ جنہوں نے کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرایا، اُن کو عذاب نہ دے، حضرت معاذ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی: حضور میں لوگوں کو یہ خوش خبری نہ سناؤں! فرمایا: نہیں ورنہ وہ اسی پر توکل کر کے بیٹھ جائیں گے'' (صحیح مسلم:51)۔ یعنی بے عملی میں مبتلا ہو جائیں گے اور اس پیغام کی حقیقت کو نہ سمجھ پائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرتے ہوئے ایک باغ میں پہنچے، رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اپنی نعلین مبارک دیں اور فرمایا: اے ابو ہریرہ! میری یہ جوتیاں لے کر چلے جاؤ اور باغ کے باہر جو شخص تم کو کلمہ طیبہ کی دلی یقین سے شہادت دیتا ہوا ملے، اُس کو جنت کی بشارت دے دو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ باغ کے باہر سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمر سے ہوئی، میں نے اُنہیں سارا ماجرا بیان کیا، آپ نے مجھے کہا کہ واپس جاؤ، ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عمر نے عرض کی:

فَلَا تَفْعَلْ فَاِنِّیْ اَخْشٰی اَنْ یَّتَّکِلَ النَّاسُ عَلَیْهَا فَخَلِّهِمْ یَعْمَلُوْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَخَلِّهِمْ۔

ترجمہ: ''حضور ایسا نہ کریں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ پھر کلمہ پڑھنے پر ہی بھروسا کر کے بیٹھ جائیں گے (اور اعمالِ خیر کو ترک کر دیں گے)، ان کو عمل کرنے دیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا پھر انہیں عمل کرنے دو''۔ (صحیح مسلم:54)

یعنی دَرحقیقت اِس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ کی توحید کا اقرار کر کے اپنے آپ کو اس کے تمام اَحکام کا پابند بھی بنائیں، اس کے اَحکام پر عمل پیرا اور اتھارٹی کو دل و جان سے تسلیم کریں۔

جس کپڑے پر اللہ تعالیٰ کا نام پرنٹ ہو، اُس کا حکم

سوال:

ہماری فیکٹری میں ایک کپڑے کا پرنٹ چل رہا ہے، جس کی شبیہہ ''اللہ'' کے نام سے محسوس ہوتی ہے۔ آیا ہم یہ پرنٹ گارمنٹ میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟۔ ڈیزائن ہم خریدار کی مرضی سے پرنٹ کراتے ہیں''۔ (محمد ریاض، کراچی)

جواب:

رجاء فیشن کی جانب سے پرنٹڈ کپڑے کا ایک نمونہ ہمیں دکھایا گیا، اس کا ڈیزائن خریدار کے دیے ہوئے سیمپل کے مطابق پرنٹ کرایا جاتا ہے۔ اس ڈیزائن پر اسمِ جلالت

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

''اللہ'' واضح طور پر پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ ایک حساس دینی مسئلہ ہے اور کوئی بھی مسلمان عمداً، اشارۃً اور کنایۃً ایسی کسی بھی حرکت یا فعل کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ جس سے اشارۃً، کنایۃً یا تعریض، توریہ اور ایہام کے طور پر اللہ عزّوجل کی اہانت کا کوئی بعید امکان ہو۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ دانستہ ایسا کرنے والے کا ایمان سلامت نہیں رہتا۔ ہم انہیں ہدایت کرتے ہیں کہ جتنا کپڑا اس ڈیزائن پر پرنٹ ہو چکا ہے، اسے کیمیکل کے ذریعے زائل (Wash out) کر دیں اور اس کیمیائی محلول (Liquid) کو کسی پاک جگہ پر زمین میں گڑھا بنا کر دفن کر دیں۔ اس کے بعد یہ لوگ اس کپڑے کو کسی بھی مقصد کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، خواہ یہ تمام پرنٹ کیمیکل کے ذریعے مٹا کر بالکل سفید کر دیا جائے یا کوئی اور کلر کر دیا جائے، اس کے بعد وہ اِس پر کوئی اور ڈیزائن بھی پرنٹ کر سکتے ہیں، اسے اپنے ذاتی استعمال میں بھی لا سکتے ہیں اور برآمد بھی کر سکتے ہیں۔ علامہ علاؤالدین حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

اَلْکُتُبُ الَّتِیْ لَایُنْتَفَعُ بِھَا یُمْحٰی عَنْھَا اِسْمُ اللہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَرُسُلِہٖ وَیُحْرَقُ الْبَاقِیْ

ترجمہ: ''ایسی (دینی) کتابیں جو قابلِ انتفاع نہ رہی ہوں، ان سے اسماءِ الٰہیہ، اسماءِ ملائکہ اور اسماءِ رُسُل علیہم السلام مٹا دیے جائیں اور بقیہ اوراق جلا دیے جائیں''۔

(حاشیہ ابن عابدین شامی، جلد 9، ص: 518)

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنْ شَآءَ غَسَلَہٗ بِالْمَآءِ

ترجمہ: ''اور اگر چاہے تو اوراقِ مصحف کو پانی سے دھو ڈالے (تاکہ تحریر مٹ جائے)''۔

(ردالمحتار، جلد 9، ص: 519، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت)

امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ''حاصل البتہ قواعد بغدادی و ابجد اور سب کتب غیر منتفع بہا (یعنی جو نفع اُٹھانے کے قابل نہ رہیں) ماورائے مصحف کریم کو جلا دینا بعد محوِ اسماءِ باری تعالیٰ اور اسمائے رُسُل و ملائکہ علیہم السلام اجمعین کے (یعنی اسماءِ مُقدّسہ کو مٹانے کے بعد) جائز ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 23، ص: 339 رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

طہارت کے مسائل

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

دینی طالبات کا مخصوص ایام کے دوران اوراق قرآن کو چھونا

سوال:

حالتِ حیض ونفاس میں طالبات تنظیم المدارس کے نصاب کے تحت ترجمہ کے لیے قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتی ہیں۔نوٹس بنانے کے لیے آیات لکھتی ہیں،اوراقِ قرآن کو ہاتھ بھی لگاتی ہیں۔امتحانات کے دوران سوالیہ پیپر ہاتھ میں پکڑتی ہیں جبکہ اُن پر قرآنی آیات لکھی ہوتی ہیں۔ازروئے شرع اِس کا کیا حکم ہے؟(سید محمد ارشد،فیصل آباد)

جواب:

خواتین کا ایامِ حیض ونفاس میں قرآن کریم کو چھونا یا قرآن کی تلاوت کرنا،قرآن پڑھنا یا پڑھانا ناجائز وحرام ہے۔حدیث پاک میں ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ،عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تَقْرَأِ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ۔

ترجمہ:''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حائضہ اور جُنُبی قرآن کے کسی بھی حصے کی تلاوت نہ کریں''۔(سُنن ترمذی:131)

واضح رہے کہ بچے کی پیدائش کے بعد زچّہ کو جو خون جاری ہوتا ہے،اسے دمِ نفاس کہتے ہیں اور یہ ناپاکی کے ایام ہیں،یہ خون جب بھی رک جائے (یہ مدت چالیس دن سے کم بھی ہوسکتی ہے،وہ غسل کرکے پاک ہوجاتی ہے اور معمول کے مطابق نماز اور تلاوت وغیرہ کرسکتی ہے)۔

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر فرغانی حنفی لکھتے ہیں:

وَلَيْسَ لِلْحَائِضِ وَالْجُنُبِ وَالنُّفَسَاءِ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ لِقَوْلِهِ ﷺ: لَا تَقْرَأِ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ۔

ترجمہ:''حائضہ،جُنُبی اور نفاس والی عورت کو قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے،کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حائض اور جنب قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں''۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

وَلَيْسَ لَهُمْ مَسُّ الْمُصْحَفِ اِلَّا بِغِلَافِهٖ وَلَا أَخْذُ دِرْهَمٍ فِيهِ سُورَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ اِلَّا بِصُرَّتِهٖ۔ وَيُكْرَهُ مَسُّهُ بِالْكُمِّ هُوَ الصَّحِيحُ، لِأَنَّهُ تَابِعٌ لَهُ بِخِلَافِ كُتُبِ الشَّرِيعَةِ لِأَهْلِهَا حَيْثُ يُرَخَّصُ فِي مَسِّهَا بِالْكُمِّ لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً۔

ترجمہ: ''اوران (یعنی حائض، جُنبی اور نُفَسَاء) کے لیے غلاف کے بغیر قرآن چھونا جائز نہیں ہے اور نہ ایسے درہم کو ہاتھ میں لینا جائز ہے، جس میں قرآن کی کوئی سورت ہو، مگر یہ کہ وہ ہمیانی میں ہو''۔

مزید لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''اوران لوگوں کو آستین سے مصحف کو چھونا مکروہ ہے، یہی صحیح ہے، کیونکہ آستین اُس کے (بدن کے) تابع ہے، اس کے برعکس اہل علم کا اپنی دینی کتب کا چھونا جائز ہے، ان کے لیے دینی ضرورت کی بنا پر آستین کے ساتھ چھونے کی اجازت ہے، (کیونکہ ان کو تعلیم، تحقیق وتصنیف اور افتاء ومطالعے کے لیے بار بار ان کتابوں سے واسطہ پڑتا ہے)۔

(ہدایہ، جلد 1، ص:115-114)

علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں:

وَقِرَاءَةُ قُرْآنٍ بِقَصْدِهٖ وَمَسُّهُ وَلَوْ مَكْتُوبًا بِالْفَارِسِيَّةِ فِي الْأَصَحِّ اِلَّا بِغِلَافِهٖ

ترجمہ: ''اور (حیض ونفاس کی حالت میں) قرآن کو پڑھنا اور چھونا اگرچہ فارسی میں لکھا ہوا ہو، صحیح ترین قول کی رو سے یہ ممنوع ہے، سوائے اِس کے کہ اُسے غلاف سے پکڑے''۔

اِس کی تشریح میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

وَقِرَاءَةُ قُرْآنٍ أَيْ وَلَوْ دُوْنَ آيَةٍ مِنَ الْمُرَكَّبَاتِ لَا الْمُفْرَدَاتِ، لِأَنَّهُ جُوِّزَ لِلْحَائِضِ الْمُعَلِّمَةِ تَعْلِيمُهُ كَلِمَةً كَلِمَةً

ترجمہ: ''(حالتِ حیض ونفاس میں) قرآن کی تلاوت کی ممانعت مرکب آیات کے پڑھنے میں ہے، (الفاظِ) مفردات میں نہیں ہے، اِس لیے کہ حائضہ مُعلّمہ کے لیے ایک ایک کلمہ کو جدا کر کے پڑھانا جائز قرار دیا گیا ہے''۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 1، ص:423)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

علامہ امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ اِس مسئلے کو یوں بیان فرماتے ہیں:

''حیض ونفاس والی عورت کوقرآن مجید پڑھنا دیکھ کر یا زبانی اور اِس کا چھونا اگرچہ اُس کی جلد، چولی یا حاشیہ کو ہاتھ یا انگلی کی نوک یا بدن کا کوئی حصہ لگے، یہ سب حرام ہیں، کاغذ کے پرچے پر کوئی سورۃ یا آیت لکھی ہو، اُس کا بھی چھونا حرام ہے''۔

(بہارِشریعت، جلداول، ص:46)

ہاں! مُعلّمہ ہجے کر کے قرآن پڑھاسکتی ہے یا ایک ایک کلمہ سانس توڑ توڑ کر پڑھائے، جبکہ تفسیر پڑھنا اور پڑھانا، حدیث اور دیگر دینی کُتب کا ایامِ حیض ونفاس میں پڑھنا یا پڑھانا جائز ہے جبکہ تفسیر میں آیتِ مبارکہ کو چھونے اور پڑھنے سے پرہیز کرے، یونہی ان ایام میں ذکرواذکار بھی کرسکتی ہے اور اُن اذکار کو چھو بھی سکتی ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وَلَابَأسَ لِحَائِضٍ وَجُنُبٍ بِقِراءَ ۃِ أَدْعِیَۃٍ وَمَسِّھَا وَحَمْلِھَاوَذِکْرِاللہِ تَعَالیٰ وَتَسْبِیحٍ وَزِیَارَۃِ قُبُورٍ۔

ترجمہ:''حائضہ اور جنبی کے لیے مسنون دعائیں پڑھنے اور اُن کے چھونے اور اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور زبان سے اللہ کا ذکر کرنے، تسبیح پڑھنے اور زیارتِ قبور میں بھی کوئی حرج نہیں ہے''۔(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 1، ص:424)

علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مُعلّمہ کو حیض یا نفاس ہو تو ایک ایک کلمہ سانس توڑ توڑ کر (یعنی الفاظ کے درمیان سکتہ کر کے) پڑھائے اور ہجے کرانے میں کوئی حرج نہیں''۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:''ان سب کو فقہ وتفسیر وحدیث کی کتابوں کا چھونا مکروہ ہے اور اگر ان کو کسی کپڑے سے چھوا، اگرچہ اسے پہنے یا اوڑھے ہوئے ہو، تو حرج نہیں، مگر موضعِ آیت (یعنی جہاں قرآن کی آیت لکھی ہوئی ہے) پر ان کتابوں میں بھی ہاتھ رکھنا حرام ہے''۔

(بہارِشریعت، جلداول، ص:46-23)

البتہ مُعلّمات وطالبات حیض ونفاس کے دنوں میں بھی قرآن کی صرف وہ آیات، جن

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اُس کے ذکر وشکر کا معنیٰ پایا جاتا ہو، برکت اور دعا کی نیت سے پڑھ سکتی ہیں، تاہم تلاوتِ قرآن کی نیت سے جائز نہیں ہے۔ اِسی طرح قرآنی آیات کا بطورِ دعا اور ثناء تعلیم وتعلّم بھی جائز ہوگا۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بِقَصْدِہٖ فَلَوْقَرَأَتِ الْفَاتِحَۃَ عَلٰی وَجْہِ الدُّعَاءِ أَوْشَیْئًا مِّنَ الْاٰیَاتِ الَّتِی فِیْھَامَعْنَی الدُّعَاءِ وَلَمْ تُرِدِالْقِرَاءَۃَ لَابَأْسَ بِہٖ۔

ترجمہ: ''صاحبِ دُرِّ مختار کا یہ کہنا کہ حیض ونفاس والی عورت کا قصداً قرآن کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے، (تو اس کی رو سے) اگر اس نے سورۂ فاتحہ اور وہ قرآنی آیات، جن میں دعا کے معنی پائے جاتے ہیں، دعا کی نیت سے پڑھیں اور تلاوت کا ارادہ نہ کیا، تو (یہ جائز ہے اور) اس میں کوئی حرج نہیں ہے''۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 1، ص:423)

صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اگر قرآن کی آیت دعا کی نیت سے یا برکت حاصل کرنے کے لیے جیسے ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' پڑھے یا شکر ادا کرنے کے لیے یا چھینک آنے کے بعد ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' پڑھے یا پریشانی کی خبر سُن کر ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ'' کہے یا اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی نیت سے پوری سورۂ فاتحہ یا آیۃ الکرسی یا سورۂ حشر کی پچھلی تین آیتیں یعنی ''ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ'' سے آخرِ سورت تک پڑھے اور ان سب صورتوں میں تلاوتِ قرآن کی نیت نہ ہو تو کچھ حرج نہیں ہے۔ اسی طرح تینوں قُلْ (یعنی سورۃ الاخلاص، الفلق اور الناس) ابتدائی لفظِ قُلْ کے بغیر بقیہ پوری سورتیں ثنا کی نیت سے پڑھ سکتا ہے اور لفظِ قُلْ کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا، خواہ ثنا ہی کی نیت سے پڑھے، کیونکہ اس صورت میں ان کا قرآن ہونا متعین ہو جائے گا اور اس میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں رہے گا''۔ (بہارِ شریعت، جلد اول، ص:326)

نوٹ: ہم نے بہارِ شریعت کی عبارت کو قارئین کے لیے نسبتاً سہل بنا کے لکھا ہے۔

تلاوت کی نیت ہونے یا نہ ہونے کے فرق کو امام احمد رضا قادری قُدِّسَ سِرُّہُ العزیز نے فتاویٰ رضویہ جلد 1، صفحات:795 تا 824 پر اپنے رسالہ ''اِرْتِفَاعُ الْحُجُبِ عَنْ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

وُجُوْہِ قِرَاءَ ۃِ الْجُنُبِ'' میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔آپ ابتدائیے میں لکھتے ہیں:

''اولاً: یہ معلوم رہے کہ قرآنِ عظیم کی وہ آیات جو (معنی کے اعتبار سے) ذکر، ثناء، مناجات اور دعا ہوں، اگرچہ پوری آیت ہو، جیسے آیۃ الکرسی، اسی طرح ایک سے زائد پوری آیات، جیسے سورۂ حشر شریف کی اخیر تین آیتیں ''هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ'' سے آخر سورت تک بلکہ پوری سورت جیسے الحمد شریف تلاوت کی نیت کے بغیر ذکر و دعا کی نیت سے جنب و حائض ونُفَساء کے لیے پڑھنا جائز ہے''۔

جو بالغہ طالبات حیض کی حالت میں امتحان دے رہی ہوں وہ قرآن کی آیات تلفُّظ کے ساتھ، یعنی زبان سے لفظ ادا کرکے، نہ پڑھیں۔اُن کے لیے تلاوت کرنے کی ممانعت ہے، لکھنے کی ممانعت نہیں ہے، بشرطیکہ قرآن کے کلماتِ مبارکہ کو ہاتھ سے نہ چھوئیں۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

(وَمَسُّهٗ)اَیْ الْقُرْآنَ وَلَوْفِیْ لَوْحٍ أَوْ دِرْهَمٍ أَوْحَائِطٍ ، لٰکِنْ لَّا یُمْنَعُ اِلَّا مِنْ مَّسِّ الْمَکْتُوْبِ بِخِلَافِ الْمُصْحَفِ فَلَا یَجُوْزُ مَسُّ الْجِلْدِ وَمَوْضِعُ الْبَیَاضِ مِنْهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: یَجُوْزُ، وَهٰذَا أَقْرَبُ اِلَی الْقِیَاسِ، وَالْمَنْعُ أَقْرَبُ اِلَی التَّعْظِیْمِ۔

ترجمہ:''(ماتن کا یہ کہنا کہ) لکھے ہوئے قرآن کو چھونا جائز نہیں ہے، خواہ وہ لوح یا درہم یا دیوار پر لکھا ہو، لیکن صرف مکتوب (Written) کو چھونے سے منع کیا جائے (یعنی لکھی ہوئی آیات کے سوا بقیہ لوح یا درہم یا دیوار کو چھونا منع نہیں ہے)۔البتہ مصحف مبارک کی جلد اور اوراق کو مطلقاً چھونا جائز نہیں ہے (یعنی جہاں قرآن کے کلمات نہ بھی لکھے ہوں، اُس حصے کو بھی نہ چھوئے) اور بعض کے نزدیک مجلّد مُصحف کو چھونا جائز ہے اور یہی بات قیاس کے قریب ہے، اگرچہ چھونے سے روکنے میں تعظیم زیادہ ہے''۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 1، ص: 423)

الغرض اس بات کی احتیاط کریں کہ قرآنی آیات کو زبانی نہ پڑھیں اور جس جگہ آیت

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

لکھی ہو، اُسے ہاتھ سے براہِ راست نہ چھوئیں۔ جوابی کاپی پر ہاتھ کے نیچے کوئی رومال وغیرہ رکھ لیا کریں۔ سوالیہ پرچے میں آیات لکھی ہوں تو پرچے پر رومال رکھ کر ان پر نظر ڈال لیں، تلفظ نہ کریں۔

معذور کے وضو کا حکم

سوال:

میری عمر 73 سال ہے، السر کے سبب ڈاکٹر نے بڑی آنت آپریشن کر کے باہر نکال دی ہے اور دائیں طرف ایک بیگ لگا دیا ہے، جس میں نجاست جمع ہوتی رہتی ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ بیگ میں کس وقت نجاست آجاتی ہے، معلوم نہیں ہوتا، یہ فکر رہتی ہے کہ میں باوضو ہوں یا نہیں؟ (ایاز الدین صدیقی، کراچی)

جواب:

ایسا شخص جس کا کسی مرض کے سبب وضو قائم نہ رہتا ہو اور وہ عذر نماز کے پورے وقت کو اس طرح گھیر لے کہ اس عذر کے بغیر وہ فرض نماز بھی ادا نہ کر سکے، یعنی اتنی دیر تک اپنا وضو قائم رکھنے پر قادر نہ ہو کہ ایک وقت کی پوری نماز پڑھ لے، فقہی اصطلاح میں ایسے شخص کو ''شرعی معذور'' کہا جاتا ہے۔

بار بار عذر لاحق ہونے کی وجہ سے شرعاً اُسے یہ رخصت دی گئی ہے کہ وہ ایک وقت کی نماز کے لیے تازہ وضو کرے اور اُس وقت میں عذر کے سبب وضو ٹوٹنے کے باوجود فرض، سنّت، نوافل، قضا، تلاوت الغرض جو عبادات کرنا چاہے، کر لے۔ تاہم اگلی نماز کا وقت داخل ہونے پر تازہ وضو کرے اور پھر اُس نماز کا وقت ختم ہونے تک عذری حدث لاحق ہونے کے باوجود یہ تمام عبادات ادا کر سکتا ہے اور عذر کی بنا پر مقبول ہیں، البتہ اگر اس مرض معذوری کے علاوہ وضو کے فاسد ہونے کا کوئی اور سبب پایا جائے، تو وقت کے اندر بھی وضو ٹوٹ جائے گا، مثلاً بدن سے خون نکل آیا یا ریح خارج ہوگئی یا منہ بھر کر قے آگئی وغیرہ مگر ہر نئی نماز کا وقت داخل ہونے پر اسے تازہ وضو کرنا ہوگا۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اَلْمُسْتَحَاضَةُ وَمَنْ بِهٖ سَلَسُ الْبَوْلِ أَوِاسْتِطْلَاقُ الْبَطْنِ أَوِانْفِلَاتُ الرِّيْحِ أَوْ رُعَافٌ دَائِمٌ أَوْ جُرْحٌ لَايَرْقَأُ يَتَوَضَّؤُوْنَ لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ وَيُصَلُّوْنَ بِذٰلِكَ الْوُضُوْءِ فِي الْوَقْتِ مَاشَاؤُوْا مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ هٰكَذَا فِي ''الْبَحْرِ الرَّائِقِ''۔

ترجمہ: ''مُستحاضہ (وہ خاتون جسے سیلان الرحم کی بیماری لاحق ہے)، جسے پیشاب کے قطرے آتے ہوں یا مسلسل دست کی بیماری (DIARRHOEA) ہو یا ریح (یعنی ہوا) خارج ہوتی ہو یا دائمی نکسیر جاری ہو یا زخم جو مسلسل رِستا رہتا ہو، تو ایسے معذور ہر نماز کے وقت کے لیے تازہ وضو کریں اور اُس وقت کے اندر فرائض ونوافل جس قدر چاہیں اُسی وضو سے ادا کریں، جیسا کہ ''البحر الرائق'' میں ہے''۔ مزید لکھتے ہیں:

وَيَبْطُلُ الْوُضُوْءُ عِنْدَ خُرُوْجِ وَقْتِ الْمَفْرُوْضَةِ بِالْحَدَثِ السَّابِقِ هٰكَذَا فِي ''الْهِدَايَةِ''۔

ترجمہ: ''دائمی معذور کا وضو سابق حدث کی وجہ سے فرض نماز کا وقت نکل جانے سے ٹوٹ جاتا ہے، جیسا کہ ''ہدایہ'' میں ہے''۔ یعنی اگلے وقت کی نماز کے لیے تازہ وضو کرنا ہوگا''۔

(فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 41)

استعمال شدہ پانی کے قطرے صاف پانی میں گرنے کا حکم

سوال:

ایک شخص نہانے میں دو گھنٹے صرف کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ نہاتے وقت ٹب یا بالٹی میں پانی کے چھینٹے جائیں تو پانی ناپاک ہوجاتا ہے، اِس لیے ایک ایک ڈونگا پانی بھر کر نہاتا ہوں۔ برائے مہربانی اِس مسئلے کی تفصیل اور حل بیان فرمائیں۔

جواب:

پانی کے نلکے یا ٹوٹی سے ڈونگا یا لوٹا یا بڑا مگا بھر کر نہانے میں دو گھنٹے صرف نہیں ہوتے، زیادہ سے زیادہ دس تا پندرہ منٹ میں غسل ہوسکتا ہے۔ جو شخص غسل میں اس سے زیادہ وقت صرف کرتا ہے، وہ وہم اور شک کا نفسیاتی مریض ہوتا ہے اور یقین شک سے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

Scanned with CamScanner

زائل نہیں ہوتا، اُسے اپنے آپ کو اس نفسیاتی کمزوری اور وہم سے نکالنا چاہیے۔
رہا یہ سوال کہ غسل یا وضو کرنے والے شخص کے بدن سے غسل اور وضو کے وقت جو چھینٹے مَس کرکے گرتے ہیں یا قطرے ٹپکتے ہیں، اگر وہ صاف پانی میں گر جائیں، تو اُس صاف پانی کا حکم کیا ہے؟۔

اس کے بارے میں صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''مُستعمَل پانی (Used Water) اگر اچھے پانی میں مل جائے، مثلاً وضو یا غسل کرتے وقت قطرے لوٹے یا گھڑے میں ٹپکے، تو اگر اچھا پانی زیادہ ہے تو یہ وضو اور غسل کے کام کا ہے، ورنہ سب بے کار ہو گیا''۔ (بہارِ شریعت، جلد 1، ص: 334)

بغیر طہارت یا بے وضو شخص کے جسم سے لگنے کے بعد یا حدَث (ناپاکی) دور کرنے کی صورت میں پانی مُستعمَل ہوجاتا ہے اور استعمال شدہ پانی سے طہارت حاصل نہیں ہوتی، علامہ برہان الدین علی بن حسن بن ابوبکر الفرغانی حنفی لکھتے ہیں:

قَالَ: وَالْمَاءُ الْمُسْتَعَمَلُ لَایُطَهِّرُ الأَحدَاثَ، خِلَافًا لِمَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللهُ، هُمَا يَقُوْلَانِ: اِنَّ الطَّهُورَ مَایُطَهِّرُ غَیْرَهٗ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرىٰ كَالْقَطُوعِ، وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلِي الشَّافِعِيِّ: اِنْ كَانَ الْمُسْتَعْمِلُ مُتَوَضِّئًا فَهُوَ طَهُورٌ، وَاِنْ كَانَ مُحْدِثًا فَهُوَ طَاهِرٌ غَيْرُ طَهُورٍ، لِأَنَّ الْعُضْوَ طَاهِرٌ حَقِيقَةً، وَبِاعِتِبَارِهٖ يَكُوْنُ الْمَاءُ طَاهِرًا، لٰكِنَّهٗ نَجَسٌ حُكْمًا، وَبِاعِتِبَارِهٖ يَكُوْنُ الْمَاءُ نَجَسًا۔

ترجمہ: ''(صاحبِ بدایۃ المجتہد نے) فرمایا: مُستعمل پانی (Used Water) اَحداث (ناپاکی) کو پاک نہیں کرتا، امام مالک اور امام شافعی رحمہا اللہ تعالیٰ کا اس میں اختلاف ہے، یہ دونوں کہتے ہیں کہ طَہور وہ ہے جو غیر کو بار بار پاک کرے، جیسے ''قَطوع'' (یعنی بہت کاٹنے والا یا بار بار کاٹنے والا) اور امام زُفر نے فرمایا: اور امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے کہ اگر پانی کا استعمال کرنے والا باوضو ہے، تو (اُس کا استعمال شدہ پانی) طَہور ہے اور اگر وہ بے وضو ہے تو اُس کا استعمال شدہ پانی طاہر ہے مُطَہِّرْ (پاک کرنے والا) نہیں ہے،

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کیونکہ عضو تو حقیقۃً طاہر ہے اور اس اعتبار سے (اُس کا استعمال شدہ پانی) پانی پاک ہوگا، لیکن حکماً نجس ہے معنوی ناپاکی ہے (یعنی جنابت یا بے وضو ہونا ضروری نہیں کہ ناپاکی حسّی طور پر نظر آئے) اور اِس اعتبار سے پانی ناپاک ہوگا''۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

وَالْمَاءُ الْمُسْتَعمَلُ هُوَ مَا أُزِيلُ بِهِ حَدَثٌ، أَوِاسْتُعْمِلَ فِي الْبَدَنِ عَلَى وَجْهِ الْقُرْبَةِ، قَالَ: وَهٰذَاعِنْدَأَبِي يُوسُفَ وَقِيْلَ هُوَقَولُ أَبِي حَنِيْفَةَ أَيْضًا۔

ترجمہ: ''ماءِ ''مُستعمَل'' وہ پانی ہے، جس سے کسی حدث (ناپاکی) کو دور کیا گیا ہو یا ثواب حاصل کرنے کے لیے بدن پر استعمال کیا گیا ہو، صاحبِ قدوری نے کہا کہ یہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور کہا گیا کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے''۔

(ہدایہ، جلد1، ص:59 تا 61)

مُستعمل پانی اگر صاف پانی میں مل جائے مثلاً وضو کرتے وقت پانی کے قطرے وضو کرنے والے برتن میں گرے، تو اگر صاف پانی زیادہ ہے تو یہ پانی وضو اور غسل کے لیے طاہر و مطہر (یعنی پاک بھی ہے اور پاک کرنے والا بھی) ہے، ورنہ سب بے کار ہو گیا۔

امام احمد رضا قادری قُدِّسَ سِرُّہُ العزیز اپنے رسالہ ''اَلنَّمِيْقَةُ الْاَنْقٰى فِىْ فَرْقِ الْمُلَاقِىْ وَالْمُلْقٰى'' میں رسالہ ابن الشحنہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اَقُوْلُ هٰذَا نَظِيْرُ تَمَسُّكِ الْبَحْرِ بِالْاِطْلَاقِ، فَنَظَرَ اِلَى اِطْلَاقِ اَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْغَلَبَةِ وَلَمْ يُلَاحِظْ اَنَّ الشَّاْنَ فِىْ قَصْرِ الْاِسْتِعْمَالِ عَلٰى مَااِلْتَصَقَ بِالْجِلْدِ فَقَطْ، وَالشَّيْخُ نَظَرَ اِلٰى هٰذَا الْعُمُوْمِ وَلَمْ يُلَاحِظْ اَنَّ الْكَلَامَ فِىْ تَعْمِيْمِ الْاِسْتِعْمَالِ جَمِيْعِ الْمَاءِ الْقَلِيْلِ بِدُخُوْلِ نَحْوِ ظُفْرٍ مِّنْ مُحْدِثٍ ثُمَّ أَوْرَدَ خَاتِمَةً فِىْ حُكْمِ مُلَاقَاةِ الْمَاءِ الطَّاهِرِ لِلْمَاءِ الطَّهُوْرِ وَبَيَّنَ اَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْغَلَبَةِ، نَقَلَ تَصْحِيْحَهُ عَنِ التَّوْشِيْحِ وَالتُّحْفَةِ وَعَنْهَا اَنَّهُ الْمَذْهَبُ الْمُخْتَارُ۔

ترجمہ: ''میں کہتا ہوں یہ صاحبِ البحر الرائق کے اطلاق کو دلیل بنانے کی ایک نظیر ہے، تو انہوں نے اطلاق کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اعتبار غلبہ کا ہے اور یہ نہیں دیکھا کہ مستعمل ہونا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

صرف اُسی پانی کے لیے ہے جو جلد سے متصل ہو اور شیخ نے اِس عموم کی طرف دیکھا اور یہ نہ دیکھا کہ گفتگو اس امر میں ہے کہ تھوڑا پانی مکمل طور پر مستعمل ہو جائے گا، خواہ بے وضو اپنا ایک ناخن ہی کیوں نہ ڈالے۔ پھر بحث کے خاتمہ میں یہ حکم بیان کیا ہے کہ طاہر پانی طَہور پانی سے جب ملے گا، تو اعتبار غلبہ کو ہوگا اور اس کی تصحیح ''توشیح'' اور ''تحفہ'' سے نقل کی اور اسی سے نقل کیا کہ یہ مذہب مختار ہے''۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

وَذُکِرَعَنْ شَرحِ الْجَامِعِ الصَّغِیْرِلِقَاضِی خَان اِنْتِضَاحُ الْغُسَالَةِ فِی الْاِنَاءِ اِذَا قَلَّ لَایُفْسِدُ الْمَاءَ، وَتَکَلَّمُوْا فِی الْقَلِیْلِ عَنْ مُحَمَّدٍ مَاکَانَ مِثْلَ رُؤسِ الْاِبَرِ قَلِیْلٌ وَعَنِ الْکَرخِیِ اِنْ کَانَ یَسْتَبِیْنُ مَوَاقِعُ الْقَطْرِ فِی الْمَاءِ فَھُوَکَثِیْرٌ وَاِنْ کَانَ لَایَسْتَبِیْنُ کَالطَّلِّ فَقَلِیْلٌ، قَالَ: وَھٰذَا رحمك الله أَصْرَحُ مِمَّا تَقَدَّمَ وَقَدْحَکٰی ھٰذَا فِی الْفَوَائِدِ ''الظَّھِیْرِیَّةِ'' وَعَلَیْهِ مَشٰی ''الْقُدُوْرِیُّ'' وَحَکٰی عَنْ أَبِی سُلَیْمَانَ اَنَّهُ سُئِلَ مِن مَائِ الْجَنَابَةِ اِذَا وَقَعَ وُقُوْعًا یَسْتَبِیْنُ وَتَرٰی عَیْنَ الْقَطَرَاتِ ظَاھِرُہٗ قَالَ اِنَّهُ لَیْسَ بِشَیْئٍ وَفِی ''فَتَاوٰی قَاضِی خَان'' خِلَافُ ھٰذَا۔ وَفِی خِزَانَةِ الْمُفْتِین جُنُبٌ اِغْتَسَلَ فَانْتَضَحَ مِنْ غُسْلِهٖ فِی اِنَائِهٖ لَمْ یُفْسِدِ الْمَاءَ اِمَّا اِذَا کَانَ یَسِیْلُ فِیْهِ سَیْلًا نًا اَفْسَدَہٗ۔

ترجمہ: ''اور قاضی خان کی شرح جامع صغیر سے یہ نقل کیا کہ اگر دھوون کے کچھ قطرات برتن میں گر جائیں اور کم ہوں تو پانی کو فاسد نہ کریں گے اور قلیل (کی مقدار) میں کلام کیا ہے، اس میں امام محمد سے منقول ہے کہ جو سوئی کے ناکوں کے برابر ہو، وہ قلیل ہے اور کرخی سے یہ منقول ہے کہ استعمال شدہ پانی کے قطرے اگر پانی میں ظاہر ہوں، تو یہ کثیر ہے اور اگر ظاہر نہ ہوں جیسے شبنم کے قطرے ہوتے ہیں، تو یہ قلیل ہے، فرمایا: یہ گزشتہ مثال سے بھی زائد صریح ہے، یہ فوائد ''ظہیریہ'' میں مذکور ہے، اسی کو ''قدوری'' نے اختیار کیا ہے۔ اور ابوسلیمان سے کسی نے جنابت کے پانی کی بابت دریافت کیا کہ اگر اس کے قطرے پانی میں پڑ جائیں اور واضح نظر آئیں، فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں، ''فتاویٰ قاضی خان'' میں

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اس کے برعکس ہے اور ''خزانۃ المفتین'' میں ہے کہ ایک ناپاک آدمی نے غسل کیا اور اس کے چھینٹے برتن میں گرے تو پانی فاسد نہ ہوگا اور اگر اُس میں گر کر بہنے لگا، تو پانی فاسد ہو جائے گا۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد2، ص:220-219)

وقفے سے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے سے غسل واجب ادا ہو جاتا ہے

سوال:

کسی شخص کو غسل فرض ہوا، اُس نے غسل کیا، لیکن غرارے اور ناک میں پانی ڈالنا بھول گیا، آدھے گھنٹے بعد یاد آیا، تو اُس نے صرف غرارے کیے اور ناک میں پانی ڈالا، کیا اُسے دوبارہ غسل کرنا چاہیے تھا؟، (محمد صفدر سعیدی، نواب شاہ)

جواب:

آپ کی بیان کی ہوئی صورت کے مطابق جنابت کا فرض غسل ادا ہو گیا، اُس پر دوبارہ غسل کرنا لازم نہیں ہے۔ غسلِ فرض میں کسی بھی فرض کے ترک سے غسل نہ ہوگا، لیکن اگر بعد میں وہ اُسے پورا کر لیتا ہے، تو اب غسل درست ہو گیا۔ صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''اگر بکر جُنب تھا یعنی اُس پر غسل فرض تھا اور کلی کرنا بھول گیا تو طاہر نہ ہوا کہ غسل کا ایک فرض اُس کے ذمہ باقی رہ گیا۔ پھر اگر غسل کے بعد وضوئے جدید کیا جیسا کہ اکثر لوگ کر لیتے ہیں اور اِس وضو میں کلی کر لی تو پاک ہو گیا، تمام نمازیں ہو گئیں، اور اگر کلی نہ کی تو اب بھی ناپاک ہی ہے، جب تک کلی نہ کرے گا پاک نہ ہوگا۔ اور جب کلی کر لے گا، جنابت دور ہو جائے گی۔ پھر اگر زید نے پانچوں نمازیں بغیر وضو کیے ہوئے اور بغیر کلی کے ادا کی ہیں، جیسا کہ سوال سے یہی ظاہر ہے، تو کوئی نماز ادا نہ ہوئی۔ اگر اور نمازیں ظہر سے عشاء تک کلی کے بعد پڑھی ہیں اور یہی عادۃً ظاہر ہے، کیونکہ ظہر وغیرہ کے وقت تو نیا وضو کیا ہی ہوگا، اگرچہ ممکن ہے کہ صبح کا وضو عشا تک باقی رہے، مگر عادۃً دشوار ضرور ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وضو میں کلی کی ہوگی، اگرچہ وضو میں کلی فرض نہیں، مگر سنّت تو ہے۔ بہر حال اگر کلی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ہوگئی، غسل ہوگیا، نمازیں اس کی بعد کی ادا ہوگئیں پھر سے جدید غسل کی حاجت نہیں، نہ کلی میں قصداً اِزالۂ جنابت کی ضرورت کہ غسل و وضو میں نیت شرط نہیں، بلکہ اگر بڑے بڑے گھونٹ سے پانی پی لیا کہ منہ کے تمام حصوں پر پانی گزر گیا، جب بھی جنابت دور ہوگئی۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

اَلْجُنُبُ اِذَا شَرِبَ الْمَاءَ وَلَمْ یُمَجَّهُ لَمْ یَضُرَّهٗ وَیُجْزِیْهِ عَنِ الْمَضْمَضَةِ اِذَا اَصَابَ جَمِیْعَ فِیْهِ، کَذَا فِی ''الظَّهِیْرِیَّة''۔

ترجمہ: جنبی شخص نے پانی پیا اور کلی نہ کی، تو اس کے (غسل فرض کے) لیے نقصان دہ نہیں ہے، جب کہ پورے منہ میں پانی پہنچ گیا ہو، (یعنی غُسل کا فرض ادا ہوگیا) ''ظہیریہ'' میں اسی طرح ہے۔

دُرمختار میں ہے:

وَیَکْفِی الشُّرْبُ عَبًّا لِاَنَّ الْمَجَّ لَیْسَ بِشَرْطٍ فِی الْاَصَحِّ

(غُسلِ جنابت میں کلی کے فرض کی ادائیگی کے لیے منہ لگا کر پانی پینا بھی کافی ہے، کیونکہ منہ کے اندر تمام حصوں تک پانی پہنچنا ضروری ہے، صحیح ترین قول کے مطابق کلی شرط نہیں ہے)

وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ (فتاویٰ امجدیہ، اول، ص:10)''۔

غسلِ جنابت کے تین فرائض ہیں:

(۱) کُلّی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) پورے بدن پر پانی بہانا۔

حدیث پاک میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ: اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ: کَانَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ، بَدَأَ فَغَسَلَ یَدَیْهِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ کَمَا یَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ یُدْخِلُ اَصَابِعَهٗ فِی الْمَاءِ، فَیُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ الشَّعَرِ، ثُمَّ یَصُبُّ عَلٰی رَأْسِهٖ ثَلَاثَ غُرَفٍ بِیَدَیْهِ، ثُمَّ یُفِیْضُ الْمَاءَ عَلٰی جِلْدِهٖ کُلِّهٖ۔

ترجمہ: ''اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جنابت کا غسل فرماتے تو پہلے اپنے ہاتھوں کو دھوتے، پھر باقاعدہ وضو کرتے، جیسے نماز کے لیے کیا جاتا ہے، پھر اپنی انگلیاں پانی میں داخل کر کے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے پھر اپنے ہاتھوں سے تین چُلّو پانی لے کر سر پر بہاتے، پھر اپنے تمام جسم پر پانی بہاتے''۔
(صحیح بخاری، رقم الحدیث:248)

ہاتھوں کی جگہ پہلے مگّے اور لوٹوں نے لی اور اب شاور سے ایک ساتھ ہی تمام مرحلے پورے ہوجاتے ہیں۔ دوسری حدیث پاک میں ہے کہ آخر میں ایک طرف ہوکر اپنے پاؤں دھوتے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث:249)

یہ اس صورت میں ہے کہ غسل کرتے وقت قدموں کی جگہ استعمال شدہ پانی جمع ہوتا ہے، آج کل جدید غسل خانوں میں پانی بہہ کر چلا جاتا ہے، لہٰذا وضو کے ساتھ پاؤں دھوئے جاسکتے ہیں۔ علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر فرغانی لکھتے ہیں:

فَرْضُ الْغُسْلِ: اَلْمَضْمَضَةُ، وَالِاسْتِنْشَاق، وَغَسْلُ سَائِرِالْبَدَنِ

ترجمہ: ''غسلِ جنابت کے فرائض میں مَضمَضہ (اِس طرح کلی کرنا کہ پانی منہ کے سارے اندرونی حصے تک پہنچ جائے)، استنشاق (ناک کے نرم گوشے تک پانی پہنچانا اور سانس کے ذریعے اندر تک پانی چڑھانا) اور تمام بدن پر پانی بہانا ہے''۔ (ہدایہ، جلد1، ص:45-44)

غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے سنت کے مطابق باقاعدہ وضو کریں اور پھر پورے بدن پر پانی ڈالیں۔ غسلِ جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں اندر تک پانی ڈالنا فرض ہے، غسلِ طہارت اور غسلِ مسنون میں یہ دونوں امور فرض نہیں بلکہ سنت ہیں۔ جب غسل جنابت یا حَدَثِ اکبر کے ازالے کے لیے کیا جائے، تو مَضمَضہ (کلی) اور اِستِنشَاق (ناک میں پانی ڈالنا) فرض ہے۔ اور اگر غسل محض جسمانی پاکیزگی کے لیے کیا جائے یا حَدَثِ اصغر کے لیے کیا جائے تو مَضمَضہ اور اِستِنشَاق سنّت ہے۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

نماز کے مسائل

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

دورانِ نماز موبائل فون بجنے کا شرعی حکم

سوال:

اکثر نماز کی حالت میں دورانِ جماعت لوگوں کے موبائل فون بجنا شروع ہو جاتے ہیں، تو اُس وقت کیا کرنا چاہیے، کیا سیدھے ہاتھ سے موبائل بند کر دینا چاہیے؟

(معاذ منور احمد، H ایریا، ملیر کراچی)

جواب:

نماز کی صحت کے لیے نماز میں خشوع وخضوع کا التزام کرنا مستحسن امر ہے، قرآن مجید میں ہے:

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝

ترجمہ: ''جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں''۔ (المومنون:2)

خشوع سے مراد عجز وانکسار اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضوری کا تصوّر ہے اور اسی سے بندے کے دل میں عبادت کے وقت یکسوئی پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے اسی سے بدن پر لرزہ اور گریہ کی کیفیت بھی طاری ہوتی ہے۔ اصطلاحی معنیٰ حق کی اطاعت کرنا ہے۔

شیخ الحدیث والتفسیر علامہ غلام رسول سعیدی، علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری کے حوالے سے حضرت حسن بصری کا قول لکھتے ہیں:

''روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا''۔ (تبیان القرآن، جلد 7، ص:843)

الغرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت آدابِ نماز کا خصوصی التزام کرنا فرائضِ بندگی میں سے ہے، اِس لیے ضروری ہے کہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت طہارت، لباس اور دیگر احکامِ شرع کی پاسداری کے ساتھ ساتھ آدابِ نماز کی رعایت بھی کی جائے۔

بلاشبہ موجودہ دور میں موبائل لوگوں کی ضرورت بن گیا ہے، تاہم احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت موبائل فون بند کردیا جائے یا Vibration پر ڈال دیا جائے۔ بسا اوقات نماز میں شامل ہوتے ہوئے لوگ اپنے موبائل کو بند (Switch Off) کرنا بھول جاتے ہیں، ایسے میں دورانِ نماز اگر کال آجائے اور موبائل فون بجنا شروع ہوجائے تو بہتر یہی ہے کہ ایک ہاتھ سے موبائل کا کوئی بھی بٹن دبا کر اُسے بجنے سے روک دے تاکہ اُس کی اور دوسرے نمازیوں کی نمازوں میں خَلَل واقع نہ ہو۔

فقہ حنفی کی رُو سے نماز عملِ کثیر سے فاسد ہوجاتی ہے اور عملِ کثیر کی تعریف یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے نماز کے منافی کوئی کام کیا جائے، پس ضرورت کی بنا پر ایک ہاتھ سے موبائل فون کو بند کیا جاسکتا ہے۔ نیز بہت سے لوگ موبائل فون کی گھنٹی (Ring Tone) کی جگہ فحش گانے بھر دیتے ہیں، یہ بھی گناہ کے زمرے میں آئے گا،

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے:

وَزِنَى الْعَيْنِ النَّظَرُ، وَزِنَى اللِّسَانِ النُّطْقُ، وَالنَّفْسُ تَمَنّٰى وَتَشْتَهِيْ، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ أَوْيُكَذِّبُه۔

ترجمہ: ''آنکھ کا زنا ہوس بھری نظروں سے دیکھنا ہے اور زبان کا زنا شہوت آمیز باتیں کرنا ہے اور نفس گناہ کی تمنا اور خواہش کرتا ہے اور (آخر کار) فرج اس (خواہشِ نفس) کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کرتی ہے''۔ (مسند احمد: 7719)

اِس حدیثِ مبارک کا منشا یہ ہے کہ گناہ کے مبادیات اور مُحرّکات (Incentives) سے بچنا چاہیے، ورنہ گناہ میں مبتلا ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَايَعْلَمُهَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ: كَرَاعٍ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى، يُوْشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ، أَلَاوَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَاإِنَّ حِمَى اللهِ فِي أَرْضِهٖ مَحَارِمُهُ، أَلَاوَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً: إِذَاصَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ترجمہ: ’’حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ مُشتبہ چیزیں ہیں، جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے، پس جو شخص مُشتبہ چیزوں سے بچا، اُس نے اپنے دین کی اور اپنی عزت کی حفاظت کرلی اور جو شخص شُبہات میں ملوث ہوگیا، وہ اس چرواہے کی طرح ہے، جو شاہی چراگاہ کے گرد اپنے مویشی چرائے، خدشہ ہے کہ وہ اس میں داخل ہوجائیں گے، سنو! ہر بادشاہ کی ایک مخصوص چراگاہ ہوتی ہے، سنو! اس زمین میں اللہ کی مخصوص چراگاہ اس کے حرام کیے ہوئے کام ہیں، سنو! جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو تو پورا جسم درست ہوتا ہے اور جب اس میں فساد ہو تو پورا جسم فاسد ہوجاتا ہے، سنو! وہ دل ہے۔
(صحیح بخاری:52)

اِسی طرح بعض لوگ Ring Tone کی جگہ اذان یا قرآن کی کسی مُقدّس سورت (مثلاً سورۃ الرحمٰن) کی تلاوت ڈال دیتے ہیں، قرآن مجید کی تلاوت سننا یا اذان کے کلمات ثواب کی نیت سے سننا یا درود پاک سننا باعثِ اجر وثواب ہے، لیکن ہمارے نزدیک اُن مُقدّسات کو موبائل فون میں گھنٹی (Ring Tone) کی جگہ استعمال کرنا خلافِ ادب ہے اور اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ہاں! اگر موبائل میں قرآن مجید مکمل یا بعض منتخب سورتیں اس لیے ڈالی جائیں کہ فرصت کے وقت ثواب کی نیت سے باوضو تلاوت کی جائے یا سنا جائے تو یہ باعثِ اجر ہے اور چونکہ قرآن مجید سافٹ ویر میں ہوتا ہے، اسکرین پر مستقل طور پر ثبت نہیں ہوتا، اس لیے اسے موبائل میں محفوظ رکھنا خلافِ ادب نہیں ہے۔

نماز کے دوران موبائل آف کرنا

سوال: آج کل بالعموم مساجد کے دروازے پر یا کسی نمایاں جگہ لکھا ہوتا ہے کہ اپنے موبائل فون OFF کردیں، اس کے باوجود لوگ بھول جاتے ہیں اور نماز کی نیت باندھ لیتے ہیں، پھر اچانک فون بجنا شروع ہوتا ہے اور نماز باجماعت میں شامل سب لوگوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟، (مولانا عبدالعزیز، کورنگی کراچی)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

جواب:

بلاشبہ موجودہ دور میں موبائل لوگوں کی ضرورت بن گیا ہے، لیکن اس کی آفات بھی اب نہایت شدت کے ساتھ سامنے آرہی ہیں۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت موبائل فون بالکل بند کردیا جائے یا اسے ساکت (Mute) کردیا جائے۔ بسا اوقات نماز میں شامل ہوتے وقت لوگ اپنے موبائل کو بند (Switch Off) کرنا بھول جاتے ہیں، ایسے میں نماز کے دوران اگر کال آجائے اور موبائل فون بجنا شروع ہوجائے تو بہتر یہی ہے کہ ایک ہاتھ سے اُسے بند کردیا جائے یا کال رَد کردی جائے تاکہ اُس کی اپنی اور دوسرے نمازیوں کی نمازوں میں خَلَل واقع نہ ہو۔ فقہ حنفی کی رُو سے نماز عملِ کثیر سے فاسد ہوجاتی ہے اور عملِ کثیر کی تعریف یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے نماز کے منافی کوئی کام کیا جائے، پس ضرورت کی بنا پر ایک ہاتھ سے موبائل فون کو بند کیا جاسکتا ہے۔

عمامہ کے بغیر پڑھی جانے والی نماز کا حکم

سوال:

ہماری مسجد کے امام صاحب جو حافظِ قرآن بھی ہیں، نمازوں کی امامت کرتے وقت عمامہ تو نہیں باندھتے، لیکن جالی دار ٹوپی پر رومال کچھ اِس طرح باندھتے ہیں کہ اُن کی پیشانی کے بال باہر رہتے ہیں اور صاف نظر آتے ہیں، یہی اُن کا تسلسل سے طریقہ ہے میری اُن سے درخواست کے علاوہ تکرار بھی رہتی ہے کہ آپ کی پیشانی کے بال برہنہ نہیں رہنے چاہییں جبکہ اُن کا اصرار ہے کہ یہ فرض نہیں لہٰذا ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ میں بوجھل دل سے اُن کی امامت میں نماز ادا کرتا ہوں۔ قرآن وحدیث کی تائید سے رہنمائی فرمائیں۔

(محمود الحسن، واہ کینٹ)

جواب:

عمامہ باندھنا مستحب ہے، بغیر عمامہ باندھے نماز بلاکراہت جائز ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

رَكعَتَانِ بِعَمَامَةٍ خَيرٌ مِنْ سَبعِينَ رَكعَةً بِغَيرِ عَمَامَة

ترجمہ:''عمامہ باندھ کر دو رکعت نماز ادا کرنے کا ثواب بغیر عمامہ پڑھی گئی ستر رکعات سے بہتر ہے''۔(جامع الکبیر للسیوطی، جلد 4،ص:426)

مفتی وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:''(امام کے لیے) عمامہ باندھنا ضروری نہیں ہے، مستحب ہے۔بغیر عمامہ باندھے نماز بلا کراہت جائز ہے''۔

وہ مزید لکھتے ہیں:''مگر عمامہ نہ باندھنے سے نماز میں کوئی کراہت نہیں ہوتی۔ہر مستحب کو ترک کرنے سے کراہت ہونا ضروری نہیں ہے''۔وہ مزید لکھتے ہیں:''عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے میں فضیلت زیادہ ہے،اگر امام نے عمامہ باندھا ہے اور جماعت میں شریک مقتدی نے عمامہ نہیں باندھا،تو مقتدی کو امام کے عمامہ کی وجہ سے ثواب زیادہ نہیں ملے گا،یعنی صرف امام ہی زیادہ ثواب کا حق دار ہوگا''۔

(وقار الفتاویٰ، جلد دوم،ص:251-250)

الغرض مقتدیوں کا یہ خیال کہ امام کے عمامہ باندھنے سے اُن کو زیادہ ثواب ملے گا، درست نہیں ہے،حصولِ ثواب کے لیے اُنہیں خود عمامہ باندھنا ہوگا۔مستحب عمل کی اَحسن طریقے سے ترغیب دینا تو اچھی بات ہے،مگر ترکِ مستحب پر ملامت کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ مستحب کو واجب کا درجہ دینا ہے،جو شارع کا حق ہے۔

رومال اگر اتنا بڑا ہے کہ اُس سے سر پر تین پیچ آجائیں،تو وہ عمامہ کے حکم میں ہے۔ ایسا رومال جس سے صرف ایک دو پیچ باندھے جاسکیں،سر پر لپیٹنا مکروہ تنزیہی یعنی خلافِ اولیٰ ہے۔امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز سے سوال کیا گیا:اگر سر پر رومال باندھ کر نماز پڑھی جائے تو ہو سکتی ہے یا نہیں؟،جواب میں لکھتے ہیں:''رومال اگر بڑا ہو کہ اتنے پیچ آسکیں جو سر کو چھپالیں تو عمامہ ہی ہوگیا اور چھوٹا رومال جس سے صرف دو ایک پیچ آسکیں، لپیٹنا مکروہ ہے''۔(فتاویٰ رضویہ، جلد 7،ص:299)

پیشانی کے بالوں کا عمامہ یا ٹوپی سے باہر نظر آنا کوئی شرعی عیب نہیں ہے۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ٹوپی پہن کر نماز پڑھانا مکروہ نہیں ہے

سوال:

میں ایک مسجد میں امام وخطیب ہوں ،اکثر نمازیں عمامہ باندھ کر پڑھاتا ہوں، بسااوقات کسی ضروری کام سے واپسی پر وقت کی قلّت کے سبب بغیر عمامہ بھی نماز پڑھاتا ہوں، جس پر ایک نمازی اعتراض کرتا ہے کہ بغیر عمامہ نماز نہ پڑھائیں۔اِس بارے میں شرعی حکم بیان فرمائیں، (محمد اسرار قادری، بلدیہ ٹاؤن کراچی)۔

جواب:

عِمامہ باندھنا مُستحب ہے،فرض،واجب یا سُنّتِ مؤکدہ نہیں ہے۔عِمامہ باندھے بغیر نماز پڑھنا یا پڑھانا بلاکراہت جائز ہے،البتہ نماز میں یا بیرونِ نماز عِمامہ باندھنا اَولیٰ وافضل ہے۔امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال ہوا، اگر مقتدی عِمامہ باندھے ہوں اور امام ٹوپی پہن کر نماز پڑھائے ،تو آیا نماز مکروہ ہوگی یا نہیں ،آپ جواب میں لکھتے ہیں: ''اِس میں شک نہیں کہ نماز عِمامہ کے ساتھ ،بے عِمامہ سے افضل، کہ وہ اسبابِ تجمُّل اور یہاں تجمُّل (لباس زینت پہننا) محبوب اور مقامِ ادب کے مناسب''۔۔۔۔آخر میں لکھتے ہیں: ''مگر بایں ہمہ صورت مُستفسَرہ میں (یعنی اگر امام نے ٹوپی پہن کر نماز پڑھائی) صرف ترکِ اَولیٰ ہوا،تو اس سے کراہت لازم نہیں آتی، تاوقتیکہ اس کا ثبوت کسی خاص دلیلِ شرعی سے نہ ہو، ورنہ نمازِ چاشت واشراق وغیرہما ہر مستحب کا ترک مکروہ ٹھہرے اور یہ صحیح نہیں'' (فتاویٰ رضویہ، جلد6،ص:632-631)۔اِس کے بعد انہوں (امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے استدلال میں فتاویٰ شامی کے حوالے سے ''صاحبِ''البحرالرائق'' علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی'' کا موقف لکھا،جس کی پوری عبارت درج ذیل ہے:

لَایَلْزَمُ مِن تَرْکِ الْمُسْتَحبِّ ثُبُوْتُ الْکَرَاھَۃِ اِذْلَا بُدَّلَھَا مِن دَلِیلٍ خَاصٍ، وَفِیْھَا عَن تَحرِیرِ الاصولِ: خِلَافُ الْاَولٰی مَالَیْسَ فِیهِ صِیْغَۃُ نَھیٍ کَتَرْکِ صَلَاۃِ الضُّحٰی بِخِلَافِ الْمَکْرُوہِ تَنزِیْھًا، وَالظَّاھِرُأَن خلاف الاَوْلٰی أَعَمُّ، فَکُلُّ مَکْرُوہٍ تَنزِیْھًا خِلَافُ الاَوْلٰی، وَلَا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

عَکس، لِأَنَّ خلافَ الأَوْلٰی قَدْ لَا یَکُونُ مَکرُوهًا حَیثُ لَا دَلِیلٌ خَاصٌ کَتَرْكِ صَلَاةِ الضُّحٰی، وَبِهٖ یَظهرُ أَن کونَ تَرْكِ الْمُستَحَبِّ رَاجِعًا اِلٰی خِلَافِ الأَوْلٰی، لَایَلزَم مِنهُ أَن یَکُونَ مَکرُوهًا اِلَّا بِنَهْیٍ خَاصٍ، لِأَنَّ الْکَرَاهَةَ حُکْمٌ شَرعِیٌ، فَلَا بُدَّلَهٗ مِنْ دَلِیْلٍ۔

ترجمہ: ''ترکِ مُستحب سے ثبوتِ کراہت لازم نہیں آتا، کیونکہ اِس کے لیے خاص اور مستقل دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور اِسی میں ''تحریر الاصول'' کے حوالے سے ہے، خلافِ اَولیٰ یہ ہے کہ جس میں صیغۂ نہی نہ ہو، مثلاً نمازِ چاشت کا ترک کرنا بخلاف (برخلاف) مکروہ تنزیہی کے (کہ اس کے لیے نہی کا صیغہ ضروری ہے)۔ظاہر یہ ہے کہ ''خلافِ اَولیٰ'' عام ہے، پس ہر مکروہ تنزیہی خلافِ اَولیٰ ہے ،لیکن ضروری نہیں کہ ہر ''خلافِ اَولیٰ'' مکروہِ تنزیہی ہو، کیونکہ خلافِ اَولیٰ کبھی مکروہِ تنزیہی نہیں بھی ہوتا، (خاص طور پر) جہاں کوئی دلیل خاص نہ ہو، جیسے چاشت کی نماز کو چھوڑنا (خلافِ اَولیٰ ہے، مگر مکروہِ تنزیہی نہیں ہے)، اِس سے ظاہر ہوا کہ مُستحب فعل کے ترک کو ''خلافِ اَولیٰ'' تو کہا جائے گا، لیکن اس سے اُس کا مکروہِ تنزیہی ہونا لازم نہیں آتا، سوائے اس صورت کے جہاں خاص طور پر نہی بھی ہو، کیونکہ کراہت حکمِ شرعی ہے اور اس کے لیے خاص دلیل کا ہونا ضروری ہے''۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 2، ص: 367)

ممتاز فقیہ علامہ مفتی نور اللہ بصیر پوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مُفصّل فتویٰ میں لکھتے ہیں: ''قرآن کریم (یعنی آیتِ مبارکہ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ) وحدیث پاک اور فقہ حنفی سے روزِ روشن کی طرح واضح کہ اہلِ اسلام کی ٹوپی میں نماز پڑھنا ہرگز ہرگز مکروہ نہیں بلکہ نسبتاً پسندیدہ و مستحسن ہے''۔ اِس کے بعد اُنہوں نے تفصیلی بحث کی ہے اور عِمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کے زائد اجر سے متعلق احادیثِ مبارکہ کو ضعیف قرار دیا ہے اور فضائلِ اعمال میں ان پر عمل کو جائز قرار دیا ہے''۔ آخر میں وہ لکھتے ہیں: ''نیز یہ بھی اَظہر منَ الشّمس ہے کہ کامل مُستحب کی نفی سے مُطلق مُستحب کی نفی نہیں ہوتی اور یہ کہ مُستحب کا اِنتفاء مُستلزِم کراہت نہیں کہ مکروہِ تنزیہی کے لیے بھی دلیل خاص کی ضرورت ہوتی ہے، چہ جائے کہ (دلیلِ شرعی کے

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

بغیر کسی فعل کو) تحریمی (قرار دیا جائے)''۔

اُس کے بعد وہ اپنے استدلال میں فتاویٰ شامی کی یہ عبارت لکھتے ہیں: ''مستحب کے ترک سے کراہت لازم نہیں آتی، کیونکہ اس کے لیے دلیلِ خاص کی ضرورت ہے''۔ نیز وہیں ہے: ''چونکہ کراہت حکمِ شرعی ہے، پس اُس کے لیے دلیل ضروری ہے''۔

(فتاویٰ نوریہ، جلد اول،ص:509-501)

مفتی وقارالدین رحمۃ اللہ علیہ عِمامہ کے بارے میں مختلف سوالات کے جواب میں لکھتے ہیں: ''امام کے لیے عِمامہ باندھنا ضروری نہیں ہے، مُستحب ہے، بغیر عِمامہ باندھے نماز بلاکراہت جائز ہے''۔ مزید لکھتے ہیں: ''عِمامہ باندھنا افضل ہے، البتہ افضیلت کا ثواب اسی کو ملے گا، جو عِمامہ پہنے گا، خواہ وہ مقتدی ہو یا امام''۔ مزید لکھتے ہیں: ''امام اور مقتدیوں (سب) کو عِمامہ باندھ کر نماز پڑھنا چاہیے، مگر عِمامہ نہ باندھنے سے نماز میں کوئی کراہت نہیں ہوتی''۔ ایک اور سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ''ہر مُستحب کو ترک کرنے سے کراہت ہونا ضروری نہیں ہے۔ امام عِمامہ باندھنے سے انکار کرتا ہے، تو یہ اچھی بات نہیں ہے اور اگر سُنّت ہونے سے انکار کرتا ہو، تو اس سے پوچھیں کہ انکار سے اُس کا مطلب کیا ہے؟، اگر سُنّتِ مؤکدہ ہونے کا انکار کرتا ہے، تو صحیح ہے اور اگر مُطلَق سُنّت ہونے کا انکار کر رہا ہے تو یہ غلط کر رہا ہے، اس لیے کہ عِمامہ باندھنا عام طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ثابت ہے'' (وقارالفتاویٰ، جلد2،ص:251-250)۔ عام طور پر کے الفاظ سے عیاں ہے کہ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عِمامہ نہ پہننا بھی ثابت ہے۔ الغرض کسی مُقتدی کا امام کو عِمامہ نہ باندھنے پر ملامت کرنا یا عِمامہ باندھ کر نماز پڑھانے پر اصرار کرنا درست نہیں ہے، ملامت صرف واجب کے ترک یا مکروہ تحریمی کے اِرتکاب پر کی جاسکتی ہے۔

نمازوں میں سورت مقرر کرلینا

سوال: میں بیان کرچکا ہوں کہ امام صاحب حافظِ قرآن ہیں لیکن نمازوں میں تیرہ، چودہ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

سورتوں سے آیات مخصوص کررکھی ہیں۔ جہری نمازوں میں اُنہی سے قراءت کرتے ہیں۔ میں نے حافظ صاحب سے یہ درخواست بھی کی کہ کہیں سن یا پڑھ رکھا ہے کہ کسی بھی نماز کے لیے سورت مخصوص کرنا درست نہیں جبکہ امام صاحب حافظِ قرآن بھی ہوں۔ میرے کہنے سے چند سورتوں کا اضافہ کردیا ہے لیکن اب بھی زیادہ تر اُن کی قراءت مخصوص سورتیں ہی ہیں۔ اس مسئلے پر بھی روشنی ڈالیں، (محمود الحسن، واہ کینٹ)۔

جواب:

نماز ادا ہوجائے گی، سنّت یہ ہے کہ نمازِ فجر وظہر میں ہر رکعت میں ایک پوری سورت طوالِ مُفصّل (سورۂ حجرات تا سورۂ بروج) سے پڑھی جائے اور عصر وعشاء میں ہر رکعت میں ایک پوری سورت اوساطِ مُفصّل (یعنی سورۂ بروج تا لم یکن) سے اور مغرب میں قصارِ مفصّل (سورۂ لم یکن تا سورۂ ناس) سے قراءت کی جائے۔ تاہم فقہی مسئلہ یہ ہے کہ نمازوں میں بعض سورتوں کا اِس طرح مُعیّن کرلینا کہ اُس نماز میں ہمیشہ وہی سورت پڑھے، مکروہ ہے۔ لیکن جو سورتیں احادیث میں وارِد ہیں اُن کو کبھی کبھی پڑھ لینا مستحب ہے، مگر ہمیشگی نہ رکھے کہ کوئی واجب گمان کرلے گا۔ علامہ برہان الدین ابوبکر فرغانی لکھتے ہیں:

وَلَيْسَ فِي شَئٍ مِّنَ الصَّلٰوٰتِ قِرَاءَةُ سُورَةٍ بِعَيْنِهَا لَا يَجُوزُ غَيْرُهَا لِاِطْلَاقِ مَاتَلَوْنَا وَيُكْرَهُ أَنْ يُوَقِّتَ بِشَئٍ مِّنَ الْقُرْآنِ لِشَئٍ مِّنَ الصَّلٰوٰتِ لِمَا فِيهِ مِنْ هَجْرِ الْبَاقِي وَاِيهَامِ التَّفْضِيلِ۔

ترجمہ: ''کسی نماز میں سورت معین کرکے پڑھنا، کیونکہ قرآن میں تلاوت کا حکم مطلق ہے (اور نمازی کی آسانی پر اس کا مَدار ہے) اور کسی نماز کے لیے قرآن میں سے کسی (سورت) کا متعین کرنا بھی مکروہ ہے، کیونکہ اِس میں باقی قرآن کا چھوڑنا لازم آتا ہے اور تفضیل کا وہم دلانا (لازم) آتا ہے''۔ (ہدایہ، جلد 1، ص: 229)

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

(ولا يتعين شئٌ مِّنَ القرآنِ لِصَلاةٍ على طَرِيقِ الْفَرْضِيَةِ) بل تَعينَ الفاتِحَةُ على وجهِ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

الوجوبِ (ویکرہ التعیین) کالسَّجدۃِ وھل أتیٰ لِفجرِ کُلِّ جُمعۃٍ، بل یَندُبُ قِراءتُھما أحیانًا

ترجمہ: ''نماز میں قرآن مجید سے کسی سورت کو بطور فرضیت متعین نہ کرے بلکہ فاتحہ کا تعین وجوب کے سبب ہے، (علاوہ ازیں) مقرر کرنا مکروہ ہے، جیسے سورۂ ''السجدہ'' اور سورۂ ''ھل اتیٰ'' ہر جمعہ فجر کی نماز میں مقرر کرلینا، بلکہ مستحب یہ ہے کہ کبھی کبھی اِن دونوں کی قراءت کرلیا کرے''۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، جلد2،ص:235)

امام صاحب کا جہری نمازوں میں بعض سورتوں کو وقتاً بدل کر پڑھنا درست ہے، اس میں کوئی شرعی خرابی نہیں ہے اور آپ کو کسی شرعی سبب کے بغیر امام صاحب کے بارے میں اپنے دل میں خلش اور کدورت نہیں رکھنی چاہیے، یہ آپ کے لیے اچھی علامت نہیں ہے۔

نماز میں سلام پھیرنے کی شرعی حیثیت

سوال:

نماز کے اختتام پر سلام پھیرنا یعنی لفظ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے اور دائیں بائیں چہرہ پھیرنے کی کیا حیثیت ہے؟، (محمد رمیز، سرجانی ٹاؤن)۔

جواب:

سلام کے الفاظ کہنا واجب ہیں اور دونوں طرف چہرہ پھیرنا سنت ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

عَنْ عَبْدِاللهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ۔

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (نماز کے اختتام پر) دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے اور فرماتے: السلام علیکم و رحمۃ اللہ''۔ امام ترمذی نے کہا: متعدد صحابہ کرام سے اس عنوان پر روایات منقول ہیں''۔ (سُنن ترمذی:295)

عَنْ عَبْدِاللهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهٖ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

ترجمہ:''حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (نماز کے اختتام پر) دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے، یہاں تک کہ (آپ کے اطراف میں صف میں بیٹھے ہوئے صحابۂ کرام کو) آپ کے رخسارِ مبارک کی سفیدی نظر آتی (اور فرماتے:) اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ''۔(سُنن ابن ماجہ:914)

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

وَلَفظ اَلسَّلَامُ مَرَّتَیْنِ، فَالثَّانِی وَاجِبٌ عَلَی الْاَصَحِّ، ''بُرهَان''، دُوْنَ عَلَیْکُمْ، وَتنقَضِی قُدْوۃ بِالْاَوّلِ قبل عَلَیْکُم عَلَی الْمَشْهُوْرِ عِنْدَنَا

ترجمہ:''اور لفظ ''السلام'' دو مرتبہ کہنا واجب ہے، یہی قول صحیح ترین ہے، بحوالہ ''برہان شرح مواہب الرحمٰن''۔ لفظ ''علیکم'' کہنا واجب نہیں ہے اور امام کی نماز پہلے لفظ پر (یعنی السلام کہنے سے) مکمل ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا: بعض نے لفظ ''السلام'' کو سنّت کہا ہے''۔(جلد2،ص:143)

الغرض رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہ'' دائیں بائیں رُخ کر کے کہنا چاہیے۔

قیام کے دوران دونوں قدموں کا درمیانی فاصلہ

سوال:

نماز کے دوران حالتِ قیام میں دونوں پیروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟۔

(منور احمد، ملیر)

جواب:

دورانِ نماز دونوں قدموں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ ہونا چاہیے، علامہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَیُسَنُّ تَفرِیجُ القَدَمَینِ فِی القِیامِ قَدرَ أَربعِ اَصَابِعَ۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ترجمہ: ''سنت یہ ہے کہ قیام میں دونوں قدموں (کے درمیان) میں چار انگل کی مقدار کشادگی رکھے'' (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص:143)۔ تاہم زیادہ فاصلہ رکھنے سے بھی نماز صحیح طور پر ادا ہوجائے گی۔

نمازِ تراویح کی امامت کا حکم

سوال:

سوک ویو 575 فلیٹ پر مشتمل ہے، نزدیک ہی جامع مسجد گیلانی اور جامع مسجد غزالی واقع ہیں، نمازِ جمعہ ہم لوگ اِنہی دو مساجد میں ادا کرتے ہیں۔ فلیٹ کے مکینوں کی آسانی کے لیے ہم نے پارکنگ میں ایک چھوٹی سی جائے نماز بنائی، جس میں 70-60 افراد چار صفوں میں نماز ادا کرتے ہیں، ایک حافظِ قرآن امام کے طور پر مقرر کر رکھا ہے۔ ہر سال تراویح کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے، گوکہ ہمارے امام صاحب حافظِ قرآن ہیں لیکن تراویح کے لیے باہر سے حافظ بلایا جاتا ہے، 13/14 سال کے دو حافظ لڑکے سامع کے طور پر کھڑے کیے جاتے ہیں، 25 رمضان المبارک کو ختم قرآن کے بعد بقیہ تراویح کا کوئی خاص بندوبست نہیں ہوتا۔ اب آپ سے سوال یہ ہیں:

1۔ کیا حافظِ قرآن امام صاحب کی موجودگی میں 13/14 سال کے لڑکے تراویح کی امامت کرسکتے ہیں، جبکہ حافظِ قرآن امام صاحب مقتدی کے طور پر کھڑے ہوں۔ چھوٹے حافظ حضرات اکثر رکوع، قومہ وجلسہ کے تقاضوں کو نظر انداز کردیتے ہیں، کیا یہ مناسب نہیں کہ امام صاحب بقیہ تراویح کی امامت کریں؟، (نور الٰہی آرائیں، گلشن اقبال، کراچی)۔

جواب:

صورتِ مسئولہ میں اگر حافظ صاحب بالغ ہیں، اور امامت کے لیے ممانعت کا کوئی اور سبب بھی نہیں پایا جاتا، تو وہ امامت کرسکتے ہیں، فرض اور تراویح دونوں کی امامت کا معیار ایک ہی ہے۔ نابالغ کی امامت کے بارے میں علامہ نظام الدین لکھتے ہیں:

وَاِمامةُ الصَّبِیِّ الْعَاقِلِ فی التراوِیحِ وَالنَّوافِلِ الْمُطْلَقَةِ تَجوزُ عِندَ بَعْضِھِمْ وَلَا تَجُوزُ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

عندَ عامّتهم كذا في محيط السرخسي۔

ترجمہ: ''بعض علماء کے نزدیک ایسا بچہ جو سمجھ دار ہے، تراویح اور مطلق نوافل میں اس کی امامت جائز ہے اور عام فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے، ''محیط السرخسی'' میں بھی اسی طرح ہے''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 117، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ لڑکے کے لیے کم از کم ممکنہ عمرِ بلوغ بارہ سال ہے، بشرطیکہ اس میں علاماتِ بلوغ ظاہر ہو جائیں، ورنہ عمر کے پندرہ سال مکمل ہونے پر اسے بالغ تصور کیا جائے گا۔ علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

(وادنیٰ مدته له اثنتا عشرة سنةً ولها تسعُ سنين) هو المختارُ۔

ترجمہ: ''اور (لڑکے کے لیے کم از کم ممکنہ عمرِ بلوغ) بارہ سال ہے اور لڑکی کے لیے نو سال ہے، یہی قولِ مختار ہے''۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، جلد: 9، ص: 185)

متشرّع و دین دار حافظ و قاری و عالم امام کی موجودگی میں ایسے افراد کو نماز تراویح کا امام بنانا ہرگز درست نہیں ہے، جو کہ:

(ا) نابالغ ہوں (ب) تلاوت قرآن میں ایسی غلطیاں کرتے ہوں جو فسادِ نماز کا باعث بنتی ہیں (ج) داڑھی منڈھواتے ہیں یا کٹواتے ہیں اور حد شرعی سے کم ہوتی ہے (د) یا رمضان المبارک سے قبل محض قرآن سنانے کے لیے داڑھی رکھ لیتے ہیں اور رمضان کے بعد منڈوا دیتے ہیں یا کٹوا کر حد شرعی سے کم کر دیتے ہیں، (ہ) یا سال بھر نماز کے تارک رہتے ہیں۔

نمازِ ظہر کا وقت

سوال:

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ تقریباً مساجد میں ظہر کی نماز ڈیڑھ بجے ادا کی جاتی ہے، جبکہ بقیہ چار وقت کی نمازوں (جماعت) کا وقت بدلتا رہتا ہے، کیا ڈیڑھ بجے سے قبل نماز ادا کی جاسکتی ہے؟۔ (محمد ابدال، سیکٹر 11-D نارتھ کراچی)۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جواب:

نمازِ ظہر کا وقت زوالِ آفتاب کے فوراً بعد شروع ہوجاتا ہے اور زوال کا وقت موسموں کے تغیّر سے بدلتا رہتا ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے:

عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ لِلصَّلَاةِ أَوَّلًا وَآخِرًا، وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ صَلَاةِ الظُّهْرِ حِيْنَ تَزُوْلُ الشَّمْسُ وَآخِرَ وَقْتِهَا حِيْنَ يَدْخُلُ وَقْتُ الْعَصْرِ۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: نماز کے لیے اول وآخر ہے، نمازِ ظہر کے وقت کی ابتدا اُس وقت ہے، جب آفتاب ڈھل جائے اور ظہر کے وقت کی انتہا اُس وقت ہے جب عصر کا وقت شروع ہوجائے''۔

(سُنن ترمذی: 151)

علامہ ابوالحسین احمد بن محمد بن احمد البغدادی القدوری لکھتے ہیں:

وَأَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، وَآخِرُ وَقْتِهَا عَنْ أَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ إِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَیْءٍ مِثْلَيْهِ سِوَى فَیْءِ الزَّوَالِ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللهُ: إِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَیْءٍ مِثْلَهُ۔

ترجمہ: ''(نمازِ) ظہر کے وقت کی ابتدا اُس وقت ہے، جب سورج ڈھل جائے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہر کے وقت کا اختتام اُس وقت ہے کہ جب کسی چیز کا سایہ، اُس کے سایۂ اصلی کے علاوہ دو مثل ہوجائے، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ (صاحبین) کے نزدیک جب ہر شے کا سایہ (اُس کے سایۂ اصلی کے سوا) ایک مثل ہوجائے''۔

(المختصر القدوری، ص:58-57)

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

وَأَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، لِإِمَامَةِ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِی الْيَوْمِ الْأَوَّلِ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا عِنْدَ أَبِیْ حَنِيْفَةَ إِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَیْءٍ مِثْلَيْهِ سِوَى فَیْءِ الزَّوَالِ وَقَالَا: إِذَا صَارَ الظِّلُّ مِثْلَهُ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِیْ حَنِيْفَةَ وَفَیْءُ الزَّوَالِ: هُوَ الْفَیْءُ الَّذِیْ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

يَكُونُ لِلأَشْيَاءِ وَقْتُ الزَّوَالِ، لَهُمَا: إِمَامَةُ جِبْرِيْلَ فِي الْيَوْمِ الأَوَّلِ فِي هٰذَا الْوَقْتِ، وَلِأَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، وَأَشَدُّ الْحَرِّ فِي دِيَارِهِمْ فِي هٰذَا الْوَقْتِ وَإِذَا تَعَارَضَتِ الآثَارُ لَا يَنْقَضِي الْوَقْتُ بِالشَّكِّ۔

ترجمہ: ''اور ظہر کا اوّل وقت جبکہ سورج ڈھل گیا ہو کیونکہ جبریل علیہ السلام نے پہلے دن (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ظہر کی) امامت اُس وقت کرائی جبکہ سورج ڈھل گیا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ظہر کا آخری وقت جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے (اصل سائے کے علاوہ) دو مثل ہو جائے اور صاحبین نے فرمایا: جب ہر چیز کا سایہ اُس کے برابر ہو جائے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اس طرح کی ہے۔ اور فیئ زوال وہ سایہ ہے، جو زوال کے وقت اشیاء کا ہوتا ہے۔ صاحبین کی دلیل جبریل علیہ السلام کا عصر کے لیے پہلے دن اس وقت میں امامت کرنا ہے اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ (حدیث) ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اس لیے کہ گرمی کی شدّت جہنم کی حرارت کی شدّت کے سبب سے ہے اور دیارِ عرب میں گرمی کی شدت اسی وقت میں ہوتی ہے اور جب آثار صحابہ متعارض ہوئے، تو وقت شک کی وجہ سے خارج نہ ہوگا''۔ (ہدایہ، جلد 1، ص: 143)

آج کل نمازوں کے اوقات کے مُفصّل نقشے بازاروں میں دستیاب ہیں، جن سے نمازوں کے صحیح اوقات معلوم ہو جاتے ہیں، اکثر موسموں میں نمازِ ظہر کا وقت عموماً پونے ایک بجے سے قبل ہی شروع ہو جاتا ہے، وقت شروع ہونے کے بعد نماز کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ تاہم موسمِ سرما اور موسمِ گرما میں نمازِ ظہر کا وقت تبدیل کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ان نمازوں کے اوقات میں موسم کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جب سخت گرمی ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو کہ گرمی کی شدت جہنم کی حرارت کی شدت کے سبب سے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ہے''۔(صحیح بخاری،رقم الحدیث:536)

ہمارے ملک میں اکثر مقامات پر ظہر کی نماز ڈیڑھ بجے ہوتی ہے،لیکن وقت کی یہ تعیین شارع کی طرف سے نہیں ہے،بندوں نے اپنی آسانی کے لیے اوقات مقرر کیے ہیں،تاہم یہ شریعت کی مُقررہ حد کے اندر ہے،اس لیے اِس تعیین میں کوئی حرج نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ

ترجمہ:''اور اللہ نے تمہارے لیے دین میں تنگی نہیں رکھی''۔(الحج:78)

(۲) يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے،وہ تمہارے لیے دشواری نہیں چاہتا''۔
(البقرہ:185)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا۔

ترجمہ:''دین کو آسان کر کے پیش کرو،مشکل کر کے پیش نہ کرو اور لوگوں کو (اللہ کی رحمت کی) بشارت دو،اُنہیں (دین سے) مُتنفّر نہ کرو''۔(صحیح بخاری،رقم الحدیث:69)

وقتِ زوال کتنی دیر رہتا ہے

سوال:

نصف النہار کا وقت جس میں کوئی بھی نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے،اس کی مقدار کتنی ہے اور اُس کا اندازہ کیسے لگایا جائے گا؟،(محمد احمد رضا،نارتھ کراچی)۔

جواب:

زوال دَرحقیقت سورج ڈھلنے کا نام ہے اور یہ وہ وقت ہے کہ جب ممانعت کا وقت نکل گیا اور جواز کا آیا۔علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

وَفِي ''شَرْحِ النِّقَايَة'' لِلْبِرْجَنْدِي: ''وَقَدْ وَقَعَ فِي عِبَارَاتِ الْفُقَهَاءِ أَنَّ الْوَقْتَ الْمَكْرُوهَ هُوَ عِنْدَ انْتِصَافِ النَّهَارِ إِلَى أَنْ تَزُولَ الشَّمْسُ، وَلَا يَخْفَى أَنَّ زَوَالَ الشَّمْسِ إِنَّمَا هُوَ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

عَقِیبَ نِصْفِ النَّهَارِ بِلَا فَصْلٍ، وَفِیْ هٰذَا الْقَدْرِ مِنَ الزَّمَانِ لَایُمْکِنُ أَدَاءُ صَلَاةٍ فِیْهِ، فَلَعَلَّ الْمُرَادَ أَنَّهُ لَاتَجُوْزُ الصَّلَاةُ بِحَیْثُ یَقَعُ جُزْءٌ مِّنْهَا فِی هٰذَا الزَّمَانِ، أَوِالْمُرَادُ بِالنَّهَارِ هُوَ النَّهَارُ الشَّرْعِیُّ، وَهُوَ مِنْ أَوَّلِ طُلُوْعِ الصُّبْحِ إِلٰی غُرُوْبِ الشَّمْسِ، وَعَلٰی هٰذَا یَکُوْنُ نِصْفُ النَّهَارِ قَبْلَ الزَّوَالِ بِزَمَانٍ یُعْتَدُّ بِهٖ اھ۔ إِسْمَاعِیْلُ، نُوْحٌ، حَمَوِیٌّ۔ وَفِی ''الْقُنْیَةِ'' وَاخْتَلَفَ فِیْ وَقْتِ الْکَرَاهَةِ عِنْدَ الزَّوَالِ، فَقِیْلَ مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلَی الزَّوَالِ لِرِوَایَةِ أَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ: ''أَنَّهُ نَهٰی عَنِ الصَّلَاةِ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ''۔ قَالَ رُکْنُ الدِّیْنِ الصَّبَاغِیُّ: وَمَا أَحْسَنَ هٰذَا لِأَنَّ النَّهْیَ عَنِ الصَّلَاةِ فِیْهِ یَعْتَمِدُ تَصَوُّرُهَا فِیْهَا۔ وَعَزَا فِیْ ''الْقُهُسْتَانِیْ'' اَلْقَوْلُ بِأَنَّ الْمُرَادَ اِنْتِصَافُ النَّهَارِ الْعُرْفِیِّ إِلٰی أَئِمَّةِ مَاوَرَاءَ ''النَّهْرِ'' وَبِأَنَّ الْمُرَادَ انْتِصَافُ النَّهَارِ الشَّرْعِیِّ وَهُوَ الضَّحْوَةُ الْکُبْرٰی إِلَی الزَّوَالِ إِلٰی أَئِمَّةِ خُوَارَزْم''۔

ترجمہ: ''''شرح نقایہ'' میں برجندی سے منقول ہے: ''فقہائے کرام کی عبارات میں ہے کہ مکروہ وقت نصف النہار سے لے کر سورج کے زوال تک ہے اور یہ امر مخفی نہیں ہے کہ سورج کا زوال نصف النہار کے متصل بعد ہوتا ہے (اور اگر مراد عرفی دن کا نصف ہو تو) وقت کی اتنی قلیل مقدار میں کوئی نماز ادا کرنا ممکن نہیں، شاید اس سے مراد یہ ہو کہ اگر اُس وقت میں نماز کا کوئی جزء آ جائے، تو پھر یہ نماز جائز نہیں ہے یا پھر دن سے مراد نصف النہار شرعی ہے جو کہ صبح صادق سے سورج غروب ہونے تک (کے کل وقت کا نصف) ہے، تو اِس صورت میں نصف النہار زوال سے اتنا وقت پہلے آئے گا، جو قابلِ اعتبار ہو۔ اسماعیل، نوح، حموی۔ اور ''قنیہ'' میں ہے: زوال کے قریب مکروہ وقت کی مقدار میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ''نصف النہار سے زوال تک ہے، کیونکہ ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نصف النہار سے زوال تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے''۔ رکن الدین الصباغی نے کہا: ''یہ کتنا اچھا استدلال ہے کیونکہ ایسے وقت میں نماز سے منع کیا گیا ہے، جس کی مقدار میں نماز کی ادائیگی کا تصور کیا جا سکتا ہے''۔ ''قہستانی'' میں اس قول کو

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

"مَاوَرَاءُالنہر" کے ائمہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ اس سے مراد نصف النہار عرفی ہے۔ اور نصفُ النَّہار شرعی مراد لینے کے قول کو ائمۂ خوارزم سے منسوب کیا ہے اور اُس سے مراد ہے ضحوۂ کُبریٰ سے زَوَال تک کا وقت"۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 2، ص: 29، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

فتویٰ ائمۂ خوارزم کے قول پر ہی ہے کہ زوال کا وقت نصف النہار شرعی یعنی ضحوۂ کبریٰ سے زوال تک ہے۔ (نصفُ النَّہار شرعی سے مراد یہ ہے کہ طلوعِ صُبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک وقت کی جو کل مقدار بنتی ہے، اُس کا نصف نکال کر اُسے صُبحِ صادق کے وقت میں جمع کیا جائے، جو جواب آئے گا، وہ نصفُ النَّہار شرعی یا ضحوۂ کُبریٰ کہلائے گا، مثلاً کراچی میں باب المدینہ کے "نقشہ اوقات نماز" میں یکم مارچ کو صبح صادق کا وقت صبح پانچ بج کر سینتیس منٹ اور چونتیس سیکنڈ ہے اور غروب آفتاب کا وقت شام چھ بج کر چھتیس منٹ اور دو سیکنڈ ہے۔ اس کی کل مقدار بارہ گھنٹے اٹھاون منٹ اٹھائیس سیکنڈ بنتی ہے، اس کا نصف چھ گھنٹے انتیس منٹ چودہ سیکنڈ بنتا ہے) اور نصفُ النَّہار شرعی سے زوال تک کے وقت میں نماز کا ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس وقت کی مقدار موسمِ سرما اور موسمِ گرما میں بدلتی رہتی ہے۔ پاکستان میں سال کے مختلف ایام میں اندازاً یہ وقت تقریباً 35 تا 45 منٹ بنتا ہے۔

نمازِ عصر کا وقت

سوال:

شافعی اور حنفی مسلک کے مطابق نمازِ عصر کے اوقات میں تقریباً ایک گھنٹے کا فرق ہوتا ہے، میں جس ملک میں رہتا ہوں، وہاں شوافع کی اکثریت ہے اور وہاں زوال کے بعد جب سایہ ایک مثل ہو جائے، تو عصر کی جماعت ہو جاتی ہے۔ جبکہ فقہِ حنفی کے مطابق اُس وقت تک ظہر قضا نہیں ہوئی ہوتی اور جو بھی حنفی مسلک اُس وقت نماز پڑھتا ہے، وہ قضا نہیں بلکہ ادا ہوتی ہے، لیکن جب یہاں عصر کی جماعت ہو رہی ہوتی ہے تو اگر بالفرض میں نے ظہر کی نماز نہ پڑھی ہو تو میں اُس وقت ظہر پڑھ رہا ہوتا ہوں جبکہ مسجد سے عصر کی جماعت کی

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

آواز آرہی ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں میری ظہر کی اُس نماز کا کیا ہوگا جو میں نے 15-4 پر یہ سوچ کرادا کی کہ ابھی ظہر کا وقت باقی ہے، جبکہ اُس وقت یہاں عصر کی جماعت ہو چکی تھی۔ دوسری بات یہ کہ عصر کی جو نمازیں جماعت کا ثواب پانے کے لیے اول وقت میں پڑھیں، کہاں شمار ہوں گی؟، (فیصل اکبر، دبئی)۔

جواب:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب تک سایہ ظلِ اصلی کے علاوہ دو مثل نہ ہو جائے، وقتِ عصر شروع نہیں ہوتا اور صاحبین کے نزدیک ایک ہی مثل کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل سائے سے شروع ہوگا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک دو مثل سائے سے شروع ہوگا۔ علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

وَأَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ إِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ، آخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَغْرُبِ الشَّمْسِ

ترجمہ: ''نمازِ عصر کا اول وقت جب ظہر کا وقت ختم ہو جائے، دونوں قولوں پر اور عصر کا آخر وقت جب تک کہ آفتاب غروب نہ ہو''۔ (ہدایہ، جلد 1، ص:143)

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ظہر کے وقتِ آخر اور عصر کے وقتِ اوّل کے بارے میں مثلِ اوّل کا ہے یعنی مثلِ اوّل کے اختتام پر ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا البتہ عصر کا وقت مثلِ ثانی کے دخول سے پہلے شروع نہیں ہوگا۔ مثلِ اوّل کے اختتام اور مثلِ ثانی کے دخول کے درمیان کا وقت مہمل ہے۔ اگر نماز عصر کو مثلِ ثانی تک مؤخر کرنے سے نماز عصر کی جماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ جماعت کو ترک کر دے اور نمازِ عصر مثلین کے دخول پر پڑھے۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

وَانْظُرْ هَلْ إِذَا لَزِمَ مِنْ تَأْخِيرِهِ الْعَصْرَ إِلَى الْمِثْلَيْنِ فَوْتُ الْجَمَاعَةِ يَكُونُ الْأَوْلَى التَّأْخِيرُ أَمْ لَا؟، وَالظَّاهِرُ الْأَوَّلُ

ترجمہ: ''اور اگر مثلین تک نمازِ عصر کی تاخیر سے جماعت کا فوت ہونا لازم آتا ہو، تو دیکھا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جائے گا کہ تاخیر اولیٰ ہے یا نہیں؟، اور بہتر پہلی صورت ہے (یعنی جماعت ترک کردے اور تنہا اپنی نماز مثلین کے بعد پڑھے)''۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 2، ص:15)

عباراتِ فقہاء میں چونکہ مفہوم مخالف حجت ہوتا ہے لہٰذا علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا مفاد یہ ہوگا کہ اگر نمازِ عصر جماعت کے ساتھ مثلِ اوّل کے اختتام پر پڑھی جائے، تو نماز ہوجائے گی، البتہ ایسا کرنا خلافِ اولیٰ ہے، لہٰذا آپ نے جو نمازیں شافعی امام کے ساتھ مثلِ اوّل کے اختتام پر پڑھی ہیں، وہ صحیح ہیں اُن کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

امام احمد رضا قادری قُدِّس سرُّہ العزیز لکھتے ہیں: ''کتبِ ائمہ میں تصریح ہے کہ اس وقت عصر کا پڑھنا بے احتیاطی ہے، پس محتاط فی الدین کو لازم کہ اگر جانے کہ مجھے مثل ثانی کے بعد جماعت مل سکتی ہے اگرچہ ایک ہی آدمی کے ساتھ تو اس جماعتِ باطلہ یا کم ازکم مکروہہ بکراہتِ شدیدہ میں شریک نہ ہو بلکہ وقت اجماعی پر اپنی جماعت صحیحہ نظیفہ ادا کرے اور اگر جانے کہ پھر میرے ساتھ کوئی نہ ملے گا تو بتقلید صاحبین شریک جماعت ہوجائے اور تحصیل صحت مُتفق علیہا و رفع کراہت کے لیے مثلِ ثانی کے بعد پھر اپنی تنہا ادا کرے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 5، ص:136)

بالغ بے ریش کی امامت کا حکم

سوال:

ایک لڑکا بالغ بے ریش گزشتہ دوسال سے نمازِ تراویح پڑھارہا ہے، اُس کا نمازِ تراویح پڑھانا جائز ہے یا ناجائز؟، (خالد محمود، کراچی)۔

جواب:

لڑکے میں جب بلوغت کی علامات پائی جائیں، تو عمر جتنی بھی ہو، اُسے بالغ مانا جائے گا۔ ہمارے فقہاءِ کرام نے لڑکے کے لیے احتلام، انزال اور اُس سے کسی عورت کا حمل قرار پانے کو بلوغ کی علامت قرار دیا ہے۔ لیکن اگر کسی لڑکے میں بلوغ کی کوئی علامات نہ پائی جائیں، تو پندرہ سال کی عمر مکمل ہونے پر اسے بالغ قرار دیا جائے گا۔ اس پر اس

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے: ''عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ اُحد کے دن جب کہ ان کی عمر چودہ سال تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کا جائزہ لیا اور پھر انہیں (جہاد میں شرکت کی) اجازت نہ دی۔ اور غزوۂ خندق کے روز جب کہ ان کی عمر پندرہ سال تھی، ان کا جائزہ لیا اور انہیں (جہاد میں شرکت کی) اجازت عطا فرمادی''۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: 4098)

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ لڑکے کے لیے کم از کم ممکنہ عمرِ بلوغ بارہ سال ہے، بشرطیکہ اس میں علاماتِ بلوغ ظاہر ہوجائیں، ورنہ عمر کے پندرہ سال مکمل ہونے پر اسے بالغ مانا جائے گا۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

وادنٰی مدتہ لہٗ اثنتا عشرۃَ سنۃً ولھا تسعُ سنین ھو المختارُ۔

ترجمہ: ''اور لڑکے کے لیے (کم از کم ممکنہ عمرِ بلوغ) بارہ سال ہے اور لڑکی کے لیے نو سال ہے، یہی مختار قول ہے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، جلد: 9، ص: 185)

صورتِ مسئولہ میں آپ کے بیان کے مطابق اگر مذکورہ لڑکا بالغ ہے، لیکن طبعی طور پر اُس کی ریش نہیں آئی، جب کہ اس لڑکے میں بلوغ کی علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں اور اُس میں امامت کے لیے ممانعت کا کوئی اور سبب بھی نہیں پایا جاتا، تو وہ فرائض اور تراویح دونوں کی امامت کرسکتا ہے۔

التَّحیات پوری پڑھ کر امام کی مُتابعت کرے

سوال:

باجماعت نماز کے دوران قعدۂ اولیٰ میں امام تشہّد پڑھ کر کھڑا ہوگیا اور ابھی مقتدی نے تشہد پورا نہیں کیا، تو کیا مقتدی پوری تشہّد پڑھ کر کھڑا ہوگا یا امام کی اِتباع کرتے ہوئے ساتھ ہی کھڑا ہوجائے گا؟، (محمد عبداللہ، کراچی)۔

جواب:

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ''بحث کا حاصل یہ ہے کہ فرائض وواجبات میں

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

امام کی مُتابعت کسی تاخیر کے بغیر واجب ہے، اگر کسی واجب کا امام کی مُتابعت سے تعارض ہو جائے (یعنی امام کی متابعت سے واجب فوت ہو رہا ہو)، تو اُس واجب کو فوت نہیں کرنا چاہیے بلکہ چاہیے کہ اُس واجب کو ادا کرے پھر امام کی مُتابعت (پیروی) کرے، جیسے (قَعدہ اُولیٰ میں) امام مقتدی کے ''اَلتَّحِیَّات'' پوری پڑھنے سے پہلے کھڑا ہو گیا، تو مقتدی اُسے پورا کرے، پھر (تیسری رکعت کے لیے) کھڑا ہو، کیونکہ مقتدی کے ''اَلتَّحِیَّات'' پوری پڑھ کے کھڑا ہونے سے امام کی متابعت مکمل طور پر فوت نہیں ہوتی بلکہ صرف اس میں تاخیر ہوتی ہے، اور اَلتَّحِیَّات کو نامکمل چھوڑ دینے سے ''اَلتَّحِیَّات'' کا واجب فوت ہو جاتا ہے۔ پس دو واجبات کو اِس صورت میں ادا کرنا کہ ایک میں تاخیر ہو جائے، کسی ایک کو مکمل طور پر ترک کر دینے سے بہتر ہے۔ اِس کے برعکس جب واجب (امام کی متابعت) کا تعارض (Contradiction/Clash/Conflict) سنّت سے ہو جائے (تو سنّت کو ترک کر کے امام کی مُتابعت کو ترجیح دی جائے گی)، جیسے امام رکوع یا سجدے میں مقتدی کی تین مسنون تسبیحات پوری ہونے سے پہلے کھڑا ہو گیا، تو صحیح ترین قول یہ ہے کہ امام کی مُتابعت کرے، کیونکہ تاخیرِ واجب سے سنّت کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔۔۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: اِس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کے لیے نماز میں امام کی مُتابعت فرض نہیں ہے، بلکہ فرائض اور واجباتِ فعلی میں واجب ہے اور سنّتوں میں سنّت ہے۔۔۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: ''کہ اِس پر ''مقدمۂ کیدانیہ'' پر علامہ ''قُہستانی'' کی شرح میں ہے: ''امام کی مُتابعت فرض ہے، جیسا کہ ''الکافی'' وغیرہ میں ہے۔ اور جیسا کہ ''مُنیہ'' میں ہے: ''یہ اَذکار میں نہیں اَفعال میں ہے، اور جیسا کہ ''فتح القدیر'' اور ''البحر الرائق'' وغیرہ میں سجدۂ سہو کی بحث میں ہے کہ اگر مقتدی قعدۂ اُولیٰ میں بھول کر کھڑا ہو جائے، تو لوٹ آئے اور بیٹھے، کیونکہ مُتابعتِ امام کے حکم کے تحت یہ قعود فرض ہے، یہاں تک کہ ''البحر الرائق'' میں کہا: ''ظاہر یہ ہے کہ اگر مقتدی لوٹ کر نہ بیٹھا تو فرض (مُتابعتِ امام) کے چھوٹ جانے پر نماز باطل ہو جائے گی''۔ اور ''النہر الفائق'' میں کہا: یہی کہنا مناسب ہے کہ امام کی مُتابعت، واجب میں

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

واجب ہے، فرض میں فرض ہے''۔۔۔اِس کے بعد علامہ شامی لکھتے ہیں: ''میں کہتا ہوں: مجھ پر جو چیز واضح ہوئی، وہ یہ ہے کہ فُقہاء نے جو امام کی مُتابعت کو فرض کہا، اِس سے مراد واجب ہے۔ اور علی الاطلاق یہ کہنا کہ (مقتدی کے لیے) فرض میں امام کی مُتابعت فرض ہے، صحیح نہیں ہے''۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد2، ص:146)

تنویر الابصار مع الدرالمختار میں ہے: ''اگر امام نے مقتدی کی تین تسبیحات پوری ہونے سے پہلے رکوع یا سجود سے سر اٹھایا، تو اُس پر امام کی مُتابعت واجب ہے۔ اور اگر مقتدی امام کے رکوع سے اُٹھنے سے پہلے اُٹھ گیا، تو لوٹ آئے، اور یہ دو رکوع نہیں ہوں گے، ایک ہی رکوع شمار ہوگا۔ اِس کے برعکس اگر امام نے مقتدی کے ''اَلتَّحِیَّات'' مکمل کرنے سے پہلے سلام پھیر دیا یا تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا، تو مقتدی امام کی مُتابعت نہ کرے چونکہ ''اَلتَّحِیَّات'' واجب ہے، اِس لیے اُسے پوری پڑھ کر سلام پھیرے یا تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو۔ اور اگر مقتدی نے اپنی اَلتَّحیَات پوری نہ کی تو وہ امام کی مُتابعت نہ کرے اور اپنی اَلتَّحیَات پوری کرے، کیونکہ اَلتَّحیَات پوری پڑھنا واجب ہے اور اگر مقتدی نے اپنی اَلتَّحیَات پوری کیے بغیر سلام پھیر دیا یا تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا تو نماز جائز ہوجائے گی''۔

اس کی شرح میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ''علامہ علاء الدین حصکفی کا یہ کہنا کہ اگر مقتدی نے امام کی مُتابعت کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی اَلتَّحیَات مکمل نہ کی تو نماز جائز ہے، اِس کا مفاد یہ ہے کہ ''کراہتِ تحریمی'' کے ساتھ جائز ہے، جیسا کہ ''علامہ حموی'' نے کہا۔ اور ''علامہ طحاوی'' اور ''علامہ رحمتی'' نے اِس سے اختلاف کیا اور یہی ''شرح المنیہ'' کی عبارت کا مستفاد ہے، اُنہوں نے کہا: حاصل یہ ہے کہ فرائض اور واجبات میں امام کی مُتابعت کسی تاخیر کے بغیر واجب ہے اور اگر کوئی واجب اُس کے مُعارض ہو، تو اُسے فوت نہ کرے بلکہ اُس کو ادا کر کے امام کی مُتابعت کرے، کیونکہ اُس واجب کو ادا کر کے امام کی مُتابعت کرنے سے مُتابعت بالکلیہ فوت نہیں ہوتی بلکہ اُس میں تاخیر ہوتی ہے اور اگر اُس

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

واجب کو ناتمام چھوڑ کر امام کی متابعت کرے گا تو وہ واجب فوت ہو جائے گا۔ پس دو واجبات میں سے کسی ایک کو مؤخر کر کے ادا کرنا، کسی ایک واجب کو بالکل ترک کرنے سے اولیٰ ہے۔ اس کے برعکس اگر امام کی متابعت اور سنّت میں تعارض ہو جائے تو واجب کو مؤخر (Doffer) کرنے کے مقابلے میں سنّت کا ترک اولیٰ ہے''۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

''میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اَلتَّحیات کا پورا کرنا اَولیٰ ہے، واجب نہیں ہے، لیکن کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ مُتابعتِ واجبہ سے یہاں مراد ایسی مُتابعت ہے جو بلا تاخیر ہو تو اَلتَّحیات کو پورا کرنے سے اُس (مُتابعت بلا تاخیر) کا بالکلیہ ترک لازم آئے گا، تو اِس کی توجیہ اس طرح کرنی چاہیے کہ امام کی مُتابعت بلا تاخیر اُس صورت میں واجب ہے کہ جب کسی دوسرے واجب سے اُس کا تعارض نہ ہو، جیسے کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے، لیکن جب خطبۂ جمعہ سننے کے واجب سے اِس کا تعارض ہو جائے تو یہ (سلام کا جواب دینا) ساقط ہو جائے گا۔ اِس ساری بحث کا مفاد یہ ہے کہ تشہّد کا پورا کرنا واجب ہے لیکن کبھی اس کے برعکس بھی عِلّت کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ''اَلتَّحیات'' کا پورا کرنا تب واجب ہے کہ جب امام کی مُتابعت کے واجب سے اُس کا تعارض نہ ہو۔ ہاں! اُن کا یہ کہنا کہ امام کی مُتابعت نہ کرے (اور اَلتَّحیات پورا کرے)، یہ اِس پر دلالت کرتا ہے کہ مُتابعتِ امام سے تعارض کے باوجود ''اَلتَّحیات'' کے پوری پڑھنے کا وجوب باقی رہتا ہے کیونکہ جس چیز کا آغاز کر دیا جائے، بعد میں عارض (لاحق) ہونے والی کسی چیز کے مقابلے میں اس کی تاکید زیادہ ہے۔ اور اِسی لیے ہم نے پہلے ''الظہیریہ'' کے حوالے سے بیان کیا کہ فُقہاء کا یہ کہنا کہ اگر اَلتَّحیات پوری نہیں پڑھے گا تو نماز جائز ہوگی، اِس کا معنیٰ یہ ہے کہ کراہتِ تحریمی کے ساتھ جائز ہوگی''۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 2، ص: 177)

مقتدی اپنی التحیات پوری کر کے کھڑا ہوگا کہ ہر قعدہ میں پوری ''اَلتَّحیات'' کا پڑھنا واجب ہے۔ علامہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اِذَا اَدْرَکَ الاِمَامَ فِی التَّشَهُّدِ وَقَامَ الاِمَامُ قَبْلَ اَنْ یُّتِمَّ الْمُقْتَدِیْ اَوْ سَلَّمَ الاِمَامُ فِی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

آخِرِ الصَّلَاۃِ قَبْلَ أَنْ یُّتِمَّ الْمُقْتَدِیْ التَّشَھُّدَ، فَالْمُخْتَارُ أَنْ یُّتِمَّ التَّشَھُّدَ، کَذَا فِی ''الْغِیَاثِیَّۃِ''، وَاِنْ لَّمْ یُتِمَّ أَجْزَأَہٗ۔

ترجمہ: ''جب (بعد میں آنے والے مقتدی نے) امام کو تَشَھُّد میں پایا اور امام مقتدی کے (تشہّد) پورا کرنے سے پہلے (تیسری رکعت کے لیے کھڑا) ہوگیا یا امام نے (قعدۂ اخیرہ میں) اپنی نماز مکمل کر کے مقتدی کے تَشَہُّد پورا کرنے سے پہلے سلام پھیر دیا، پس مختار قول یہ ہے کہ (مقتدی) تَشَہُّد پورا کرے، جیسا کہ ''غیاثیہ'' میں ہے۔ اور اگر (تَشَہُّد) پوری نہ پڑھے، (تب بھی) اُس کی (نماز) درست ہوگی''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 90)

امام احمد رضا قادری قُدِّس سِرُّہ العزیز سے سوال کیا گیا کہ اگر مقتدی ابھی ''اَلتَّحِیَات'' پوری نہ کرنے پایا تھا کہ امام (تیسری رکعت کے لیے) کھڑا ہوگیا یا (قعدۂ اخیرہ میں) سلام پھیر دیا، تو مقتدی اَلتَّحِیَات پوری کر لے یا اُتنی ہی پڑھ کر چھوڑ دے؟ (یعنی جہاں تک پڑھ چکا تھا، وہیں چھوڑ کر امام کے اِتّباع میں تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے یا قعدۂ اخیرہ کی صورت میں سلام پھیر دے)، آپ لکھتے ہیں: ''ہر صورت میں پوری کرلے، اگرچہ اس میں کتنی ہی دیر ہو جائے، لِأَنَّ التَّشَھُّدَ وَاجِبٌ وَالْوَاجِبُ لَایُتْرَکُ لِسُنَّۃٍ وَالْمَسْئَلَۃُ مَنْصُوْصٌ عَلَیْھَا فِی ''الْخَانِیَۃِ'' وَغَیْرِھَا فِی کُتُبِ الْعُلَمَاءِ

(ترجمہ: کیونکہ تشہّد واجب ہے اور واجب کو کسی سنّت کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا، اس مسئلہ پر خانیہ اور دیگر علماء کی کتب میں نص موجود ہے)''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 7، ص: 52)

سجدۂ سہو کب واجب ہوتا ہے

سوال:

سجدۂ سہو کب واجب ہوتا ہے؟، (محمد ابدال، نارتھ کراچی)۔

جواب:

نماز کے دوران نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب بھولے سے چھوٹ جائے یا کسی واجب کو دو مرتبہ ادا کیا ہو یا کسی واجب کو اُس کے محل سے مؤخر کر دیا ہو یا فرض کی ادائیگی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

میں تاخیر ہوئی ہو (کہ درحقیقت وہ بھی ترکِ واجب ہے)، تو اِن تمام صورتوں میں ''سجدۂ سہو'' لازم ہوجاتا ہے۔

امام علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی سجدہ سہو کے وجوب کا حکم بیان کرتے ہیں:

وَاَمَّا بَیَانُ سَبَبِ الْوُجُوْبِ: فَسَبَبُ وُجُوْبِهٖ تَرْكُ الْوَاجِبِ الْاَصْلِیِّ فِی الصَّلَاةِ أَوْ تَغْیِیْرُهٗ أَوْ تَغْیِیْرُ فَرْضٍ مِنْهَا عَنْ مَحَلِّهِ الْاَصْلِیِّ سَاهِیًا لِاَنَّ كُلَّ ذٰلِكَ یُوْجِبُ نُقْصَانًا فِی الصَّلَاةِ فَیَجِبُ جَبْرُهٗ بِالسُّجُوْدِ،

ترجمہ: ''سجدۂ سہو کے واجب ہونے کا سبب بھول کر نماز میں واجبِ اصلی کا چھوٹ جانا یا اس میں تبدیلی ہے یا فرض کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دینا ہے، کیونکہ یہ سب امورِ نماز میں کمی کا باعث بنتے ہیں، تو سجدۂ سہو کے ذریعے ان کی تلافی واجب ہے''۔

(بدائع الصنائع، جلد 1، ص:244)

سجدۂ سہو درج ذیل وجوہ کی بنا پر واجب ہوتا ہے:

۱۔ نماز کے واجبات میں سے کسی واجب کو بھول کر ترک کردے، مثلاً سورۂ فاتحہ پڑھنا یا اُس کے بعد سورت ملانا بھول گیا۔

۲۔ کسی واجب کو اُس کے اصل مقام سے مؤخر کردے، مثلاً فرض کی پہلی دو رکعات اور باقی تمام نمازوں کی ہر رکعت میں پہلے سورت پڑھ کر پھر سورۂ فاتحہ پڑھی۔

۳۔ کسی فرض یا واجب کے ادا کرنے میں ایک رکن کی مقدار تاخیر کردی، مثلاً قعدۂ اولیٰ میں اَلتَّحیات پوری پڑھنے کے بعد ایک رکن کی مقدار خاموش بیٹھا رہا اور تیسری رکعت کے لیے قیام میں تاخیر ہوگئی۔

۴۔ کسی واجب کو دو مرتبہ ادا کرے، مثلاً فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سے کسی رکعت میں سورۂ فاتحہ مکمل یا اُس کا اکثر حصہ دوبار پڑھ لیا۔

۵۔ کسی واجب کو تبدیل کردے مثلاً ظہر اور عصر کی نماز میں قراءت جہراً یعنی اونچی آواز سے کی یا مغرب، عشاء اور فجر کی جماعت میں امام نے قراءت آہستہ آواز میں کی۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

۶۔کسی فرض یا واجب کو اُس کے اصل مقام سے مُقدَّم کردے،مثلاً رکوع سے پہلے سجدہ کرلے۔

۷۔کسی فرض کو بھولے سے دومرتبہ ادا کرے،مثلاً کسی رکعت میں دومرتبہ رکوع کرلے یا تین سجدے کرلے۔

فرض کی تیسری، چوتھی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورت پڑھنا

سوال:

اگر فرض نماز کی تیسری یا چوتھی رکعت میں بھول کر کوئی سورت ملادی ،تو کیا سجدۂ سہو واجب ہوجائے گا؟۔(منور احمد،ملیر)

جواب:

اگر فرض کی تیسری یا چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قصداً یا سہواً کوئی سورت پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب نہیں۔علامہ نظام الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَلَوْ قَرَأَ فِی الْاُخْرَیَیْنِ الْفَاتِحَةَ وَالسُّوْرَةَ لَایَلْزَمُهُ السَّهْوُ، وَهُوَالْاَصَحُّ، وَلَوْقَرَأَ فِیْ رُكُوْعِهٖ أَوْ سُجُوْدِهٖ أَوْ تَشَهُّدِهٖ یَلْزَمُهُ، وَهٰذَا اِذَا بَدَأَ بِالْقِرَاءَةِ ثُمَّ بِالتَّشَهُّدِ وَاِنْ بَدَأَ بِالتَّشَهُّدِ ثُمَّ بِالْقِرَاءَةِ فَلَا سَهْوَ عَلَیْهِ كَذَا فِیْ مُحِیْطِ السَّرَخْسِیِّ۔

ترجمہ:’’اگر (فرض کی) آخری دو رکعتوں میں فاتحہ کے بعد سورت ملائی تو سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا اور یہی صحیح ترین قول ہے۔اور اگر رکوع یا سجود یا تشہُّد میں قرآن پڑھا،تو سجدۂ سہو لازم ہے اور یہ اُس وقت ہے کہ جب (قعدہ میں) اَلتَّحیات پڑھنے سے پہلے قراءت کی اور پھر تشہُّد پڑھا۔اور اگر پہلے تشہُّد پڑھا پھر قراءت کی تو اُس پر سجدۂ سہو لازم نہیں،جیسا کہ ’’محیط السرخسی‘‘ میں ہے‘‘۔(فتاویٰ عالمگیری،جلد 1،ص:126)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

سجدۂ سہو اور اس کا طریقہ

سوال:

سجدۂ سہو کسے کہتے ہیں اور طریقہ کیا ہے؟۔ سجدۂ سہو کی اصل کیا ہے؟
(عبدالمجید، ابوالحسن اصفہانی روڈ گلشن اقبال، کراچی)

جواب:

''سہو'' کے معنی ہیں: بھولنا، واجباتِ نماز میں سے کوئی واجب بھولے سے رہ گیا، تو اُس کی تلافی اور نماز کی درست ادائیگی کے لیے قعدۂ اخیرہ میں دائیں جانب سلام پھیر کر دو سجدے کیے جاتے ہیں، اُنہیں سجدۂ سہو کہتے ہیں، جس کی اصل (ثبوت) درج ذیل احادیث مبارکہ ہیں:

سجدۂ سہو سے متعلق احادیث

(۱) قَالَ عَبْدُاللهِ صَلّٰی رَسُوْلُ اللهِ، صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، قَالَ اِبْرَاهِيْمُ: زَادَ أَوْ نَقَصَ، فَلَمَّا سَلَّمَ، قِيْلَ لَهٗ: يَا رَسُوْلَ اللهِ أَحَدَثَ فِي الصَّلٰوةِ شَيْءٌ؟، قَالَ: وَمَاذَاكَ؟، قَالُوْا: صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: فَثَنٰى رِجْلَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ، فَقَالَ: اِنَّهٗ لَوْحَدَثَ فِي الصَّلٰوةِ شَيْءٌ اَنْبَأْتُكُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ أَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ، فَاِذَا نَسِيْتُ، فَذَكِّرُوْنِيْ وَاِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ۔

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز پڑھائی (راوی) ابراہیم کہتے ہیں آپ نے نماز میں کچھ کمی یا زیادتی کردی، جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کیا نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے؟'' آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کیوں؟۔ لوگوں نے عرض کی: آپ نے اس طرح نماز پڑھی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیر پلٹے اور قبلہ کی طرف رخ پھیر لیا دو سجدے کیے پھر سلام پھیر دیا پھر چہرۂ مبارک ہماری طرف متوجہ کیا اور فرمایا: اگر

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

نماز کے بارے میں کوئی نیا حکم نازل ہوتا تو میں تمہیں اس کی خبر دیتا لیکن میں بشر ہوں (اور کبھی) بھول جاتا ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو، لہٰذا جب میں بھولوں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو۔ اور تم میں سے جب کسی کو نماز میں شک پیدا ہو تو غور کرے کہ صحیح صورت کیا ہے، پھر اس کے مطابق نماز پوری کرے پھر دو سجدے کر کے سلام پھیر دے"۔ (صحیح مسلم:1273)

(۲) عَنْ عَبْدِ اللهِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ، صَلَّی الظُّهْرَ خَمْسًا، فَلَمَّا سَلَّمَ قِیْلَ لَهٗ: اَزِیْدَ فِی الصَّلٰوةِ؟، قَالَ: وَمَا ذَاكَ قَالُوْا: صَلَّیْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ۔

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ظہر کی نماز پانچ رکعات پڑھا دیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سلام پھیرا تو آپ کی خدمت میں عرض کی گئی: "کیا نماز میں کچھ اضافہ ہو گیا ہے؟"، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "ایسا تو نہیں ہے"، صحابہ نے عرض کی: آپ نے نماز پانچ رکعات پڑھائی ہے، پھر آپ نے دو سجدے کیے" (صحیح مسلم:1281)۔ ہمارے نزدیک یہ صورت اس پر محمول ہوگی کہ چوتھی رکعت کے بعد تشہد پڑھنے اور قعدۂ اخیرہ کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھڑے ہوئے ہوں گے۔

(۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: صَلَّیْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَاِمَّا زَادَ اَوْ نَقَصَ، قَالَ اِبْرَاهِیْمُ: وَایْمُ اللهِ مَا جَآءَ ذَاكَ اِلَّا مِنْ قِبَلِیْ، قَالَ: فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللهِ! اَحَدَثَ فِی الصَّلٰوةِ شَیْءٌ؟، فَقَالَ: لَا، قَالَ: فَقُلْنَا لَهٗ: اَلَّذِیْ صَنَعَ، فَقَالَ: اِذَا زَادَ الرَّجُلُ اَوْ نَقَصَ فَلْیَسْجُدْ سَجْدَتَیْنِ، قَالَ: ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَیْنِ۔

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے نماز میں کچھ زیادتی یا کمی کر دی، راوی ابراہیم کہتے ہیں: بخدا! مجھے یہ شبہ لاحق ہوا ہے، حضرت ابن مسعود کہتے ہیں: ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نیا حکم آگیا ہے؟، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا نہیں، حضرت ابن مسعود کہتے ہیں: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کی: آپ سے نماز میں کچھ کمی بیشی ہوئی ہے، آپ نے فرمایا: جب کسی شخص سے نماز میں زیادتی یا کمی ہو جائے، تو وہ سہو کے دو سجدے کرے،

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

پھر آپ نے سہو کے دو سجدے کیے''۔ (صحیح مسلم:1286)

(۴) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ صَلَّى الْعَصْرَ، فَسَلَّمَ فِيْ ثَلٰثِ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ دَخَلَ مَنْزِلَهُ، فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْخِرْبَاقُ وَكَانَ فِيْ يَدَيْهِ طُوْلٌ، فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ! فَذَكَرَ لَهُ صَنِيْعَهُ وَخَرَجَ غَضْبَانَ يَجُرُّ رِدَائَهُ حَتّٰى اِنْتَهٰى اِلَى النَّاسِ، فَقَالَ: اَصَدَقَ هٰذَا؟، قَالُوْا: نَعَمْ فَصَلّٰى رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور تین رکعات کے بعد سلام پھیر دیا اور گھر جانے لگے، پھر لمبے ہاتھوں والا خرباق نام کا ایک شخص کھڑا ہوا اور اُس نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ نے تین رکعات کے بعد سلام پھیرا ہے، آپ غصہ میں چادر کھینچتے ہوئے نکلے اور نمازیوں سے جا کر پوچھا: کیا یہ سچ کہتے ہیں؟، انہوں نے کہا جی ہاں، آپ نے ایک رکعت اور پڑھا کر سلام پھیرا، پھر آپ نے دو سجدے کر کے سلام پھیرا (اور نماز مکمل فرمائی)''۔ (صحیح مسلم:1292)

(۵) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ أَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ يُصَلِّيْ جَاءَهُ الشَّيْطَانُ فَلَبَسَ عَلَيْهِ حَتّٰى لَايَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى، فَاِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ أَحَدُكُمْ، فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو شیطان آ کر (ارکانِ نماز) اس پر خلط ملط اور مشتبہ کر دیتا ہے حتیٰ کہ اسے یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعات پڑھیں جب تم میں سے کسی شخص کو یہ امر پیش آئے تو وہ بیٹھ کر دو سجدہ سہو کے کرے''۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث:1267)

(۶) أَبُوْسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَاهُرَيْرَةَ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: اِذَا نُوْدِيَ بِالْأَذَانِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ، لَهُ ضُرَاطٌ حَتّٰى لَايَسْمَعَ الْأَذَانَ، فَاِذَا قُضِيَ الْأَذَانُ أَقْبَلَ فَاِذَا ثُوِّبَ بِهَا أَدْبَرَ، فَاِذَا قُضِيَ التَّثْوِيْبُ أَقْبَلَ حَتّٰى يَخْطُرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهٖ يَقُوْلُ:

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اذْکُرْ کَذَا، وَاذْکُرْ کَذَا لِمَا لَمْ یَکُنْ یَذْکُرُ، حَتّٰی یَظَلَّ الرَّجُلُ اِنْ یَدْرِیْ کَمْ صَلّٰی فَاِذَا لَمْ یَدْرِ اَحَدُکُمْ کَمْ صَلّٰی فَلْیَسْجُدْ سَجْدَتَیْنِ، وَھُوَ جَالِسٌ۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب اذان ہوتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے تاکہ اذان نہ سن سکے، اذان کے بعد پھر آجاتا ہے اور جب تکبیر ہوتی ہے تو پھر بھاگ جاتا ہے، تکبیر کے بعد آکر نمازی کو وسوسہ ڈالنا شروع کر دیتا ہے اور اس کی بھولی ہوئی باتوں کے بارے میں کہتا ہے: فلاں بات یاد کر، فلاں بات یاد کر، حتّٰی کہ نمازی کو یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں۔ جب تم میں سے کسی شخص کو یہ یاد نہ رہے کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں تو وہ بیٹھ کر دو سجدے کرے''۔(صحیح مسلم، 1269)

(۷) عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَیْنَةَ قَالَ صَلّٰی لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَکْعَتَیْنِ مِنْ بَعْضِ الصَّلَوَاتِ، ثُمَّ قَامَ فَلَمْ یَجْلِسْ، فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، فَلَمَّا قَضٰی صَلَاتَهُ وَنَظَرْنَا تَسْلِیْمَهُ کَبَّرَ فَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ وَھُوَ جَالِسٌ، قَبْلَ التَّسْلِیْمِ ثُمَّ سَلَّمَ۔

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (چار رکعت والی نماز میں) دو رکعت نماز پڑھا کر قعدہ کیے بغیر کھڑے ہوگئے، لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ جب آپ نے نماز پوری کر لی اور ہم سلام کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ نے تکبیر کہی اور سلام سے پہلے بیٹھے ہوئے دو سجدے کیے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا (اور نماز مکمل کر لی)''۔(صحیح مسلم، رقم الحدیث: 1271)

سجدۂ سہو کا طریقہ

سجدۂ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ میں التحیات کے بعد دائیں طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے، پھر تشہّد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر لے۔ علامہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَیُسَلِّمُ عَنْ یَمِیْنِہٖ کَذَا فِیْ ''الزَّاھِدِیْ'' وَکَیْفِیَّتُهٗ أَنْ یُّکَبِّرَ بَعْدَ سَلَامِہِ الْاَوَّلِ وَیَخِرُّ سَاجِدًا وَیُسَبِّحُ فِیْ سُجُوْدِہٖ ثُمَّ یَفْعَلُ ثَانِیًا کَذٰلِکَ، ثُمَّ یَتَشَھَّدُ ثَانِیًا، ثُمَّ یُسَلِّمُ کَذَا فِیْ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

''الْمُحِيط''، وَيَأْتِي بِالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَالدُّعَاءِ فِي قَعْدَةِ السَّهْوِ، هُوَ الصَّحِيحُ وَقِيلَ يَأْتِي بِهِمَا فِي الْقَعْدَةِ الْأُولَى، كَذَا فِي ''التَّبْيِين''، وَالْأَحْوَطُ أَنْ يُصَلِّيَ فِي الْقَعْدَتَيْنِ، كَذَا فِي ''فَتَاوَىٰ قَاضِيخَان''، وَحُكْمُ السَّهْوِ فِي الْفَرَائِضِ وَالنَّفْلِ سَوَاءٌ كَذَا فِي الْمُحِيطِ۔

ترجمہ: ''اور (سجدۂ سہو کے لیے) دائیں طرف سلام پھیرے، جیسا کہ ''زاہدی'' میں ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ (دائیں طرف) پہلا سلام پھیرنے کے بعد تکبیر (اَللّٰہُ اَکْبَرُ) کہے اور سجدے میں چلا جائے اور سجدے کی تسبیح پڑھے، پھر دوسری مرتبہ ایسا ہی کرے (یعنی دوسرا سجدہ کرے)، پھر دوبارہ تشہّد (التحیات) پڑھے، پھر سلام پھیر دے، ''محیط'' میں اسی طرح ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ نبی ﷺ پر درود شریف اور دعا سجدۂ سہو کے (بعد والے) قعدے میں پڑھے اور بعض نے فرمایا: (سجدۂ سہو سے) پہلے قعدے میں (یعنی سجدۂ سہو کرنے سے قبل التحیات کے بعد) درود شریف اور دعا پڑھے، ''التبیین'' میں بھی اسی طرح ہے۔ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ دونوں قعدوں میں درود شریف بھی پڑھے۔ سجدۂ سہو کا یہ حکم فرض اور نفل (دونوں نمازوں) کے لیے یکساں ہے، جیسا کہ ''محیط'' میں ہے''۔

(فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص:126-125)

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

(يَجِبُ بَعْدَ سَلَامٍ وَاحِدٍ عَنْ يَمِينِهِ فَقَطْ) لِأَنَّهُ الْمَعْهُودُ، وَبِهِ يَحْصُلُ التَّحْلِيلُ، وَهُوَ الْأَصَحُّ۔

ترجمہ: ''(نماز میں سہو واقع ہوجانے پر) نمازی پر سہو (کی تلافی) کے لیے دائیں طرف ایک سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے واجب ہیں، اس لیے کہ داہنی طرف کو سلام پھیرنا سہو کے لیے معمول رہا ہے اور نماز سے نکلنا ایک سلام سے حاصل ہوجاتا ہے اور یہی صحیح ترین ہے''۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 2، ص:471، بیروت)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ایک رُکن تاخیر کی مقدار

سوال:

اکثر سننے میں آتا ہے کہ ایک رکن کی مقدار تاخیر سے سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ ایک رکن کی تاخیر کسے کہتے ہیں؟، (محمد احمد رضا، سرجانی ٹاؤن، کراچی)۔

جواب:

اس کا تعلق نماز کے ایک واجب تعدیلِ ارکان سے ہے اور اُس کی اصل یہ حدیث پاک ہے: ''حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، (اُسی وقت) ایک شخص مسجد میں آیا اور نماز پڑھی اور پھر آکر نبی ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: واپس جاکر نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اُس نے واپس جاکر پہلے کی طرح نماز پڑھی اور پھر آکر نبی ﷺ کو آکر سلام کیا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: واپس لوٹو اور نماز پڑھو، کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی (یہ جملہ آپ نے تین بار فرمایا)۔ پھر اُس شخص نے عرض کی: اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میں اس سے بہتر طریقے پر نماز نہیں پڑھ سکتا، پس مجھے نماز کا صحیح طریقہ سکھادیجیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز کا ارادہ کروتو (تکبیرِ تحریمہ یعنی اللہ اکبر) کہو، پھر جتنا قرآن تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو، پڑھو، پھر تم اطمینان کے ساتھ رکوع کرو، پھر تم رکوع سے اٹھو اور سکون وقرار کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ، پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو، پھر (سجدے سے واپس) اطمینان کے ساتھ (حالتِ تشہد میں) بیٹھ جاؤ، پھر اسی طرح دوسرا سجدہ کرو اور اپنی پوری نماز اسی طرح ادا کرو''۔ (صحیح البخاری:757)

اس حدیث پاک کی رُو سے تعدیلِ ارکان واجب ہے، لہٰذا رکوع سے اٹھنے کے بعد قومہ (یعنی اطمینان کے ساتھ کھڑے ہونا) اور دو سجدوں کے درمیان جلسہ (یعنی اطمینان سے بیٹھنا) نماز کے اندر واجب ہے اور اس کا تعلق تعدیلِ ارکان سے ہے۔ سجدۂ سہو کے واجب ہونے کا ضابطہ اسی کتاب میں دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے، اُس کی رُو سے

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ایک فرض سے دوسرے فرض کی طرف انتقال میں ایک رکن کی مقدار تاخیر سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے۔

بعض فقہائے کرام نے رکن کی مسنون مقدار مراد لی ہے۔جیسے رکوع ایک رکن ہے اور اس میں تین تسبیح کی مقدار ٹھہرنا سنت ہے، لہٰذا اگر نماز کے ایک رُکن سے دوسرے کی طرف انتقال میں تین مرتبہ ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلٰی'' یا ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم'' کی مقدار تاخیر ہوجائے تو سجدۂ سہو لازم آئے گا، لیکن قعدہ اولیٰ میں اگر کسی نے اللھم صل علیٰ محمد تک بھول کر پڑھ لیا تو اس سے بھی سجدۂ سہو واجب ہوجائے گا، اس میں اگرچہ تین سبحان اللہ کے برابر تاخیر نہیں ہوتی، کیونکہ یہاں تک پڑھنا بھی مکمل درود ہے، اس لیے اتنا پڑھنے سے بھی سجدۂ سہو واجب ہوجائے گا، جیسے صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: ''اگر قعدۂ اُولیٰ سے تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت اتنی تاخیر کی کہ ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ'' پڑھ لیا، تو سجدۂ سہو واجب ہے''۔(بہارِ شریعت جلد اول، ص:713)

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے: ''(تین یا چار رکعات والی نماز میں پہلے التحیات کے بعد) تیسری رکعت کے لیے اٹھنے میں ایک رُکن کی مقدار تشہد میں زیادتی کر لی، تو اس سے سجدۂ سہو لازم آئے گا اور ''الزیلعی'' میں ہے: ''صحیح ترین قول یہ ہے کہ ''اللھم صل علیٰ محمد'' پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم آئے گا''۔اس کی شرح میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ''قاضی امام احمد بن منصور ابونصر اسبیجابی کا قول یہ ہے: جب تک نمازی ''اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد'' نہ کہہ لے، اس سے کم تاخیر میں سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا'' اور علامہ محمد ابراہیم بن حلبی نے منیۃ المصلّی کی شرح ''الصغیر'' میں اِسے اکثر کا قول قرار دیا ہے اور اِسی کو صحیح ترین قرار دیا ہے، علامہ ''الخیر الرملی'' نے کہا کہ اِن دونوں اقوال میں سے کسی ایک کو صحیح قرار دینا متفق علیہ نہیں ہے اور علامہ قاضی امام کے قول کو ترجیح دینی چاہیے۔''فتاویٰ تتارخانیہ'' میں ''حاوی'' کے حوالے سے لکھا کہ جب تک نمازی پہلے تشہد کے بعد ''حَمِیْدٌ مجید'' تک نہ پڑھ لے تو صاحبین کے قول کے مطابق سجدۂ سہو لازم نہیں

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ہے۔(حاشیہ ابن عابدین (رد المحتار علی الدر المختار، دار الثقافۃ والتراث دمشق، ج:4،ص:480)
اس تفصیل کے مطابق پہلے قول (یعنی یہ کہ تیسری رکعت کے لیے اٹھنے سے پہلے ''اللھم صل علیٰ محمد'' پڑھ لیا تو سجدہ سہو لازم ہے) پر عمل کرنے میں احتیاط ہے اور اہلِ عزیمت وتقویٰ کو اِسی پر عمل کرنا چاہیے، دوسرے قول پر(کہ اگر ''وعلیٰ آل محمد'' تک نہ پڑھا ہوتو سجدۂ سہو لازم نہیں آتا)عمل کرنے میں یُسر ہے اور تیسرے قول میں زیادہ رخصت ہے۔صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے احتیاط والے قول کو اختیار کیا ہے۔
علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ سجدۂ سہو کا وجوب درود پڑھنے پر منحصر نہیں ہے بلکہ واجب کے ترک کرنے پر ہے اور وہ ہے: تیسری رکعت کے لیے قیام میں تاخیر کرنا،تو اگر رکن کی مقدار خاموش رہا تب بھی سجدۂ سہو لازم آئے گا۔

ضرورت کے بغیر متبادل جگہ جمعے کا قیام

سوال:

ہم ایک سرکاری دفتر میں ملازم ہیں، دفتر کے احاطے میں ایک مسجد ہے، جہاں ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں باجماعت ہوتی ہیں اور کبھی عشاء کی نماز بھی ہوجاتی ہے۔امامت کے لیے ہمارے ہی دفتر میں کام کرنے والے ایک صاحب کو ہم نے منتخب کرلیا ہے، وہ باقاعدہ کوئی عالمِ دین نہیں ہیں۔ ہفتے میں دودن یعنی ہفتہ اور اتوار تعطیل کے سبب دفتر بند رہتا ہے اور مسجد بھی بند ہوتی ہے گویا دودن کوئی نماز نہیں ہوتی۔ہمارے دفتر کے سامنے ایک دوسرا سرکاری ڈپارٹمنٹ ہے،جس میں ایک مسجد اور بھی موجود ہے، جہاں جمعہ کی نماز باجماعت ہوتی ہے، یہ دونوں مساجد اہلسنّت وجماعت ہی کی ہیں۔گزشتہ دنوں امام مسجد نے جمعہ کی نماز باجماعت ادا کرنے کا اعلان کیا ہے۔ایسی مسجد جہاں صرف تین وقت کی نماز ادا کی جاتی ہو اور ہفتہ میں دودن کسی بھی وقت کی نماز نہ ہوتی ہو، وہاں جمعہ کی نماز باجماعت ادا کرنا کیسا ہے؟۔(محمد کبیر اور اسٹاف دفتر، گلشن اقبال، کراچی)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جواب:

نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے مسجد میں پنج وقتہ نماز ہونا ضروری نہیں، لیکن جب قریب کی مسجد میں جمعہ قائم ہوتا ہے، تو افضل یہی ہے کہ اُسی جگہ جمعہ پڑھا جائے۔ امام احمد رضا قادری قُدّس سِرُّہ العزیز سے سوال کیا گیا کہ ''ایک قصبہ میں جامع مسجد ہے کہ ہمیشہ اُس میں جمعہ ہوتا ہے، اب ایک مسجد بنا ہوئی اُس کو جامع مسجد بنانا اور قدیم کی جامع مسجد کو ترک کر دینا یا دونوں جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟''۔ آپ نے جواب میں لکھا: ''قصبہ وشہر جہاں جمعہ جائز ہے، وہاں نمازِ جمعہ متعدد جگہ ہونا بھی جائز ہے، اگرچہ افضل حتی الوسع ایک جگہ ہونا ہے اور اگلی مسجد جامع کو ترک کر دینے کے اگر یہ معنیٰ کہ اُس میں نماز ہی چھوڑ دی جائے، تو قطعاً ناجائز کہ مسجد کا ویران کرنا ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 8، ص:312)

امام احمد رضا قادری قُدّس سِرہ العزیز نے فتاویٰ رضویہ جلد:8، ص:386-385 پر امام جمعہ کے تقرر کے حوالے سے مُفصل بحث کی ہے۔ اُس کی روشنی میں جب قریب ہی اہلِ سنّت و جماعت کی مسجد ہے، جہاں پہلے سے جمعہ کی نماز کا سلسلہ جاری ہے، تو بہتر ہوگا کہ آپ لوگ بھی وہیں نمازِ جمعہ ادا کریں۔ امام احمد رضا قادری قُدّس سِرہ العزیز نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام جمعہ کے لیے معیار عام نمازوں کے امامت کے معیار سے افضل واعلیٰ ہے اور اس کے تقرر کی شرائط پر بھی اُنہوں نے بحث کی ہے۔

فرض اور سنّت کے درمیان قضا پڑھنے کی اجازت

سوال:

(۱) ظہر کے چار سنتِ مؤکدہ یا کسی بھی نماز کی سنت پڑھنے کے بعد اگر جماعت میں وقت باقی ہو تو درمیان میں نفل نماز، قضا نماز یا صلوٰۃِ حاجت وغیرہ پڑھ سکتے ہیں؟۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جس طرح ترتیب مروی ہے جیسے چار سنت مؤکدہ، چار فرض، دو سنّت مؤکدہ، پہلے اور آخر میں جن سنّتوں کا ذکر ہے، وہ مؤکدہ ہیں یا غیر مؤکدہ؟۔

(محمد جمیل مروت، ڈیرہ اسماعیل خان)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جواب:

بارہ اوقات ایسے ہیں جن میں نوافل پڑھنا منع ہے:

(۱) طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک

(۲) جماعت کے لیے اقامت شروع ہوئی تو اقامت سے ختمِ جماعت تک

(۳) نمازِ عصر سے آفتاب زرد ہونے تک

(۴) غروبِ آفتاب سے فرضِ مغرب تک

(۵) امام جمعہ کے خطبہ کے لیے کھڑا ہونے کے بعد

(۶) عین خطبہ کے وقت (پہلا خطبہ ہو یا دوسرا)

(۷) نمازِ عیدین سے پہلے عیدگاہ میں اور گھر پر بھی

(۸) نمازِ عیدین کے بعد (عیدگاہ میں پڑھنا مکروہ ہے گھر میں پڑھنا مکروہ نہیں)

(۹) عرفات میں جب ظہر وعصر ملا کر پڑھی جائے، تو اُن کے درمیان اور بعد میں بھی مکروہ ہے۔

(۱۰) مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نماز ملا کر پڑھی جاتی ہے، ان کے درمیان نفل وسنت پڑھنا مکروہ ہے، بعد میں مکروہ نہیں۔

(۱۱) جب فرض کا وقت تنگ ہو، تو ہر نماز یہاں تک کہ سنّت فجر وظہر بھی مکروہ ہے۔

(۱۲) جس بات سے توجہ اور دھیان بٹتا ہے اور اُسے دور کرنا ممکن ہے، مثلاً قضائے حاجت یا شدید بھوک کا غلبہ، تو اس کیفیت میں بھی نفل یا کوئی بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی لکھتے ہیں:

وَيُكْرَهُ التَّنَفُّلُ: بَعدَ طُلُوعِ الْفَجرِ بِأَكثَرَ مِنْ سُنَّتِهِ، وَبَعْدَ صَلَاتِه، وَبَعْدَ صَلَاةِ العَصْرِ، وَقَبلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ، وَعِندَ خُرُوجِ الْخَطِيبِ، حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلَاةِ، وَعِندَ الإِقَامَةِ، اِلَّا سُنَّةَ الْفَجرِ، وَقَبلَ الْعِيدِ، وَلَوفِي الْمَنْزِلِ، وَبَعْدَهُ فِي الْمَسْجِدِ، وَبَينَ الْجَمْعَينِ فِي عَرَفَةَ وَمُزْدَلِفَةَ وَعِندَ ضَيْقِ وَقتِ الْمَكْتُوبَةِ، وَمُدَافعةِ الأَخْبَثَينِ،

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

وَحُضُورِ طَعَامٍ تَتُوقُهُ نَفْسُهُ، وَمَایَشْغَلُ الْبَالَ، وَیُخِلُّ بِالْخُشُوعِ۔

ترجمہ:''(اِن اوقات میں) نفل پڑھنا مکروہ ہے: طلوعِ فجر کے بعد فجر کے فرض سے پہلے فجر کی دوسنّتوں کے علاوہ دیگر نوافل، نمازِ فجر کے بعد، نمازِ عصر کے بعد، نمازِ مغرب سے قبل، جب خطیب خطبہ کے لیے نکلے، یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوجائے، اِقامتِ نماز کے وقت، سوائے فجر کی سنّت کے (بشرطیکہ فجر کی سنت پڑھ کر جماعت پاسکتا ہو)، عید کی نماز سے قبل اگرچہ گھر میں پڑھے، عید کی نماز کے بعد مسجد (یعنی عیدگاہ) میں، عرفہ اور مزدلفہ کے مقام پر جمعِ نماز کے وقت (دونوں نمازوں کے درمیان)، فرض نماز کا وقت تنگ ہو، قضائے حاجت کے وقت، کھانا حاضر ہو اور طبیعت کھانے کی طرف مائل ہو، ہر وہ چیز جو دل کو مشغول کرے اور خشوع قائم نہ ہونے دے''۔(مراقی الفلاح، ص:262 تا267)

جیسا کہ آپ نے سوال میں دریافت کیا نماز ظہر کی چار سنّت پڑھنے کے بعد اگر جماعت میں وقت باقی ہے، تو اِس دوران نفل یا صلوٰۃ حاجت یا قضا نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:''اگر وقت میں گنجائش ہو اور اُس وقت نوافل مکروہ نہ ہوں تو جتنے نوافل چاہے پڑھے اور اگر نمازِ فرض یا جماعت جاتی رہے گی تو نوافل میں مشغول ہونا ناجائز ہے''۔(بہارِ شریعت، جلد اول، ص:665)

ظہر کی ابتدائی چار رکعت اور فرض کے بعد کی دو رکعت سنّت مؤکدہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی فِی یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ رَکْعَةً بُنِیَ لَهُ بَیْتٌ فِی الْجَنَّةِ أَرْبَعاً قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَهَا وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَکْعَتَیْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ۔

ترجمہ:''جس (مسلمان بندہ) نے (اللہ کے لیے) ہر روز (فرض نماز کے علاوہ) بارہ رکعات (باقاعدگی سے) پڑھیں، اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت میں ایک مکان بنائے گا، چار رکعت ظہر سے پہلے، دو رکعت ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو رکعت عشاء کے بعد اور

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

دو رکعت فجر سے پہلے"۔ (سُنن ترمذی، رقم الحدیث: 415)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

وَالسُّنَّةُ قَبْلَ الْفَجْرِ وَبَعْدَ الظُّهْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ رَكْعَتَانِ وَقَبْلَ الظُّهْرِ وَالْجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا أَرْبَعٌ

ترجمہ: "اور سنّت مؤکدہ فجر کے فرض سے پہلے اور ظہر کے فرض کے بعد اور مغرب کے فرض کے بعد اور عشاء کے فرض کے بعد دو، دو رکعات اور ظہر کے فرض سے پہلے اور نمازِ جمعہ کے فرض سے پہلے اور بعد میں چار رکعات ہیں"۔ (البحر الرائق، جلد 2، ص: 83)

گھاس/ قالین پر سجدے کا حکم

سوال:

عیدگاہ میں گھاس پر سجدہ کرنا کیسا ہے؟، نیز کارپٹ (قالین) پر سجدہ ہوجاتا ہے، ایک وہ قالین ہوتا ہے، جس کے نیچے باریک فوم (Underlay) لگایا جاتا ہے۔

(محمد ناصر خان چشتی، تونسہ شریف)

جواب:

سجدے میں پیشانی کا کسی ایسی چیز پر ٹھہرنا ضروری ہے، جس پر پیشانی زمین کی سختی محسوس کرسکے۔ حدیث پاک میں ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا سَجَدَ أَمْكَنَ أَنْفَهُ وَجَبْهَتَهُ مِنَ الْأَرْضِ

ترجمہ: "نبی کریم ﷺ جب سجدہ فرماتے تو زمین پر اپنی ناک اور پیشانی مبارک، سجدہ میں خوب جماتے تھے"۔ (سُنن ترمذی، رقم الحدیث: 270)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَيَضَعُ أَحَدُنَا طَرَفَ الثَّوْبِ، مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ، فِي مَكَانِ السُّجُودِ۔

ترجمہ: "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، پھر ہم میں سے کوئی شخص گرمی کی شدت کی وجہ سے اپنے کپڑے کا پلّو سجدہ کی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جگہ پر رکھتا''۔(صحیح بخاری، رقم الحدیث:385)

کسی بھی نرم چیز مثلاً گھاس، روئی، قالین وغیرہ پر سجدہ کیا، اگر پیشانی اِس طرح جم گئی کہ اب مزید دبانے سے نہیں دبے گی، تو سجدہ جائز ہے، ورنہ نہیں۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وَلَو سَجَدَ عَلَى الْحَشِيْشِ أَوِالتِّبنِ أَوْعَلَى الْقُطْنِ أَوِالطَّنْفَسَة أَوِالثَّلْجِ، اِنِ اسْتَقَرَّتْ جَبْهَتُهٗ وَأَنْفُهٗ وَيَجِدُ حَجْمُهٗ يَجُوْزُ وَاِنْ لَّمْ تَسْتَقِرَّ، لاَ۔

ترجمہ: ''اگر گھاس، بھوسا، روئی، چٹائی یا برف پر سجدہ کیا، اگر پیشانی اور ناک اُس پر جم گئیں کہ زمین کی سختی محسوس کرتی ہیں، تو سجدہ جائز ہے اور اگر پیشانی نہ جمے، تو جائز نہیں''۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد 1، ص:70)

مفتی وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''سجدے میں پیشانی کا کسی ایسی چیز پر ٹھہرنا ضروری ہے، جس پر مزید دبانے سے نہ دب سکے۔ لہٰذا موٹے گدے اور اسپرنگ والی سیٹوں پر سجدہ جائز نہیں۔ پتلا گدا یا فوم، جس پر پیشانی کو اتنا دبایا جاسکے کہ وہ ٹھہر جائے، دبانے سے اور نہ دبے، سجدہ جائز ہے۔ مگر ان پر پیشانی کو دبا کر سجدہ کرنا ہوگا۔ آہستہ سے پیشانی رکھ دینے سے سجدہ نہ ہوگا۔ قالین عام طور پر اتنے موٹے نہیں ہوتے، جن پر پیشانی نہ جمے''۔ (وقار الفتاویٰ، جلد دوم، ص:106)

باجماعت نماز میں امام کا توقف

سوال: عشاء کی نماز باجماعت میں امام صاحب نے سورۂ فاتحہ کے بعد جماہی لی، جس کی وجہ سے تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار توقف پیدا ہوا، اِسی طرح دوسری رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ کے بعد توقف پیدا ہوا۔ دوسری رکعت میں توقف کی کوئی وجہ نہیں بلکہ تسمیہ بقول امام صاحب کے اچھی طرح ادائیگی کی رعایت رکھتے ہوئے ادا کی۔ مقتدی کہتے ہیں کہ تین تسبیحات کی مقدار امام صاحب خاموش رہے، آیا نماز ہوگئی یا دوبارہ ادا کی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جائے؟ (قاری محمد فہیم عباسی جامعہ نور القرآن، نارتھ کراچی)

جواب:
جماہی کے عمل کو حدیث پاک میں شیطان کی طرف سے بتایا گیا ہے اور حتی المقدور اُسے روکنے کا حکم اور طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ احادیث مبارکہ میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِي الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَلتَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَالَ هَا، ضَحِكَ الشَّيْطَانُ۔

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جماہی شیطان کی طرف سے ہے، پس جب تم میں سے کسی کو جماہی آئے تو جہاں تک ممکن ہو سکے، روکے۔ پس جب تم میں سے کوئی (منہ کھول کر) ''ھا'' کہتا ہے، تو شیطان اُس پر ہنستا ہے''۔ (صحیح بخاری:3289)

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى فِيهِ، وَلَا يَعْوِي، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَضْحَكُ مِنْهُ۔

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو نماز میں جماہی آئے، تو وہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھ دے اور منہ نہ پھاڑے کہ شیطان اس سے ہنستا ہے''۔ (سُنن ابن ماجہ:968)

نماز میں بالقصد (جان بوجھ کر) جماہی لینا مکروہ (تحریمی) ہے اور خود بخود آئے، تو حرج نہیں، مگر روکنا مستحب ہے۔ روکنے کے لیے ہونٹ کو دانتوں سے دبایا جا سکتا ہے، اس کے باوجود نہ رکے، تو داہنا یا بایاں ہاتھ منہ پر رکھ کر یا آستین سے منہ چھپا کر روکا جا سکتا ہے۔ اگر قیام کی حالت میں ہے، تو داہنے ہاتھ سے روکے اور اگر کسی دوسرے رکن نماز میں ہو تو بائیں ہاتھ سے روکے۔ علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی لکھتے ہیں:

وَيُكْرَهُ (التَّثَاؤُبُ) لِأَنَّهُ مِنَ التَّكَاسُلِ وَالِامْتِلَاءِ، فَإِنْ غَلَبَهُ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَوْ بِأَخْذِ شَفَتِهِ بِسِنِّهِ أَوْ بِوَضْعِ ظَهْرِ يَمِينِهِ أَوْ كُمِّهِ فِي الْقِيَامِ وَيَسَارِهِ فِي غَيْرِهِ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ترجمہ: ''جماہی لینا مکروہ ہے، کیونکہ یہ طبیعت کی سستی اور پیٹ بھرا ہونے سے آتی ہے، سو اگر کسی پر جماہی کا غلبہ ہوجائے تو حتی الامکان اِسے ضبط کرے، خواہ دانتوں سے ہونٹوں کو دبا کر روکے، یا حالتِ قیام میں دائیں ہاتھ کی پُشت یا آستین منہ پر رکھے اور قیام کے علاوہ بائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتا ہے اور جماہی کو ناپسند فرماتا ہے، سو جب تم میں سے کسی کو جماہی آئے تو جب تک ہوسکے اُسے روکے اور ''ھاہ ھاہ'' نہ کرے، کیونکہ جماہی شیطان کے اثر سے ہوتی ہے اور وہ اس پر ہنستا ہے'' (صحیح البخاری: 3815)۔ اور ایک روایت میں ہے: ''اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ دے، کیونکہ (جماہی کی صورت میں) شیطان منہ میں داخل ہوتا ہے'' (صحیح مسلم: 7416)، (مراقی الفلاح، ج: 1، ص: 478)

صاحبِ نورالایضاح لکھتے ہیں:

اِنْ کَانَ قَدْرَ أَدَاءِ رُکْنٍ وَجَبَ عَلَیْہِ سُجُوْدُ السَّھْوِ

ترجمہ: ''اگر ایک رکن کے ادا کیے جانے کی مقدار (واجب میں) تاخیر ہوئی ہو تو سجدۂ سہو واجب ہوجائے گا''۔

علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی اِس کی شرح میں لکھتے ہیں:

زَمَنُ التَّفَکُّرِ زَائِدًا عَنِ التَّشَھُّدِ (قَدْرَ أَدَاءِ رُکْنٍ وَجَبَ عَلَیْہِ سُجُوْدُ السَّھْوِ)

ترجمہ: ''تشہّد پڑھنے کے بعد ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار تفکر میں وقت گزر گیا، تو سجدۂ سہو واجب ہوجائے گا''۔

سوال میں جو صورت بیان کی گئی ہے، اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا، کیونکہ سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانے میں تاخیر (اپنی بشری کوتاہی یا غفلت کی وجہ سے نہیں بلکہ) جماہی کے سبب ہوئی، جو طبعی ہے، ہاں اگر سوچ بچار میں (ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنے کی مقدار) تاخیر کی ہوتی، تو سجدۂ سہو واجب ہوتا۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ پڑھنے اور آمین آہستہ کہنے کے بعد اگر امام کوئی سورۃ ابتدا سے شروع کر رہا ہے، تو بسم اللہ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

رحمٰن الرحیم آہستہ پڑھ کر سورت کا شروع کرنا مستحب ہے۔مقتدیوں کی نماز کی صحت کا مدارامام کی نماز کی صحت پر ہےاوراس کے لیےمقتدیوں کا امام کی نماز پر اعتماد ضروری ہے تاوقتیکہ اس کے برعکس کوئی بات ثابت نہ ہو،حدیث پاک میں ہے:

اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ، اَللّٰھُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّۃَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ۔

ترجمہ:''امام (مقتدیوں کی نماز کا) ضامن ہے اور مؤذن امین ہے،اے اللہ! اماموں کو ہدایت عطافرمااور مؤذنوں کی مغفرت فرما''۔(سُنن ترمذی:207)

امامِ مُعیّن کا حق امامت کے لیےمقدم ہے

سوال:

مسجد میں نماز باجماعت کا وقت معین ومقرر ہے،نماز کا وقت ہو چکا تھا،کسی مقتدی نے اذان دی اور جب جماعت کا وقت آیا تو کسی ایک مقتدی کو کھڑا کر دیا،جیسے ہی اقامت ختم ہوئی،توامام مسجد پہنچ گئے اور اس مقتدی کو ہٹا کر خود نماز پڑھائی،کیا امام کا ایسا کرنا شرعاً درست ہے؟۔جس شخص کو مصلے سے ہٹایا،اُس میں امامت کی شرائط نہیں پائی جاتی تھیں۔

(مولوی غلام نبی سکندری،اوستہ محمد بلوچستان)

جواب:

مقررہ امام ہی امامت کا حق دار ہے اگرچہ مقتدیوں میں کوئی امام سے زیادہ علم اور زیادہ اچھا قرآن پڑھنے والا ہو۔آپ نے جو صورت بیان کی اگرچہ ایسا نادر ہی ہو،تب بھی کسی مقتدی کو اِس بات پر برا نہیں منانا چاہیے اور ازخود ہی امام کے لیے جگہ خالی کر دینا چاہیے۔آپ کے بقول وہ مقتدی امامت کی شرائط پر پورا نہیں اترتا،ایسی صورت میں مقررہ امام کی موجودگی میں اُسے امامت کا حق حاصل نہیں۔علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَاحَافِظِ آیَۃٍ مِنَ الْقُرآنِ بِغَیْرِحَافِظٍ لَھَاوَھُوَالْاُمِّی

ترجمہ:''اورجس کو قرآن سے کچھ یاد ہو اگرچہ ایک آیت ہو،وہ اُمّی کی اقتدا نہیں کر سکتا جسے

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ایک آیت بھی یاد نہ ہو''۔ (حاشیہ ابن عابدین، جلد 3، ص:593)

اگر امام کو تاخیر ہوگئی تو بھی ان کا انتظار کیا جائے گا۔ صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمہ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ ''ایک شخص عالمِ دین امامت کرتا ہے، اگر کسی وقت ان کو پانچ منٹ وضو کرنے یا رفعِ حاجت کی وجہ سے یا کسی اور ضرورت سے دیر ہوگئی اور وقت میں کافی گنجائش ہو تو ان کا انتظار کیا جائے یا نہیں؟، جو لوگ نماز کے وقت میں وسعت ہوتے ہوئے عالم دین کی موجودگی میں صرف پانچ منٹ کی تاخیر کی وجہ سے ایسے شخص کو امام بناتے ہیں جو نماز کے مسائل سے پوری طرح واقف نہ ہو، قرآن پاک صحیح نہ پڑھتا ہو، اس کو نماز پڑھانا اور پڑھوانا کیسا ہے؟''، آپ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ''امام معین کا انتظار کیا جائے گا بلکہ اگر اس کے بغیر آئے ہوئے کسی دوسرے نے جماعت قائم کردی اور وہ آکر اس جماعت میں شریک نہ ہوا، تو یہ جماعت، جماعتِ اُولیٰ نہیں، جماعتِ اُولیٰ وہی ہوگی، جس کو امام مُعیّن قائم کرے گا۔ جو مسائل نماز سے واقف نہیں اور قرآن مجید صحیح نہیں پڑھتا، اُس کو امام بنانا درست ہی نہیں، بلکہ اس کے پیچھے نماز ہی نہ ہوگی جبکہ اس نے حروف کی ادا میں ایسی غلطی کی ہو، جس سے معنیٰ فاسد ہوتے ہوں۔ وقت کی قلت اور کثرت کا سوال اس وقت کیا جاسکتا ہے جبکہ اس کی نماز جائز و درست ہو۔ عالمِ دین جب وہاں کا امام معین ہو تو کسی دوسرے کو اگرچہ یہ دوسرا علم وفضل میں زائد ہو، بغیر اس امام معین کی اجازت کے اس افضل کو بھی امام بنانا منع ہے، نہ کہ ایسے کو جو مسائل سے واقف نہیں اور قرآن صحیح نہ پڑھتا ہو''۔

(فتاویٰ امجدیہ، جلد 1، ص:162)

قبلے کی جانب سے معمولی انحراف ہو تو نماز جائز ہے

سوال: عین جہتِ قبلہ سے کس قدر دائیں / بائیں جانب رخ کرکے نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ ایک مسجد کی تعمیر کے وقت کمپاس کے ذریعے قبلہ کا رخ متعین کیا گیا، دوبارہ چیک کرنے پر پتا چلا کہ تقریباً 22-21 زاویہ کا فرق ہے۔ نمازوں کی ادائیگی کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ (مولانا وقاص احمد، گجرات، محمد یونس قادری، وادیٔ نیلم آزاد کشمیر)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جواب: صحتِ نماز کی شرطوں میں تیسری شرط استقبالِ قبلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ۔

ترجمہ: "بے شک ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے، جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف پھیر لو"۔

(البقرہ:144)

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر فرغانی حنفی لکھتے ہیں:

وَمَن كَانَ غَائِبًا ففرضُهُ إِصَابَةُ جِهَتِهَا هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ التَّكْلِيفَ بِحَسَبِ الْوُسْعِ۔

ترجمہ: "جو شخص کعبہ سے دور ہو، اس پر نماز کے دوران سمتِ کعبہ کی طرف رُخ کرنا فرض ہے، یہی صحیح ہے کیونکہ تکلیف طاقت کے مطابق ہی ہوتی ہے"۔

(ہدایہ، جلد 1 ص:178، مکتبۃ البشریٰ)

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

لَوِانْحَرَفَ عَنِ الْعَيْنِ انْحِرَافًا لَاتَزُولُ مِنْهُ الْمُقَابَلَةُ بِالْكُلِّيَةِ، جَازَ، وَيُؤَيِّدُهُ مَاقَالَ فِي "الظَّهِيرِيَّة" إِذَا تَيَامَنَ أَوْ تَيَاسَرَ تَجُوز۔

ترجمہ: "اگر عین کعبہ سے اتنا منحرف ہوا کہ اس سے بالکلیہ مقابلہ (Oppositeness Facing) ختم نہ ہو، تو نماز جائز ہے اس کی تائید "ظہیریہ" کی اس عبارت سے ہوتی ہے کہ جب وہ تھوڑا دائیں یا بائیں ہو جائے، تو نماز جائز ہوگی" مزید لکھتے ہیں:

ثُمَّ اعلم أنه ذَكَرَ فِي "الْمِعرَاج" عَنْ "شَيخِهِ": أَنَّ جِهةَ الْكَعبةِ هِيَ الْجَانِبُ الَّذِي إِذَا تَوجَّهَ إِلَيهِ الإِنْسَانُ يَكُون مُسَامِتًا لِلْكَعبة أَوْهَوائِهَا تَحقِيقًا أَوْتَقرِيبًا، وَمَعْنَى التَّحْقِيقِ: أَنه لَو فُرِضَ خَطٌّ مِن تِلقَاءِ وَجهِهِ عَلىٰ زَاوِيَةٍ قَائِمَةٍ إِلَى الأُفقِ يَكُون مَارًّا عَلَى الْكَعبَةِ أَوْ هَوائِهَا، وَمَعنَى التَّقرِيب: أَن يَكُونَ مُنحَرِفًا عَنهَا أَوْعَنْ هَوائِهَا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

بِمَالَاتَزُولُ بِهِ الْمُقَابَلَةُ بِالْكُلِّيَّةِ، بِأَنْ يَبْقَى شَيْءٌ مِنْ سَطْحِ الْوَجْهِ مُسَامِتًالَهَا أَوْلِهَوَائِهَا

ترجمہ: ''پھر جان لے کہ ''معراج الدرایہ'' میں اپنے شیخ سے ذکر کیا ہے کہ جہتِ کعبہ سے مرادوہ جانب ہے کہ انسان جب اس کی طرف توجہ کرے تو انسان کا چہرہ کعبہ یا اُس کی بالائی فضا کی جانب تحقیقاً یا تقریباً باقی رہے۔ تحقیق کا معنی یہ ہے کہ نمازی کے چہرے سے زاویہ قائمہ پر سیدھا خط اُفق کی طرف فرض کیا جائے ،تو وہ خط عین کعبہ یا اُس کی بالائی فضا پر سے گزرے۔ تقریب کا معنیٰ یہ ہے کہ کعبہ یا اُس کی بالائی فضا سے تھوڑا انحراف (Deviance) ہو، جس سے (بیت اللہ کی طرف) مکمل طور پر رُخ زائل نہ ہو، بایں طور کہ چہرے کی سطح کا کوئی نہ کوئی کنارہ بیت اللہ یا اس کی بالائی فضا کے سمت پر آجاتا ہو''۔

(حاشیہ ابن عابدین شامی، جلد3،ص:101-100،دمشق)

امام احمد رضا قادری قُدِّسَ سِرُّہ العزیز ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''سوال اگر صحیح ہے تو یہ انحراف میں ثابت کر چکے ہیں کہ جب تک 45 درجے انحراف نہ ہو، نماز بلاشبہ جائز ہے اور یہ کہ قبلۂ تحقیقی کو منہ کرنا نہ فرض ہے اور نہ واجب ،صرف سنّتِ مستحبہ ہے، لہٰذا مسجد میں نماز بلاشبہ جائز ہے اور اس میں اصلاً نقصان نہیں ، نہ یہ دیوار سیدھی کرنا فرض، البتہ بہتر وافضل ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد6،ص:57)

چونکہ مسجد نے ہمیشہ رہنا ہوتا ہے اور جواز کے باوجود کچھ لوگ عوام کے ذہنوں میں انتشار پیدا کرتے رہتے ہیں، لہٰذا اگر کسی بڑی خرابی کے بغیر عین سمتِ قبلہ کی طرف رُخ کے لیے قبلے کی جانب والی دیوار کو سیدھا کیا جاسکتا ہو تو کرلیا جائے ،ورنہ موجودہ صورت میں بھی نماز جائز ہوگی۔

م

ب د ق ج الف

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner
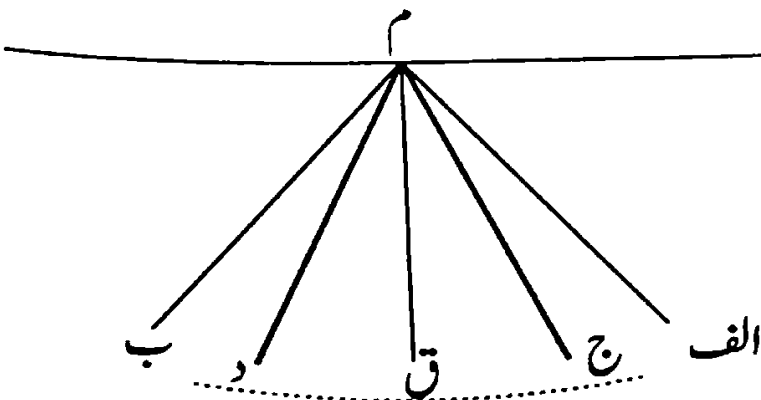
...مندرجہ ذیل خاکے میں الف ۔ ب ایک خط مستقیم ہے، نقطۂ ''م'' پر بالفرض نمازی کھڑا ہے۔م۔ق تک 90 درجے کا زاویہ قائمہ (Right Angle) ہے اور ''ق'' عین قبلے کو ظاہر کررہا ہے۔پس قبلہ کی جانب حقیقی مُواجَہہ یا مقابلہ (Facing) یہ ہے کہ نمازی عین ''ق'' کے مقابل 90 درجے کے زاویے پر کھڑا ہو اور اس کا رخ ق (یعنی عین قبلہ) کی جانب ہو،اس میں قبلے کے دائیں جانب م۔ج کا خط 45 درجے کے زاویے پر ہے اور ...ق کے بائیں جانب م۔د کا خط بھی 45 درجے کے زاویے پر ہے۔تو عین جہتِ قبلہ کے دائیں جانب ج۔ق اور بائیں جانب ق۔د کے درمیان نقطۂ ''م'' سے نمازی کسی بھی زاویے پر ہو، یہ بہرحال 45 درجے یا اس سے کم تر 1 تا 45 درجے کے درمیان کسی بھی زاویے پر ہوگا اوران میں سے کسی بھی زاویے پر پڑھی جانے والی نماز صحیح ہوگی اور جہتِ قبلہ پر متصور ہوگی۔لیکن نقطۂ ''ج'' سے ''الف'' کی جانب اور نقطۂ ''د'' سے ''ب'' کی جانب ایک درجے کا انحراف بھی قبلے سے انحراف (Deviance) متصور ہوگا اور نماز ادا نہیں ہوگی۔

بارش کی وجہ سے ترکِ جمعہ اور جمع بین الصلوٰتین

سوال:

ایک صاحب نے بتایا کہ مدینہ طیبہ میں بارش ہورہی تھی، مسجد نبوی میں اذان ہوئی اور مؤذن نے اذان کے دوران ''أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ'' کے کلمے کے بعد ''حَيَّ عَلَى الصَّلَاة'' کا کلمہ کہنے کے بجائے: ''صَلُّوْا فِي بُيُوتِكُمْ'' کہا، کیا یہ طریقہ درست ہے؟۔

امریکا میں ایک ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ہم چند دوست با جماعت ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے، نماز کے دوران تھوڑی سی بوندا باندی ہوئی، امام صاحب نے ظہر کا سلام پھیرنے کے بعد فرمایا: میں نے ایک حدیث پڑھی ہے کہ بارش ہوجائے تو ''جمع بین الصلاتین'' کر لو، چنانچہ وہیں پر اقامت ہوئی اور عصر کی نماز با جماعت پڑھی گئی، کیا یہ درست ہے؟

(ڈاکٹر شہرام ملک، ٹینیسی، امریکا)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

جواب:

اسلام دینِ حکمت ہے اور اَحکامِ شرعیہ کی حکمتوں کو وہی شخص بہتر طور پر سمجھتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ''تَفَقُّه فِی الدِّین'' کی نعمت وسعادت عطا فرمائی ہو اور یہ دین کی ضرورت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ: ''اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان (اپنے دنیاوی مَشاغل سے دست بردار ہوکر) نکل جائیں، تو ایسا کیوں نہ ہو کہ اِن کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت (دین کی راہ میں) نکلے تاکہ وہ لوگ دین میں کامل فَہم حاصل کریں اور جب وہ (دین میں مہارت حاصل کرکے) واپس اپنی قوم میں جائیں تو اُنہیں (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں تاکہ وہ (برے انجام سے) بچ جائیں''۔ (التوبہ:122)

حدیث پاک میں ہے: ''مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ''۔

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اُسے دین کی کامل فَہم عطا فرماتا ہے''۔ (صحیح بخاری:71)

زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو (ہمیشہ) تروتازہ رکھے، جس نے ہم سے حدیث سنی، پھر اُسے یاد رکھا یہاں تک کہ (آگے دوسروں تک) پہنچادیا، کیونکہ بہت سے فقہ (احکامِ شریعت) کے حامل ایسے ہیں، جو اُسے ایسے اَشخاص تک پہنچادیتے ہیں، جو اُن سے زیادہ دین کی سمجھ رکھتے ہیں اور بہت سے فقہ کے حامل ایسے ہوتے ہیں جو خود فقیہ نہیں ہوتے، (یعنی احادیث سے مسائل کے استخراج کی اہلیت نہیں رکھتے)''۔ (سُنن ابوداؤد:3652)

بارش کی بنا پر نمازِ جمعہ اور جماعت کا ساقط ہونا مختلَف فیہ اَمر ہے۔ حدیث پاک میں اس کی علّت کیچڑ، پھسلن اور شدید ترین سردی بتائی گئی ہے، یہ اس دور میں تھا جب مسجدِ نبوی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

بھی کچی تھی ، مدینہ طیبہ کے گلی کوچے تنگ بھی تھے ، مکانات بھی کچے تھے اور کیچڑ اور پھسلن سے چوٹ لگنے اور جسم اور کپڑوں کے آلودہ ہونے کا اندیشہ تھا۔ اب یہ اَعذار عام نہیں ہیں۔ شہروں اور قصبوں کے گلی کوچے عام طور پر پکے ہوتے ہیں ، بارش کے پانی کے بہاؤ کے لیے نالیاں ہیں ، مسجدیں اور مکانات پکے ہیں ، کیچڑ اور پھسلن کا زیادہ اندیشہ نہیں ہے ، اس لیے ترکِ واجب (جمعہ و جماعت) کی علّت مفقود ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ بارش کے عذر کے سبب جمعہ کی نماز نہ چھوڑی جائے۔ البتہ اگر موسلا دھار بارش ہے ، جو برسوں میں کبھی کبھار ہوتی ہے ، جس میں مسجد تک پہنچنا بھی دشوار ہوتا ہے اور بعض اوقات گلیوں میں بہت زیادہ پانی بھر جاتا ہے ، تو ایسی صورت میں جمعہ اور جماعت کو چھوڑا جا سکتا ہے ، اسی طرح جہاں گلیاں کچی ہوں ، کیچڑ ہو ، پھسلن کا اندیشہ ہو ، چوٹ لگنے ، بدن اور لباس کی آلودگی کا اندیشہ ہو اور بالعموم رات کی تاریکی میں یہ خدشات زیادہ ہوتے ہیں ، تو جمعہ یا جماعت ترک کیا جا سکتا ہے ، جمعہ ترک کرنے کی صورت میں ظہر کی نماز پڑھنی ہوگی۔ اب دنیا میں کسی تَعَطُّل کے بغیر اور بالعموم بارشوں کے دوران بھی معمولاتِ زندگی جاری رہتے ہیں۔

ذیل میں ہم احادیث مبارکہ اور ان کے تحت شارحین کی بحث بھی درج کر رہے ہیں :

(ا) حضرت نافع سے روایت ہے :

قَالَ : أَذَّنَ ابْنُ عُمَرَ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ بِضَجْنَانَ ، ثُمَّ قَالَ : ''صَلُّوْا فِي رِحَالِكُمْ ''۔ وَأَخْبَرَنَا : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ مُؤَذِّنًا يُؤَذِّنُ ، ثُمَّ يَقُولُ عَلَى إِثْرِهِ : ''أَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ '' فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ أَوِ الْمَطِيرَةِ فِي السَّفَرِ۔

ترجمہ : '' اُنہوں نے کہا : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک سرد رات میں ''ضجنان'' میں اذان دی ، پھر فرمایا : '' تم اپنی اقامت گاہوں میں نماز پڑھو'' ، پھر انہوں نے ہمیں یہ خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ کسی مؤذن کو اذان دینے کا حکم دیتے ، وہ اذان دیتا ، پھر اذان کے بعد کہتا : سنو ! سرد رات میں یا بارش والی رات میں حالتِ سفر میں اپنی اقامت گاہوں میں نماز پڑھو''۔ (صحیح بخاری : 632)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

(۲) قَالَ ابنُ عَبَّاسٍ لِمُؤَذِّنِهٖ فِی یَومٍ مَطِیرٍ: اِذَا قُلتَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، فَلَا تَقُل: ''حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ''، قُل: صَلُّوا فِی بُیُوتِکُم، فَکَأَنَّ النَّاسَ اسْتَنْکَرُوا، فَقَالَ: فَعَلَهٗ مَنْ هُوَ خَیْرٌ مِنِّی، اِنَّ الْجُمُعَةَ عَزْمَةٌ، وَاِنِّی کَرِهْتُ أَنْ أُحْرِجَکُم، فَتَمْشُونَ فِی الطِّینِ وَالدَّحْضِ۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس نے بارش کے دن اپنے مؤذن سے کہا: جب تم ''أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ'' کہہ لو، تو اس کے بعد ''حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ'' نہ کہنا (بلکہ) یہ کہنا کہ: ''اپنے گھروں میں نماز پڑھو''، تو گویا لوگوں نے اس کو نامانوس سمجھا (یا اس پر تعجب کیا اور بعض شارحین نے اسے انکار پر محمول کیا ہے)، حضرت ابن عباس نے کہا: اس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا ہے جو مجھ سے افضل تھے، اگرچہ جمعہ پڑھنے کی تاکید ہے (لیکن بارش کے عذر کی بنا پر) میں نے پسند نہیں کیا کہ میں تمہیں حرج میں ڈالوں کہ تمہیں کیچڑ اور پھسلن میں چلنا ہوگا''۔ (صحیح بخاری: 901)

اس روایت میں ''اِنَّ الْجُمُعَةَ عَزْمَةٌ'' کے کلمات ہیں، جن کا معنی ہے کہ جمعہ کی تاکید ہے اور صحیح بخاری ہی کی دوسری روایت میں ''فَاِنَّهَا عَزْمَةٌ'' کے کلمات آئے ہیں، ان کا معنی یہ ہے کہ میں نے تمہیں ''أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ'' کے بعد ''حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃ'' کا کلمہ کہنے سے اس لیے روکا ہے کہ یہ باجماعت نماز کے لیے دعوت دینے کی تاکید ہے اور اس کو سُن کر لوگ چلے آئیں گے، لیکن میں نے یہ کلمہ کہنے سے اس لیے روکا تاکہ لوگ مسجد میں آکر نمازِ جمعہ پڑھنے کے مکلّف نہ ہوں، کیونکہ ''حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃ'' کی دعوت کو قبول کرنے کے معنی یہی ہوں گے کہ لوگ جماعت کے لیے حاضر ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کے نزدیک شدید بارش، کہ جس کے سبب آمدورفت دشوار ہوجائے، نمازِ جمعہ ترک کرنے کا عذر بن سکتی ہے۔

اِسی سبب علامہ بدرالدین عینی حنفی نے ان احادیث پر تفصیلی بحث کی ہے، وہ لکھتے ہیں: ''عبداللہ بن عباس، محمد بن سیرین، عبدالرحمٰن بن سمرہ، احمد اور اسحاق کا قول یہ ہے کہ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

بارش کے عذر کے سبب جمعہ ترک کیا جاسکتا ہے، یعنی بارش کے سبب (جب کہ آمد ورفت دشوار ہوجائے) جمعہ کا وجوب ساقط ہوجائے گا۔ اسی طرح بعض ائمہ کے نزدیک والد مرض الموت میں ہو، تو اُن کی خدمت کے لیے جمعہ چھوڑا جاسکتا ہے اور والد کی مدد کے لیے پکارا جائے تو خطبے کے دوران بھی جمعہ چھوڑ کر جاسکتا ہے۔ عید کا دن (عیدالفطر وعیدالاضحیٰ) جمعہ کے دن آجائے، تو مضافاتی بستیوں کے وہ لوگ جو عید کی نماز پڑھنے شہر آئے تھے، ان کو رسول اللہ ﷺ نے نمازِ جمعہ کی رخصت عطا فرمائی تاکہ انہیں دوبارہ آنے میں مَشَقَّت نہ ہو۔ ابن قانع نے روایت کی ہے کہ امام مالک سے پوچھا گیا: ''کیا آپ بارش والے دن جمعہ چھوڑ دیتے ہیں؟''۔ انہوں نے کہا: ''میں نے ایسا قول نہیں سنا''، انہوں نے بارش کے سبب جمعہ کی رخصت کو سفر پر محمول کیا ہے۔ بعض نے مریض کی عیادت کی خاطر بھی جمعہ چھوڑنے کی رخصت دی ہے (ہماری رائے میں یہ اُس صورت پر محمول ہوگا کہ مریض کی تیمارداری کرنے والا کوئی اور دستیاب نہ ہو اور مریض کو اکیلا چھوڑنے میں نقصان کا اندیشہ ہو)، یہ علامہ عینی کی بحث کا خلاصہ ہے''۔ (عمدۃ القاری، جلد 6، ص: 283-282)

مندرجہ بالا روایت میں ''کَرِھْتُ اَنْ اُحْرِجَکُمْ'' کے کلمات آئے ہیں اور اس کا ترجمہ اوپر آچکا ہے اور بعض نسخوں میں ''کَرِھْتُ اَنْ اُخْرِجَکُمْ'' کے کلمات آئے ہیں اور اِن کے معنی یہ ہوں گے: ''میں نے تمہیں گھروں سے نماز کے لیے نکالنا پسند نہ کیا''۔

ایک اور روایت میں ہے: ''ثُمَّ یَقُوْلُ عَلٰی اِثْرِہٖ: اَلاَ صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ فِی اللَّیْلَۃِ الْبَارِدَۃِ أَوِ الْمَطِیْرَۃِ فِی السَّفَرِ''۔

ترجمہ: ''شدید سردی یا سخت بارش کی رات میں موذن اذان کے بعد یہ کہے: ''اَلاَ صَلُّوْا فِی الرِّحَالِ''، یعنی اپنی رہائش گاہوں میں نماز پڑھو''۔

حدیث مبارک کے اِن کلمات کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: ''اذان کے بعد'' کے کلمات سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ خاص حالات میں یہ اضافی اعلان اذان کے بعد ہوتا تھا، نہ کہ اذان کے دوران۔ اگر کوئی سوال کرے کہ ''باب الکلام

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

فی الاذان'' میں گزر چکا ہے کہ یہ اضافی کلمات اذان کے دوران تھے؟، میں کہوں گا: دونوں صورتیں جائز ہیں، امام شافعی سے یہی روایت ہے، لیکن اذان کے بعد کہنا، بہتر ہے''۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد5، ص:212)۔ اس صورت میں اذان سنّتِ متوارثہ کے مطابق مکمل ہو جائے گی اور اس سے اعلان کا مقصد بھی حاصل ہو جائے گا۔

علامہ بدرالدین عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: ''فَکَاَنَّ النَّاسَ اسْتَنْکَرُوا، لوگوں نے اُسے نامانوس خیال کیا، یعنی انہیں پہلے اس طرح کی صورتِ حال سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اِنَّ الْجُمعۃَ عَزمۃٌ یعنی نمازِ جمعہ کی تاکید ہے اور بعض روایات میں ہے: ''انھا عزمۃ'' یعنی اس مرحلے پر ''حی علی الصلٰوۃ'' کا کلمہ اہم ہے کہ اس میں نماز کی دعوت ہے اور اس کا جواب دینا لازم ہے کیونکہ اگر یہ ہوتا کہ: ''جمعہ عزیمت ہے''، تو وہ بقیہ کلمات اذان کو چھوڑنے سے زائل نہیں ہوتا۔ ''عزیمت'' کے معنی ہیں: ''جو ابتداءً ثابت ہو اور کسی عارض کے مُتصل نہ ہو''۔

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری شافعی المعروف بہ ابن مُلَقِّن لکھتے ہیں:

''عبداللہ بن حارث بیان کرتے ہیں: عبداللہ بن عباس نے ایک کیچڑ والے دن ہمیں خطبہ دیا، جب (اذان دیتے ہوئے) مؤذن ''حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃ'' پر پہنچا تو (ابن عباس نے) اسے حکم دیا: ''یہ اعلان کرو کہ اپنی قیام گاہوں میں نماز پڑھو''، لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (ان کے تَرَدُّد کو بھانپ کر) کہا: ''یہ طریقہ اُس ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے، جو اُن سے بہتر ہیں''۔

اس کی شرح میں طبرانی کے حوالے سے نعیم بن نحام کی روایت نقل کی ہے کہ: ''وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مؤذن نے ایک سرد رات کو اذان دی اور میں اپنے لحاف میں لیٹا ہوا تھا، میں نے تمنا کی کہ اس کی زبان پر حکم آجائے کہ (جو جماعت کے لیے نہ آئے تو) کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ اذان کے بعد اُس نے کہا: ''کوئی حرج نہیں ہے اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ: (فجر کی نماز میں) ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوم'' کے بعد مؤذن

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

نے کہا: جو گھر پر نماز پڑھے، اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح للبخاری، جلد 6، ص: 347-346)

ان احادیث کے تحت شارح نے لکھا ہے کہ: امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک اور جمہور فقہاء کے نزدیک اذان کے دوران کلام مکروہ ہے اور امام احمد کے نزدیک مباح ہے، تاہم اَحناف کے نزدیک اذان کے دوران کلام سے اذان باطل نہیں ہوگی اور اُن کی حُجّت یہ حدیث ہے۔

علامہ ابن بطال قرطبی لکھتے ہیں: ''بارش کے سبب جمعہ چھوڑنے میں علماء کا اختلاف ہے، ابن سیرین، عبدالرحمٰن بن سمرہ، امام احمد، اسحاق اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جواز کے قائل ہیں اور علماء کی ایک جماعت کا اس مسئلے میں اختلاف ہے، یعنی وہ بارش کے سبب ترک جمعہ کو جائز نہیں سمجھتے، امام مالک سے پوچھا گیا کہ: ''کیا بارش کے سبب جمعہ چھوڑ دیا جائے گا، اُنھوں نے کہا: میں نے نہیں سنا، ان سے اس حدیث کی بابت سوال ہوا، تو اُنھوں نے کہا: یہ سفر کے بارے میں ہے''۔ (شرح ابن بطال، جلد 2، ص: 572)

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وَالصَّحِیۡحُ اَنَّھَا تَسۡقُطُ بِالۡمَطَرِ وَالطِّیۡنِ وَالۡبَرۡدِ الشَّدِیۡدِ وَالظُّلۡمَۃِ الشَّدِیۡدَۃِ کَذَا فِی التَّبۡیِیۡنِ۔

ترجمہ: ''اور صحیح یہ ہے کہ بارش، کیچڑ، شدید اولے اور سخت اندھیری کے وقت جماعت (کے لیے مسجد میں جانے) کا التزام کرنا ساقط ہوجاتا ہے، جیسا کہ ''تبیین'' میں ہے''۔

(فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 83)

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

(وَلَاعَلٰی مَن حالَ بَیْنَہٗ وبینھا مطرٌ وَطِیْنٌ وَ بردٌ شدیدٌ وظلمۃٌ کذٰلک) وریحٌ لیلاً لانھارًا،

ترجمہ: ''اُس شخص پر بھی جماعت واجب نہیں ہے، جس کے لیے جماعت میں شریک

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ہونے میں سخت بارش، کیچڑ، سخت اولے اور تاریکی حائل ہو یا رات کے وقت آندھی حائل ہو، دن کے وقت نہیں (یعنی دن کو آندھی چل رہی ہو تو یہ عذر نہیں)''۔

(حاشیہ ابن عابدین شامی، جلد 3، ص: 513 تا 515)

ہمیں ایسی کوئی حدیث نہیں ملی کہ بارش کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ''جمع بین الصلوٰتین'' کا حکم فرمایا ہو۔ البتہ شرح المہلّب میں منقول ہے کہ امام مالک نے اس کی نفی کی ہے۔ شدید بارش میں نمازِ باجماعت یا جمعۃ المبارک کی رخصت اُس وقت کے حالات کے تحت تھی۔

اب بالعموم سڑکیں، گلیاں اور مکانات پختہ ہوتے ہیں اور مسجد تک آنے جانے میں ایسی دشواری نہیں ہوتی، جسے فقہی اصطلاح میں حرج سے تعبیر کیا جائے، اس لیے لوگوں کو نمازِ باجماعت اور جمعۃ المبارک بارش کے عذر کے سبب ترک نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ اگر ایسی طوفانی بارش آجائے کہ گلیاں سڑکیں پانی سے بھر جائیں یا شدید آندھی چل پڑے یا ٹھنڈے علاقوں میں شدید برف باری کے سبب راستے بند ہوجائیں، تو چونکہ دین میں حرج سے بچنے کی گنجائش ہے، اس لیے ایسے حالات میں رخصت پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

نوافل وسُنن کے ممنوعہ اوقات

سوال:

درج ذیل حدیث کے بارے میں آپ سے رہنمائی مطلوب ہے:

رسول پاک ﷺ نے ایک شخص کو صبح کی فرض نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا، فرمایا: صبح کی (فرض) نماز دو رکعتیں ہیں، تم نے مزید دو رکعتیں کیسے پڑھیں؟، اُس نے جواب دیا: میں نے دو رکعت سنت (فرضوں سے پہلے) نہیں پڑھی تھیں، اُنہیں اب پڑھا ہے، یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ خاموش رہے''، (سنن دار قطنی: 9، سنن الکبریٰ بیہقی: 4391)۔ امام ابن خزیمہ نے حدیث: 1116 میں، ذہبی نے اِسے صحیح کہا ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس پر عمل نہ کرنے سے ہم گنہگار تو نہیں ہورہے؟۔ (ثناء اللہ بھٹہ، عسکری، چکلالہ راولپنڈی)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

جواب:
آپ نے سُنن دار قطنی:9 اور سُنن الکبریٰ للبیہقی: 4391 کے جن ابواب کے حوالے دیے ہیں اور جس حدیث کا ذکر فرمایا، ایسی کوئی حدیث وہاں موجود نہیں اور نہ ہی آپ کا بیان کیا ہوا مسئلہ درست ہے۔ درست مسئلہ یہ ہے کہ فجر کے فرض پڑھ لیے ہوں، تو اس کے بعد سے آفتاب بلند ہونے تک کوئی بھی نفل یا سنّت نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اسی طرح عصر کے فرض پڑھ لیے ہوں، تو اس کے بعد سے غروبِ آفتاب تک نفل نماز پڑھنا منع ہے۔ یہ مسئلہ اِن احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے:

(۱) عَنْ أَبِي سَعِيدِ الخُدرِيّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: يَوْمَانِ مِنَ الدَّهرِ لَاتَصُومُوهُمَا، وَسَاعَتَانِ مِنَ النَّهَارِ لَاتُصَلُّوهُمَا، اِنَّ النَّصَارَى وَالیَهُودَ يَتَحَرَّونَهُمَا: يَوْمَ الْفِطرِ، وَيَوْمَ الأَضْحَى، وَبَعدَ صَلَاةِ الفَجرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمسُ، وَبَعدَ صَلَاةِ الْعَصرِ اِلَى غُرُوبِ الشَّمسِ۔

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سال بھر میں دو دن ایسے ہیں، جن میں روزے نہ رکھا کرو، وہ ہیں: عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن، اور دن بھر میں دو ساعتیں ایسی ہیں، جن میں تم کوئی (نفل) نماز نہ پڑھا کرو، وہ ہیں: فجر کے فرائض کی ادائیگی کے بعد سے سورج بلند ہونے تک کا وقت اور نمازِ عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک کا وقت۔ یہود ونصاریٰ نے ان دنوں کو تلاش کیا (یعنی اِن دنوں (عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ) میں روزہ رکھا اور ان دونوں ساعتوں یعنی نمازِ فجر کے بعد سے سورج بلند ہونے تک اور نمازِ عصر سے سورج غروب ہونے تک کی ساعت کو تلاش کیا اور ان ساعتوں میں نماز پڑھی)''۔

(سُنن دار قطنی، بَابُ النَّهْيِ عَنِ الصَّلوٰةِ بَعْدَ صَلَاةِ الفَجْرِ وَبَعدَ صَلَاةِ الْعَصرِ، جلد 1، ص: 545، حدیث: 952)

(۲) لَاصَلوٰةَ بَعْدَ الْعَصرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَلَا صَلوٰةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

الشَّمۡسُ

ترجمہ: ''نمازِ عصر کے بعد کوئی (نفل) نماز نہیں یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے اور صبح کی (فرض) نماز کے بعد کوئی (نفل) نماز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہوجائے''۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی، بَابُ ذِکۡرِ الۡبَیَانِ اَنَّ هٰذَا النَّهۡیَ مَخۡصُوۡصٌ بِبَعۡضِ الۡاَمۡکِنَةِ دُوۡنَ بَعۡضٍ، جلد2، ص:461)۔ یہ احادیث اِس بات کو تقویت پہنچاتی ہیں کہ نمازِ فجر اور نمازِ عصر کے فرضوں کے بعد کوئی (نفل یا سنت) نماز نہیں۔

(۳) عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ قَالَ: شَهِدَ عِنۡدِی رِجَالٌ مَرۡضِيُّوۡنَ، وَأَرۡضَاهُمۡ عِنۡدِی عُمَرُ: أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نَهٰی عَنِ الصَّلَاةِ بَعۡدَ الصُّبۡحِ حَتّٰی تُشۡرُقَ الشَّمۡسُ، وَبَعۡدَ الۡعَصۡرِ حَتّٰی تَغۡرُبَ۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس پسندیدہ لوگوں نے شہادت دی تھی اور سب سے زیادہ پسندیدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا، حتّٰی کہ سورج چمکنے لگے اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا حتٰی کہ سورج غروب ہوجائے''۔ (صحیح بخاری: 581)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَأَمَّا إِذَا فَاتَتۡ وَحۡدَهَا فَلَا تُقۡضٰی قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ بِالۡاِجۡمَاعِ، لِکَرَاهَةِ النَّفۡلِ بَعۡدَ الصُّبۡحِ، وَأَمَّا بَعۡدَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ فَکَذٰلِكَ عِنۡدَهُمَا، وَقَالَ مُحَمَّدٌ: (أَحَبُّ إِلَیَّ أَنۡ يَّقۡضِيَهَا إِلَی الزَّوَالِ) کَمَا فِی ''الدُّرَرِ''،

ترجمہ: ''اور جب فجر کی صرف سنت قضا ہوجائے (یعنی فرض پڑھ لیے) تو اس پر اجماع ہے کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے انہیں قضا نہ کرے کیونکہ صبح کے فرض ادا کرنے کے بعد نفل نماز مکروہ ہے۔ اور طلوعِ آفتاب کے بعد (قضا کے بارے میں بھی) شیخین کے نزدیک یہی حکم ہے، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''زوال سے پہلے پہلے ان کا ادا کرلینا مجھے پسند ہے''، جیسا کہ ''الدُّرَر'' میں ہے''۔ (حاشیہ ابن عابدین شامی، جلد 4، ص:405، دمشق)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

امام احمد رضا قادری قُدِّسَ سِرُّہ العزیز لکھتے ہیں: ''سنتِ فجر کہ تنہا فوت ہوئیں یعنی فرض پڑھ لیے، سُنّتیں رہ گئیں، اُن کی قضا کرے، تو بعد بلندیٔ آفتاب پیش اَزنصف النہار شرعی کرے، طلوعِ شمس سے پہلے اُن کی قضا ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک ممنوع وناجائز ہے، لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہ ﷺ لَاصَلَاۃَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ'' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: صبح کے بعد کوئی نماز جائز نہیں، یہاں تک کہ سورج بلند ہوجائے''۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 5، ص:366)

وقت سے پہلے اذان دینے کا حکم

سوال:

ہماری مسجد میں رمضان المبارک کا پورا مہینا نمازِ عشاء کی اذان 8.40 یا 8.45 پر ہوتی رہی، جبکہ عشاء کا وقت 8.54 پر شروع ہوتا تھا۔ اذان کے بعد سنتیں بھی پڑھی جاتی رہیں، جو وقت شروع ہونے سے پہلے تھیں۔ امام صاحب کا موقف یہ ہے کہ نمازِ مغرب کے 40 منٹ بعد عشاء کی اذان دی جاسکتی ہے۔ آپ سے شرعی رہنمائی کی درخواست ہے۔ (خلیل الرحمٰن، نصیر آباد فیڈرل بی ایریا کراچی)

جواب:

عبادات کی مشروعیت وقت سے خاص ہے، کوئی عبادت وقت سے قبل ادا نہیں کی جاسکتی۔ نماز کے اوقات متعین ومقرر ہیں، اُس وقت کے داخل ہونے سے قبل نماز جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: ''بے شک ایمان والوں پر نماز وقتِ مُقررہ میں فرض کی گئی ہے''۔ (نساء:103)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عُمّال (گورنروں) کی طرف ایک مکتوب لکھا:

''اِنَّ أَھَمَّ أَمْرِکُمْ عِنْدِی الصَّلَاۃُ فَمَنْ حَفِظَھَا وَحَافَظَ عَلَیْھَا حَفِظَ دِیْنَہٗ وَمَنْ ضَیَّعَھَا فَھُوَ لِمَا سِوَاھَا أَضْیَعُ ثُمَّ کَتَبَ أَنْ صَلُّوا الظُّھْرَ اِذَا کَانَ الْفَیْءُ ذِرَاعًا اِلٰی أَنْ یَکُوْنَ ظِلُّ أَحَدِکُمْ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

مِثْلَيْهِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ قَدْرَ مَا يَسِيرُ الرَّاكِبُ فَرْسَخَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ وَالْمَغْرِبَ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءَ إِذَا غَابَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهُ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهُ وَالصُّبْحَ وَالنُّجُومُ بَادِيَةٌ مُشْتَبِكَةٌ

ترجمہ: ''میرے نزدیک تمہارا سب سے اہم معاملہ نماز ہے، جس نے اسے (اس کی شرائط اور اوقات کو) جان لیا اور اسے اس کے وقت پر ادا کیا، اُس نے اپنے دین کا تحفظ کرلیا۔ جس نے اسے ضائع کیا، وہ اس کے علاوہ دیگر اشیاء زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا''۔ پھر لکھا: ''نماز ظہر اس وقت پڑھو، جب سایہ ایک ہاتھ کی مقدار ہوجائے۔ یہاں تک کہ تم میں سے کسی کا سایہ اُس کے قد کے برابر ہوجائے۔ نماز عصر اس وقت ادا کرو، جب آفتاب بلند ہو، وہ شفاف اور درخشاں ہو۔ اتنا وقت ہو کہ ایک سوار غروب آفتاب سے قبل دو یا تین فرسخ مسافت طے کر سکے۔ جب سورج غروب ہوجائے، تو نماز مغرب ادا کرو۔ جب شفق غائب ہوجائے تو (اس وقت سے لے کر تہائی رات تک) عشاء کی نماز ادا کرو۔ تہائی رات اس کا آخری وقت ہے جو نماز عشاء پڑھے بغیر سو گیا (خدا کرے) اس کی آنکھوں کو نیند (کی راحت) نصیب نہ ہو، اس کی آنکھوں کو نیند کا چین نصیب نہ ہو، اس کی آنکھوں کو نیند (کا سکون) نصیب نہ ہو۔ صبح کی نماز اس وقت ادا کرو جب ستارے واضح اور عیاں ہوں''۔
(موطا امام مالک، رقم الحدیث:6)

اگرچہ نماز کی صحت اذان پر موقوف نہیں ہے، لیکن اذان سنتِ مؤکدہ ہے اور اسلام کا شعار ہے اور اس کا اصل مقصد نماز کا وقت داخل ہونے کی آگاہی اور نماز کی دعوت دینا ہے اور اگر وقت سے پہلے اذان کہی یا اذان کے دوران وقت داخل ہوا تو اس اذان کا اعادہ کیا جائے۔ علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر فرغانی حنفی لکھتے ہیں:

وَلَا يُؤَذَّنُ لِصَلٰوةٍ قَبْلَ دُخُوْلِ وَقْتِهَا، وَيُعَادُ فِي الْوَقْتِ، لِأَنَّ الْأَذَانَ لِلْإِعْلَامِ، وَقَبْلَ الْوَقْتِ تَجْهِيْلٌ۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ترجمہ: ''اذان نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے نہیں کہی جائے گی اور (اگر وقت سے پہلے دی گئی ہو تو) وقت داخل ہونے پر اُس کا اعادہ کیا جائے گا، اس لیے کہ اذان نماز کے وقت کی آگاہی کے لیے ہے اور وقت سے پہلے اذان (لوگوں کو) غلط فہمی میں ڈالنا ہے''۔ (ہدایہ، جلد 1، ص:169)۔ اسی لیے حدیث پاک میں فرمایا:

اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ، اَللّٰھُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّۃَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ۔

ترجمہ: ''امام (مقتدیوں کی نماز کی صحت کا) ذمے دار ہے اور مؤذن اوقات صلوٰۃ کے بارے میں آگاہی دینے کے لیے امین ہے، (آپ ﷺ نے دعا فرمائی:) ''اے اللہ! اماموں کو ہدایت عطا فرما اور مؤذنوں کی مغفرت فرما''۔ (سُنن ترمذی:207)

یعنی مؤذّن اس اَمر کا ضامن ہے کہ وہ کسی بھی فرض نماز کا وقت داخل ہونے پر اذان دے نہ کہ وقت شروع ہونے سے پہلے اور امام (نماز کو فرائض وواجبات، سُنن اور مُستحبات وآداب کی رعایت اور ہر قسم کے مُفسدات ومکروہات سے اجتناب کے ساتھ) ادا کرنے کا ضامن ہے، کیونکہ اُس کی نماز کی صحت پر مقتدیوں کی نماز کی صحت کا مدار ہے۔

اگر جان بوجھ کر وقت سے پہلے اذان دی اور پھر اعادہ بھی نہیں کیا ہے، تو وہ گنہگار ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے صدقِ دل سے توبہ کرنی چاہیے اور ایسے غیر ذمے دار شخص کو مؤذن مُقرر نہیں کرنا چاہیے۔ سنّتِ غیر مؤکدہ نوافل ہیں، وہ ادا ہوگئے۔ اگر نماز عشاء وقت داخل ہونے پر ادا کی جاتی رہی ہے، تو وہ بھی صحیح طور پر ادا ہوگئی۔ امام صاحب کا یہ کہنا غلط ہے کہ مغرب کی نماز کے چالیس منٹ بعد عشاء کی نماز کا وقت داخل ہوجاتا ہے۔ ہمارے اس خطے میں سردیوں میں مغرب کا کم از کم وقت بالعموم ایک گھنٹا اٹھارہ منٹ اور گرمیوں میں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹا پینتیس منٹ ہوتا ہے۔ وقت داخل ہونے سے پہلے ادا کردہ فرض نماز کا اعادہ واجب ہے۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

جائے نماز کا حکم مسجد کا نہیں ہے

سوال:

ایک جائے نماز بنائی گئی، جس کی چہار دیواری اور محراب بھی موجود ہے، پنج وقتہ نمازیں باجماعت ادا کی جاتی ہیں لیکن اس جائے نماز کو مسجد کا درجہ نہیں دیا گیا، کیا اس جائے نماز میں اذان کے لیے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہوگا؟، (محمد اقبال، کراچی)۔

جواب:

موجودہ دور میں بڑے پیمانے پر کثیر آبادی والے علاقوں میں جہاں مساجد فاصلے پر واقع ہوتی ہیں یا کاروباری مراکز میں جہاں لوگوں کے لیے دور جا کر نماز کی ادائیگی آسان نہیں ہوتی، اُن کی سہولت کے لیے فلیٹوں یا دفاتر میں نماز کے لیے باقاعدہ جگہ مختص کی جاتی ہے تاکہ اِن جگہوں سے وابستہ لوگ باجماعت نماز ادا کرسکیں، یعنی بعض جگہوں پر صرف نماز کے لیے ایک جگہ مختص کردی جاتی ہے، بعض مقامات پر باقاعدہ پنج وقتہ اذان ونماز باجماعت کا اہتمام ہوتا ہے اور بعض جگہ جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے۔لیکن شرعی اعتبار سے جب تک اُس جگہ کا مالک اسے مسجد بنانے کی نیت نہ کرے یا وہاں کے لوگ اسے خرید کر مسجد کے لیے وقف نہ کریں، یہ جائے نماز تو کہلائے گی، لیکن اس کی حیثیت شرعی مسجد کی نہیں ہوگی۔تاہم اس میں نماز کی ادائیگی درست ہے اور باجماعت نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب تو ملے گا، لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔باجماعت نماز کے لیے اذان دینا سنت مؤکدہ ہے اور اذان کا مقصد لوگوں کو نماز و جماعت کی اطلاع دینا ہے۔اگر لاؤڈ اسپیکر کے بغیر یہ مقصد پورا ہوتا ہے تو فبہا، ورنہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہوگا، مگر اس کی آواز بقدر ضرورت رکھی جائے۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

عورت کے نماز پڑھنے کا طریقہ

سوال:

ایک ٹیلیویژن چینل پر ایک سے زائد مرتبہ یہ نشر ہوا کہ: ''عورت بھی مرد کی طرح نماز پڑھے گی''، جبکہ ہمارے ہاں عورت کی رکوع، سجود اور قعدہ (التحیات) کی ہیئت الگ بتائی جاتی ہے، تو کیا حدیث سے اِس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟۔ (یمنیٰ منور، نشتر اسکوائر ملیر کراچی)

جواب:

نماز میں عورتوں کے سجدہ کرنے اور بیٹھنے کا طریقہ و ہیئت مردوں سے جدا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عورتوں کی نماز کی ادائیگی کا جو طریقہ ارشاد فرمایا، اُس میں عورت کے سجدہ کرنے کا طریقہ اور صورت مرد کے سجدہ کرنے کی ہیئت سے جدا ہے، ضروری نہیں کہ ہر حدیث صحیح بخاری یا صحاحِ ستّہ کی کُتب میں موجود ہو۔ اور بھی احادیث کی بہت سی کُتب ہیں، جو اُمّت میں متداول اور مقبول ہیں، پھر یہ اعتقادی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق عبادت کے طریق ادا سے ہے۔ جس کے لیے ضعیف حدیث بھی کافی ہے، مگر یہاں تو متعدد احادیث ہیں، جو ایک دوسرے کے لیے تقویت کا باعث ہیں۔ جیسا کہ درجِ ذیل احادیثِ مبارکہ میں ارشاد فرمایا:

(۱) عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ حَبِیْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّ عَلٰی اِمْرَأَتَیْنِ تُصَلِّیَانِ فَقَالَ اِذَا سَجَدْتُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ اِلَی الْاَرْضِ فَاِنَّ الْمَرْأَۃَ لَیْسَ فِیْ ذٰلِکَ کَالرَّجُلِ۔

ترجمہ: ''یزید بن ابی حبیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کے بعض حصے کو زمین سے لگایا کرو کیونکہ اس میں عورت مرد کی طرح نہیں ہے''۔

(مراسیل ابوداؤد، ص:8)

(۲) علامہ علی متقی بن حسام الدین برہان پوری متوفیٰ 975ھ نقل فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اِذَا جلست الْمَرْأَۃُ فِی الصَّلٰوۃِ وَضَعَتْ فَخِذَھَا عَلٰی فَخِذِھَا الْاُخْرٰی فَاِذَا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

سَجَدَتْ اَلْصَقَتْ بَطْنَهَا فِي فَخِذَيْهَا كَانَ اَسْتَرُ مَا يَكُونُ لَهَا۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھ لے اور جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں کے ساتھ چمٹائے، اس میں اُس کے ستر کی زیادہ رعایت ہے''۔ (کنز العمال، جلد 7، ص: 549)

علامہ غلام رسول سعیدی عورتوں کی نماز میں سجدہ کی بابت لکھتے ہیں: عورتوں کی نماز کے طریقہ کے متعلق احادیث اور آثار:

مُحدث امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ نے عورت کی رکوع اور سجدے کی کیفیت اور ہیئت کے بارے میں باقاعدہ باب باندھے ہیں اور عنوان قائم کیے ہیں:

(۱) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی حضرت وائل بن حجر سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: يَا وَائِلَ بْنَ حجرٍ! اِذَا صَلَّيْتَ فَاجْعَلْ يَدَيْكَ حِذَاءَ أُذُنَيْكَ، وَالْمَرْأَةُ تَجْعَلُ يَدَيْهَا حِذَاءَ ثَدْيَيْهَا۔

ترجمہ: ''انہوں نے کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے وائل بن حجر! جب تم نماز پڑھو تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں کے مقابل اٹھاؤ اور عورت اپنے ہاتھ اپنے سینہ کے مقابل اٹھائے''۔ (معجم کبیر، جلد 22، ص: 28:20، مجمع الزوائد، جلد 1، ص: 103)

(۲) عَنْ خَالِدِ بْنِ اللَّجلَاجِ قَالَ: كُنَّ نِسَاءٌ يُؤْمَرْنَ أَنْ يَتَرَبَّعْنَ اِذَا جَلَسْنَ فِي الصَّلَاةِ، وَلَا يَجْلِسْنَ جُلُوسَ الرِّجَالِ عَلٰى أَوْرَاكِهِنَّ،

ترجمہ: ''خالد بن لجلاج بیان کرتے ہیں کہ عورتوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں چارزانو (آلتی پالتی مار کر) بیٹھیں اور مردوں کی طرح سرین پر نہ بیٹھیں''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 2799)

(۳) عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ صَفِيَّةَ كَانَتْ تُصَلِّي وَهِيَ مُتَرَبِّعَةٌ۔

ترجمہ: ''نافع بیان کرتے ہیں کہ صفیہ رضی اللہ عنہا نماز میں چارزانو بیٹھتی تھیں'' (مصنف ابن ابی شیبہ: 2800)۔ اس حدیث میں جس صفیہ کا ذکر ہے، یہ ابو عبید کی بیٹی اور حضرت عبداللہ بن

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

عمر رضی اللہ عنہما کی زوجہ ہیں۔

(۴) عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: تَجْلِسُ كَمَا تَرَىٰ أَنَّهُ أَيْسَرُ۔

ترجمہ: ''قتادہ نے کہا: عورت کو جس طرح آسانی ہو، اس طرح بیٹھے''۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: 2803)

(۵) عَنْ نَافِعٍ قَالَ: كُنَّ نِسَاءُ ابْنِ عُمَرَ يَتَرَبَّعْنَ فِي الصَّلَاةِ۔

ترجمہ: ''نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ازواج نماز میں چارزانو بیٹھتی تھیں''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 2805)

(۶) عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ قُلْتُ لِعَطَاءٍ أَتَجْلِسُ الْمَرْأَةُ فِي مَثْنَى عَلَى شِقِّهَا الْأَيْسَرِ؟، قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: هُوَ أَحَبُّ إِلَيْكَ مِنَ الْأَيْمَنِ؟، قَالَ: نَعَمْ، تَجْتَمِعُ جَالِسَةً مَا اسْتَطَاعَتْ، قُلْتُ: تَجْلِسُ جُلُوسَ الرَّجُلِ فِي مَثْنَى أَوْ تُخْرِجُ رِجْلَهَا الْيُسْرَى مِنْ تَحْتِ أَلْيَتِهَا؟، قَالَ: لَا يَضُرُّهَا أَيُّ ذٰلِكَ جَلَسَتْ إِذَا اجْتَمَعَتْ۔

ترجمہ: ''ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نے عطا سے پوچھا: کیا عورت دو رکعت کے بعد اپنے بائیں کولہے پر بیٹھے؟، انہوں نے کہا: ہاں!۔ میں نے کہا: (کیا) بائیں کولہے پر بیٹھنا آپ کے نزدیک دائیں کولہے پر بیٹھنے کی بہ نسبت زیادہ پسندیدہ ہے؟۔ انہوں نے کہا: ہاں! وہ جس قدر ہو سکے سمٹ کر بیٹھے، میں نے کہا: (کیا) وہ دوگانہ نماز میں مردوں کی طرح بیٹھے یا اپنی سرین کے نیچے سے بایاں پاؤں نکال کر بیٹھے؟۔ انہوں نے کہا: اگر وہ سمٹ کر بیٹھتی ہے، تو کسی بھی ہیئت پر بیٹھنا اُس کے لیے باعثِ نقصان نہیں ہے (اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کا التحیات میں سمٹ کر بیٹھنا شریعت کو مطلوب ہے)''۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: 2807، دارالکتب علمیہ، بیروت)

نماز میں عورت کے سجدہ کرنے کا طریقہ:

(۱) عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ إِذَا سَجَدَتِ الْمَرْأَةُ فَلْتَحْتَفِزْ، وَلْتَضُمَّ فَخِذَيْهَا۔

ترجمہ: ''حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب عورت سجدہ کرے تو

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اپنے جسم کو سمیٹے اور اپنی رانوں کو (اپنے پیٹ کے ساتھ) ملائے''۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: 2793، مجلس علمی، بیروت)

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ صَلَاةِ الْمَرْأَةِ؟، فَقَالَ: تَجْتَمِعُ وَتَحْتَفِزُ۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عورت کی نماز کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: وہ اپنے اعضاء کو جمع کرے اور سمیٹے''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 2794، مجلس علمی، بیروت)

(۳) عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ إِذَا سَجَدَتِ الْمَرْأَةُ فَلْتَضُمَّ فَخِذَيْهَا، وَلْتَضَعْ بَطْنَهَا عَلَيْهِمَا۔

ترجمہ: ''ابراہیم نخعی نے کہا: جب عورت سجدہ کرے تو اپنی رانوں کو ملائے اور اپنا پیٹ ان پر رکھے''۔ (مصنّف ابن ابی شیبہ: 2795، مجلس علمی، بیروت)

(۴) عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: إِذَا سَجَدَتِ الْمَرْأَةُ فَلْتَلْزَقْ بَطْنَهَا بِفَخِذَيْهَا، وَلَا تَرْفَعْ عَجِيزَتَهَا، وَلَا تَجَافِي كَمَا يُجَافِي الرَّجُلُ۔

ترجمہ: ''ابراہیم نے کہا: جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ ملائے اور اپنے کولہوں کو اوپر نہ اٹھائے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے دور نہ رکھے، جس طرح مرد دور رکھتا ہے''۔ (مصنّف ابن ابی شیبہ: 2798، مجلس علمی، بیروت)

فقہی عبارات:

(۱) علامہ ابوالحسن بن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفیٰ 593ھ لکھتے ہیں: عورت اپنے بائیں کولہے پر بیٹھے اور اپنے دونوں پیروں کو دائیں جانب نکالے، اس میں اس کے لیے زیادہ ستر ہے''۔ (ہدایہ مع فتح القدیر جلد 1 ص: 319 دارالکتب علمیہ، بیروت)

(۲) علامہ بدرالدین عینی حنفی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں: کیونکہ ستر کے فرض کی رعایت کرنا (مردوں کی طرح) قعدے کے مسنون طریقے کی رعایت سے زیادہ بہتر ہے''۔ (البنایہ فی شرح الہدایہ، جلد 2، ص: 305)

(۳) علامہ ابوبکر محمد بن احمد السرخسی متوفیٰ 483ھ لکھتے ہیں: ''عورت سجدہ میں اپنے جسم کو سمیٹے اور اپنے پیٹ کو رانوں سے ملائے اور بازوؤں کو پہلوؤں سے ملائے، اسی طرح

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عورتوں کے سجدہ کے طریقے میں مروی ہے اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ عورت میں اصل ستر ہے، سو جو طریقہ عورت کے ستر کے زیادہ موافق ہو، وہ اولیٰ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت مستورہ ہے یعنی چھپائی جانے والی ہے''۔

(المبسوط، جلد 1 ص: 110، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۴) علامہ محمود بن صدر الشریعہ متوفیٰ 616ھ لکھتے ہیں: ''عورت قعدہ میں اس طرح بیٹھے، جس میں اس کے لیے زیادہ ستر ہو''۔ (المحیط البرہانی، جلد 2 ص: 84)

(۵) علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی متوفیٰ 743ھ لکھتے ہیں: ''عورت جھکے اور سجدہ میں اپنا پیٹ اپنی رانوں سے ملائے کیونکہ یزید بن ابی حبیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے، جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنے گوشت کو ایک دوسرے سے ملاؤ کیونکہ عورت اس میں مرد کی طرح نہیں ہے''۔ (تلخیص الحبیر، جلد 1 ص: 394، مراسیل ابوداؤد: 87، سنن بیہقی، جلد 2 ص: 223)

(۶) (مزید لکھتے ہیں:) عورت نماز کی دس چیزوں میں مرد کے خلاف ہے، عورت اپنے کندھوں تک ہاتھ اٹھائے گی اور اپنے سینہ کے نیچے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے گی اور اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر گھٹنوں تک رکھے گی، سجدہ میں اپنی بغلوں کو ظاہر نہیں کرے گی، تشہد میں اپنے کولہے کے اوپر بیٹھے گی، رکوع میں اپنی انگلیوں کو متفرق نہیں رکھے گی، مردوں کی امامت نہیں کرے گی، ان کی جماعت مکروہ ہے اور ان کی امام ان کے وسط میں کھڑی ہوگی''۔ (تبیین الحقائق، جلد 1 ص: 307)

(۷) نیز علامہ زیلعی حنفی متوفیٰ 743ھ نے لکھا ہے: ''عورت تشہد میں اپنے کولہے پر بیٹھے کیونکہ اُس کا زیادہ ستر اِس میں ہے''۔ (تبیین الحقائق، جلد 1 ص: 313)

(۸) علامہ سید ابن عابدین شامی متوفیٰ 1252ھ نے الخزائن کے حوالہ سے چند مزید چیزوں کا اضافہ کیا ہے، جن میں عورت کی نماز کے احکام مردوں کے خلاف ہیں، انہوں نے کہا ہے: ''عورت کا مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز کے لیے جانا مکروہ ہے اور وہ جماعت

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

میں مردوں کے پیچھے کھڑی ہوگی، عورت پر جمعہ فرض نہیں ہے، لیکن پڑھے گی تو جمعہ ادا ہو جائے گا، نہ عورت پر عید اور تکبیرات تشریق ہیں اور نہ اس پر صبح کی نماز سفیدی میں مستحب ہے نہ وہ جہری نمازوں میں بلند آواز سے قرآن پڑھے کیونکہ عورت کی آواز بھی عورت ہے''۔ خلاصہ یہ ہے کہ نماز کے احکام میں عورت چھبیس (۲۶) چیزوں میں مرد کے احکام سے مختلف ہیں، البحر الرائق اور غنیۃ المستملی میں بھی اسی طرح مذکور ہے''۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 2، ص: 186، 187، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(نعمۃ الباری شرح صحیح البخاری، جلد 2، ص: 754، 755)

(۹) ڈاکٹر وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

أَمَّا الْمَرْأَةُ فَتَضُمُّ بَطْنَهَا إِلَى فَخِذَيْهَا وَفِي جَمِيْعِ أَحْوَالِهَا، لِأَنَّهُ أَسْتَرُ لَهَا۔

ترجمہ: ''پس رہا عورت کا سجدہ تو وہ اپنے پیٹ کو رانوں سے ملائے اور بازوؤں کو پہلو سے، اس میں اُس کے لیے زیادہ ستر ہے''۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد 2، ص: 894، دار الفکر، بیروت)

(۱۰) علامہ نظام الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَالْمَرْأَةُ لَاتَجَافَى فِي رُكُوْعِهَا وَسُجُوْدِهَا وَتَقْعُدُ عَلَى رِجْلَيْهَا وَفِي السَّجْدَةِ تَفْتَرِشُ بَطْنَهَا عَلَى فَخِذَيْهَا كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ، وَإِنْ كَانَتْ اِمْرَأَةٌ جَلَسَتْ عَلَى أَلْيَتِهَا الْيُسْرٰى وَأَخْرَجَتْ رِجْلَيْهَا مِنَ الْجَانِبِ الْأَيْمَنِ كَذَا فِي الْهِدَايَةِ۔

ترجمہ: ''عورت رکوع اور سجود میں اعضا جدا نہیں رکھے گی (رکوع میں اتنا جھکے کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں) اور اپنے دونوں پاؤں پر بیٹھے اور سجدے میں اپنا پیٹ رانوں سے ملائے ''خلاصۃ الفتاویٰ'' میں اسی طرح ہے''۔ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: ''(سجدے میں) عورت دونوں پاؤں داہنی جانب نکال دے اور بائیں سرین پر بیٹھے، ''ھدایہ'' میں اسی طرح ہے''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد اول، ص: 75، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

عورتوں کی نماز بعض امور میں مرد کی نماز سے مختلف ہے، تنویر الابصار مع الدر المختار

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

میں ہے: وَحَرَّرنَاہٗ فِی "الْخَزَائِن" اَنَّھَا تُخَالِفُ الرَّجُلَ فِیْ خَمْسَۃٍ وَعِشْرِینَ۔
ترجمہ: "'الخزائن' میں ہم نے لکھا کہ (نماز کے احکام میں) عورت پچیس (۲۵) چیزوں میں مرد کے احکام کے خلاف ہے۔

اس کی شرح میں علامہ سید ابن عابدین شامی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:
وَذٰلِکَ حَیْثُ قَالَ: تَنْبِیْہ: ذَکَرَ الزَّیْلَعِیُّ اَنَّھَا تُخَالِفُ الرَّجُلَ فِیْ عَشْرٍ، وَقَدْ زِدْتُ أَکْثَرَ مِنْ ضِعْفِھَا: تَرْفَعُ یَدَیْھَا حِذَاءَ مَنْکِبَیْھَا، وَلَا تُخْرِجُ یَدَیْھَا مِنْ کُمَّیْھَا، وَتَضَعُ الْکَفَّ عَلَی الْکَفِّ تَحْتَ ثَدْیِھَا، وَتَنْحَنِیْ فِی الرُّکُوْعِ قَلِیْلًا وَلَا تَعْتَمِدُ، وَلَا تُفَرِّجُ فِیْہِ أَصَابِعَھَا بَلْ تَضُمُّھَا، وَتَضَعُ یَدَیْھَا عَلٰی رُکْبَتَیْھَا، وَلَا تَحْنِیْ رُکْبَتَیْھَا، وَتَنْضَمُّ فِیْ رُکُوْعِھَا وَسُجُوْدِھَا، وَتَفْتَرِشُ ذِرَاعَیْھَا، وَتَتَوَرَّکُ فِی التَّشَھُّدِ وَتَضَعُ فِیْہِ یَدَیْھَا تَبْلُغُ رُؤُوْسُ أَصَابِعِھَا رُکْبَتَیْھَا، وَتَضُمُّ فِیْہِ أَصَابِعَھَا، وَإِذَا نَابَھَا شَیْءٌ فِیْ صَلَاتِھَا تُصَفِّقُ وَلَا تُسَبِّحُ، وَلَا تَؤُمُّ الرَّجُلَ، وَتُکْرَہُ جَمَاعَتُھُنَّ، وَیَقِفُ الْإِمَامُ وَسْطَھُنَّ، وَیُکْرَہُ حُضُوْرُھَا الْجَمَاعَۃَ، وَتُؤَخَّرُ مَعَ الرِّجَالِ، وَلَا جُمُعَۃَ عَلَیْھَا، لٰکِنْ تَنْعَقِدُ بِھَا وَلَا عِیْدَ وَلَا تَکْبِیْرَ تَشْرِیْقٍ، وَلَا یُسْتَحَبُّ اَنْ تُسْفِرَ بِالْفَجْرِ، وَلَا تَجْھَرَ فِی الْجَھْرِیَّۃِ، بَلْ لَوْ قِیْلَ بِالْفَسَادِ بِجَھْرِھَا لَأَمْکَنَ بِنَاءً عَلٰی اَنَّ صَوْتَھَا عَوْرَۃٌ۔

ترجمہ: "وہ امور جن میں عورتوں کی نماز کا طریقہ مردوں سے مختلف ہے،" علامہ زیلعی" نے دس چیزوں کا ذکر کیا ہے اور (علامہ شامی بیان کرتے ہیں کہ) میں نے اضافہ کر کے ان مواقع کی تعداد دگنے سے بھی زیادہ کر دی ہے اور وہ یہ ہیں: عورت اپنے ہاتھ اپنے کندھوں تک ہاتھ اٹھائے گی، اور اپنے ہاتھوں کو چادر سے نہ نکالے، اپنے سینے کے نیچے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے، رکوع میں کم جھکے زیادہ نہ جھکے، گھٹنوں پر زور نہیں ڈالے گی۔ رکوع میں اپنی انگلیوں کو گھٹنے پر کشادہ نہ رکھے بلکہ ملا کر رکھے، رکوع میں اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر گھٹنوں تک رکھے، گھٹنوں کو خم (ٹیڑھا) نہ کرے، رکوع اور سجود میں گھٹنوں کو ملا کر رکھے، کلائیوں کو زمین پر بچھا دے، تشہد میں اپنے کولہے کے اوپر بیٹھے گی، تشہد میں اپنے ہاتھ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اس طرح رکھے گی کہ اس کی انگلیوں کے سرے گھٹنوں تک پہنچ جائیں اور اس میں اپنی انگلیوں کو ملا کر رکھے گی، اور (عورت کو باجماعت نماز میں امام کو اصلاحِ نماز کے لیے متوجہ کرنا ہو یا کوئی ضرورت لاحق ہو، مثلاً کوئی آدمی سامنے سے گزر رہا ہے تو اسے متوجہ کرنے کے لیے) وہ تصفیق کرے (یعنی داہنے ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے) اور (بلند آواز سے) تسبیح یعنی سبحان اللہ نہ کہے، (عورت) مردوں کی امامت نہیں کرے گی، عورتوں کی جماعت مکروہ ہے اور (اگر عورتیں کہیں اپنی جماعت قائم کریں تو) اُن کی امام اُن کے وسط میں کھڑی ہوگی، عورت کا مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز کے لیے جانا مکروہ ہے اور وہ (اگر جماعت میں شامل ہوتو) مردوں کے پیچھے کھڑی ہوں گی، عورت پر جمعہ فرض نہیں ہے، لیکن (مرد کی امامت میں) عورتوں کی جماعت قائم ہوتو جمعہ ادا ہوجائے گا، عورت پر عید اور تکبیراتِ تشریق نہیں ہیں اور نہ اس پر صبح کی نماز سفیدی میں پڑھنا مستحب ہے، نہ وہ جہری نمازوں میں بلند آواز سے قرآن پڑھے بلکہ اگر عورت کے جہر کے ساتھ پڑھنے پر نماز کے فاسد ہونے کا قول کیا جائے، تو یہ اِس بنا پر درست ہوگا کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے''۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 2، ص: 186، 187)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

مسجد اور وقف کے مسائل

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

مسجد کے وقف کا حکم

سوال:

جامعہ شمسیہ تعلیم العلوم مسجد کے استعمال کی جگہ پہلے شراب نوشی اور رقص و سرور کی محفل جمتی تھیں۔ ایک عالم دین نے اس جگہ کو خرید کر مدرسہ و مسجد میں تبدیل کر دیا۔ اب تقریباً نو سال سے یہاں لوگ نماز پنجگانہ کے ساتھ قرآن کریم حفظ و ناظرہ اور اسلامی تعلیم وتربیت حاصل کر رہے ہیں۔ جمعۃ المبارک میں ایک کثیر تعداد نماز جمعہ ادا کرتی ہے، نیز رمضان المبارک میں نماز تراویح اور عیدین کی نماز بھی ادا کی جاتی ہے۔ یہ جگہ انہی عالم دین کے نام پر رجسٹرڈ ہے اور وہی اس کے متولی بھی ہیں، مگر وہ اس سے کوئی ذاتی مالی منفعت حاصل نہیں کر رہے بلکہ گزشتہ نو سال سے فی سبیل اللہ اپنی خدمات بغیر کسی اجرت کے سرانجام دے رہے ہیں۔ جملہ اخراجات کو پورا کرنے کے لیے علاقے کے لوگ اپنی استطاعت کے مطابق مالی معاونت کرتے ہیں، جس سے گیس، بجلی، پانی وغیرہ کے بلز، امام وخطیب اور مدرسین کی تنخواہیں ادا کی جاتی ہیں اور ہر جمعہ کو انتظامیہ کی جانب سے جملہ معاونین کے مالی تعاون کی فہرست اور اخراجات کی تفصیلات بتائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ مختلف دکانوں اور گھروں میں جا کر لوگوں کو پکڑ کر یہ کہتے پھرتے ہیں کہ یہ قاری صاحب کی ذاتی ملکیت ہے، لہٰذا وہاں نہ تو شرعاً نماز ہوتی ہے اور نہ جمعہ اور نہ وہاں عطیہ دینے پر اجروثواب ملے گا۔

یوکے میں جتنی بھی مساجد ہیں، ان کی پراپرٹی کسی ایک فرد کے نام پر ہے یا چند ٹرسٹیوں کے نام رجسٹرڈ ہے، اس فرد واحد یا ان ٹرسٹیوں نے وہ جگہ مسجد کے لیے مختص کر دی ہے، جیسا کہ قاری صاحب نے کیا۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا عبادت گاہ یا مسجد کا کسی پراپرٹی کا یہاں انگلینڈ میں کسی ایک فرد یا چند ٹرسٹیوں کے نام رجسٹرڈ ہونے کی وجہ سے وہ عبادت گاہ یا مسجد نماز پنجگانہ یا نماز جمعہ ادا کرنے کے قابل نہیں؟ نیز ایسی جگہوں کو چلانے کے لیے جو لوگ اپنی استطاعت کے مطابق مالی تعاون کرتے ہیں [illegible]

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

رائیگاں چلا جاتا ہے؟، (حاجی محمد رفیق اولڈہم، انگلینڈ)۔

جواب:

شریعت میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے اور عُرف نص کی طرح حاکم ہوتا ہے۔ اسی طرح جو ملکی قوانین ہیں، وہ بھی مؤثر ہوتے ہیں، بشرطیکہ شریعت سے متصادم نہ ہوں۔ فقہی اصول یہ ہے کہ "شَرْطُ الْوَاقِفِ کَنَصِّ الشَّارِعِ"، "یعنی واقف کی مقررہ شرائط نصِ شرعی کی طرح مؤثر ہوتی ہیں"۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 6، ص: 508)

"وقف لِلّٰہِ" کے شرعی معنیٰ ہیں: کسی چیز کو اپنی مِلک سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی مِلک کردینا۔

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر الفرغانی لکھتے ہیں:

قَالَ الْوَقْفُ لُغَةً: هُوَ الْحَبْسُ، يَقُوْلُ: "وَقَفْتُ الدَّابَةَ" وَ "أَوْقَفْتُهَا" بِمَعْنًى، وَهُوَ فِي الشَّرْعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ حَبْسُ الْعَيْنِ عَلَى مِلْكِ الْوَاقِفِ، وَالتَّصَدُّقُ بِالْمَنْفَعَةِ بِمَنْزِلَةِ الْعَارِيَةِ، ثُمَّ قِيْلَ الْمَنْفَعَةُ مَعْدُوْمَةٌ فَالتَّصَدُّقُ بِالْمَعْدُوْمِ لَا يَصِحُّ، فَلَا يَجُوْزُ الْوَقْفُ أَصْلًا عِنْدَهٗ، وَهُوَ الْمَلْفُوْظُ فِي "الْأَصْلِ"، وَالْأَصَحُّ: اَنَّهٗ جَائِزٌ عِنْدَهٗ، اِلَّا اَنَّهٗ غَيْرُ لَازِمٍ بِمَنْزِلَةِ الْعَارِيَةِ، وَعِنْدَهُمَا: "حَبْسُ الْعَيْنِ عَلٰى حُكْمِ مِلْكِ اللّٰهِ تَعَالٰى"، فَيَزُوْلُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنْهُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى وَجْهٍ تَعُوْدُ مَنْفَعَتُهٗ اِلَى الْعِبَادِ فَيَلْزَمُ۔

ترجمہ: "(ماتن نے فرمایا) لغت میں وقف کے معنی ہیں: حَبس یعنی روک لینا، چنانچہ عربی محاورے میں بولا جاتا ہے: "وَقَفْتُ الدَّابَةَ" (میں نے اپنی سواری کو روک لیا) اور "أَوْقَفْتُهَا" بھی اِسی معنی میں آتا ہے۔ اور شرع میں حبس کے معنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہیں: نفسِ مال کو واقف کا اپنی مِلک پر رو کے رکھنا اور اس کے منافع کو صدقہ کردینا"، یہ عاریت کی طرح ہے کہ کوئی چیز مانگ کر لینے والا صرف منافع حاصل کرتا ہے۔ پھر کہا گیا کہ منافع تو معدوم ہوتے ہیں (یعنی ابھی وجود میں نہیں آئے) اور کسی معدوم چیز کو صدقہ کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک وقف بالکل جائز نہیں ہونا چاہیے۔ "اصل" (یعنی مبسوط) میں یہی الفاظ مذکور ہیں (یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وقف کو

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جائز نہیں سمجھتے تھے)لیکن صحیح ترین قول یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی وقف جائز ہے، مگر عاریت کی طرح لازم نہیں ہے۔ اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک وقف کے معنی ہیں: ''نفسِ مال کو اللہ تعالیٰ کی مِلک پر روکنا''، پس وقف کرنے والے کی مِلکیت موقوف (یعنی وقف شدہ مال) سے ختم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح منتقل ہو جاتی ہے کہ اس کا نفع بندوں کو حاصل ہوتا ہے، پس یہ لازم ہو جاتا ہے۔''

(ہدایہ، جلد 4، ص:392-391)

ملک العلماء علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَمِنْهَا: أَنْ يُخْرِجَهُ الْوَاقِفُ مِنْ يَدِهٖ وَيَجْعَلُ لَهُ قَيِّمًا وَيُسَلِّمُهُ اِلَيْهِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ، وَعِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ: هٰذَا لَيْسَ بِشَرْطٍ وَاحْتَجَّ بِمَا رُوِيَ أَنَّ سَيِّدنا عُمَر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وقف كَانَ يَتَوَلّٰى اَمْرَ وَقْفِهٖ بِنَفْسِهٖ وكَانَ فِيْ يَدِهٖ وَرُوِيَ عَنْ سَيِّدِنَا عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَفْعَلُ كَذٰلِكَ، وَلِاَنَّ هٰذَا اِزَالَةُ الْمِلْكِ لَااِلٰى أَحَدٍ، فَلَايُشْتَرَطُ فِيْهِ التَّسْلِيْمُ كَالْاِعْتَاقِ، وَلَهُمَا أَنَّ الْوَقْفَ اِخْرَاجُ الْمَالِ عَنِ الْمِلْكِ عَلٰى وَجْهِ الصَّدَقَةِ فَلَايَصِحُّ بِدُوْنِ التَّسْلِيْمِ كَسَائِرِ التَّصَرُّفَاتِ۔

ترجمہ: ''اُن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ واقف وقف شدہ مال کو اپنے قبضے سے نکالے اور اُس کے لیے ایک مُنتظم (اور نگران) مُقرر کرے اور مال موقوف کو اس کے سپرد کرے، یہ امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک واقف کے لیے وقف کا مہتمم یا مُتولی مقرر کرنا شرط نہیں ہے، اُنہوں نے اس روایت سے استدلال کیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے وقف کیے ہوئے مال کا خود ہی انتظام فرماتے تھے اور مال انہی کے قبضے میں رہتا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے، کیونکہ وقف مال کو اپنی ملکیت سے نکالنا ہے، کسی دوسرے کے انتظام میں دینا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے اس میں کسی (دوسرے مہتمم یا مُتولی) کو سپرد کرنا شرط نہیں ہے، جیسے غلام کو آزاد کرنا۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ وقف مال کو اپنی ملک سے صدقہ کے طور پر نکالنا ہے، لہٰذا تسلیم (سپردگی) کے بغیر یہ صحیح

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

نہیں ہوگا، جیسے باقی تمام تصرفات میں ہوتا ہے''، (بدائع الصنائع، جلد 6، ص: 336-335)

اُس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ مکان یا پلاٹ کو مسجد قرار دے کر عام نمازیوں کو اِذنِ عام دے دیا جائے اور وہاں نماز شروع ہوجائے، اس سے دیانۃً وقف کے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔ لیکن قضاءً مُروّجہ قوانین اور عُرف کے مطابق اُسے اُس مدرسہ یا مسجد کے نام پر منتقل کرانے سے وقف کی مِلکیت مُتحقَّق ہوتی ہے تاکہ وہ قانونی طور پر شخصی ملکیت نہ رہے بلکہ مسجد کی مِلک بن جائے۔ اور جو اس کا ٹرسٹی یا مُنتظِم ہوگا، وہ اس وقف کا مُتولّی و مُنتظِم ہوگا، اِس صورت میں وہ شرعی مسجد ہوگی اور اس میں نماز پڑھنے سے مسجد میں نماز کا جو اضافی اجر اور فضیلت احادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے، وہ اُس کا حق دار ہوگا۔

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

وَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ فِيْ وَقْفِ الْمَسَاجِدِ اَنَّهَا مِنْ بَابِ الْاِسْقَاطِ وَالْعِتْقِ، لَامِلْكَ لِاَحَدٍ فِيْهَا، وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ تَعَالٰى

ترجمہ: ''وقف مساجد میں علماء کا اتفاق ہے کہ یہ ''بابِ اسقاط'' اور اعتاق میں سے ہے اور اس میں کسی (بندے) کی ملکیت نہیں رہتی اور مساجد صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں'' (الفقہ الاسلامی وادلتہٗ، جلد 10، ص: 7602)۔ یعنی مسجد کے لیے زمین یا مکان وقف کرنے کا معنی ہے: اُس سے اپنی ملکیت کو ساقط کردینا، جیسے ایک مرتبہ غلام آزاد کردیا جائے، تو اب اُسے واپس غلام نہیں بنایا جاسکتا۔

کسی شخصی مکان میں بھی اگر پنجوقتہ نماز باجماعت اور جمعہ پڑھانے کا اہتمام ہے، تو اُس میں نماز اور جماعت کا اجر ملے گا، البتہ مسجد کا جو اضافی اجر ہے، وہ اُس کے حق دار نہیں ہوں گے۔ کسی شخص کے ذاتی مکان میں بھی اگر نماز باجماعت کا اہتمام ہے، نمازیوں کے لیے جملہ سہولتیں فراہم کی گئی ہیں، وضوخانہ وغیرہ بھی ہے اور وہاں دینی تعلیم کا بھی انتظام ہے، تو یہ سب اُمورِ خیر ہیں اور جو لوگ بھی خیر کے کاموں میں مالی تعاون کریں گے، وہ اس پر یقیناً عنداللہ ماجور ہوں گے۔ وہ لوگ جو ''تَعَاوُنْ عَلَى الْبِرّ'' نہیں کرتے، وہ ''مَنَّاع

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

لِّلْخَیْرِ" (خیر کے کاموں میں رکاوٹیں پیدا کرنے والے) بھی نہ بنیں۔ امام احمد رضا قادری قُدِّسَ سِرُّہُ العزیز لکھتے ہیں: "جمعہ کے لیے مسجد شرط نہیں، مکان میں بھی ہوسکتا ہے، جبکہ شرائطِ جمعہ پائے جائیں اور اِذنِ عام دے دیا جائے"۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 8،ص:460)

بعض لوگ کسی کارِ خیر کو روکنے کے لیے مُصلح (Reformer) کا روپ دھار کر آتے ہیں اور عنوان کارِ خیر کا رکھتے ہیں، لیکن مقصد پہلے سے جاری کارِ خیر کو روکنا ہوتا ہے۔ ایسا ہی اصلاحی عنوان خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں سامنے رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط، حکم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا چلے گا"۔ (یوسف:40)۔ اور پھر تکفیر کا فتویٰ جاری کردیا کہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نے بندوں کو حَکَم (ثالث) بنا کر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی نفی کردی۔ حضرت علی نے اُن لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ "کَلِمَۃُ الْحَقِّ أُرِیْدَ بِھَا الْبَاطِل"، یعنی کلمۂ حق بول کر اُس سے باطل معنی مراد لیا جارہا ہے۔ ہم کسی کی نیت کا فیصلہ نہیں کرسکتے، البتہ قرائن کو مکمل طور پر نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔

امام مسلم ایک طویل حدیث میں غزوۂ تبوک کے موقع پر پیچھے رہ جانے والوں کے حالات بیان کرتے ہوئے نقل فرماتے ہیں:

وَصَبَّحَ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَادِمًا وَکَانَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ، فَرَکَعَ فِیْہِ رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ جَلَسَ لِلنَّاسِ، فَلَمَّا فَعَلَ ذٰلِکَ، جَآءَہُ الْمُخَلَّفُوْنَ، فَطَفِقُوْا یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْہِ وَیَحْلِفُوْنَ لَہٗ وَکَانُوْا بِضْعَۃً وَّثَمَانِیْنَ رَجُلًا، فَقَبِلَ مِنْھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عَلَانِیَتَھُمْ وَبَایَعَھُمْ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمْ وَوَکَّلَ سَرَائِرَھُمْ اِلَی اللّٰہِ۔

ترجمہ: "صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (غزوۂ تبوک سے مدینۂ منورہ) تشریف لائے، اور آپ (کا معمول یہ تھا کہ) جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت نماز (نفل) پڑھتے۔ پھر لوگوں کے احوال معلوم کرنے کے لیے بیٹھ جاتے، جب آپ نے ایسا کیا، تو غزوۂ تبوک کے مُخلّفین (جہاد سے پیچھے رہ جانے والے) آپ کی

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

خدمت میں حاضر ہوئے اور (جہاد سے پیچھے رہ جانے پر) قسمیں کھا کر اپنے عذر پیش کرنے لگے، ان لوگوں کی تعداد اسی سے کچھ زائد تھی، رسول اللہ ﷺ نے ظاہری اعتبار سے ان کے عذر قبول فرمالیے اور ان سے بیعت لے لی اور ان کے لیے استغفار کیا اور ان کے باطن اور نیّت کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمادیا''۔ (صحیح مسلم: 6947)

امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں:

عَنْ أَبِیْ فِرَاسٍ قَالَ خَطَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: یَآاَیُّهَا النَّاسُ! اَلَا اِنَّا کُنَّا نَعْرِفُکُمْ اِذْ بَیْنَ ظَهْرِیْنَا النَّبِیُّ ﷺ وَاِذْ یَنْزِلُ الْوَحْیُ وَاِذْ یُنَبِّئُنَا اللهُ مِنْ اَخْبَارِکُمْ. اَلَا وَاِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَدِ انْطَلَقَ وَقَدِ انْقَطَعَ الْوَحْیُ، وَاِنَّمَا نَعْرِفُکُمْ بِمَا نَقُوْلُ لَکُمْ. مَنْ أَظْهَرَ مِنْکُمْ خَیْرًا ظَنَنَّا بِهٖ خَیْرًا وَأَحْبَبْنَاهُ عَلَیْهِ. وَمَنْ أَظْهَرَ مِنْکُمْ لَنَا شَرًّا ظَنَنَّا بِهٖ شَرًّا وَاَبْغَضْنَاهُ عَلَیْهِ. سَرَائِرُکُمْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ رَبِّکُمْ۔

ترجمہ: ''ابوفراس بیان کرتے ہیں کہ (ایک بار) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! سنو! (عہدِ رسالت میں) ہم تمہاری (حقیقتِ حال) کو جان لیتے تھے، کیونکہ نبی ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے اور نزولِ وحی کا سلسلہ جاری تھا اور اللہ تعالیٰ (رسول اللہ ﷺ پر وحی کے ذریعے) ہمیں تمہاری (پوشیدہ باتوں کی) خبریں بھی بتادیتا تھا، (مگر) سنو! (اب) نبی ﷺ (دنیا سے) وصال فرماچکے ہیں اور وحیِ (ربانی) کا سلسلہ منقطع ہوچکا ہے، (اب ہم) تمہارے بارے میں وہی کہتے ہیں جو (ظاہری طور پر) جانتے ہیں، سو تم میں سے جس سے خیر ظاہر ہوتی ہے، تو ہم اُس کے بارے میں اچھا گمان کرتے ہیں اور اس بناء پر اُس سے محبت کرتے ہیں، اور تم میں سے جس سے شر کا ظہور ہوتا ہے، اس کے بارے میں ہم بُرا گمان کرتے ہیں اور اس پر ناراض ہوتے ہیں۔ تمہارے باطن اور نیتوں کا فیصلہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ہوگا (کیونکہ وہی نیتوں اور سب کے پوشیدہ احوال کا جاننے والا ہے)''۔ (مسند امام احمد بن حنبل: 286)

اِن احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ قضا کا مَدار ظاہری شواہد اور قرائن پر یا صاحبِ معاملہ

Scanned with CamScanner

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

کے اقرار واعتراف پر ہوتا ہے اور دنیا میں ظاہر پر ہی فیصلے کیے جاتے ہیں۔ البتہ باطن اور نیتوں کا معاملہ بندے اور ربّ کے درمیان ہوتا ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہر ایک کے سِر، باطن اور نیت کا جاننے والا ہے، اِس لیے آخرت میں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں فیصلہ حقیقتِ حال اور نیّت پر ہوگا، اسی کو فقہ میں دیانت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَىَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِىْ لَهٗ عَلٰى نَحْوِ ما اَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَطَعْتُ لَهٗ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ شَيْئًا فَلَا يَاْخُذْهُ، فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ بِهٖ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ۔

ترجمہ: ''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے موقف کو دوسرے فریق کے مقابلے میں زیادہ دلائل کے ساتھ پیش کرے (یا زیادہ چرب زبان ہو)، تو میں اس کے (ظاہری) دلائل کو سن کر (بالفرض) اس کے حق میں فیصلہ کردوں (جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہو)، تو جس شخص کو میں اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ دے دوں، تو (اللہ کا خوف کرتے ہوئے) وہ اسے نہ لے، کیونکہ (وہ یہ سمجھے کہ درحقیقت) میں اسے آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں''۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 4470)

رسول اللہ ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ باطن اور نیت پر مُطّلع فرمادیتا تھا اور آپ ﷺ سے کسی کا باطن مخفی نہیں تھا۔ یہ ضابطہ رسول اللہ ﷺ نے تعلیمِ اُمّت کے لیے بیان فرمایا، کیونکہ دنیا میں کوئی شخص طلاقتِ لسانی (یعنی چرب زبانی) سے کام لے کر عدالت کے سامنے اپنی حجت اور موقف کو منوا سکتا ہے، جیسا کہ آج کل ماہر وکلاء کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عدالت میں جب بندوں کا نامۂ اعمال پیش ہوگا، تو وہ علّام الغیوب ہے اور ظاہر و باطن تمام حقائق کا جاننے والا ہے، اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھی جاسکتی، لہٰذا وہاں یہ حربے کام نہیں آئیں گے، پس بہتر ہے کہ انسان اُس عدالت میں ندامت سے بچنے کے لیے اسی دنیا میں اپنے حق پر قناعت کرے اور باطل حیلوں سے دوسروں کے حق کو غصب نہ کرے۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

مسجد کی حدود میں موبائل ٹاور لگانے کی شرعی حیثیت

سوال:

جامع مسجد غوثیہ اورنگی ٹاؤن کی حدود میں جس جگہ نماز ادا نہیں کی جاتی، پہلے یہ دوکان بنا کر کرائے پر دی ہوئی تھی، اب کچھ عرصے سے خالی پڑی ہے اور ایک موبائل کمپنی کو کرائے پر دی جا رہی ہے، جہاں کمپنی اپنا موبائل ٹاور لگائے گی۔ کرائے کی مد میں جو آمدنی ہوگی، کیا اُسے مسجد و مدرسہ کے اخراجات پورے کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے؟۔
(انتظامیہ جامع مسجد غوثیہ، سیکٹر 13 اورنگی ٹاؤن، کراچی)

جواب:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق مسجد کی وہ زمین جو مسجد کی حدود سے خارج لیکن مسجد پر وقف ہے، مصالح مسجد کے لیے استعمال کی جا سکتی ہے۔ بعض جگہ مساجد کے ساتھ دوکانیں یا مکانات ہوتے ہیں، جن کی آمدنی مسجد پر صرف کی جاتی ہے۔ جب وقف شدہ چیز کا مقصد واقف نے مُتعیّن کر دیا ہو تو فقہی اصول یہ ہے کہ ''شَرْطُ الْوَاقِفِ کَنَصِّ الشَّارِعِ''، ''یعنی واقف کی مقررہ شرائط نَصِّ شرعی کی طرح مؤثر ہوتی ہیں'' (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 6، ص: 508، داراحیاء التراث العربی، بیروت)۔ یہ اُس صورت میں ہے کہ وہ جگہ اصل مسجد کا حصہ نہ ہو اور اُس جگہ کو مصالح مسجد کے لیے ہی وقف کیا گیا ہو۔ فتاویٰ عالمگیری کتاب الوقف باب ۱۱ میں امام شمس الائمہ سرخسی کی محیط کے حوالے سے ہے:

قَیِّمُ الْمَسْجِدِ لَایَجُوْزُلَهٗ اَنْ یَبْنِیَ حَوَانِیْتَ فِی حَدِّ الْمَسْجِدِ أَوْ فِی فِنَائِهٖ لِاَنَّ الْمَسْجِدَ اِذَا جُعِلَ حَانُوْتًا وَمَسْکَنًا تَسْقُطُ حُرْمَتُهٗ وَهٰذَا لَایَجُوْزُ وَالْفِنَاءُ تَبَعُ الْمَسْجِدِ فَیَکُوْنُ حُکْمُهٗ حُکْمَ الْمَسْجِدِ، کَذَافِی مُحِیطِ السَّرَخْسِیِّ،

ترجمہ: ''متولی کے لیے مسجد کی حد یا فنائے مسجد میں دکانیں بنانا جائز نہیں ہے، کیونکہ مسجد کو جب دکان یا رہائش گاہ بنا دیا جائے تو اس کا احترام ساقط ہو جاتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ اور فنائے مسجد چونکہ مسجد کے تابع ہے لہٰذا اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو مسجد کا ہے، جیسا کہ ''محیط

السرخسی'' میں ہے''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 2، ص:462)

ہاں! یہ ضرور ہے کہ اجارہ طویل مدت کے لیے نہ ہو بلکہ قلیل مدت کے لیے اور زیادہ سے زیادہ تین سال کے لیے اجارہ پر دیا جاسکتا ہے۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام لکھتے ہیں:

''وَلَایُؤجَرُالْوَقْفُ اِجَارَۃً طَوِیْلَۃً وَاَکْثَرُمَایَجُوْزُثَلَاثُ سِنِیْنَ''

ترجمہ: ''(اوقاف کے) اجارہ کی مدت طویل نہیں ہونی چاہیے، تین سال سے زیادہ مدت کے لیے کرائے پر دینا جائز نہیں''۔ (فتح القدیر، جلد 6، ص:224)

چونکہ موبائل کمپنی اپنا ٹاور طویل مدت کے لیے نصب کرتی ہے نہ کہ محدود مدت کے لیے، اس لیے اسے دینا جائز نہیں ہے اور مزید یہ کہ اُس کا استعمال اچھے اور برے دونوں مقاصد کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا اس بناء پر بھی احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد کی جگہ موبائل کمپنی کو کرائے پر نہ دی جائے۔

زینہ بھی مسجد کا حصہ ہے

سوال:

جامع مسجد فاروقی (واقع ایریا C-4 لانڈھی ٹاؤن) کی انتظامیہ نے مسجد کے مرکزی گیٹ پر صحن کے اندرونی حصے میں سیڑھیاں بنائی ہیں۔ یہ سیڑھیاں مسجد کے اندرونی حصے میں بنائی گئی ہیں کیونکہ باہر دروازے سے متصل ہی نالہ ہے، جس پر گزرگاہ کے طور پر پُلیہ بنی ہوئی ہے، اگر یہ سیڑھیاں باہر بنائی جاتیں تو نالے کی صفائی ہونے کی صورت میں مشینیں لگتی ہیں، جس کے لیے پُلیہ کو توڑا جاسکتا ہے، اِس صورت میں مسجد کا مالی نقصان ہوتا۔ اب ان سیڑھیوں پر اعتراض اٹھائے جارہے ہیں کہ یہ درست نہیں، کچھ لوگ اِسے ظلم اور ناجائز قرار دے رہے ہیں۔ آپ سے شرعی رائے مطلوب ہے کہ آیا مسجد انتظامیہ کا یہ اقدام درست ہے یا نہیں؟، (انتظامیہ جامع مسجد فاروقی، ایریا C-4 لانڈھی ٹاؤن کراچی)۔

جواب:

صحن مسجد جزوِ مسجد ہے اور صحن میں موجود سیڑھیاں بھی مسجد ہی کا حصہ ہیں۔ امام احمد

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

رضا قادری قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں: ''جو زمین متعلق مسجد ہے، وہ مسجد ہی کے کام میں لائی جاسکتی ہے اور اُس کام میں بھی جس کے لیے واقف نے وقف کی، وقف کو اس کے مقصد سے بدلنا جائز نہیں، شَرطُ الوَاقِفِ کَنَصِّ الشَّارِعِ فِی وُجُوبِ العَمَلِ بِہٖ۔ (واقف کی شرط وجوب عمل میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص کی مثل ہے)''۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 16، ص:546، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

جو لوگ اعتراض کررہے ہیں، اُنہیں چاہیے کہ مثبت انداز اختیار کریں، اگر ''تَعَاوُنْ عَلَی الْبِرّ'' نہیں کرتے، تو ''مَنَّاعٍ لِّلْخَیْر'' (خیر کے کاموں میں رکاوٹیں پیدا کرنے والے) بھی نہ بنیں۔ ہاں! اگر مسجد انتظامیہ کسی غیر شرعی امر کی مرتکب ہوں تو اُن کو ضرور روکیں اور اصلاح کریں۔ سوال میں جو تفصیل بیان کی گئی ہے، اُس کے مطابق سیڑھیاں مسجد کے اندر ہیں اور کسی غیر کی زمین پر نہیں ہیں اور نہ ہی کسی راہگزر میں ہیں، جس سے عام آنے جانے والوں کا ''حقِ مُرور'' (Right of passage) متاثر ہوتا ہو، تو ہمیں سمجھ نہیں آیا کہ معترضین کس بات کو ظلم سے تعبیر کررہے ہیں۔ مسجد کے لیے وقف کردہ زمین کو مسجد کے مقاصد کے لیے استعمال کرنے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے۔

مسجد کے فنڈ کا شرعی حکم

سوال:

جامع مسجد بخاری ٹرسٹ کی 12 دکانیں ہیں، جن سے ماہانہ کرایہ وصول ہوتا ہے، اس کے علاوہ جمعۃ المبارک کو جمع ہونے والا عطیہ ہے۔ مسجد کے تمام اخراجات امام ومؤذن صاحبان کی تنخواہ، بجلی گیس وغیرہ کے بل کی ادائیگی، مرمت کے اخراجات مسجد کے فنڈ سے ہی کیے جاتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ (۱) بڑی راتوں اور دیگر مواقع پر مسجد میں چراغاں، میلاد النبی کے موقع پر جلوس کے لیے جھنڈے، بینرز مسجد کے فنڈ سے بنوائے جاسکتے ہیں؟۔ (۲) شبِ قدر کے موقع پر مٹھائی اور گیارہویں کا لنگر مسجد کے فنڈ سے کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟۔ (۳) گیارہویں کے لنگر کا کھانا یا رمضان شریف میں افطار مسجد کے برآمدہ یا صحن

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

میں کروایا جاسکتا ہے یا نہیں؟،(انتظامیہ جامع مسجد بخاری، پہلوان گوٹھ، کراچی)

جواب:

چندہ یا عطیہ جمع کرنے میں ہمیشہ یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ جس کام کے لیے جمع کیا گیا ہے صرف اُسی کام میں خرچ کیا جائے، کسی دوسرے کام میں خرچ نہیں کیا جاسکتا اور اگر اس کام میں خرچ کرنے کے بعد جو رقم بچ جائے، تو جن لوگوں سے چندہ لیا گیا تھا، ان کو واپس لوٹا دیا جائے یا ان لوگوں سے اجازت لے کر اُسے دوسرے کام میں خرچ کیا جائے۔ مسجد کی جمع شدہ رقم مالِ وقف کہلاتی ہے، جو مصارفِ مسجد کے لیے استعمال کی جاتی ہے، جیسے مسجد کے عملے کا مشاہرہ اور مسجد کی دیگر ضروریات، جو مسجد کے مفاد میں ہوں، تو ضرورت اور کفایت کے مطابق اُن پر صَرف کیا جاتا ہے۔

جلوس کے لیے جھنڈے، بینرز اور گیارہویں وغیرہ کا لنگر مسجد کے فنڈ سے نہیں کیا جاسکتا، اگر کرنا ہی چاہتے ہوں، تو اپنی جیبِ خاص سے کریں، مسجد کے فنڈ پر یہ بار نہ ڈالیں۔ لنگر وغیرہ کا رواج جو بڑی تیزی سے لوگوں میں سرایت کرگیا ہے، اِس سے کوئی شرعی مقاصد تو حاصل نہیں ہوتے، محض نمود و نمائش مقصود ہوتی ہے۔ مساجد تو دَرس وتدریس اور اصلاح کا مرکز ہوا کرتی ہیں، موجودہ دور میں لوگ تفریحِ طبع کے طور پر مساجد میں جمع ہونے اور کھانے پینے کا رواج ڈال رہے ہیں۔ تاہم ایسے کسی بھی مَصرف کے لیے مسجد کی آمدنی استعمال نہیں کی جاسکتی۔ امام احمد رضا قادری قُدِّسَ سِرُّہُ العزیز لکھتے ہیں: ''مسجد کی آمدنی دوسرے اوقاف میں استعمال کرنا حرام ہے، اگرچہ مسجد کو حاجت بھی نہ ہو، نہ کہ بحالِ حاجت، کہ حرام حرام اشد حرام ہے۔ مالِ مسجد اگر بعینہٖ موجود ہو، واپس لیا جائے اگرچہ دوسرے وقف یا مسجد دیگر (دوسری مسجد) میں ہو اور جو صرف ہوگیا، اُس کا تاوان منتظمین پر لازم ہے، ان سے وصول کیا جائے اور ان کا معزول کرنا واجب ہے کہ وہ غاصب وخائن ہیں۔ اگر صورت مذکورہ واقعیہ ہے۔ درمختار میں ہے:

اِتَّحَدَ الْوَاقِفُ وَالْجِهَةُ وَقَلَّ مَرْسُوْمُ بَعْضِ الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ جَازَ لِلْحَاكِمِ أَنْ يَّصْرِفَ مِنْ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

فَاضِلِ الْوَقْفِ الْاٰخَرِ عَلَیْهِ وَاِنْ اخْتَلَفَ اَحَدُهُمَا بِاَنْ بَنٰی رَجُلَانِ مَسْجِدَیْنِ اَوْ رَجُلٌ مَسْجِدًا وَمَدْرَسَةً وَوَقْفَ عَلَیْهِمَا اَوْقَافًا لَایَجُوْزُ لَهٗ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: ''واقف و جہت وقف متحد ہو اور وقف غیر آباد ہونے کے سبب بعض موقوف علیہ کے مُقررہ حصے میں کمی آجائے، تو حاکم کو جائز ہے کہ دوسرے وقف کی فاضل آمدنی میں سے کچھ اس پر صَرف کرے۔ اور اگر ان دونوں یعنی وقف و جہت میں سے کوئی ایک مختلف ہو، جیسے دو شخصوں نے الگ الگ دو مسجدیں بنوائیں یا ایک ہی شخص نے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنوایا اور دونوں کے مصالح کے لیے الگ الگ اوقاف متعین کیے ہوں تو ایک کی آمدنی دوسرے پر خرچ کرنے کا اختیار حاکم کو نہیں''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 16، ص: 469)

اِس کے تحت علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ''اس کی صورت یہ ہے کہ واقف نے مسجد کے لیے وقف کیے، ایک کا مَصرف مسجد کی عمارت (اور اس کی ضروریات) کو قرار دیا اور دوسرے کا مَصرَف امام و مؤذن (یعنی خدامِ مسجد) کو قرار دیا اور امام و مؤذن وہاں مقررہ تنخواہ کی کمی کی وجہ سے ٹھہرتے ہی نہیں ہیں، تو دین دار حاکم کو چاہیے کہ مسجد کی عمارت اور اُس کے مصالح سے متعلق وقف کی فاضل آمدنی سے محلہ کے نمازیوں کی صوابدید سے عملے کی تنخواہ حسبِ ضرورت پوری کرنے پر خرچ کرے، جبکہ وقف ایک ہی ہے اور اُس وقف کا اِحیاء (یعنی اپنے مقاصد کے لیے جاری رہنا) بھی مقصود ہے اور اُس کے حصول کی یہی ایک صورت ہے''۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 6، ص: 431)

صورتِ مسئولہ میں لنگر اور جلوس کے مصارف پر وقف مسجد کی آمدنی خرچ کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ چیزیں مصالح مسجد سے نہیں ہیں، جبکہ مسجد کے لیے وقف آمدنی سے صرف مسجد اور اس کے مصالح پر ہی خرچ کیا جاسکتا ہے، البتہ چونکہ کراچی میں عرف ہوگیا ہے اور اس سے چندہ دینے والے بھی واقف ہیں کہ بعض مُقدّس راتوں میں مسجد فنڈ سے مساجد میں چراغاں ہوتا ہے اور چندہ دینے والے اس پر اعتراض نہیں کرتے، تو یہ اُن کی رضامندی کی دلیل ہے اور اس کو مصالح مسجد کے متعلق تسلیم کرلیا گیا ہے۔ لیکن لنگر اور

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جلوسوں پر اخراجات مصالحِ مسجد سے نہیں ہیں، اُن پر خرچ کرنے کی مسجد انتظامیہ کو اجازت نہیں ہے اور اس کی تلافی اُن پر ہوگی۔ اس کے لیے وہ الگ چندہ کریں یا اپنے پاس سے خرچ کریں۔

وقف کو بدلا نہیں جا سکتا

سوال:

ضلع بھکر کے گاؤں توریاں والا میں ایک قدیم جامع مسجد ہے۔ایک شخص نے اُس مسجد کے اخراجات کے لیے چار کنال زرعی اراضی وقف کی تھی ، واقف کا انتقال ہو چکا ہے۔متذکرہ زمین کی آمدنی مسجد پر خرچ ہو رہی ہے۔ حال ہی میں برادری کے بعض لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ہمیں متذکرہ چار کنال زمین (وقف شدہ) سے ایک کنال دی جائے تاکہ ہم دوسری مسجد تعمیر کرسکیں کیونکہ ہمارے نظریات برادری اور مسجد انتظامیہ سے مختلف ہیں، جس پر برادری اور مسجد انتظامیہ نے ایک کنال زمین دینے کا فیصلہ کرلیا۔اب معلوم یہ کرنا ہے کہ:(۱) کیا ایک مسجد کی وقف شدہ زمین دوسری مسجد کے لیے دی جاسکتی ہے؟۔(۲) کیا موجودہ کمیٹی کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے؟۔(۳) اگر یہ فیصلہ غلط ہے،تو گنہگار کون ہے؟، یہ زمین کن کن کاموں میں استعمال کی جاسکتی ہے؟۔

(حافظ محمد مطیع اللہ حسنی، جامع مسجد بلال جیکب لائن، کراچی)

جواب:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق وقف مکمل ہوجانے کے بعد واقف (وقف کرنے والا) کو بھی وقف میں تبدیلی کا اختیار نہیں رہتا، چہ جائیکہ کہ مُتولی یا کوئی دوسرا شخص اُس میں تبدیلی کرے، علامہ نظام الدین لکھتے ہیں:

وَلَا یَجُوزُ تَغْیِیرُ الْوَقْفِ عَنْ ھَیْئَتِہٖ۔ ترجمہ:''وقف کی ہیئت کو بدلنا جائز نہیں''۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد 2 ص:490،مطبوعہ مکتبۂ رشیدیہ،کوئٹہ)

مذکورہ زرعی اراضی اگر قابلِ کاشت وقابلِ انتفاع نہ رہے،تب بھی اُسے دوسرے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

مقاصد کے لیے وقف نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

أَرْضٌ وُقِفَ عَلٰى مَسْجِدٍ صَارَتْ بِحَالٍ لَا تُزْرَعُ فَجَعَلَهَا رَجُلٌ حَوْضًا لِلْعَامَّةِ لَا يَجُوزُ لِلْمُسْلِمِينَ اِنْتِفَاعٌ بِمَاءِ ذٰلِكَ الْحَوْضِ كَذَا فِي الْقُنْيَةِ۔

ترجمہ: ''مسجد کے نام ایک زمین وقف تھی، اب وہ قابلِ کاشت نہیں رہی (یعنی اُس سے آمدنی حاصل نہیں ہوتی)، پھر کسی شخص نے اُس زمین میں لوگوں کے (فائدے کے لیے) تالاب بنا دیا، مسلمانوں کے لیے اُس تالاب کے پانی سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، جیسا کہ ''قُنیہ'' میں ہے، (فتاویٰ عالمگیری، جلد 2، ص:464)''۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

مُتَوَلِّيُ مَسْجِدٍ جَعَلَ مَنْزِلًا مَوْقُوفًا عَلَى الْمَسْجِدِ مَسْجِدًا وَصَلَّى النَّاسُ فِيهِ سِنِينَ ثُمَّ تَرَكَ النَّاسُ الصَّلَاةَ فِيهِ، فَأُعِيدَ مَنْزِلًا مُسْتَغَلًّا جَازَ لَهُ لِأَنَّهُ لَمْ يَصِحَّ جَعْلُ الْمُتَوَلِّي إِيَّاهُ مَسْجِدًا كَذَا فِي الْوَاقِعَاتِ الْحُسَامِيَّةِ۔

ترجمہ: ''مسجد پر وقف شدہ ایک مکان کو مُتولی نے مسجد بنا دیا اور اُس میں لوگوں نے چند سال نمازیں بھی پڑھیں، پھر اس میں نماز پڑھنا چھوڑ دی، مکان کو دوبارہ کرائے پر دے دیا، تو جائز ہے، کیونکہ مُتولی کا اُسے مسجد بنا دینا صحیح نہیں تھا، جیسا کہ ''واقعات حسامیہ'' میں ہے''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 2، ص:456)

اور جب پہلے سے ایک مسجد موجود ہے تو اُس کے قریب دوسری مسجد تعمیر کرنا مناسب نہیں ہے، کیوں کہ یہ سابق مسجد کی ویرانی کا سبب بنے گی اور قرآن مجید میں اس پر وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا

ترجمہ: ''اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہے جو اللہ کی مساجد میں اس کے نام کے ذکر سے منع کرے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے''۔ (البقرہ:114)

برادری کے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ: ''ہمارے نظریات برادری اور مسجد انتظامیہ سے مختلف ہیں''، یہ ایک منفی سوچ ہے اور انہیں وقف میں تبدیلی کے مطالبے کا کوئی حق حاصل

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

نہیں ہے اور اس طرح کا اختیار تو خود واقف کو بھی نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے:

(۱) ایک مسجد کے لیے وقف شدہ زمین دوسری مسجد کے لیے نہیں دی جاسکتی۔

(۲) موجودہ کمیٹی تو درکنار خود واقف کو بھی اس تبدیلی کا اختیار حاصل نہیں ہے۔

(۳) برادری کے جن لوگوں نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا وہ اس کے مجاز نہیں ہیں۔

وقف کی آمدنی کا سب سے بڑا مصرف یہ ہے کہ وہ وقف کی عمارت پر صرف کی جائے، عمارت کے بعد وہ ضروریات جو عمارت سے متعلق ہوں، اُن پر صرف کی جائے۔ اگر جائیداد مصالح مسجد کے لیے وقف کی گئی ہو تو مسجد میں دینی و دیگر خدمات انجام دینے والے عملے کے مشاہرہ جات، بجلی اور گیس وغیرہ کے بل، ضرورت کے وقت تعمیر و مرمت اور توسیع کے مصارف مصالح مسجد میں شمار ہوں گے۔

فلیٹس اور کاروباری مراکز میں قائم مساجد کا شرعی حکم

سوال:

ایک مسلم شہری نے کاروباری غرض سے ایک عمارت تعمیر کی، جس کے گراؤنڈ فلور تا سیکنڈ فلور کاروباری مقاصد کے لیے رکھے اور تھرڈ فلور پر نمازوں کی ادائیگی کے لیے وقف کیا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ گراؤنڈ فلور اور سیکنڈ فلور بھی مسجد کے لیے وقف کیے جائیں ورنہ یہ مسجد نہیں کہلائے گی اور یہاں نماز پڑھنا صحیح نہیں ہوگا۔

(سید محمد فیضان، (ARY)، گلشن چورنگی، کراچی)

جواب:

فقہائے اَحناف نے اصول یہی بیان کیا ہے کہ مسجد آسمان کی بلندی اور زمین کی گہرائی (تحت الثریٰ) تک مسجد ہی ہے، تنویر الابصار مع الدرالمختار میں ہے:

قَولُهُ اِلٰی عَنَانِ السَّمَآءِ بِفَتْحِ الْعَيْنِ وَكَذَا اِلٰی تَحْتَ الثَّرٰی كَمَا فِی الْبِيْرِی عَنِ

Scanned with CamScanner

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

الْاِسْبِیْجَابِی۔

ترجمہ: ''مسجد آسمان کی بلندی سے تحت الثریٰ تک مسجد ہی ہے ''بیری'' میں اسبیجابی سے اسی طرح منقول ہے''۔ (جلد: 2، ص: 371-370)

موجودہ دور میں بڑے پیمانے پر کثیر آبادی والے علاقوں میں جہاں مساجد فاصلے پر واقع ہوتی ہیں یا کاروباری مراکز میں جہاں لوگوں کے لیے دور جاکر نماز کی ادائیگی آسان نہیں ہوتی، اُن کی سہولت کے لیے فلیٹوں یا اُن کاروباری عمارات میں نماز کے لیے باقاعدہ جگہ مختص کی جاتی ہے تاکہ اِن جگہوں سے وابستہ لوگ باجماعت نماز ادا کرسکیں، بعض جگہوں پر صرف جائے نماز قائم ہوتی ہیں، لیکن اکثر جگہوں پر باقاعدہ پنج وقتہ اذان ونماز باجماعت ہوتی ہے، جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے۔ شرعی اعتبار سے ایسی جگہوں کی حیثیت باقاعدہ مسجد کی ہے اور وہاں پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ کا قیام درست ہوگا لیکن اُن مساجد کے اوپر کے حصے کو مسجد شمار نہیں کیا جائے گا۔ جیساکہ علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر فرغانی حنفی لکھتے ہیں:

وَرَوَی الْحَسَنُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: اِذَا جَعَلَ السِّفْلَ مَسْجِدًا، وَعَلٰی ظَهْرِهٖ مَسْكَنٌ، فَهُوَ مَسْجِدٌ، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مِمَّا يَتَأَبَّدُ، وَذٰلِكَ يَتَحَقَّقُ فِي السِّفْلِ دُوْنَ الْعُلُوِّ۔ وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ عَلٰی عَكْسِ هٰذَا، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مُعَظَّمٌ، وَاِذَا كَانَ فَوْقَهٗ مَسْكَنٌ، أَوْ مُسْتَغَلٌّ يَتَعَذَّرُ تَعْظِيْمُهٗ۔ وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللهُ: أَنَّهٗ جَوَّزَ فِي الْوَجْهَيْنِ حِيْنَ قَدِمَ بَغْدَادَ، وَرَأٰی ضِيْقَ الْمَنَازِلِ، فَكَأَنَّهٗ اِعْتَبَرَ الضَّرُوْرَةَ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ: أَنَّهٗ حِيْنَ دَخَلَ الرَّيَّ أَجَازَ ذٰلِكَ كُلَّهٗ لِمَا قُلْنَا، وَكَذٰلِكَ اِنِ اتَّخَذَ وَسْطَ دَارِهٖ مَسْجِدًا، وَأَذِنَ لِلنَّاسِ بِالدُّخُوْلِ فِيْهِ۔

ترجمہ: ''اور حسن بن زیاد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا: جب نچلی منزل پر مسجد بنائی اور اُس کے اوپر رہائش کے لیے مکانات ہیں، پس یہ مسجد ہوگی، اس لیے کہ مسجد ہمیشہ مسجد ہوتی ہے اور یہ نچلی منزل میں متحقق ہے نہ کہ اوپر۔ امام محمد رحمہ اللہ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

سے اِس کے برعکس روایت ہے، اس لیے کہ مسجد عظمت کا مکان ہے اور جب اوپر رہائش ہو یا ایسا مکان ہو جسے کرائے پر دیا گیا ہو تو (مسجد کی) تعظیم دشوار ہوگی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے دونوں وجہوں کو جائز قرار دیا جب وہ بغداد آئے اور تنگ گھروں کو دیکھا تو ضرورت کے اعتبار سے اُنہوں نے اِسے جائز رکھا اور امام محمد رحمہ اللہ جب ''رے'' تشریف لائے تو ضرورت کے سبب اُنہوں نے اِسے جائز رکھا، اور اِسی طرح اگر مکان کے وسط میں مسجد بنائی اور لوگوں کو (نماز پڑھنے کے لیے) داخلے کی عام اجازت دے دی (تو جائز ہے)''۔ (ہدایہ، جلد 4، ص:410)

صاحبِ ہدایہ کی مندرجہ بالا عبارت کی رُو سے مندرجہ ذیل صورتیں بنتی ہیں:

(۱) نیچے مسجد ہو اور اوپر رہائشی مکان ہو، تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اُس مسجد بنانا جائز ہے۔

(۲) نیچے رہائشی مکان یا دکانیں ہوں اور اوپر مسجد ہو تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا مسجد بنانا جائز ہے، کیونکہ اوپر رہائشی مکان یا کرائے پر دیے جانے کی وجہ سے مسجد کی تعظیم دشوار ہے۔

(۳) بعد میں جب امام یوسف رحمہ اللہ بغداد گئے اور مکانات کی تنگی کو دیکھا تو اُنہوں نے دونوں صورتوں کو جائز قرار دیا۔

اسی طرح جب امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ''رے'' گئے تو اسی ضرورت کی بنا پر اُنہوں نے دونوں صورتوں کو جائز قرار دیا۔ لہٰذا آپ نے جو صورت بیان کی ہے اگر عمارت کا مالک اُس عمارت کے تھرڈ فلور اور اُس کے اوپر آئندہ ممکنہ طور پر تعمیر کی جانے والی منزلوں (Flours) کو مسجد کے لیے وقف کرنا چاہے، تو کرسکتا ہے اور دوسرے لوگوں کا اس پر اعتراض باطل ہے، تینوں ائمۂ اَحناف کے نزدیک یہ جائز ہے اور اس مسجد میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملے گا، اس میں اعتکاف بھی کیا جاسکتا ہے۔ اب اس کو مسجد قرار دینے کے بعد اسے تبدیل کیا جاسکتا ہے، نہ اسے ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ اس پر وراثت جاری ہوسکتی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ہے۔ اِن مساجد کو مسجد شرعی قرار نہ دینے سے لوگ حرج میں پڑ جائیں گے اور دفع حرج مقاصدِ شرعیہ میں سے ہے۔ شہر کی گنجان آبادی والے علاقوں میں اسی ضرورت کی بنا پر لوگوں نے فلیٹوں میں مسجدیں قائم کی ہوئی ہیں اور اب کراچی شہر میں تو اس پر تعامل ہے۔ اس لیے ہمارے مُفتیانِ کرام ظاہر مذہب سے عدول کر کے ان مساجد کو شرعی مساجد قرار دینے کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔

مسجد کا ویران کرنا حرام ہے

سوال:

ہمارا گاؤں بلوچستان میں واقع ہے، عرصۂ دراز سے مٹی گارے کی ایک کچی مسجد قائم ہے جو گاؤں کی ضروریات کے لیے ناکافی ہے۔ کچھ اصحابِ خیر کے تعاون سے نئی مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں لیکن قدیمی مسجد کی جگہ پختہ مسجد تعمیر کرنا ممکن نہیں بلکہ مسجد کے رقبے میں تھوڑے اضافے سے گاؤں میں داخلے کا راستہ بند ہوجائے گا۔ نئی مسجد کی تعمیر کے لیے گاؤں کے ایک شخص نے قریب ہی ایک رقبہ مسجد کے لیے وقف کر دیا ہے، کیا ہم پرانی مسجد کو ترک کر کے نئی جگہ مسجد بنا سکتے ہیں؟۔ (مولوی عبدالحکیم، ڈیرہ جمالی، بلوچستان)

جواب:

جب پہلے سے ایک مسجد موجود ہے تو اُس کے قریب دوسری مسجد تعمیر کرنا مناسب نہیں ہے، کیوں کہ یہ سابق مسجد کی ویرانی کا سبب بنے گی اور قرآن مجید میں اس پر وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا

ترجمہ: ''اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہے جو اللہ کی مساجد میں اس کے نام کے ذکر سے منع کرے اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے''۔ (البقرہ: 114)

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق جب وقف مکمل ہوجانے کے بعد واقف (وقف کرنے والا) کو بھی وقف میں تبدیلی کا اختیار نہیں رہتا۔ علامہ نظام الدین لکھتے ہیں:

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

وَلَایَجُوْزُ تَغْیِیْرُ الْوَقْفِ عَنْ هَیْئَتِه۔ ترجمہ: ’’وقف کی ہیئت کو بدلنا جائز نہیں‘‘۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد 2 ص: 490، مطبوعہ مکتبۂ رشیدیہ، کوئٹہ)

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز سے پرانی مسجد کی جگہ چھوڑ کر نئی مسجد بنانے کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے جواب میں لکھا: ’’حتی الامکان مسجد کا آباد کرنا فرض ہے اور ویران کرنا حرام، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ

ترجمہ: ’’اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکتا ہے اور ان کی بربادی کی کوشش کرتا ہے‘‘۔ (البقرہ: 114)

مزید لکھتے ہیں کہ: جو صاحب پختہ بنانا چاہتے ہیں، اسی کو پختہ کریں اور آباد کریں، جدا مسجد بنانے میں نفل کا ثواب پائیں گے اور اس مسجد کے آباد کرنے میں فرض کا ثواب، نفل کے ثواب کو فرض کے ثواب سے کچھ نسبت نہیں ہوسکتی‘‘۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 16 ص: 413، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

پرانی مسجد کو کسی دوسرے استعمال میں لانا قطعاً جائز نہیں، مسجد بنانا یقیناً اجر وثواب کا باعث ہے لیکن اگر اُس سے پرانی مسجد ویران ہوتی ہو تو ہرگز نہیں بنانی چاہیے کہ مسجد کا ویران کرنا اور اُسے شہید کرنا حرامِ قطعی ہے۔ ایسی صورت میں ہمیشہ یہ تدبیر کرنی چاہیے کہ پہلے سے جو مسجد قائم ہے حسبِ ضرورت ملحق زمین حاصل کرکے اسی کی توسیع کی جائے۔ زمین نقد قیمت پر بھی خریدی جاسکتی ہے اور تبادلے کے ذریعے بھی۔ البتہ پرانی مسجد کو شہید کرکے نیا عمارتی نقشہ اس طرح بنایا جاسکتا ہے کہ پرانی مسجد نئی توسیع شدہ مسجد میں شامل ہوجائے۔

نئی مسجد بنانے سے پہلی مسجد کا حق ادا نہیں ہوسکتا ہے، وہ مسجد قیامِ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، کسی دوسرے کام میں اسے ہرگز استعمال نہیں کیا جاسکتا، امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں: ’’جو زمین متعلق مسجد ہے وہ مسجد ہی کے کام میں لائی جاسکتی ہے اور

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اُس کے بھی اُس کام میں جس کے لیے واقف نے وقف کی، وقف کو اس کے مقصد سے بدلنا جائز نہیں، شَرْطُ الْوَاقِفِ کَنَصِّ الشَّارِعِ فِی وُجُوْبِ الْعَمَلِ بِہٖ۔ (واقف کی شرط وجوب عمل میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص کی مثل ہے)''۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 16، ص:546، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

امام کی اہلیت

سوال:

ہماری مسجد کے ایک نمازی امام صاحب کو تین ماہ تک مسلسل تین سو روپے مسجد عطیہ کی مد میں دیتے رہے، امام صاحب نے مسجد کمیٹی کو کوئی اطلاع نہیں دی اور نہ ہی وہ رقم جمع کرائی۔ اُس نمازی کے استفسار پر جب کمیٹی نے امام صاحب سے پوچھا تو امام صاحب نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور تحریری معافی نامہ لکھ کر دیا اور کہا کہ نو سو روپے میری تنخواہ سے کاٹ لیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں، اِس واقعے کے بعد نمازیوں کی تعداد خاصی کم ہوگئی ہے۔

(سمیع اللہ خان، جنرل سیکریٹری دکھنی مسلم انجمن، لیاقت آباد)

جواب:

ایک سچے مسلمان کے اعلیٰ کردار کی عظیم صِفت یہ ہے کہ وہ کسی بھی شعبے سے وابستہ ہو، دیانت دار وامین ہو، یہ اُس کے فرائض کا تقاضا بھی ہے اور ایک مسلمان کی حیثیت سے اُس کا دینی فریضہ بھی ہے۔ اِمامت کا منصب تو ویسے بھی کردار کی ساری خوبیوں اور بلندیوں کا متقاضی ہوتا ہے۔ صورتِ مسئولہ میں مذکورہ امام صاحب کا یہ عمل مسجد کی امانت میں غبن ہے، جو گناہ اور فسق ہے۔ حدیث مبارک میں ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اَبِیْ بُرَیْدَۃَ، عَنْ اَبِیْہِ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنِ اسْتَعْمَلْنَاہُ عَلٰی عَمَلٍ فَرَزَقْنَاہُ رِزْقًا فَمَا اَخَذَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَھُوَ غُلُوْلٌ۔

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن ابی بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

نے فرمایا: جس کسی کو ہم کسی کام کے لیے مقرر کریں اور اسے اس کی اجرت ادا کردیں تو اپنی اجرت کے علاوہ وہ جو کچھ بھی لے گا، وہ خیانت ہے''۔ (سُنن ابوداؤد: 2936)

امام صاحب کے اس عمل کے سبب لوگ اُنہیں ناپسند کرتے ہوں تو اُن کا امام بننا مکروہِ تحریمی ہے، تنویرالابصار مع الدرالمختار میں ہے:

(وَلَو أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ، أَنَّ) الْكَرَاهَةَ (لِفَسَادٍ فِيْهِ أَوْلِاَنَّهُمْ أَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ مِنْهُ كُرِهَ) لَهٗ ذٰلِكَ تَحْرِيْمًا لِحَدِيْثِ أَبِيْ دَاوٗدَ'' لَايَقْبَلُ اللهُ صَلَاةَ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ'' (وَإِنْ هُوَ اَحَقُّ، لَا) وَالْكَرَاهَةُ عَلَيْهِمْ۔

ترجمہ: ''اگر کسی شخص نے کسی ایسی قوم کی امامت کی جو اُسے ناپسند کرتے ہیں، پس اگر لوگوں کی ناپسندیدگی کا سبب امام میں کوئی شرعی یا اخلاقی خرابی ہے یا اِس بنا پر کہ وہ لوگ اُس امام کے مقابلے میں (شرعی معیار پر) امامت کے زیادہ حق دار ہیں، تو اُس کی امامت سنن ابوداؤد کی اِس حدیث کے سبب کہ: ''اللہ تعالیٰ اُس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا، جو لوگوں کی ناپسندیدگی کے باوجود امامت کررہا ہو''، مکروہِ تحریمی ہے، اور اگر وہ امام ان لوگوں کے مقابلے میں (شرعی معیار کے مطابق) امامت کا زیادہ حق دار ہے، تو اس کے امام بننے میں کوئی کراہت نہیں ہے، البتہ امام کے بارے میں (خلافِ شرع نفرت) مقتدیوں کے لیے کراہت کا سبب ہے''۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 2، ص: 254 مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت)

تاہم اگر مذکورہ امام صاحب اپنے اس فعل سے سچے دل سے توبہ کرلیتے ہیں اور مسجد کی رقم واپس کردیتے ہیں، تو اُن کی امامت میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ حدیث پاک میں ہے: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَاذَنْبَ لَهٗ۔ ترجمہ: ''گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ جیسے اُس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ ہو''۔ (سُنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 4250)

کسی شخص کی اقتدا میں نماز کا جواز یا عدمِ جواز، یہ الگ مسئلہ ہے اور کسی کا مستقل امام مُقرر کرنا، یہ الگ مسئلہ ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ بعض مقتدیوں کا امام کو ناپسند کرنے کا اصل

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

سبب کیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ آپ امام کے ہمراہ دارالافتاء میں تشریف لائیں تاکہ فریقین کا موقف دونوں کی موجودگی میں سنا جائے، پھر ہم صحیح رائے قائم کرسکیں گے۔

مسجد فنڈ کا عیدگاہ پر استعمال

سوال:

مسجد کا فنڈ عیدگاہ میں استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟۔ (عبدالقدیر، اورنگی کراچی)

جواب:

مساجد کے عطیات میں یہ امر معروف ہے کہ یہ مسجد کے مصارف جاریہ کے لیے ہے۔ اُن مصارف جاریہ میں مسجد کے (بجلی، گیس اور پانی وغیرہ کے) یوٹیلیٹی بلز، ضرورت کے وقت رنگ وروغن، دریاں، قالین، ٹیوب لائٹس، پنکھے، پانی وسیوریج کا نظام، عملے کی تنخواہ اور مصارف شامل ہوتے ہیں۔ آج کل چونکہ بجلی کا بحران ہے اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اس لیے بعض مساجد میں جنریٹر کا انتظام کیا گیا ہے، خاص طور پر رمضان المبارک میں شدید گرمی کے موسم میں تراویح پڑھنا عوام کے لیے مشکل ہوتا ہے، جنریٹر کو چلانے میں ڈیزل/ پٹرول/گیس الغرض ایندھن کا استعمال ہوتا ہے، یہ بھی مصارف جاریہ میں ہے۔ جن مساجد کے زیراہتمام عیدگاہ یا جنازہ گاہ ہے اور ان پر بھی مسجد فنڈ سے استعمال ہوتا ہے۔ یہ سب معروف ومعہود (Understood,Known) مصارف ہیں، ان پر مسجد فنڈ سے خرچ ہوتا ہے اور عطیات دینے والے اِس سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں، بعض اوقات ان ضروریات کے حوالے سے اپیل بھی کی جاتی ہے، لہٰذا ان مصارف پر مسجد فنڈ سے پیسے کا استعمال جائز ہے اور عید کی نماز میں بھی مسجد اور مصارفِ مسجد (بشمول عیدگاہ) کے لیے عطیات لیے جاتے ہیں اور اس میں سے بھی جو رقم مصارف عیدگاہ سے بچ جاتی ہے، وہ مسجد کے فنڈ میں جاتی ہے۔ اگر عیدگاہ مسجد کے زیرِ اہتمام نہ ہو، تو اُس پر مسجد کا چندہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ جو رقم کسی خاص مصرف اور مد کے لیے لی جائے یا عطیہ دینے والے کسی خاص مد میں دیں، جیسے تعمیر مسجد، تو اُس رقم کو اسی مصرف پر یا اُسی مد میں

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

خرچ کیا جائے۔

امام کو مواقعِ تہمت سے بچنا چاہیے

سوال:

ایک ایسا محلہ جس میں امام کے لیے کوئی مکان مسجد کے نام پر نہیں ہے، امام کافی عرصے سے ایک مکان کی بیٹھک میں رہائش پذیر ہیں۔ اب امام کی شادی ہوگئی ہے، تو امام اپنی بیوی سمیت اُسی مکان کی بیٹھک کے بجائے مکان کے اندر ایک کمرہ میں رہائش پذیر ہیں۔ مالک مکان کے بچے بھی اُسی مکان میں رہتے ہیں جبکہ مالک مکان کراچی میں ہے، اُس کی بیوی کی عمر 35 سال بچی 14 سال کی ہے اور باقی بچے چھوٹے ہیں۔ مکان کی چار دیواری اور مین گیٹ ایک ہے۔ اِس تمام مسئلے میں کیا صورت اختیار کی جائے؟۔

(گل رزاق، حسین بانڈہ اوگی)

جواب:

امامت ایک کل وقتی منصب ہے، امام کے لیے پنج وقتہ نماز کی پابندی لازمی ہوتی ہے اور اگر مسجد کے اندر یا مسجد سے مُتصل تعلیم القرآن کا مدرسہ بھی ہے تو اُس کا بقیہ وقت تدریس اور تعلیم و تعلُّم میں گزر جاتا ہے۔ اصولی طور پر مسجد کی انتظامیہ کو امام کے لیے فیملی رہائش کا انتظام کرنا چاہیے، جیسا کہ بالعموم ہر مسجد کے ساتھ ایسا انتظام ہوتا ہے یا اُس کو اتنا مُشاہرہ دینا چاہیے کہ وہ اپنے اور اپنے بچوں کے گزر اوقات کے ساتھ مکان کا کرایہ بھی ادا کر سکے۔ بعض مقامات پر بستی چھوٹی ہوتی ہے یا لوگ اتنی مالی استطاعت نہیں رکھتے کہ امام کے لیے فیملی رہائش کا انتظام کریں، تو اس طرح کے عارضی انتظامات کرنے پڑتے ہیں۔

استفتاء میں جو صورتِ مسئلہ بیان کی گئی ہے، اُس کا مناسب حل یہ ہے کہ صاحبِ خانہ کی بیوی بچوں کے زیرِ استعمال رہائشی حصے اور امام کے بیوی بچوں کے زیرِ استعمال رہائشی حصے کے درمیان کوئی عارضی پارٹیشن قائم کردی جائے (اسے اس علاقے میں ''بِتَّر'' کہتے ہیں) تاکہ شرعی ستر و حجاب کی پابندی کی جا سکے اور امام کا وقار بھی محفوظ رہے اور کسی کو

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

انگشت نمائی کا موقع بھی نہ ملے۔ جہاں تک مکان کی چہار دیواری اور گیٹ کے ایک ہونے کا تعلق ہے، تو اس کا حل یہ ہے کہ باہر سے آنے والا گھر والوں کو خبردار کر کے اور پردہ کرا کے داخل ہو اور اندر دونوں خاندانوں کے حصے الگ الگ ہوں، قرآن مجید کی سورۃ النور میں اس کی بابت صریح احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔ آج کل تو دروازوں پر بالعموم بجلی کی گھنٹی لگی ہوتی ہے۔

ائمہ وخطباء اور علمائے کرام کے لیے خاص طور پر لازم ہے کہ بدگمانی کے مواقع سے بچیں، بلکہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ تہمت کے مواقع سے ہمیشہ اجتناب کرے، اپنی عزت وآبرو کا تحفظ مومن کی شرعی ذمہ داری ہے، کسی ایسے مقام پر جانا یا ٹھہرنا، جہاں دوسرے لوگ بدگمانی کی بنا پر ہدفِ تہمت بنا سکتے ہوں، نامناسب ہے۔ ایک روایت میں ہے: ''اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمَة''، ترجمہ: یعنی ایسے مواقع سے بچو، جن میں مبتلا ہونے سے لوگوں کی تہمت یا بدگمانی کا ہدف بنو۔ اِس پر بحث کرتے ہوئے علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی نے لکھا ہے کہ: اگرچہ ''اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمَة''، کی روایت لفظاً ثابت نہیں ہے، لیکن معنیً ثابت ہے۔ اس کا ذکر احیاء العلوم میں آیا ہے اور عراقی نے اپنی احادیث کی تخریج میں کہا ہے کہ میں نے اس کی کوئی اصل نہیں پائی، لیکن یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کے ہم معنی ہے (یعنی اثرِ صحابی ہے):

مَنْ سَلَكَ مَسَالِكَ الظَّنِّ اُتُّهِمَ، وَرَوَاهُ الْخَرَائِطِي فِي مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ مَرْفُوعًا بِلَفْظِ: مَنْ اَقَامَ نَفْسَهٗ مَقَامَ التُّهَمِ فَلَا يَلُوْمَنَّ مَنْ اَسَاءَ الظَّنَّ بِهٖ۔

ترجمہ: جو بدگمانیوں کی راہوں پر چلے گا، وہ تہمت کا ہدف بنے گا اور مکارمِ اخلاق میں ''خرائطی'' نے ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا کہ ''جو مقامِ تہمت پر ٹھہرا، تو پھر اسے چاہیے کہ بدگمانی کرنے والوں کو ملامت نہ کرے (بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرے کہ اس نے خود انہیں موقع فراہم کیا)''۔ (کشف الخفاء ومزیل الالباس، الجزء الاوّل، صفحہ 44، دمشق)

ایک اور حدیثِ پاک میں ہے:

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: لَاتَلِجُوا عَلَى الْمُغِيبَاتِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِی مِنْ أَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ۔

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُن عورتوں کے پاس نہ جاؤ، جن کے شوہر موجود نہ ہوں، کیونکہ شیطان تمہارے وجود میں اسی طرح سرایت کرتا ہے جیسے تمہاری رگوں میں خون تیرتا ہے''۔ (ترمذی، رقم الحدیث: 1172)

لیکن اس کے ساتھ ساتھ امام پر انگشت نمائی کرنے والوں کو بھی چاہیے کہ اسلام نے ثبوت وشواہد کے بغیر بدگمانی سے منع فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا

ترجمہ: '' اے مومنو! بہت سے گمانوں سے بچو، بیشک بعض گمان گناہ (کا باعث) ہوتے ہیں اور نہ تم (کسی کے متعلق) تجسّس کرو اور نہ تم ایک دوسرے کی غیبت کرو''۔ (الحجرات: 12)

(۲) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝

ترجمہ: ''اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں، اُس کے دَرپے نہ ہو، بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے (روزِ قیامت) سوال کیا جائے گا''۔ (بنی اسرائیل: 36)

حدیث پاک میں ہے:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيث، وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَاتَبَاغَضُوا، وَكُونُوا إِخْوَانًا۔

ترجمہ: بدگمانی سے بچو، بے شک بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، اور (دوسروں کی) پوشیدہ باتوں کو جاننے کی کوشش نہ کرو اور کسی کی (پوشیدہ) بات سننے کے لیے کان نہ لگاؤ اور ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور بھائی بھائی بن جاؤ'' (صحیح بخاری: 5143)۔ اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔

ترجمہ: ''کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ (تحقیق و تنقید کے بغیر) ہر سنی سنائی بات کو (لوگوں کے سامنے) بیان کرتا پھرے''۔ (صحیح مسلم:5)

الغرض مذکورہ امام صاحب کی اقتدا میں نماز جائز ہے تاوقتیکہ خدانخواستہ ان سے کسی حرام شرعی یا فسق کا ارتکاب ثابت ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝

ترجمہ: ''اے اہلِ ایمان! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم انجانے میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو، پھر تمہیں (بعد میں حقیقت حال معلوم ہونے پر) اپنے کیے پر ندامت ہو''۔ (الحجرات:6)

لوگوں کو فتوے بازی سے پہلے متعلقہ شخص سے مل کر اصلاحِ احوال کی کوشش کرنی چاہیے اور مسئلے کا حل نکالنے میں مدد کرنی چاہیے، ورنہ ان کی یہ فتویٰ حاصل کرنے کی تگ ودو كَلِمَةُ الْحَقِّ اُرِيْدَ بِهَا الْبَاطِلُ (یعنی ایسا کلمۂ حق جس سے باطل معنی مراد لیا جائے یا باطل مقصد کے لیے استعمال کیا جائے) کے زُمرے میں آئے گا۔

دیہی ماحول میں علماء کا عورتوں سے آمنا سامنا ہوجاتا ہے، بعض عورتیں مسئلہ معلوم کرنے کے لیے یا دعا و تعویذ کے لیے بھی رجوع کرتی ہیں، گھروں کے اندر بھی آجاتی ہیں۔ اسی طرح بڑے شہروں کے دینی مدارس میں بھی عورتیں دارالافتاء میں آجاتی ہیں یا اپنے بچوں کو مدرسے میں پہنچانے آتی ہیں۔ کوئی اِن مواقع کو مرد وزن کے آزادانہ اِختلاط سے تعبیر نہیں کرتا، پس ہر ایک کو تقویٰ اور فتویٰ کا فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔ صورتِ مسئولہ میں خود امام کی بیوی بھی گھر میں موجود رہتی ہے، تو ہمیں حسنِ ظن سے کام لینا چاہیے کہ امام محتاط رہتا ہوگا۔

نوٹ: ہم یہ فتویٰ جاری کرچکے تھے، پھر ہمیں معلوم ہوا کہ اس مسجد کے امام صاحب کے لیے الگ مکان کا انتظام ہوگیا ہے، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

مُتولیٔ وقف کو بغیر شرعی عذر معزول نہیں کیا جا سکتا

سوال:

ایک قدیمی مسجد (گوٹھ کونکر، گڈاپ) کچی مٹی سے بنی ہوئی تھی، موسمی حالات کے سبب شہید ہوگئی، مسجد کی دوبارہ تعمیر کے لیے حاجی محمد عرس گبول مرحوم نے کوششیں کیں اور فی سبیل اللہ امامت بھی کراتے رہے، اُن کی غیر موجودگی میں اُن کے بھتیجے محمد رمضان قائم مقام امام کے فرائض انجام دیتے رہے۔ مسجد کی باقاعدہ کمیٹی بنائی گئی، جو بطور ٹرسٹ رجسٹرڈ ہے، ٹرسٹ کے صدر محمد رمضان گبول ہیں، جو فی سبیل اللہ امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ کچھ عرصہ سے چند افراد ذاتی یا مسلک کی بنیاد پر مخالفت کر کے اثر ورسوخ کی بنا پر جعلی دستاویزات بنا کر مسجد پر قبضے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مسجد کے انتظام اور تولیت کی بابت شرعی حکم کیا ہے؟، (اہلِ محلہ گوٹھ کونکر، گڈاپ روڈ کراچی)۔

جواب:

سوال میں بیان کی گئی صورت کے مطابق یہ مسجد عرصۂ دراز سے قائم ہے اور وقف ہے، اگرچہ اصل واقف کا علم نہیں ہے۔ بظاہر حاجی محمد عرس گبول اور محمد رمضان بطور مُتولّی ذمے داریاں انجام دیتے رہے ہیں، لہٰذا خیانت، فسق یا کسی معقول سبب کے بغیر ان کو معزول کرنا جائز نہیں ہے۔ ٹرسٹ بن جانے کے بعد مسجد کا نظام اس کے مطابق چلانا چاہیے۔

وقف کا مُنتظم اُس کا مُتولّی ہوتا ہے۔ ملک العلماء علامہ کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وَمِنْهَا: أَنْ يُخْرِجَهُ الْوَاقِفُ مِنْ يَدِهِ وَيَجْعَلُ لَهُ قَيِّمًا وَيُسَلِّمُهُ اِلَيْهِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ،

ترجمہ: ''اُن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ واقف وقف شدہ مال کو اپنے قبضے سے نکالے اور اُس کے لیے ایک مُنتظم (اور نگران) مُقرر کرے اور مال موقوف اس کے سپرد کرے، یہ امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے''۔ (بدائع الصنائع، جلد6، ص:335)

آپ کے بیان کے مطابق یہ مسجد قدیم ہے، حاجی محمد عرس گبول اِس کے مُتولّی تھے اور

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اُن کے بعد محمد رمضان مُتولّی ہیں۔ اگر کوئی شرعی سبب نہیں پایا جاتا تو محمد رمضان کو معزول نہیں کیا جاسکتا، معزول کرنے کا اختیار قاضی یا واقف (وقف کرنے والے) کو ہے۔ علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں:

وَيُنْزَعُ وُجُوبًا، ''بَزَازِيَّة''، لوِ الْوَاقِفُ، ''دُرَر''، فَغيرُهُ بِالأولیٰ (غيرَ مَامُونٍ) أَوْعَاجِزًا. أَوْ ظَهَرَبِهٖ فِسْقٌ، كشُربِ خَمرٍ وَنَحوِهِ، ''فتح''، أَوْكَانَ يَصْرِفُ مَالَهُ فِي الْكِيْمِيَاءِ، ''نَهر'' بَحثًا۔

ترجمہ: ''(خیانت پر مُتولی کو) جبراً معزول کرنا واجب ہے، جیسا کہ ''بزازیہ'' میں ہے، خواہ وہ واقف ہی ہو، جیسا کہ ''دُرَر'' میں ہے تو غیر واقف شخص، جو قابلِ اعتماد نہ ہو، بطریق اَولیٰ معزول کیا جائے گا یا مُتولّی عاجز ہو یا اُس کا فِسق ظاہر ہو گیا ہو جیسے شراب نوشی وغیرہ یا اِسی طرح کا کوئی اور فسق جیسا کہ ''فتح القدیر'' میں ہے یا اپنا مال کیمیا میں صرف کرتا ہو جیسا کہ ''النہر'' میں ہے''۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 13، ص:499 تا 504)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

زکوٰۃ کے چند مسائل

سوال:

اپنی بہن یا بھائی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟۔(محمد نصیب خان)

جواب:

زکوٰۃ کی صحیح ادائیگی کے لیے یہ ضروری ہے کہ جسے زکوٰۃ دی جا رہی ہے، وہ مستحقِ زکوٰۃ ہو، صاحبِ نصاب نہ ہو، سید نہ ہو، تو ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ مستحقِ زکوٰۃ وہ شخص ہے، جس کے پاس کم ازکم نصاب کے مساوی بنیادی ضروریات سے فاضل مال موجود نہ ہو، نصابِ شرعی کی مقدار یہ ہے 612.36 گرام چاندی یا اس کی رائج الوقت قیمت کے مساوی نقد رقم، یا مالِ تجارت جو اس کی بنیادی ضروریات سے زائد ہو۔ اگر آپ کی بہن مستحقِ زکوٰۃ ہیں اور سید نہیں ہیں، تو آپ اُنہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

سوال:

ہماری کچھ رقم کسی کے پاس ادھار ہے، اُس کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟۔

جواب:

اگر صاحبِ نصاب کے قرض کی رقم پھنسی ہوئی ہے اور مقروض نادہندہ ہے لیکن اس کی واپسی کی آس قائم ہے تو اس کی زکوٰۃ دے دینی چاہیے، اگر نہ دی تو ملنے پر گزشتہ ساری مدت کی زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔ البتہ قرض کی ڈوبی ہوئی رقم کی زکوٰۃ اگر نہ دی تو وہ جواب دِہ نہیں ہوگا۔

قرض (دَین) کی اقسام

علامہ کمال الدین ابن ہمام لکھتے ہیں:

قَسَّمَ اَبُو حَنِیْفَۃَ الدَّیْنَ اِلٰی ثَلَاثَۃِ اَقْسَامٍ قَوِیٌّ وَھُوَ بَدَلُ الْقَرْضِ وَمَالُ التِّجَارَۃِ وَمُتَوَسِّطٌ وَھُوَ بَدَلُ مَالَیْسَ لِلتِّجَارَۃِ کَثَمَنِ ثِیَابِ الْبِذْلَۃِ وَعَبْدِ الْخِدْمَۃِ وَدَارِ السُّکْنٰی وَضَعِیْفٌ وَھُوَ بَدَلُ مَا لَیْسَ بِمَالٍ کَالْمَھْرِ وَالْوَصِیَّۃِ وَبَدَلِ الْخُلْعِ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمَدِ وَالدِّيَةِ وَبَدَلِ الْكِتَابَةِ وَالسِّعَايَةِ۔ فَفِي الْقَوِيِّ تَجِبُ الزَّكٰوةُ إِذَا حَالَ الْحَوْلُ وَيَتَرَاخَى الْاَدَاءُ إِلَى أَنْ يَقْبِضَ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا فَفِيْهَا دِرْهَمٌ وَكَذَا فِيْمَا زَادَ فَبِحِسَابِهِ وَفِي الْمُتَوَسِّطِ لَا تَجِبُ مَا لَمْ يَقْبِضْ نِصَابًا وَتُعْتَبَرُ لِمَا مَضٰى مِنَ الْحَوْلِ فِي صَحِيْحِ الرِّوَايَةِ وَفِي الضَّعِيْفِ لَا تَجِبُ مَا لَمْ يَقْبِضْ نِصَابًا وَيَحُوْلُ الْحَوْلُ بَعْدَ الْقَبْضِ عَلَيْهِ، وَثَمَنُ السَّائِمَةِ كَثَمَنِ عَبْدِ الْخِدْمَةِ وَلَوْ وَرِثَ دَيْنًا عَلٰى رَجُلٍ فَهُوَ كَالدَّيْنِ الْوَسَطِ۔

ترجمہ: ''امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے دین کی تین قسمیں بیان کی ہے: (۱) دین قوی (یہ) وہ دین ہے جو قرض اور مال تجارت کا بدل ہو۔ (۲) دین مُتوسط (یہ) وہ دین ہے جو غیر مال تجارت کا بدل ہو جیسے استعمال کے کپڑوں کا ثمن اور خدمت کے غلام کا ثمن اور رہائشی گھر کا ثمن ۔ (۳) دینِ ضعیف (یہ) وہ دین ہے جو غیر مال کا بدل ہو، جیسے (عورت کا) حق مہر اور مالِ وصیت اور خلع کا عوض اور قتلِ عمد میں مال پر صلح کرنے کی صورت میں حاصل ہونے والا مال اور مال دیت اور بدل کتابت اور غلام کا اپنے مابقی حصے کو آزاد کرنے کے لیے جدو جہد کر کے اِس حصے کی رقم مالک کو ادا کرنا (یہ مال بھی دینِ ضعیف ہے)۔ دینِ قوی میں سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی (یعنی نفسِ وجوب ثابت ہوجائے گا) اور ادائیگی اس وقت کرے گا جب چالیس درہم پر قبضہ کر لے (یعنی وجوبِ ادا تب لازم ہوگا)، پس چالیس درہم پر ایک درہم واجب ہے۔ اسی طرح زیادہ کا اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے گا اور دین متوسط میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جبکہ پورے نصاب پر قبضہ کرلے اور قبضے کے بعد اس پر ایک سال گزر جائے ۔ چرنے والے جانوروں کا ثمن غلام کے ثمن کی طرح ہے (یعنی یہ بھی دینِ متوسط ہے) اور اگر کوئی شخص کسی کے قرض کا وارث بن جائے تو یہ بھی دین متوسط ہی کی طرح ہے''۔ (فتح القدیر، جلد:02،ص:176)

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں:

وَجُمْلَةُ الْكَلَامِ فِي الدُّيُوْنِ أَنَّهَا عَلٰى ثَلَاثِ مَرَاتِبَ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيْفَةَ دَيْنٌ قَوِيٌّ وَدَيْنٌ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ضعیفٌ وَدَیْنٌ وَسَطٌ، کذا قال عامۃُ مشائخنا اما القویّ وھُوالذی وجب بدلًا عن مَالِ التِّجَارَۃِ کثمنِ عَرَضِ التجارۃ من ثیاب التجارۃ وعبید التجارۃ او غلۃ مال التِّجَارَۃِ وَلَا خلافَ فِیْ وُجُوبِ الزکوٰۃ فیہ الا انہ لا یُخاطبُ باداء شیئٍ من زکوٰۃ ما مضٰی مَالَمْ یَقْبِضْ اربعین درھمًا فکلما قبض اربعین درھمًا ادّی درھمًا واحدًا وَعِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ کُلّمَا قَبَضَ شَیْئًا یُؤَدِّی زَکٰوتَہٗ قلَّ الْمَقْبُوْضُ اوْکَثُرَ وَاَمَّاالدَّیْنُ الضَّعِیْفُ فَھُوَالَّذِیْ وَجَبَ لَہٗ بَدَلًا عَنْ شَیْئٍ سَوَائٌ وَجَبَ لَہٗ بِغَیْرِ صُنْعِہٖ کَالْمِیْرَاثِ اَوْبِصُنْعِہٖ کَالْوَصِیَّۃِ اَوْ وَجَبَ بَدَلًا اِمَّا لَیْسَ بِمَالٍ کَالْمَھْرِ وَبَدْلِ الْخُلْعِ وَالصُّلْحِ عَنِ الْقِصَاصِ وَبَدْلِ الْکِتَابَۃِ وَلَا زَکٰوۃَ فِیْہِ مَالَمْ یَقْبِضْ کُلَّہٗ وَیَحُوْلَ عَلَیْہِ الْحَوْلُ بَعْدَ الْقَبْضِ، وَاَمَّا الدَّیْنُ الْوَسَطُ فَمَا وَجَبَ لَہٗ بَدَلًا عَنْ مَالٍ لَیْسَ لِلتِّجَارَۃِ کَثَمَنِ عَبْدِالْخِدْمَۃِ وَثَمَنِ ثِیَابِ الْبِذْلَۃِ وَالْمَھْنَۃِ۔

ترجمہ:'' دیون کے بارے میں خلاصۂ کلام یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دین کی تین قسمیں ہیں: (۱) دین قوی، (۲) دینِ ضعیف، (۳) دین وسط اسی طرح ہمارے مشائخ نے بھی یہی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

دین قوی سے مراد وہ دین ہے جو مالِ تجارت کے بدلے میں (کسی کے) ذمہ واجب ہو، جیسے تجارت کے سامان کا ثمن اور تجارت کے کپڑوں کا ثمن اور تجارت کے غلاموں کا ثمن یا مالِ تجارت کے منافع۔ دین قوی میں زکوٰۃ کے واجب ہونے (یعنی نفسِ وجوب) میں کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ جب تک چالیس درہم پر قبضہ نہیں کرے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا اسے حکم نہیں دیا جائے گا، جب بھی چالیس درہم پر قبضہ کرے گا تو ایک درہم زکوٰۃ میں ادا کرے گا (یعنی وجوبِ ادا کا حکم تب لگایا جائے گا) اور صاحبین کے نزدیک جب بھی مال کی کچھ مقدار پر قبضہ کرے گا تو اس کی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی، خواہ وہ مقدارِ مقبوض کم ہو یا زیادہ۔ اور دینِ ضعیف سے مراد وہ دین ہے جو کسی شے کے عوض ذمہ پر واجب ہو جائے، خواہ اس کے فعل کا اُس میں دخل ہو یا نہ ہو، جیسا کہ مالِ میراث اور مالِ وصیت، یا جو

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

غیرِ مال کے بدلے میں کسی کے ذمہ پر واجب ہوا ہو جیسے کہ عورت کا حق مہر اور خلع کا عوض اور قتلِ عمد میں مال پر صلح کرنا اور کتابت کا عوض ۔ دینِ ضعیف میں جب تک کل مال پر قبضہ نہیں کرے گا، اس وقت اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور یہ ضروری ہے کہ قبضے کے بعد اس پر ایک سال بھی گزر جائے اور دینِ متوسط سے مراد وہ دین ہے، جو غیرِ مالِ تجارت کے بدلے میں کسی کے ذمے پر واجب ہوا ہو جیسے خدمت کے غلاموں کا ثمن اور استعمال اور کام کاج کے کپڑوں کا ثمن، (اس پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب کل مال قبضہ ہو جائے اور قبضے کے بعد اس پر سال بھی گزر جائے)، (بدائع الصنائع ،جلد:02،ص:14)''۔

حکم

دینِ قوی اور دینِ متوسط کی زکوٰۃ سال بہ سال واجب ہوتی رہے گی مگر دینِ قوی میں واجب الادا اُس وقت ہوگی، جب نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہو جائے، جتنا وصول ہوا، اُتنے پر ہی زکوٰۃ واجب ہوگی، مثلاً اگر چالیس درہم وصول ہوئے تو ایک درہم زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی درہم وصول ہوئے تو دو درہم زکوٰۃ واجب ہوگی ۔ دینِ متوسط پر زکوٰۃ اُس وقت واجب ہوگی جب مکمل دوسو درہم پر قبضہ ہو جائے، اس وقت پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہوگی۔ دینِ ضعیف پر زکوٰۃ اُس وقت واجب ہے جب نصاب پر قبضہ کرنے کے بعد سال گزر جائے گزشتہ سالوں کا اس میں اعتبار نہیں یا اُس کے پاس (پہلے سے) کوئی نصاب اُسی جنس کا ہے اور اس کا سال تمام ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہے۔

سوال:

ہمارا مال پڑا ہوا ہے، اُس کی زکوٰۃ فروخت ہونے پر دینی ہے یا پہلے؟۔

جواب:

مسلمان تاجر کی ملکیت میں جو بھی مال ہے، یعنی نقد رقم، بینک اکاؤنٹ، بانڈز، ڈیپازٹس، سونا چاندی اور مالِ تجارت وغیرہ، سب مال کی مجموعی مالیت پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے کی غرض سے سونا' چاندی اور مالِ تجارت کی وہ قیمت معتبر ہے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جو وجوبِ زکوٰۃ کے وقت ہوگی، یعنی قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں ہے۔لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان تاجر کو وجوبِ زکوٰۃ کی مقررہ تاریخ پر اپنے مالِ تجارت کی محتاط اسٹاک چیکنگ اور صحیح قیمت کا تعین (Valuation) کرنا چاہیے۔زکوٰۃ مقررہ تاریخ پر واجب الادا ہوگی۔

وہ کارخانہ جو پیداواری مقاصد کے لیے استعمال ہورہا ہے تو اس کے جامد اثاثہ جات (Fixed Assets) یعنی زمین، عمارت، متعلقہ تنصیبات (Instalations) اور اُس مشینری کی قیمت پر جو اُس صنعت (Industry) میں پیداواری مقاصد میں استعمال ہو رہی ہے، زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔ البتہ مسلمان صنعت کار کو اپنے دیگر تمام اموال کے ساتھ کارخانے میں موجود تمام خام مال (Raw Material) تیار مال (Finished Goods) اور مارکیٹ میں کریڈٹ پر دیے ہوئے تمام مال کی بازاری قیمت فروخت (Market Value) نکال کر اس پر زکوٰۃ دینی ہوگی۔

ایک فقیر کو نصابِ زکوٰۃ سے زیادہ مال دینا

سوال: میری بیٹی کرائے کے مکان میں رہتی ہے، جس کا ماہانہ کرایہ =/7000 روپے ہے، میرے داماد کسی سبب سے مقروض ہوگئے، بیٹی نے تمام زیور فروخت کر کے قرض ادا کیا، پھر بھی قرض باقی ہے۔ میں باپ ہونے کی حیثیت سے اپنی بیٹی کے ذاتی مکان کے لیے کوشش کررہا ہوں، ایک مکان کا سودا =/19,50,000 روپے میں کیا، تیرہ لاکھ میں جمع کرواچکا ہوں۔ بقیہ کی کوئی گنجائش نہیں بن رہی، کیا یہ رقم زکوٰۃ کی مد میں کسی سے لے سکتا ہوں؟ (محمد امین، دھوراجی کراچی)۔

جواب:

بہتر تو یہی ہے کہ جتنی رقم آپ آسانی سے جمع کر پائے ہیں، اتنی مالیت کا مکان یا فلیٹ اپنی بیٹی کے لیے خرید لیں، اسی میں عزتِ نفس ہے اور انسانیت کا وقار ہے۔آپ زکوٰۃ نہیں لے سکتے، اگر آپ کی بیٹی زکوٰۃ کی مستحق ہے تو وہ براہِ راست کسی مالدار سے زکوٰۃ لے سکتی ہے۔آپ لیں گے تو آپ کی دو حیثیتیں ہوسکتی ہیں: (ا) یہ کہ آپ زکوٰۃ دینے والے کے

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

وکیل بنیں۔ (۲) یہ کہ آپ زکوٰۃ لینے والے کے وکیل بنیں۔
جو زکوٰۃ دینے والوں کا وکیل بنے گا تو وہ نصاب کی مقدار سے زائد بھی لے سکتا ہے، مگر زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ اُس وقت ادا ہوگی، جب مستحق کو دے دی جائے گی۔ اگر زکوٰۃ دینے والے نے وکیل سے کہا ہو کہ یہ زکوٰۃ کسی مستحق کو دے دو تو وہ فقیر ہونے کے باوجود خود نہیں لے سکتا، البتہ اپنی مستحق اولاد یا بیوی کو دے سکتا ہے۔ اور اگر مالدار نے زکوٰۃ دیتے وقت یہ کہا ہو کہ جہاں مناسب سمجھو، اس رقم کو اس شرعی مصرف پر صرف کرو تو فقیر ہونے کی صورت میں وکیل خود بھی لے سکتا ہے۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

وَلِلْوَكِيلِ أَنْ يَدْفَعَ لِوَلَدِهِ الْفَقِيرِ وَزَوْجَتِهِ لَا لِنَفْسِهِ إِلَّا إِذَا قَالَ رَبُّهَا: ضَعْهَا حَيْثُ شِئْتَ۔

ترجمہ: ”(زکوٰۃ کے) وکیل کو جائز ہے کہ اپنی فقیر اولاد اور اپنی (مستحق) بیوی کو زکوٰۃ دے دے لیکن وہ خود اُس رقم کو (اپنے لیے) نہیں لے سکتا، ہاں! اگر مال والے نے کہہ دیا ہو کہ جہاں مناسب سمجھو خرچ کرو، (تو وہ مستحق ہونے کی صورت میں خود بھی لے سکتا ہے)“۔
(رد المحتار علی الدر المختار، جلد 3، ص: 176-175)

رہا یہ سوال کہ مقدارِ نصاب یا اُس سے زائد زکوٰۃ کی رقم کسی ایک فقیر کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ تو فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ایک فقیر کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے، بشرطیکہ کم از کم مقدارِ نصاب کے برابر نہ ہو اور اگر نصاب زکوٰۃ کی مقدار یا اُس سے زیادہ رقم کسی ایک فقیر کو دے دی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وَالدَّفْعُ إِلَى الْوَاحِدِ أَفْضَلُ إِذَا لَمْ يَكُنِ الْمَدْفُوعُ نِصَابًا، كَذَا فِي ''الزَّاهِدِي''۔ وَيُكْرَهُ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى رَجُلٍ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَصَاعِدًا، وَإِنْ دَفَعَهُ جَازَ، كَذَا فِي ''الْهِدَايَه''۔

ترجمہ: ”کسی ایک شخص کو زکوٰۃ (کا مال) دینا افضل ہے جبکہ وہ (مال) نصاب کو نہ پہنچے، ”زاہدی“ میں اسی طرح ہے۔ ایک شخص کو دو سو درہم یا زیادہ دینا مکروہ ہے اور اگر دے دیا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

تو جائز ہے (یعنی ایسا کرنا مکروہ ہے مگر زکوٰۃ ادا ہوجائے گی)، جیسا کہ "ہدایہ" میں ہے"۔
(فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص:188)

علامہ برہان الدین ابوبکر الفرغانی حنفی لکھتے ہیں:

وَيُكْرَهُ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى وَاحِدٍ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَصَاعِدًا، وَإِنْ دَفَعَ جَازَ، وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ: لَايَجُوزُ، لِأَنَّ الغِنَاءَ قَارَنَ الأَدَاءَ، فَحَصَلَ الأَدَاءُ إِلَى الغَنِيِّ، وَلَنَا: أَنَّ الغِنىٰ حُكْمُ الأَدَاءِ فَيَتَعَقَّبُهُ، لٰكِنَّهُ يُكْرَهُ لِقُرْبِ الغِنىٰ مِنْهُ، كَمَنْ صَلّٰى وَبِقُرْبِهِ نَجَاسَةٌ، قَالَ: وَأَنْ يُغْنِيَ بِهَا إِنْسَانًا أَحَبُّ إِلَيَّ، مَعْنَاهُ: اَلإِغْنَاءُ عَنِ السُّؤَالِ يَوْمَهُ ذٰلِكَ، لِأَنَّ الإِغْنَاءَ مُطْلَقًا مَكْرُوهٌ۔ (ہدایہ، جلد 2، ص:79)

اس عبارت کا مفہوم وخلاصہ درج ذیل ہے: "ایک فقیر کو دوسو درہم یا اُس سے زیادہ (یعنی کم ازکم نصاب زکوٰۃ کے برابر یا اس سے زائد) دینا مکروہ ہے، اور اگر دے دی تو زکوٰۃ (کراہت کے ساتھ) ادا ہوجائے گی۔ امام زُفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایسا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ فقیر کا غنی ہونا ادائے زکوٰۃ کے ساتھ متصل ہے (تو گویا زکوٰۃ غنی کو ادا کی گئی) جواز کے لیے ہماری دلیل ہے کہ فقیر کا غنی ہونا زکوٰۃ کے ادا ہونے کے حکم پر مترتب ہے (یعنی اُس نے زکوٰۃ وصول کی تو غنی ہوا)، لہٰذا (ادا پہلے ہے اور) فقیر کا مال دار ہونا ادائے زکوٰۃ کے بعد ہے۔ لیکن چونکہ ادائے زکوٰۃ اور غنائے فقیر میں کمالِ قُرب واِتّصال ہے، اس لیے اس کے بارے میں کراہت کا قول کیا گیا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص نے نجاست کے قریب نماز پڑھی تو یہ مکروہ ہے (اگرچہ نمازی براہِ راست نجاست سے آلودہ نہیں ہے)۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "زکوٰۃ دے کر کسی شخص کو غنی کردینا مجھے پسند ہے"، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن اُسے سوال کی ضرورت نہ رہے، کیونکہ مُطلقاً غنی بنانا مکروہ ہے۔

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

"(وَكُرِهَ إِعْطَاءُ فَقِيرٍ نِصَابًا) أَوْ أَكْثَرَ (إِلَّا إِذَا كَانَ) اَلْمَدْفُوعُ إِلَيْهِ (مَدْيُونًا أَوْ) كَانَ صَاحِبَ عِيَالٍ۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ترجمہ: ''فقیر کو پورے نصاب کے برابر یا اُس سے زیادہ زکوٰۃ دینا مکروہ ہے، البتہ اگر وہ مقروض ہے یا عیال دار(یعنی اُس کے زیرِ کفالت افراد زیادہ ہیں) ہے، تو جائز ہے''۔
(حاشیہ ابن عابدین، ج:6،ص:118، دارالثقافۃ والتراث، دمشق)

عشر اصل پیداوار پر مصارف وضع کیے بغیر ادا کیا جائے گا

سوال:
کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلے کے بارے میں کہ آیا زمین کا عُشر تمام مالیت پر نکالا جاتا ہے یا خرچہ (مثلاً کرایہ، اسٹوریج، مارکیٹ، کریٹ، مزدوری وغیرہ کا خرچہ) نکال کر عُشر نکالا جاتا ہے؟، (غلام فاروق، کوئٹہ)۔

جواب:
جس چیز میں عُشر یا نصف عُشر واجب ہے، اُس میں کل پیداوار کا عُشر یا نصف عُشر لیا جائے گا، یہ نہیں ہوسکتا کہ بیج، کاشت کے مصارف، (ہل بیل وٹریکٹر وغیرہ)، کھاد، آبیانہ حفاظت کرنے والے اور کام کرنے والوں کی اجرت، کٹائی اور گاہنے کے مصارف وغیرہ کی قیمت نکال کر باقی کا عُشر یا نصف عُشر دیا جائے، تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:
(بِلَا رَفْعِ مُؤَنٍ) أی کُلَفِ (الزرع) وبِلَا اخراجِ البذرِ لِتَصْرِیْحِہِمْ بِالْعُشْرِ فِیْ کُلِّ الْخَارِجِ۔
ترجمہ: ''بیج وغیرہ کے اخراجات نکالے بغیر کل پیداوار سے عُشر یا نصف عُشر لیا جائے گا کیوں کہ علماء نے کل پیداوار سے عُشر نکالنے کی صراحت فرمائی ہے''۔ علامہ ابن عابدین شامی اِس کی شرح میں لکھتے ہیں:
أَیْ یَجِبُ الْعُشْرُ فِی الاوّلِ وَنصفُہٗ فِی الثَّانِی بِلا رَفعِ أُجْرَۃِ الْعُمّالِ وَنَفَقَۃِ الْبَقَرِ وکَرْیِ الأنْھارِ وأُجرۃِ الحافِظِ ونحوِ ذالک ''در''۔
ترجمہ: ''پہلی (یعنی بارانی زمین کی پیداوار) میں عُشر (کل پیداوار کا دس فیصد) اور دوسری (یعنی نہری یا آب پاشی والی زمین کی پیداوار) میں نصف عُشر (یعنی کل پیداوار کا پانچ فیصد) ہے، زرعی کارکنوں (یعنی ہاریوں) کی اجرت، بیلوں کا خرچ، نہروں کی کھدائی اور

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

چوکیدار کی اجرت وغیرہ گھٹائے (وضع کیے) بغیر کل پیداوار میں سے لازم ہے، بحوالہ "دُرَر"۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 3، ص:245، بیروت)

ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں: "کاشتکار عادۃً کاشت کے لیے اخراجات کرتا ہے، جیسے بیج، کھاد، ہل یا ٹریکٹر چلانے والے کی اجرت، زمین کی سیرابی، کھیتی کی کانٹ چھانٹ اور فصل کی کٹائی اور گاہنا (Threshing) وغیرہ۔ جدہ کی فقہی کونسل میں فتویٰ نمبر:15 میں قرار دیا گیا کہ اس مسئلے میں تین آراء ہیں:

(۱) تمام مصارف وضع کر کے عشر ادا کیا جائے۔

(۲) مصارف وضع کیے بغیر کل پیداوار پر عشر نکالا جائے۔

(۳) ایک درمیانی رائے یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کا ایک تہائی وضع کر کے باقی پر عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے اور شرکاء نے تیسری رائے کو ترجیح دی۔ اور یہ رائے شرح ترمذی میں ابن عربی کے کلام سے مستفاد ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اِس حدیث پر عمل ہو کہ "دَعُوا الثُّلُثَ اَوِ الرُّبُعَ، یعنی ایک تہائی یا چوتھائی چھوڑ دو، یہ مسئلہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی کی کتاب "فقہ الزکوٰۃ" سے مستفاد ہے (ص:224، مترجم)۔

اور جس بات پر تمام مسلمانوں اور چاروں مذاہب کا عمل ہے جیسا کہ ابن حزم نے "المحلّٰی" میں ذکر کیا اور فقہاء نے صراحت کی ہے کہ زمین کی پیداوار سے مصارف وضع کیے بغیر عشر ادا کرنا چاہیے، کیونکہ زکوٰۃ ارضی (یعنی عشر) کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (اور فصل کی کٹائی کے دن اُس کا حق ادا کرو)"۔ اور میں اِسی کو ترجیح دیتا ہوں"۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہٗ، جلد:3، ص:94-1893)

اِس مسئلے میں میں نے اپنی کتاب "زکوٰۃ: معنی ومفہوم، فضائل ومسائل" پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ

سوال:

اگر کسی شخص کے پاس 1995ء میں 100 گرام (یعنی ساڑھے سات تولا سے زائد) سونا تھا، اُس کی زکوٰۃ 1995ء سے اب تک اُس شخص نے ادا نہیں کی، اب اگر 2012ء میں وہ زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے، تو 1995ء میں جو سونے کی قیمت تھی، اُس کے مطابق زکوٰۃ ادا کرے گا یا موجودہ قیمت کے مطابق زکوٰہ ادا کرے گا؟ (اشتیاق احمد، دستگیر، کراچی)

جواب:

اِس سوال کے درست جواب کے لیے پہلے اس امر کا تعیّن ضروری ہے کہ آیا ان گزرے ہوئے سالوں میں کسی شخص کے پاس کل مال یہی سونا تھا یا اس کے علاوہ بھی اُس کے پاس کوئی چاندی یا نقد رقم یا بینک بیلنس یا کسی اور صورت میں مال تھا تو مجموعی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر اُس کے پاس ان تمام سالوں میں اس سونے کے علاوہ کوئی اور مال نہیں تھا، تو 1995ء میں جب قمری سال کے حساب سے اُس کا سال پورا ہوا تو اُس وقت ڈھائی گرام سونا یا اُس کی مالیت کے اعتبار سے زکوٰۃ اُس پر عائد ہوگی۔ پس وہ شخص اُس وقت کی سونے کی قیمت کے اعتبار سے ادا کرے۔ جب سونے پر ماضی کے سالوں کی زکوٰۃ ادا کرتے کرتے سونا نصاب (یعنی 87.48 گرام) سے کم رہ جائے گا، تو اُس کے بعد اُس پر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، بشرطیکہ ان سالوں میں اُس کے پاس کوئی اور مال نہ ہو۔ اگر سونے پر زکوٰۃ نقد کی صورت میں ادا کرنی ہے تو جس سال کی زکوٰۃ ہے، اُس سال کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

لیکن اگر اُس کے پاس ان گزرے ہوئے سالوں میں کچھ نہ کچھ نقد رقم یا بینک بیلنس بھی رہا ہے، تو پھر متفرق اموال کی صورت میں اُس کے لیے سونے کے نصاب کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ چاندی کے نصاب (یعنی 612.36 گرام چاندی یا اُس کی مروّجہ قیمت) کا اعتبار ہوگا۔ اگر ماضی کے سالوں میں صرف سونے کی زکوٰۃ نہیں ادا کی، باقی مال کی ادا کی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ہے تو اب صرف سونے کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

سونا اور چاندی کے نصاب ہونے میں فرق

سوال:(۱)

ہمارے پاس 6 تولہ سونا بصورت زیورات موجود ہے، اس کے علاوہ کوئی نقدی، چاندی، زمین وغیرہ نہیں ہے۔کیا ہم شرعاً صاحبِ نصاب ہیں؟۔

سوال:(۲)

سونا اور چاندی میں آج کل کس کو معیارِ نصاب بنایا جائے گا جبکہ دونوں کی قیمتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ویسے آج کل پوری دنیا میں کسی بھی ملک کی معاشی ترقی اور مضبوطی کا معیار سونا ہے، چاندی نہیں، نیز اسٹیٹ بینک بھی جب کرنسی چھاپتا ہے تو علمِ معاشیات کے اصول وضوابط کے مطابق سونے کے Reserves رکھے جاتے ہیں نہ کہ چاندی کے۔ براہِ کرم اِن دواُمور کے بارے میں رہنمائی فرمائیں۔

(محمد حامد رضا، لیکچرار آرمی برن ہال کالج، ایبٹ آباد)

جواب:

شریعت میں مال دار پر زکوٰۃ واجب ہے اور مال کی وہ کم ازکم مقدار جس کا مالک بننے سے آدمی شریعت کی نظر میں مال دار قرار پاتا ہے، اُسے ''نصابِ زکوٰۃ'' کہتے ہیں اور زکوٰۃ کا کم ازکم نصاب یہ ہے، حدیثِ پاک میں ہے:

(۱) عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ زُھَیْرٌ: اَحْسَبُہٗ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّہٗ قَالَ ھَاتُوْا رُبْعَ الْعُشُوْرِ مِنْ کُلِّ اَرْبَعِیْنَ دِرْھَمًا دِرْھَمٌ وَلَیْسَ عَلَیْکُمْ شَیْئٌ حَتّٰی تَتِمَّ مِائَتَیْ دِرْھَمٍ فَاِذَا کَانَتْ مِائَتَیْ دِرْھَمٍ فَفِیْھَا خَمْسَۃُ دَرَاھِمَ فَمَا زَادَ فَعَلٰی حِسَابِ ذٰلِکَ۔

ترجمہ:''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، (زہیر کہتے ہیں: میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات نبی ﷺ سے (براہِ راست) سن کر بیان فرمائی:) یعنی ہر چالیس درہم پر ایک درہم اور تم پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب تک کہ دو سو درہم پورے نہ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ہو جائیں، پس جب مالیت دو سو درہم ہو جائے تو ان میں سے پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہے اور جو مقدار اس سے زائد ہو اُس پر اُسی حساب سے زکوٰۃ عائد ہوگی''۔ (سنن ابوداؤد:1566)

(۲) عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فَإِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ ،وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ يَعْنِي فِي الذَّهَبِ حَتّٰى تَكُونَ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا، فَإِذَا كَانَتْ لَكَ عِشْرُونَ دِينَارًا وَّحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، فَفِيهَا نِصْفُ دِينَارٍ، فَمَازَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے پاس دو سو درہم ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان پر پانچ درہم زکوٰۃ ہے اور سونے پر اس وقت تک زکوٰۃ نہیں ہے جب تک کہ وہ بیس دینار نہ ہو، پس جب سونا بیس دینار ہو جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے، تو اس پر نصف دینار زکوٰۃ ہے، پھر جب سونے کی مقدار بڑھتی چلی جائے تو اُسی حساب سے زکوٰۃ عائد ہوگی''۔ (سنن ابوداؤد:1567)

اِن احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ شریعت نے 200 درہم چاندی یا 20 دینار سونے کو وجوبِ زکوٰۃ کے لیے کم از کم نصاب قرار دیا ہے، ناپ تول کے موجودہ اَعشاری نظام (Metric System) کے اعتبار سے نصابِ شرعی کی مقدار یہ ہے: 612.36 گرام (یعنی ساڑھے باون تولا چاندی) یا اس کی رائج الوقت قیمت کے مساوی نقد رقم یا مالِ تجارت جو اس کی بنیادی حاجت سے زائد ہو یا 87.48 گرام (یعنی ساڑھے سات تولے سونا) یا اس کی موجودہ بازاری قیمت کے مساوی نقد رقم یا مالِ تجارت جو اس کی حاجت سے زیادہ ہو۔ ایک تولا کا وزن 11.664 گرام ہوتا ہے۔ آج کل چاندی اور سونے کے نصاب کی مالیت میں بہت زیادہ فرق ہے۔ فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اگر اَموال متفرق ہوں (یعنی کچھ سونا، کچھ چاندی اور کچھ مال تجارت یا نقد رقم وغیرہ) یا صرف چاندی ہو، تو اِن تمام صورتوں میں چاندی کے نصاب کا ہی اعتبار ہوگا تا کہ ناداروں

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

کو فائدہ ہو۔

نصاب کی اس تعیین کا مقصد درحقیقت یہ ہے کہ مال کی کم از کم اتنی مقدار ہر گھرانے میں موجود رہے جس سے وہ بآسانی روزمرہ کی ضروریات زندگی حاصل کرسکیں اور ایسا نہ ہو کہ دوسروں کی مدد و اعانت کرنے سے زکوٰۃ دہندہ خود محتاج ہو جائے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى ترجمہ: ''بہترین صدقہ وہ ہے جس کے (دینے کے) بعد بھی آدمی مال دار رہے''۔ (صحیح بخاری: 1426)

خلاصۂ کلام یہ کہ (۱) آپ نے جو صورت بیان کی ہے، تو آپ پر نصاب پورا نہ ہونے کے سبب چھ تولا سونے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(۲) اگر اَموال متفرق ہوں (یعنی کچھ سونا، کچھ چاندی اور کچھ مال تجارت یا نقد رقم وغیرہ) یا صرف چاندی ہو، تو چاندی کے نصاب کا ہی اعتبار ہوگا اور ایسی صورت میں یہ متفرق اَموال مل کر 612.36 گرام چاندی کی مقدار یا اُس کی مساوی قیمت کو پہنچیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

بہت ممکن ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب زکوٰۃ کا کم از کم نصاب مُقرر فرمایا ہو، تو اُس وقت 200 درہم چاندی اور 20 دینار سونے کی قیمت قریب تر ہو، لیکن آج کل دونوں کی بازاری قیمت میں بہت فرق ہے۔ مگر چوں کہ نصاب کی کم از کم مقدار مقرر کرنے کا مَدار عقل پر نہیں ہے بلکہ یہ اَمر ''تَعَبُّدِی'' ہے اور اس کا مَدار شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سماع پر ہے، یعنی یہ اَمر ''توقیفی'' ہے، اس لیے نَص (Text of Quran & Sunnah) کو قیاس کے ذریعے ترک نہیں کیا جاسکتا۔ امرِ تعبُّدی سے مراد یہ ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جیسے حکم فرمایا، ویسے ہی اُسے انجام دیا جائے، اس میں عقل کی بنیاد پر شریعت کے حکم کو نہ رد کیا جائے گا اور نہ ہی اُس میں کوئی اضافہ کیا جائے گا۔

آپ کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ اسٹیٹ بینک میں نوٹ سونے کے محفوظ ذخائر (Reserves) کی مالیت کے برابر چھاپے جاتے ہیں، کافی زمانہ پہلے یہ روایت تھی،

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اب نہ ایسی کوئی روایت ہے، نہ قانونی پابندی۔صرف پاکستان کی بات نہیں ہے، دنیا میں کہیں بھی یہ قانونی پابندی نہیں ہے۔کسی ملک کی کرنسی کی قدر (Value) کامَدار اُس کی دَرآمدات (Imports) اور بَرآمدات (Exports) کے توازن پر ہے، جسے مُروّجہ معاشی اصطلاح میں ''توازنِ ادائیگی'' (Balance of Payment) کہتے ہیں، یعنی اگرکسی ملک کی بَرآمدات اس کی دَرآمدات سے زیادہ ہیں،توتوازن ادائیگی اُس کے حق میں ہے اور اُس ملک کی معیشت مستحکم ہے،کیونکہ اِس سے ملک کے زَرِمبادلہ کے ذخائر (Foreign Exchang Reserves) میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔اور اس کے علاوہ حکومت کے مَحاصل (Revenues) اور مَصارف (Expenditures) کے توازن پر ہے۔ورنہ حکومت اپنے داخلی مصارف کو پورا کرنے کے لیے نوٹ چھاپتی ہے اور اِس سے اس پیسے کی حقیقی قدر (Value) کم ہوتی رہتی ہے، پیسے کی قدر کا تعیّن اُس کی قوتِ خرید سے ہوتا رہتا ہے ،اِسی کو افراطِ زَر (Inflation) کہتے ہیں۔دَرآمدات و بَرآمدات کے توازن اور بیرونی قرضوں کے بارے عہدہ براہونے کے لیے مزید قرضے لینے پڑتے ہیں اور اِس کے نتیجے میں ملکی معیشت ڈانواں ڈول رہتی ہے۔

زکوٰۃ کا ایک مسئلہ

سوال:

میرا ایک فلیٹ جس میں میں رہائش پذیر ہوں ،اگر دوسرا فلیٹ یا دکان خرید کر اُس کو کرایہ پر دے دوں ،تو کیا زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی؟۔اگر کوئی شخص ایک مکان گراؤنڈ + ون اسٹوری کا مالک ہے ،ایک فلور میں خود رہتا ہے ،دوسرا کرائے پر دے رکھا ہے ،کیا اُس پر زکوٰۃ دی جائے گی ؟۔سونے پر زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے گی ،سونا میرے پاس ساڑھے سات تولا سے کم ہے جبکہ میرے پاس کچھ نقد رقم بھی ہے،(آفتاب احمد،کراچی)۔

جواب:

ایسا ہر وہ پلاٹ ،مکان ،فلیٹ یا دکان جو تجارت کی نیت سے خریدا ہو،زکوٰۃ ادا کرنے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کی تاریخ پر اُس کی بازاری قیمت (Market Value) پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ رہائشی مکان کا کوئی حصہ یا منزل جسے آپ نے کرائے پر دے رکھا ہو اور وہ آپ کا ذریعہ مُعاش ہو، تو اگر اُس کرائے سے حاصل ہونے والی رقم دورانِ سال خرچ ہوتی رہتی ہے اور قمری سال کے اختتام پر آپ کی تمام مالیت (بشمول کرائے کی آمدنی) ملا کر کم از کم نصابِ زکوٰۃ کی مقدار کو نہ پہنچے، تو آپ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور اگر آپ پہلے سے صاحبِ نصاب ہیں، تو قمری سال کے اختتام پر آپ کو سال بھر کے مصارف نکال کر اپنی مجموعی مالیت پر زکوٰۃ دینی ہوگی۔

اگر اَموال متفرق ہوں (یعنی کچھ سونا، کچھ چاندی اور کچھ مال تجارت یا نقد رقم وغیرہ) یا صرف چاندی ہو، تو چاندی کے نصاب کا ہی اعتبار ہوگا اور ایسی صورت میں یہ متفرق اَموال مل کر 612.36 گرام چاندی کی مقدار یا اُس کی مساوی قیمت کو پہنچیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

زکوٰۃ کی رقم نکال کر علیحدہ رکھنے کا حکم

سوال: ا۔

کچھ لوگ زکوٰۃ کی رقم الگ کر کے رکھ دیتے ہیں یا اس کے لیے اکاؤنٹ الگ کھلوا لیتے ہیں اور بعض اوقات ذہن میں ایک رقم متعین کر دیتے ہیں اور یہ اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ بروقت صحیح مستحق نہیں ملتا یا آسانی کے لیے تھوڑی تھوڑی کر کے نکالتے رہتے ہیں اور بعض اوقات بغیر کسی وجہ کے بھی ایسا ہوتا ہے۔ اس پر مندرجہ ذیل سوالات کا جواب مطلوب ہے؟۔

(الف) ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(ب) اگر وہ رقم اگلے سال تک اسی طرح رہے تو آیا اس رقم پر بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟۔

(ج) اگر اس شخص کا انتقال ہو جائے تو اس رقم کی کیا حیثیت ہوگی، آیا وہ ورثاء میں تقسیم ہوگی یا ورثاء پر لازم ہے کہ وہ رقم فقرا کو دے دیں؟۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جواب:

(الف) اگرچہ مستحسن اور افضل یہ ہے کہ دینی فریضے سے جتنی جلد ممکن ہو عہدہ برآ ہو اور ذمے داری سے سبکدوش ہوجائے، تاہم زکوٰۃ کی رقم کا حساب کرکے اسے گھر پر یا اکاؤنٹ میں الگ رکھ سکتے ہیں۔ لیکن عنداللہ زکوٰۃ صرف اس وقت ادا ہوگی جب مستحق تک پہنچادی جائے، اپنے پاس زکوٰۃ کا مال الگ رکھا ہے اور ہلاک ہوگیا یا چوری ہوگیا یا کسی بھی سبب سے تلف ہوگیا، تو زکوٰۃ پھر بھی ادا کرنی لازم ہے۔

(ب) اگر زکوٰۃ کی رقم مالک نے الگ کرکے اپنے ہی پاس رکھی ہوئی ہے تو آئندہ سال یہ اُس کی مجموعی مالیت میں شامل ہوگی اور اس پر بھی زکوٰۃ عائد ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کی نیت سے مال الگ کرکے رکھنے سے نہ تو زکوٰۃ ادا ہوتی ہے اور نہ ہی وہ مال اس کی ملکیت سے خارج ہوتا ہے۔

(ج) اگر زکوٰۃ کی رقم اپنے پاس الگ رکھی ہوئی ہے اور ادائیگی سے پہلے صاحبِ مال فوت ہوگیا، تو وہ مال ترکے میں شامل ہوگا اور ورثاء میں تقسیم ہوگا، سوائے اس کے کہ صاحبِ مال زکوٰۃ کی ادائیگی کی وصیت کردے، تو ایک تہائی ترکے کی حد تک وہ وصیت نافذ ہوگی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس طرح ''حقُّ العبد'' یعنی بندے کے قرض کی ادائیگی میت کے وُرثاء میں ترکے کی تقسیم پر مُقدّم ہے، اسی طرح ''حقُّ اللہ'' یعنی تمام صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ، فطرہ، فدیہ، نذر اور کفارات وغیرہ کی رقوم) کو بھی ورثاء کے درمیان میت کے ترکے کی تقسیم سے پہلے ادا کیا جائے گا، یعنی وہ مال قابلِ تقسیم ترکے میں شامل نہیں ہوگا۔ یہ مسئلہ اس لیے لکھا کہ جس شخص نے اپنی زندگی میں اپنے ذمے واجب مالی صدقات کو ادا نہ کیا ہو، وہ اپنی وفات سے پہلے ادا کرلے یا کم از کم اس کے بارے میں اپنے وارثوں کو وصیت کرے۔ اور اگر بدقسمتی سے مُورِث (یعنی مالِ وراثت چھوڑ کر وفات پانے والے) نے وصیت نہ کی ہو، تو ورثاء کو چاہیے کہ وفات پانے والے شخص پر عائد صدقاتِ واجبہ کو بطورِ فضل واحسان اس اس اُمید پر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے ترکہ چھوڑ کر جانے والے شخص کے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

حق میں قبول فرمائے گا اور اپنی زندگی میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر اُس کی کوتاہی کو بھی معاف فرمائے گا۔اس پر اُن ورثاء کو بھی یقیناً اجر ملے گا۔

صاحبِ نصاب کے لیے تاریخ کے تعین کا مسئلہ

سوال:۲۔

اگر کوئی شخص ''یکم رجب'' کو زندگی میں پہلی بار ''صاحبِ نصاب'' ہوا، اب وہ ہر سال ''یکم رجب'' کو اپنی زکوٰۃ نکالتا ہے، اگر وہ چاہے کہ ''یکم رمضان'' کو اپنی زکوٰۃ نکالے، تو اس کا کیا طریقۂ کار ہوگا؟ اگر وہ یکم رمضان کو زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ اپنا لیتا ہے تو اشیاء کی جو مارکیٹ ویلیو ہے وہ یکم رمضان کی معتبر ہوگی، یا یکم رجب کی؟۔

جواب:

جو شخص زندگی میں پہلی بار کسی قمری سال کی یکم رجب کو صاحبِ نصاب ہوا ہے، تو اگلے سال 29 یا 30 جمادی الثانیہ (یعنی قمری مہینے کے آخری دن) کو اس کا قمری سال مکمل ہوجائے گا اور اُس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی اور اسی دن کی بازاری قیمت معتبر ہوگی اور اسے اپنے اوپر عائد زکوٰۃ کا حساب بھی اسی دن نکالنا چاہیے۔ البتہ ادائیگی اُس سال یکم رمضان تک مؤخر کرتا ہے تو یہ شرعاً درست ہے۔ زکوٰۃ کا سال وہی معتبر ہوگا، اُس میں آپ ردوبدل نہیں کر سکتے، آپ ادائیگی رمضان میں کر سکتے ہیں، لیکن زکوٰۃ فرض ہونے کا مدار قمری سال کی تکمیل پر ہے، اس کو بدلنا آپ کے اختیار یا مرضی پر موقوف نہیں ہے۔

نصاب کا تعین

سوال:۳

ایک شخص کے مختلف جگہ پر گودام ہیں اور وہ بعض اوقات کرائے پر رہتے ہیں اور بعض اوقات خالی رہتے ہیں، آیا زکوٰۃ اس سے حاصل شدہ آمدنی کے حساب سے نکالی جائے گی یا اس گودام کی مارکیٹ ویلیو کے حساب سے؟۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جواب:

اگر مذکورہ گودام اس شخص کا ذریعہ معاش ہیں اوران کے حاصل شدہ کرائے سے وہ اپنے مالی معاملات چلاتا ہے،تو اِن گوداموں سے حاصل شدہ کرائے کی آمدنی اُس کی دیگر تمام ذرائع سے حاصل شدہ آمدنی اور مالیت کے ساتھ جمع ہوگی اور قمری سال کے اختتام پر سال بھر کے مصارفِ زندگی وضع کرنے کے بعداس کی مجموعی مالیت سے جورقم بچ رہے گی، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔اور اگر یہ گودام تجارت کے لیے ہیں، یعنی فروخت کر کے نفع کمانے کے لیے ہیں، تو یہ مالِ تجارت ہے اور اس کی موجودہ بازاری قیمت فروخت (Market Value) کے حساب سے زکوٰۃ عائد ہوگی۔

تاریخ سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنے کی صورت میں نصاب کس تاریخ کا معتبر ہوگا

سوال:۴

ایک تاجر ہمیشہ ''یکم رمضان'' کو اپنی زکوٰۃ نکالتا ہے اور زندگی میں پہلی بار صاحبِ نصاب بھی یکم رمضان کو ہوا، اگر وہ پندرہ شعبان کو اپنی اشیاء کا حساب لگا کر رقم علیحدہ کردے اور یکم رمضان تک ان اشیاء کی مارکیٹ ویلیو میں فرق آجائے تو پندرہ شعبان والا حساب کافی ہوگا یا ''یکم رمضان'' کو دوبارہ اپنی اشیاء کی ویلیو چیک کرنی ہوگی؟۔

جواب:

15 شعبان کی مالیت معتبر نہیں ہوگی ، بلکہ 29 یا 30 شعبان المعظم کی مالیت یا بازاری قیمتِ فروخت کے حساب سے اُس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

زکوٰۃ کرائے پر یا اصل قیمت پر

سوال:۵

ایک شخص نے ایک مکان بنایا اور اسے کرائے پر دے دیا اور دل میں نیت یہ ہو کہ اگر کوئی اچھا گاہک ملے گا تو بیچ دوں گا ، ورنہ اسی طرح کرائے پر چلتا رہے گا اور اسی طرح تقریباً پانچ سال گزر جائیں،تو زکوٰۃ کرائے سے حاصل شدہ آمدنی پر ہوگی یا اس مکان کی

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

...ل قیمت پر؟۔

...واب:

... مکان جب تک کرائے پر ہے، اس کی آمدنی پرزکوٰۃ ہوگی اور فروخت کرنے پر حاصل ...دہ قیمت پرزکوٰۃ ہوگی۔

گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ

سوال:٦

ایک شخص نے تقریباً دس سال سے اپنی زکوٰۃ نہیں نکالی، اب اسے خوفِ خدا آیا اور وہ چاہتا ہے کہ میں دس سال کی زکوٰۃ نکالوں، آج سے دس سال قبل سونے کی قیمت بیس ہزار سے بھی کم تھی اور اب پچاس ہزار سے بھی زیادہ ہے، تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ اس پر کس حساب سے عائد ہوگی؟ اور اس کے پاس بعض تجارت کا مال ایسا بھی ہے، جس کے بارے میں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ ہر سال کتنا تھا اور ان کی مارکیٹ ویلیو کیا تھی، تو اب وہ کیا کرے؟۔

جواب:

فرض کریں کہ دس سال پہلے اُس کے پاس ایک لاکھ روپے کی مالیت تھی، تو اُس پر ڈھائی ہزار روپے زکوٰۃ واجب ہے، اگلے سال اگر اُس کی مالیت میں اضافہ نہیں ہوا تو قابلِ زکوٰۃ مال 97500 روپے ہوگا، علیٰ ہذا القیاس ہر سال کا حساب ہوگا۔ لیکن بظاہر مالیت بڑھتی رہتی ہے۔ گزشتہ سالوں کا نہایت احتیاط کے ساتھ اسے حساب لگانا چاہیے اور بازاری قیمت کا تعین کرنا چاہیے اور احتیاطاً کچھ زیادہ دینا چاہیے، اگر کچھ رقم زیادہ گئی تو اس کا اجر ملے گا، لیکن اگر اُس نے اپنے اوپر عائد زکوٰۃ سے کم رقم ادا کی تو اس کی جواب دہی ہوگی۔

زکوٰۃ فنڈ سے تعمیر کردہ فلیٹ/ مکان

سوال:

ہماری ایک فلاحی جماعت ''پور بندر سوریا میمن جماعت'' ہے، ہمارے ادارے کے پاس جنرل فنڈ سے خریدے ہوئے پلاٹ ہیں، جن پر چار مکان بنے ہوئے ہیں، اس میں

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ہمارے ادارے کے چار کارکنان رہائش پذیر تھے۔ جماعت کے مخیر حضرات کی جانب سے پیشکش ہوئی ہے کہ زکوٰۃ فنڈ سے اس پلاٹ پر 19 فلیٹ پر مشتمل دومنزلہ عمارت تعمیر کی جائے، اب عمارت تعمیر ہوگئی ہے۔ اس خدشے کے تحت کہ کارکنان فلیٹوں کو بیچ کر رقم کہیں اور نہ لگادیں، جماعت نے درج ذیل شرائط رکھی ہیں:

1۔ فلیٹ ذاتی رہائش کے لیے دیا جائے گا، کرائے دار رکھنے، پگڑی پر دینے یا رہائش کے علاوہ کسی اور استعمال کی اجازت نہیں ہوگی۔

2۔ تجارتی مقاصد کے لیے استعمال کی اجازت نہیں ہوگی۔ رہائش لازمی ہوگی۔

3۔ پانچ سال تک تبدیل کرنے یا بیچنے کی اجازت نہیں ہوگی، مدت پوری ہونے کے بعد بھی بیچنے یا تبدیل کرنے کے لیے جماعت سے NOC لینا ہوگا۔ ہمارے ادارے میں ہر دو سال بعد الیکشن کے ذریعے کمیٹی تشکیل پاتی ہے اور اب تک کئی کمیٹیاں بدل چکی ہیں۔

آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا ان مُخیّر حضرات کی زکوٰۃ ادا ہوچکی ہے؟، اگر نہیں تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے موجودہ کمیٹی کی رہنمائی فرمائیں۔

(عرفان ہارون، پوربندر سوریاواڈ میمن جماعت، کراچی)

جواب:

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ جسے زکوٰۃ دی جارہی ہے، وہ شرعی معیار کے مطابق مستحق زکوٰۃ ہو یعنی 612.36 گرام چاندی کی موجودہ بازاری قیمت کے برابر ضروریات سے فاضل رقم اُس کے پاس نہ ہو۔ کیونکہ شریعت کی نگاہ میں صرف یہی فقیر ہیں، جو مستحقِ زکوٰۃ ہیں اور جن کے پاس اتنی مالیت کے برابر ضرورت سے زائد پیسا ہے' وہ شریعت کی نظر میں غنی ہیں، اُن پر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، صاحبِ مال کو دوبارہ زکوٰۃ دینی ہوگی، کمیٹی چونکہ زکوٰۃ دینے والے شخص کی وکیل ہے، وہ ضامن ہوگی۔

جس نادار فقیر اور مستحقِ زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی رقم سے مکان یا فلیٹ بنا کر دیا جائے تو اُسے شرعی اور قانونی طور پر مالک بنانا ضروری ہے اور زکوٰۃ دینے والے فرد یا ادارے کو اس کے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ف پر پابندی لگانے کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک
شرط ہے، یعنی جس مستحق کو زکوٰۃ دی جارہی ہے، اُسے اُس مال پر تصرُّف کا
حاصل ہونا چاہیے۔ جو شخص اپنے مال پر زکوٰۃ ادا کررہا ہے، شرعاً اُسے بھی اِس
ار رکھنے کا اختیار حاصل نہیں، آپ کا ادارہ تو محض ادائیگیٔ زکوٰۃ کے لیے وکیل
جمن یا کمیٹی نے جو شرائط عائد کی ہیں، ان سے مالکانہ تصرُّف کا اختیار باطل
تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

الطَّهَارَةُ وَالنَّمَاءُ، وَشَرْعًا: (تَمْلِيكٌ) خَرَجَ الإِبَاحَةُ، فَلَوْ أَطْعَمَ يَتِيمًا نَاوِيًا الزَّكَاةَ
لا إِذَا دَفَعَ إِلَيْهِ الْمَطْعُومَ، كَمَا لَوْ كَسَاهُ بِشَرْطِ أَنْ يَعْقِلَ الْقَبْضَ۔

کوٰۃ کے لغوی معنیٰ ہیں: ''(مال کا) پاک ہونا اور (مال کا) بڑھنا''۔ زکوٰۃ کے
ہیں: ''فقیر کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنادینا ہے''۔ تملیک کی قید سے محض مباح کردینا
و مالِ زکوٰۃ کے استعمال کی عام اجازت دینا) خارج ہوگیا، پس اگر کسی شخص نے
ر زکوٰۃ کی نیت سے کھانا کھلادیا، تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ مگر جب وہی کھانا
والے کردیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، جیسے اگر ادائے زکوٰۃ کے لیے یتیم کو کپڑا
طیکہ وہ قبضے کی حقیقت کو سمجھتا ہو (تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی)''۔ آگے چل کر مزید
:

وَيُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ الصَّرْفُ (تَمْلِيكًا) لَا إِبَاحَةً كَمَا مَرَّ

اور زکوٰۃ ادا کرنے کی شرط یہ ہے کہ نادار کو مالک بنادیا جائے نہ کہ محض استعمال
ی اجازت دی ہو، جیسا کہ (گزشتہ سطور میں) گزرا''۔

ک بنائے جانے کے بعد اُس سے رجوع ممکن نہیں ہے اور ہبہ وصدقہ کا مالک بناتے
شرطِ فاسد کا اضافہ کیا گیا ہو تو وہ شرط باطل ہوجائے گی اور ہبہ وصدقہ صحیح نافذ ہو

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:
صَاحِبِ ''النَّهْرِ''، وَقَالَ: لِأَنَّهُ مُقْتَضَى صِحَّةِ التَّمْلِيكِ، قَالَ ''الرَّحْمَتِي'':

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ لَا شُبْهَةَ فِيهِ، لِأَنَّهُ مَلَّكَهُ إِيَّاهُ عَنْ زَكَاةِ مَالِهِ وَشَرَطَ عَلَيْهِ شَرْطًا فَاسِدًا، وَالْهِبَةُ وَالصَّدَقَةُ لَا يُفْسَدَانِ بِالشَّرْطِ الْفَاسِدِ۔

ترجمہ: ''''النہر الفائق'' کے مُصنف نے اِس پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: تملیک کے درست ہونے کا تقاضا یہی ہے، ''رحمتی'' نے فرمایا: ظاہر یہی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں، کیونکہ اس نے فقیر کو اپنے مال کی زکوٰۃ دے کر اُسے مالک بنا دیا اور ساتھ شرطِ فاسد کا اضافہ کر دیا ہے، حالانکہ ہبہ اور صدقہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتے (بلکہ فاسد شرط غیر مؤثر ہو جاتی ہے)''۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد: 3، ص: 161، 263-264)

یعنی اگر کسی شخص نے کسی کو کوئی چیز ھبہ کر دی ہے یا صدقے کے طور پر دے دی ہے اور وہ اس کے تصرف پر کوئی شرط بھی عائد کر دے کہ مثلاً: تم اسے بیچ نہیں سکو گے، تو یہ شرط باطل ہو جائے گی اور ہبہ یا صدقہ کی ہوئی چیز پر قبضہ اور مِلک قائم ہونے کے بعد اسے ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہوگا۔ زکوٰۃ بھی صدقۂ واجبہ ہے اور صدقہ شروطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط فاسد (یعنی کالعدم) ہو جاتی ہے۔ پس اُن مکانات پر اُن مستحقین کو پورے مالکانہ حقوق حاصل ہیں، خواہ اپنے ذاتی استعمال میں رکھیں یا کسی کو کرائے پر دے دیں یا کسی کو ہبہ کر دیں یا وقف کر دیں یا کسی پر فروخت کر دیں۔ صدقہ دے کر احسان جتانے سے اجر ضائع ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (البقرہ: 264)

ترجمہ: ''احسان جتا کر اور اذیت دے کر اپنے صدقات (کے اجر) کو باطل نہ کرو''۔

زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:

ہاؤسنگ سوسائٹی کے پلاٹوں کے بارے میں چند دنوں سے خیال گشت کر رہا ہے کہ پلاٹوں پر اگر زکوٰۃ حساب کر کے نکالیں اور ادا کریں تو غربت یقیناً کم ہو جائے اور کئی لوگ خوشحال ہو جائیں، لیکن مکمل زکوٰۃ نہیں نکالتے، شاید اس کی وجہ بعض علماء کا یہ کہنا ہو کہ ذہن

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ آپ سے رہائشی پلاٹوں اور تجارتی پلاٹوں پر زکوٰۃ کے بارے میں وضاحت کی گزارش ہے، (امیر الدین، غزالی اکیڈمی، میر پور خاص)۔

جواب:

ذاتی استعمال کا مکان زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے، اسی طرح ذاتی مکان کے لیے خریدا ہوا پلاٹ بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ وہ مکانات، پلاٹ، دکانیں اور فلیٹ جو کرائے پر چڑھے ہوئے ہیں، ان سے حاصل شدہ آمدنی مصارف وضع کرنے کے بعد جائیداد کے مالک کی مجموعی سالانہ آمدنی میں جمع ہوگی اور تمام ذرائع آمدن سے سال کے اختتام پر جو رقم پس انداز ہوگی، اُس پوری رقم پر زکوٰۃ واجب ہے جبکہ مقدار نصاب کو پہنچتی ہو۔ ایسے مکانات، پلاٹ، دکانیں یا فلیٹ جو کاروباری اور تجارتی مقاصد کے لیے ہیں، یعنی نفع کمانے کی غرض سے خریدے گئے ہیں، ان سب کی مالیت پر زکوٰۃ ہے اور اس میں قیمت خرید کا اعتبار نہیں ہے بلکہ موجودہ قیمتِ فروخت (Market Value) کا اعتبار ہوگا۔

علامہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اَلزَّکَاۃُ وَاجِبَۃٌ فِی عُرُوْضِ التِّجَارَۃِ کَائِنَۃً مَا کَانَتْ اِذَا بَلَغَتْ قِیْمَتُھَا نِصَاباً مِنَ الْوَرِقِ وَالذَّھَبِ کَذَا فِی الْھِدَایَۃ۔

ترجمہ: ''سامانِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے اگر اُس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے'' (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 179)

سرمایہ کاری (Investment) کے مقصد کے لیے (یعنی اس نیت سے خریدنا کہ اسے فروخت کر کے نفع حاصل کیا جائے) پلاٹ اور جائیدادیں خریدنے والوں کے لیے یہ سب سے زیادہ قابل توجہ مسئلہ ہے۔

عُشری زمین پر عُشر واجب ہے اور اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ ''عُشر'' صدقۂ واجبہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ ہی کی طرح ہے اور ایک چیز پر دو مالی واجبات عائد نہیں ہوتے۔ ایسی زمین کے لیے اگر تجارت کی نیت کر لی لیکن ابھی کاشت کاری بدستور جاری ہے، تو اس

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

کی پیداوار پر عُشر واجب ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

لَا زَكوٰةَ فِيْمَا نَوَاهُ لِلتِّجَارَةِ مِنْ نَحْوِ أَرْضٍ عُشْرِيَّةٍ أَوْ خَرَاجِيَّةٍ لِئَلَّا يُؤَدِّيَ إِلَى تَكْرَارِ الزَّكٰوةِ، لِأَنَّ الْعُشْرَ أَوِ الْخَرَاجَ زَكٰوةٌ أَيْضًا وَالثِّنٰى، وَهُوَ أَخْذُ الصَّدَقَةِ مَرَّتَيْنِ فِيْ عَامٍ كَمَا فِي "الْقَامُوْسِ" "وَمِنْهُ كَمَا" "فِي الْمُغْرِبِ" "قَوْلُهُ ﷺ: "لَا ثِنَى فِي الصَّدَقَةِ"۔

ترجمہ: "عُشری اورخراجی زمین میں تجارت کی نیت کرلی ہو (لیکن اگر اُس میں بدستور کاشت کاری ہورہی ہے)، تو اُس پر زکوٰۃ نہیں ہے تاکہ زکوٰۃ کی تکرار لازم نہ آئے، کیونکہ عُشر اور خراج بھی "زکوٰۃ" ہی ہے (مالی صدقہ ہونے کی بنا پر معنًی) اور "ثِنٰی" سے مراد ایک سال میں دوبار صدقۂ واجبہ (یعنی زکوٰۃ) لینا ہے، جیسا کہ "القاموس" میں ہے اور "المغرب" میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ: "صدقۂ واجبہ میں تکرار نہیں ہے" اِسی معنی میں ہے (یعنی کسی چیز کی زکوٰۃ ایک سال میں دوبار نہیں لی جائے گی"۔
(ردالمحتار، جلد3،ص:181)

ہاں اگر کسی نے عشری زمین تجارت کی نیت سے خریدی اور اُس میں کاشت نہ کی تو نیتِ تجارت درست ہے اور یہ زمین سامانِ تجارت کے حکم میں ہوگی۔ اگر زمین ہاؤسنگ اسکیم یا فلیٹ بنوانے کے لیے لی ہے اور اُس پر اب زراعت نہیں ہورہی، تو اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

لَوِ اشْتَرٰى أَرْضَ الْخَرَاجِ أَوِ الْعُشْرِ لِلتِّجَارَةِ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ زَكٰوةٌ، إِنَّمَا عَلَيْهِ حَقُّ الْأَرْضِ مِنَ الْعُشْرِ أَوِ الْخَرَاجِ۔

ترجمہ: "اگر کسی نے عُشری یا خراجی زمین تجارت کی غرض سے خریدی، تو اُس پر زکوٰۃ نہیں ہے، بے شک زمین کا حق عُشر ہے یا خراج"۔ (جلد2،ص:366)

رَفاہی انجمنوں کے لیے زکوٰۃ کی رقوم کے استعمال کا شرعی طریقہ

سوال:

پاکستان میمن جماعت فلاحی ورفاہی جماعت ہے، فلاحی ورفاہی کاموں کا زیادہ تر دار

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کی مد میں جمع ہونے والی رقم سے ہوتا ہے۔ ماہِ رمضان المبارک میں جمع ہونے والی
سال بھر خرچ کی جاتی ہے، اِس حوالے سے چند سوالات کا حل مطلوب ہے:
ۃ کی رقم بینک میں جمع کی جاسکتی ہے، کون سا اکاؤنٹ کھولا جائے؟، اسلامی وسودی
کے ذریعے ملنے والے نفع کے بارے میں رہنمائی فرمائیں۔ بینک سے ملنے والا نفع
فنڈ میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ اگر زکوٰۃ کی رقم بینک میں جمع نہیں کرائی جاسکتی، تو اُس کی
ت کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟۔
کرنٹ اکاؤنٹ کی بنیاد قرض پر ہوتی ہے، کیا زکوٰۃ سے قرض ادا کیا جاسکتا ہے؟۔
زکوٰۃ کی رقم کسی ایسے ضرورت مند کو جو زکوٰۃ کا مستحق نہیں، قرض دی جاسکتی ہے؟۔
(فاروق احمد سلیمان، پاکستان میمن جماعت، کراچی)

واب:

زکوٰۃ کی جمع شدہ رقم محض کمیونٹی یا برادری کے فنڈ/ اکاؤنٹ میں رکھے رہنے سے زکوٰۃ
ا نہیں ہوگی، تاوقتیکہ مستحقِ زکوٰۃ تک پہنچادی جائے۔ دوسرا یہ کہ زکوٰۃ اور فطرہ کی رقم جب
ک الگ مد میں رکھ کر تملیک کے شرعی اصول کے مطابق مستحق افراد کو نہیں دی جائے گی، ادا
یں ہوگی۔ انجمنوں (Associations) کے ذمہ داران زکوٰۃ کا مال صَرف کرنے
کے لیے اہلِ ثروت کے وکیل ہوتے ہیں اور اگر وہ اس ذمہ داری کو شرعی احکام کے مطابق
ا نہیں کریں گے، تو عنداللہ جواب دہ ہوں گے۔
برادریوں کی انجمنیں یا رفاہی ادارے جو مستحقین کی مدد کے لیے زکوٰۃ کی رقم جمع کرتے
یں، وہ اگر حدودِ شرع میں رہ کر زکوٰۃ خرچ کرنا چاہتے ہیں، تو اس کی چند صورتیں یہ ہیں:
(۱) زکوٰۃ کی رقم نادار مستحق زکوٰۃ کی مِلک میں دے دی جائے۔
(۲) شادی کے موقع پر ناداروں کو جہیز کے لیے نقد رقم دے دی جائے یا سامان خرید کر ان
کی مِلک میں دے دیا جائے۔
(۳) کم قیمت فلیٹ یا مکان مالکانہ بنیاد پر ناداروں کو دے دیا جائے۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

(۴) علاج کے لیے دوائیں دی جائیں یا ڈاکٹر کے آپریشن وغیرہ کی فیس انہیں دے دی جائے۔

(۵) مختلف صنعت وحرفت سے وابستہ مستحقین زکوٰۃ کو ان کی ضرورت کی چیزیں مالکانہ بنیادوں پر زکوٰۃ کی مد سے خرید کر دی جاسکتی ہیں، جیسے سلائی کڑھائی کی مشینیں یا دستکاری کی مشینیں یا چھوٹے چھوٹے ورکشاپ بنا کر دینا۔

بینک کے کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع شدہ رقم کی حیثیت قرض کی ہے، لیکن یہ رقوم مال کی حفاظت کے لیے ضرورت کی بنا پر کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع کی جاتی ہے اور بنک میں محفوظ ہوتی ہیں، ضرورت کے تحت کسی بھی وقت رقم نکالی جاسکتی ہے۔اس پر قیاس کر کے آپ زکوٰۃ کی رقم کو قرض کے لیے استعمال نہیں کر سکتے۔اُصولِ فقہ کا مُسلّمہ ضابطہ ہے کہ ''اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَات'' اور ''اَلضَّرُوْرَات تُقَدَّرُ بِقَدرِھَا'' یعنی ضرورت کو اس کے مَورِد تک محدود رکھا جائے گا۔

اگر کسی برادری کی انجمن یا رفاہی ادارہ زکوٰۃ کی رقم سال بھر کے مصارف کے لیے جمع کرتا ہے، تو آیا اس عرصے کے لیے اسے کسی اسلامی بنک کے مُضاربت کے اکاؤنٹ میں جمع کر کے نفع حاصل کرسکتا ہے؟۔اس کے بارے میں مجھے کتبِ فقہ میں کوئی صراحت نہیں ملی۔لیکن حال ہی میں ایک سعودی جامعہ میں ایک ریسرچ اسکالر نے پی ایچ۔ڈی کا مقالہ لکھا ہے اور اس میں ایسے اداروں کو محدود مدت کے لیے اس کی رخصت دی ہے اور قرار دیا ہے کہ اس سے حاصل شدہ نفع زکوٰۃ فنڈ ہی میں جمع کرنا ہوگا اور جمع کرنے والی انتظامیہ اس نیت کے ساتھ مُضاربہ اکاؤنٹ میں زکوٰۃ کی رقم جمع کرائے کہ خدانخواستہ نقصان کی صورت میں نقصان وہ بھریں گے۔دینی مدارس، خیراتی اسپتالوں اور مکمل کفالتی اداروں کو سال بھر کے مصارف کے لیے صدقاتِ واجبہ کی رقم جمع رکھنی ہوتی ہے، جو بتدریج خرچ ہوتی ہے، لہٰذا وہ اس بارے میں علماء کی رائے لے سکتے ہیں۔علماء بعض اوقات ان معاملات میں انتہائی حد تک احتیاط سے اس لیے کام لیتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ بعض ادارے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

[illegible] مال کاروبار ہی میں لگائے رکھیں۔

زکوٰۃ کی شرح کا بیان

[illegible] کا نصاب اور شرح ادائیگی (2.5%) کب مقرر کیا گیا، یہ شرح اللہ تعالیٰ کی [illegible] ہے یا رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمائی؟۔

[illegible]ال:

[illegible]مارے پاس کچھ رقم ہے، جس میں کافی عرصہ سے کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی، ہم اُس پر [illegible] ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کر رہے ہیں۔ کسی نے کہا کہ جب رقم میں اضافہ/کمی نہ ہو تو اُس [illegible] بار زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے، ہر سال ادائیگی کی ضرورت نہیں، کیا یہ درست ہے؟

(ظفر محمد خان، بفرزون کراچی)

[illegible]اب:

[illegible] نفسِ زکوٰۃ یعنی اللہ کی راہ میں اپنا مال صدقہ کرنے کے احکامات ہجرت سے قبل [illegible]کہ مکرمہ میں ہی لاگو ہو چکے تھے۔ چنانچہ نبوت کے مکی دور میں جب مسلمانوں کی ایک [illegible]ماعت نے پہلی بار حبشہ کی طرف ہجرت کی، تو وہاں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (اُن [illegible]لقب ذُوالجَناحین اور طَیّار بھی ہے) نے حبشہ کے بادشاہ ''اَصْحَمہ بن اَبجر نجاشی'' [illegible] دربار میں جو تقریر فرمائی، اس میں منجملہ اور باتوں کے یہ بھی فرمایا: اَمَرَنَا بِالصَّلٰوۃِ [illegible]زَّکٰوۃِ وَالصِّیَامِ ترجمہ: ''انہوں (رسول اللہ ﷺ) نے ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزے کا [illegible] دیا''۔ (سیرت ابن ہشام، جلد 1 ص:359)

یعنی مکی زندگی میں زکوٰۃ رُکنِ اسلام کے طور پر فرض نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کے ذریعے [illegible]لمانوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی، اس سے مطلقاً [illegible]نفاق فی سبیل اللہ'' مراد تھا۔ مکی زندگی میں زکوٰۃ کے تفصیلی احکام نازل نہیں ہوئے تھے، [illegible]نکہ اُس دور میں کفار و مشرکین کے غلبہ کی وجہ سے مسلمانوں کا اجتماعی نظم قائم نہیں ہوا تھا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

لیکن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا اجتماعی نظم قائم ہو چکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی اسلامی مدنی ریاست کا سربراہ تسلیم کیا جا چکا تھا۔ لہٰذا اب یہ مناسب موقع تھا کہ مسلمانوں کے نظمِ اجتماعی کے لیے اَحکام جاری کیے جائیں۔ چنانچہ ہجرت کے دوسرے سال روزوں کی فرضیت سے پہلے زکوٰۃ مالی عبادت کے طور پر فرض کی گئی اور صدقۂ فطر واجب ہوا۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

وَفُرِضَتْ فِی السَّنَةِ الثَّانِيَةِ قَبْلَ فَرْضِ رَمَضَانَ

ترجمہ: ''اور زکوٰۃ (ہجرت کے) دوسرے سال رمضان (کے روزوں) کی فرضیت سے پہلے فرض ہوئی''۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 3، ص: 160)

زکوٰۃ کے اَحکام قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اجمالاً بیان کیے گئے ہیں، اُن کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے واضح ہوتی ہے۔ کم از کم مالیت جس کا مالک بننے سے ایک مسلمان ''صاحبِ نصاب'' کہلاتا ہے اور اس پر زکوٰۃ فرض ہوجاتی ہے اُسے ''نصابِ زکوٰۃ'' کہا جاتا ہے۔ شرحِ زکوٰۃ اور شرائطِ وجوبِ زکوٰۃ، یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت حکیمانہ طریقے سے مختلف اجناس پر اُن کی اقسام کے اعتبار سے مقرر فرمائی ہیں۔

حدیث مبارک میں ہے:

(۱) عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ زُهَيْرٌ: أَحْسَبُهُ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ: هَاتُوا رُبْعَ الْعُشُورِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ شَیْءٌ حَتّٰی تَتِمَّ مِائَتَیْ دِرْهَمٍ فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَیْ دِرْهَمٍ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ. فَمَا زَادَ فَعَلٰی حِسَابِ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (زہیر کہتے ہیں: میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (براہِ راست) سن کر بیان فرمائی)'': ہر چالیس درہم پر ایک درہم ادا کرو اور تم پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب تک کہ دو سو درہم پورے نہ ہوجائیں، پس جب مالیت دو سو درہم ہوجائے تو ان میں سے پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہے اور جو مقدار اس سے زائد ہو اُس پر اُسی حساب سے زکوٰۃ عائد ہوگی''۔ (سنن ابوداؤد، جلد 1، ص: 220)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

نوٹ: واضح رہے کہ درہم چاندی کا ہوتا تھا اور اُس کا وزن آج کل کے اوزان اَعشاری نظام (Matric System of Weighing) کے اعتبار سے 612.36 گرام چاندی ہے اور سابق نظام کے اعتبار سے اس کا وزن ساڑھے باون تولا ہے۔

(۲) عَنْ عَلِیٍّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ فَاِذَا کَانَتْ لَکَ مِائَتَا دِرْھَمٍ وَحَالَ عَلَیْھَا الْحَوْلُ، فَفِیْھَا خَمْسَۃُ دَرَاھِمَ، وَلَیْسَ عَلَیْکَ شَیْئٌ یَعْنِیْ فِی الذَّھَبِ حَتّٰی تَکُوْنَ لَکَ عِشْرُوْنَ دِیْنَارًا، فَاِذَا کَانَتْ لَکَ عِشْرُوْنَ دِیْنَارًا وَحَالَ عَلَیْھَا الْحَوْلُ، فَفِیْھَا نِصْفُ دِیْنَارٍ، فَمَازَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِکَ۔

ترجمہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے پاس دو سو درہم ہوں اور ان پر ایک سال گزر جائے تو ان پر پانچ درہم زکوٰۃ ہے اور سونے پر اس وقت تک زکوٰۃ نہیں ہے جب تک کہ وہ بیس دینار نہ ہو، پس جب سونا بیس دینار ہو جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے، تو اس پر نصف دینار زکوٰۃ ہے، پھر جب سونے کی مقدار بڑھتی چلی جائے تو اُسی حساب سے زکوٰۃ عائد ہوگی''۔ (سنن ابوداود، جلد 1، ص:221)

آپ کا یہ سوال کہ نصابِ زکوٰۃ کی مقدار، شرحِ زکوٰۃ (Percentage/Ratio) اور شرائطِ وجوبِ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہیں یا رسول اللہ ﷺ نے مُقرر فرمائی ہیں، تو جواباً عرض ہے کہ یہ سوال مقاصدِ شرع سے مطابقت نہیں رکھتا۔ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شارعِ مجاز Authorized Law Giver اور قانون عطا کرنے والے (Legislature) ہیں۔ یہ منصب، یہ اتھارٹی اور حیثیت اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۚ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۚ

ترجمہ: ''اور جو کچھ تمہیں رسول دیں، اُسے لے لو اور جس سے رسول منع کریں، اُس سے باز آجاؤ''۔ (حشر:7)

(۲) وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ترجمہ: ''(وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان (اہلِ ایمان) کے لیے پاک چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں''۔(اعراف:157)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلَى أَرِيكَتِهِ يَقُولُ عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوهُ وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ أَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمْ لَحْمُ الْحِمَارِ الْأَهْلِيِّ وَلَا كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبُعِ۔

ترجمہ: ''سنو! مجھے قرآن عطا کیا گیا ہے اور اس کی مثل (واجب الاطاعت قانون میری سنت کی صورت میں) اس کے ساتھ ہی عطا کیا گیا ہے، سنو! ممکن ہے کہ ایک شخص خوب سیر شدہ (عیش وعشرت میں مست) اپنی مسند پر ٹیک لگائے ہوئے ہوگا اور کہے گا: بس اس قرآن کو لازم پکڑو، سو جو کچھ تم اس میں حلال پاؤ، اسے حلال مانو اور جو کچھ تم اس میں حرام پاؤ اسے حرام مانو، (نہیں، حلال وحرام قرآن تک محدود نہیں ہے)، تمہارے لیے پالتو گدھے کا گوشت اور کچلیوں (سامنے کے نوک دار دانتوں) سے شکار کرنے والے درندے (جیسے شیر، چیتا، کتا، بلی وغیرہ) حلال نہیں ہیں''۔(سنن ابی داؤد:4594)

عَنِ العِرباض بن سارِية قال: قَامَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم، فَقَالَ: أَيَحسِبُ أَحَدُكُم مُتَّكِئاً عَلَى أَرِيكَتِهِ يَظُنُّ أَنَّ اللهَ لَم يُحَرِّم شَيئاً إِلَّا مَا فِي هٰذا القُرآنِ أَلَا وَإِنِّي وَاللهِ قَد أَمَرتُ وَوَعَظتُ وَنَهَيتُ عَن أَشيَاءَ إِنَّهَا لَمِثْلُ القُرآن أَو أَكثَر

ترجمہ: ''عرباض بن ساریہ بیان کرتے ہیں: ''(ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (خطبہ دینے کے لیے) کھڑے ہوئے اور فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر براجمان ہوکر یہ گمان کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی چیز حرام کی ہے، اس کا بیان صرف قرآن میں ہے، (نہیں، ایسا ہرگز نہیں)، سنو! بخدا میں نے حکم جاری کیے ہیں اور نصیحت کی ہے اور بعض اُمور سے منع کیا ہے، تو اُن کی حرمت قرآن کی طرح قطعی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے''۔
(مشکوٰۃ المصابیح:164)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

[قر]آن مجید میں چار مقامات پر رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے چار مقاصد بیان [کی]ے ہیں، ان میں سے تلاوت آیاتِ الٰہی، تزکیۂ نفس اور تعلیم کتابِ الٰہی کے ساتھ [حکمت بھ]ی ہے اور حکمت نہایت جامع کلمہ ہے، اس کے منجملہ معانی میں ''سنت رسول'' [ق]رآن کے بیان کیے ہوئے بہت سے فرائضِ دین (مثلاً نماز) کا اجمالی بیان [...] تفصیل رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ تواترِ قولی وفعلی سے ثابت ہے، جیسے نماز [کے او]قات کا تعین، رکعات کا تعین اور طریقِ ادا وغیرہ، یہی صورت حال زکوٰۃ کی ہے۔ [...] مال جو نصاب کو پہنچتا ہو، اُس پر ہر سال زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہے، محض ایک مرتبہ [ادا] کرنے سے آئندہ زمانے کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوجاتی، احادیث درج کی جاچکی ہیں۔ [...] سال کی تکمیل پر جو مال (سونا، چاندی، نقدی، بنک اکاؤنٹ، بانڈز، سیونگ سرٹیفکیٹ [اور م]الِ تجارت کی صورت میں) جتنا بھی مال اُس کی ملکیت میں ہوگا، اُس کی مجموعی مالیت پر ڈھائی فیصد کی شرح سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

وَقَدْحَدَّد النَّبِیُّ ﷺ الأموالَ الَّتِی تَجِبُ فِیهَا الزَّكَاةُ؟، وَقَد شَمِلَتْ كُلَّ الْأَمْوَالِ النَّامِيَةِ فِي الْبِيْئَةِ الْعَرَبِيَّةِ فِي عَصْرِالنُّبوَّةِ، مِنَ الْأَنْعَامِ وَالزُّروعِ وَالثِّمَارِ، وَالذَّهبِ وَالْفِضةِ، كَمَاحَدَّدَ الْمَقَادِيرَ وَالنِّسَبَ الْوَاجِبَةَ مِنَ الْعُشْرِ اِلٰى نِصْفِهٖ اِلٰى رُبعِهٖ، كَمَابَيَّنَ وَقتَ وُجُوبِهَا وَأَنَّهَا فِي كُلِّ حَولٍ مَرَّةً، وَفِي الزُّرُوعِ فِي كُلِّ زَرعَةٍ۔

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے اُن اَموال کی خود تحدید (Quantification) فرمادی تھی، جن پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے اور ان میں وہ تمام اَموالِ نامیہ (Growing Property) شامل تھے، جو عہدِ نبوت میں عرب معاشرے میں موجود تھے، یعنی مویشی، زرعی پیداوار، [پھ]ل، سونا اور چاندی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے عُشر، نصف عُشر اور رُبع عشر کی مقداریں [مق]رر فرمائیں، اور اسی طرح زکوٰۃ کے واجب ہونے کا وقت مُقرر فرمایا اور یہ ضابطہ بیان فرمایا [او]ر زکوٰۃ ہر قمری سال پورا ہونے پر ایک بار عائد ہوتی ہے اور ہر زرعی پیداوار پر عائد ہوتی ہے، خواہ سال میں ایک بار پیدا ہو یا ایک سے زائد بار''۔ (فقہ الزکاۃ، جلد 1، ص: 114)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

روزے کے مسائل

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

روزے کے چند ضروری مسائل

(1) بلڈ ڈونیشن کے لئے اپنا خون نکلوانے یا کسی شدید ضرورت مند مریض کو خون کا عطیہ (Blood Donation) دینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، حدیث پاک میں ہے: ''نبی ﷺ نے روزے اور احرام کی حالت میں فصد یعنی پچھنا لگوایا''۔ (بخاری: 1938)

اس سے معلوم ہوا کہ روزے کی حالت میں پچھنا لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ اس میں بدن میں کوئی چیز داخل نہیں کی جاتی بلکہ بدن سے خون نکالا جاتا ہے۔ البتہ کسی بھی مقصد کے لیے خون نکالنے یا نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا اس جگہ کو صاف کر کے تازہ وضو کرے۔

(2) کان میں دوا یا تیل ٹپکانے یا دانستہ پانی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ کان سے معدے یا دماغ تک کوئی مَنفَذ (Route) یا سوراخ نہیں ہے اور عبداللہ بن عباس اور عکرمہ رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ''روزہ بدن میں میں کسی چیز کے جانے سے ٹوٹتا ہے، کسی چیز کے خارج ہونے سے نہیں ٹوٹتا''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 9319)

لہٰذا روزے کے مسائل کی جن کتابچوں یا نقشوں میں لکھا ہے کہ کان میں دوا یا تیل ٹپکانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، درست نہیں ہے۔ یہ ہمارے فقہائے متقدمین کا قول ہے، یہ اس مفروضے پر مبنی ہے کہ کان میں کوئی مَنفَذ یعنی سوراخ ہے جس سے دوا یا تیل جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ تک پہنچ جاتا ہے، یہ مفروضہ جدید طبی تحقیق نے غلط ثابت کیا ہے اور اس میں جدید اَطِبّاء اور علمِ تشریح الاعضاء (Anotomy) کے ماہرین کے درمیان اتفاق ہے کہ کان میں کوئی سوراخ نہیں ہے، لہٰذا فقہائے متقدمین کا اصول درست ہے، لیکن اس کی تطبیق درست نہیں ہے۔

(3) ہماری تحقیق کے مطابق آنکھ میں دوا ڈالنے یا کسی بھی قسم کا گوشت (Muscle) یا نس (Vein) میں انجکشن لگانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، بعض علماء کے نزدیک اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ جس مسئلے کے بارے میں قرآن وحدیث میں صریح حکم نہ ہو، وہ مسئلہ اجتہادی کہلاتا ہے، اس میں لوگوں کو جس عالم یا فقیہ پر اعتماد ہو، اُس کے فتوے پر عمل کریں۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اجتہادی مسائل میں فقہاء کا اختلاف ایسا ہی ہے، جس طرح ہمارے اعلیٰ عدالتی فیصلوں کا ماٰخذ آئین، قانون اور مُسلّمہ عدالتی نظائر (Judicial Precedents) ہوتے ہیں، لیکن بعض اوقات اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کے فیصلے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اجتہادی مسائل میں فقہاء کے اختلاف کی صورت بھی یہی ہے۔ شام کے مشہور فقیہ ڈاکٹر وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

''انجکشن پٹھوں میں جلد کے اندر (Inter Muscular) لگانا ہو یا رگوں میں (Inter Vein) لگانا ہو، بہتر یہ ہے کہ روزے کی حالت میں نہ لگائے اور افطار کے وقت تک انتظار کرے، اگر رگوں (Inter Vein) میں خون لگائے گا، تو روزہ فاسد ہوجائے گا''۔

(فقہ الاسلامی وادِلّتہ، جلد3، ص: 1412)

پاکستان کے ممتاز مفسر، محدّث اور فقیہ علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کی یہی تحقیق ہے۔ اس کی تفصیلی بحث شرح صحیح مسلم ج:3 ص 1154 تا 1158 پر ملاحظہ فرمائیں۔

(4) روزے کی حالت میں قَے (Vomiting) آنے کی فقہاء کرام نے 24 ممکنہ صورتیں بیان کی ہیں، ان میں سے صرف دو صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے: (الف) بے اختیار منہ بھر کر قَے (Full Mouth Vomit) آئے اور اُس میں سے کچھ مواد واپس نگل لے۔ (ب) طبعی مجبوری کے تحت جان بوجھ کر قَے کرے، جسے عربی میں ''اِستِقَاء'' (To Make Vomit) کہتے ہیں، اگر ایسی قَے منہ بھر (Full Mouth) آجائے، تو خواہ واپس حلق میں کچھ بھی نہ نگلے، روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (ج) باقی صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے: ''تین چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا: فصد لگانا، قے آجانا اور احتلام''۔ (ترمذی: 719)

(5) نیت دل کے ارادے کا نام ہے، زبانی نیت سنت سے ثابت نہیں ہے، متاخرین فقہائے کرام نے استحضار (Presence of Mind) کے لیے اسے مستحب قرار دیا ہے۔ لہٰذا اگر رات ہی سے نیت کرنا چاہے، تو کرسکتا ہے، اِس صورت میں ان الفاظ کے ساتھ نیت کرے: ''میں اللہ تعالیٰ کے لئے کل کے روزے کی نیت کرتا ہوں''۔ اور صبح صادق یعنی سحری کے وقت یا سَحری کے بعد کرنا چاہے، تو ان الفاظ کے ساتھ نیت کرے:

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

''میں اللہ تعالیٰ کے لئے آج کے روزے کی نیت کرتا ہوں''۔ نصف النہار شرعی سے پہلے نیت کرنے کی صورت میں یہ کہے: ''میں آج صبح سے روزے سے ہوں''۔ رات کو نیت کرنے کی صورت میں سحری کر سکتے ہیں۔ زبانی نیت نہ بھی کریں تو دل کا ارادہ کافی ہے۔

(6) **سحری سے پہلے غسل** جنابت واجب ہو چکا ہو اور وقت اتنا تنگ ہو کہ غسلِ واجب کر کے سحری نہیں کر سکتا، تو ہاتھ دھو کر اور کلی کر کے سحری کر لے اور سحری کا وقت گزر جانے کے بعد غسلِ واجب کر لے۔ دن میں روزے کے دوران نیند کی حالت میں جنبی (Impure) ہو جائے، تو روزہ فاسد نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے اجر میں کمی واقع ہوتی ہے۔ البتہ غسلِ واجب کو اتنی دیر تک مؤخر کرنا کہ ایک فرض نماز کا وقت گزر جائے، مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اس سے نماز قضا ہو جائے گی۔ خود لذتی (جسے عربی میں اِستمناء بالید کہتے ہیں) کے سبب مادّہ منویہ خارج ہو جائے، تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا لازم آتی ہے۔ اسی طرح عورت کے ساتھ بوس و کنار سے انزال ہو جائے، تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم آئے گی۔

(7) وضو کے دوران مسواک کرنا عام دنوں میں بھی سنّت ہے اور رمضان المبارک کے دوران روزے کی حالت میں بھی سنّت ہے، خواہ عصر کے وقت یا عصر کے بعد بھی کرے۔ روزے کی حالت میں برش کے ساتھ دانتوں کو پیسٹ کرنا یا کسی بھی پاؤڈر کے ذریعے دانتوں کو صاف کرنا احتیاط کے خلاف ہے اور کراہت کا سبب ہے، لیکن اگر ایسا کرنے سے پیسٹ یا پاؤڈر کے ذرات حلق میں نہ جائیں، تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

(8) غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، گالی گلوچ کرنا، چغلی کھانا، دوسروں پر بہتان تراشی کرنا اور اُن کی عیب جوئی کرنا، دوسروں کو ایذا پہنچانا، بے ہودہ یا جنسی تلذّذ کی باتیں کرنا عام حالت میں بھی منع ہیں اور روزے کی حالت میں ان کی ممانعت و حُرمت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اِن باتوں سے فقہی اعتبار سے تو روزہ فاسد ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا، یعنی ضابطے کی حد تک فرض ادا ہو جاتا ہے اور قضا لازم نہیں آتی، لیکن روزہ مکروہ ہو جاتا ہے اور روزے دار روزے کے اجر کامل سے محروم ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بہت سے روزے دار ایسے ہیں جن کو روزے سے پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے اور بہت سے راتوں کو نوافل میں قیام کرنے والے ایسے ہیں جن کو تھکاوٹ یا طبعی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

گراوٹ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا''۔(سنن ابن ماجہ:1690)

یہ کلمات وعید کے لیے ہیں، اس لیے نہیں کہ روزہ اور نماز ہی سے دست بردار ہو جائے، بلکہ اس لئے ہیں کہ اپنی عبادت کو کامل اجر کا حق دار بنائے۔حدیث پاک میں ہے:

''جب تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو نہ فحش کلامی کرے اور نہ ہی چیخے چلّائے، اگر کوئی (زبردستی) اُس کے ساتھ گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑے پر اتر آئے تو یہ کہے: میں روزے سے ہوں (یعنی آپ کی گالی یا لڑائی جھگڑے کا جواب آپ کے انداز میں نہیں دے سکتا، کیونکہ میرا روزہ اس کی اجازت نہیں دیتا)، (سنن نسائی:2216)''۔اور صحیحین کی حدیث میں ''ولا یجھل'' کا کلمہ آیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی سے الجھے نہیں یا حجت بازی نہ کرے۔

(9) روزے کی حالت میں خوشبو استعمال کر سکتے ہیں، بالوں کو تیل لگا سکتے ہیں، اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

(10) دَمہ یاضِیْقَ النَّفس (Asthmamatic) کا مریض جو آلۂ تَنَفُّس (Inhaler) کے استعمال کے بغیر دن نہیں گزار سکتا، تو وہ معذور ہے اور اس کو اس بیماری کی بنا پر روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، وہ فدیہ ادا کرے۔اگر روزہ رکھ لیا ہے اور مرض کی شدّت کی بنا پر (Inhaler) استعمال کیا، تو روزہ ٹوٹ جائے گا، روزہ رکھنے کی استطاعت ہو تو بعد میں قضا کرے، ورنہ فدیہ ادا کرے۔

(11) انتہائی درجے کے ذیابیطس (Diabetese) کے مریض یا ایسے تمام اَمراض میں مبتلا مریض جن کو خوفِ خدا رکھنے والا کوئی دین دار ماہر ڈاکٹر وقفے وقفے سے دوا استعمال کرنے یا پانی پینے یا خوراک کا مشورہ دے، ورنہ مرض بے قابو ہو جائے گا یا کسی عضو یا جان کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے، تو ایسے تمام لوگ معذور ہیں، اُنہیں شریعت نے رخصت دی ہے کہ روزہ نہ رکھیں اور فدیہ ادا کریں۔ایسے لوگ ''دائمی مریض'' کہلاتے ہیں۔اسی طرح ایسے انتہائی ضعیف العمر لوگ جو ضُعف کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتے، وہ بھی دائمی معذور ہیں اور ان کے لیے روزہ چھوڑنے کی رخصت ہے اور فدیہ ادا کرنا ہوگا۔

(12) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کا (دووقت کا) کھانا مقرر کیا ہے، ہر روزے دار اپنے معیار اور مالی استطاعت کے مطابق فدیہ ادا کرے۔اللہ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

کا ارشاد ہے: ''جو شخص فدیے کی مقررہ مقدار سے خوش دلی کے ساتھ زیادہ دے، تو یہ ... کے لئے بہتر ہے''۔ (البقرہ:184)

اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے دوران مسافر یا عارضی ... کو روزہ چھوڑنے کی رخصت دی ہے، لیکن یہ بھی فرمایا: ''اور اگر تم (مرض یا سفر کے ...) روزہ رکھ لو، تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے''۔ (البقرہ:184)

آج کل ایک غلط فہمی یہ ہے کہ سفر یا عارضی بیماری یا عورتوں کے ایامِ مخصوص وغیرہ کی وجہ سے روزہ چھوٹ جائے، تو لوگ سمجھتے ہیں کہ فدیہ ادا کرنے سے اس کی تلافی ... ئے گی، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ان لوگوں پر بعد میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا لازم ... ہے، اللہ تعالیٰ کا تکرار کے ساتھ ارشاد ہے: ''سو (تم عذر کی بنا پر چھوٹے ہوئے روزوں ...) دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرو''۔ (البقرہ:85-184)

(14) حاملہ عورت یا دودھ پلانے والی عورت اپنی یا بچے کی صحت کے بگڑنے سے بچنے کے ... رمضان کا روزہ چھوڑ سکتی ہے، لیکن اس کی تلافی فدیے سے نہیں ہوگی بلکہ بعد میں قضا روزے رکھنے ہوں گے۔ اسی طرح ایامِ مخصوص (Menses) کے دوران عورت روزہ نہیں رکھ سکتی، ایام ختم ہونے پر غُسلِ واجب کرکے پاک ہوجائے اور روزے رکھے، جتنے دنوں کے روزے چھوٹ گئے ہیں، اُن کی تلافی فدیے سے نہیں ہوگی بلکہ بعد میں اتنے دنوں کے قضا روزے رکھنے ہوں گے۔

(15) نوجوان اور جوان عمر حضرات روزے کے دوران بیوی کے ساتھ بوس وکنار سے اجتناب کریں، اگرچہ یہ جائز ہے لیکن شہوت کے غلبے کے پیشِ نظر روزے کے فاسد ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

(16) روزے کی حالت میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کرنے یا سر پر پانی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ صحابی بیان کرتے ہیں: میں نے دیکھا: عَرج کے مقام پر رسول اللہ ﷺ پیاس یا گرمی کے سبب اپنے سر پر پانی ڈال رہے تھے''۔ (سنن ابوداؤد:2378)

(17) روزے کی حالت میں بھول کر کھانے یا پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: بھولے سے کچھ کھا پی لیا، تو اپنے روزے کو پورا کرے، (یہ وہ کھانا ہے،) جو

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اللہ نے اسے کھلایا اور پلایا''۔(بخاری:1933)

(18) حدیث پاک میں ہے: ''جس مسلمان کا انتقال ہوگیا اور اُس کے ذمے روزے باقی ہیں، تو اس کا ولی اُس کی جانب سے روزہ رکھے، (صحیح مسلم: 1147)''۔ اپنی شرائط کے ساتھ حجِ بدل کے سوا باقی بدنی عبادات میں غیر کی نیابت (Assistance) نہیں ہے، اس حدیث مبارک کا مطلب یہ ہے کہ ولی اُس کی جانب سے فدیہ ادا کرے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کسی کے ذمے شرعی مالی واجبات باقی ہیں، اُس کے ترکے میں سے قرض کے طور پر ان کو بھی ادا کیا جائے۔ فقہِ حنفی میں ترکے میں سے شرعی مالی واجبات (زکوٰۃ، نذر، فدیۂ صوم، کفارات، صدقۂ فطر) کی جبراً ادائیگی نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی وصیت کر جائے، تو ایک تہائی ترکے کی حد تک ان واجبات کو ادا کیا جائے گا، اس سے زیادہ کی ادائیگی بالغ ورثاء رضا کارانہ طور پر صرف اپنے حصے سے کر سکتے ہیں، نابالغ ورثاء کے حصوں میں یہ تصرف نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اگر کسی کے ذمے شرعی مالی واجبات ہیں، تو اپنی زندگی میں ادا کر کے ان سے عہدہ برآ ہو جائے یا بوقتِ وفات ان کے بارے میں وصیت کرے۔

(19) آج کل محکمۂ موسمیات کے لوگ شدید گرمی کے جھٹکے یعنی Heat stroke یا لُو کے غلبے سے ڈراتے ہیں، سب کو اور خاص طور پر روزے داروں کو بلاضرورت کھلی دھوپ میں جانے یا زیادہ دیر کھڑے رہنے سے بچنا چاہیے، لیکن یہ روزہ چھوڑنے کے لیے قابلِ قبول عذر نہیں ہے۔ البتہ اگر خدانخواستہ کسی کو عام حالات میں یا دھوپ میں محنت کا کام کرنے کی وجہ سے شدید گرمی کا جھٹکا لگ جائے اور اُس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو جائے اور خدانخواستہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ توڑ دینا چاہیے یا تڑوا دینا چاہیے، لیکن بعد میں اُس روزے کی قضا لازم ہوگی۔

(20) اسی طرح بعض لوگوں نے اعتکاف کو اللہ تعالیٰ سے لو لگانے اور خلوت کی عبادت کی بجائے پکنک کا ماحول بنا دیا ہے، جس میں لوگ، خاص طور پر نوجوان اور نوعمر لڑکے جتھے بنا کر بیٹھتے ہیں اور گپ شپ میں وقت گزارتے ہیں، یہ روحِ اعتکاف کے سراسر منافی ہے اور اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اسی طرح اعتکاف کی حالت میں مسجدوں میں حلقۂ ذکر بنا کے دوسروں کی خَلوت کی عبادت یا تلاوت میں خلل ڈالنا بھی روحِ اعتکاف کے منافی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ہے۔ معتکفین کو مسجد کی پاکیزگی کا بھی خیال رکھنا چاہیے اور افطار سے لے کر سحر تک کثرت کے ساتھ کھانے پینے میں مشغول نہیں رہنا چاہیے۔

(21) سگریٹ پینے کے لیے معتکف کے مسجد سے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجائے گا، کیونکہ یہ مسجد سے نکلنے کے لیے نہ شرعی ضرورت ہے نہ طبعی۔

(22) حالتِ اعتکاف میں بلاضرورت موبائل کا استعمال بھی درست نہیں ہے، اگر تمام معمولات عام دنوں کی طرح رکھنے ہیں تو مسجد میں معتکف ہوکر بیٹھنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔

(23) اگر معتکف پر بیماری کا غلبہ ہوجائے اور اُسے مسجد سے علاج کی غرض سے جانا پڑے، تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا اور بعد میں روزے کے ساتھ ایک دن کے اعتکاف کی قضا کرنی ہوگی۔ چونکہ عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے، اس کے لیے روزہ شرط ہے، لہٰذا روزہ فاسد ہونے سے اعتکاف بھی فاسد ہوجائے گا، یہی حکم ایک یا ایک سے زائد دنوں کے اعتکافِ نذر کا ہے۔ البتہ نفلی اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں ہے، جتنی دیر اعتکاف میں بیٹھے گا ثواب پائے گا اور جب مسجد سے نکلے گا تو اعتکاف ختم ہوجائے گا۔

نوٹ: روزہ کھولنے اور بند کرنے کا تعلق وقت کے ساتھ ہے اذان کے ساتھ نہیں ہے، اذان چند منٹ بعد بھی ہوسکتی ہے، لہٰذا یہ تصور غلط ہے کہ جب تک اذان ہورہی ہو تو کھا پی سکتے ہیں، وقتِ مقررہ پر روزہ بند کردینا ضروری ہے۔ آج کل عام طور پر ہر ایک کے پاس گھڑی بھی ہے، موبائل بھی ہے اور ریڈیو ٹیلیویژن کی سہولت بھی ہے۔ الغرض روزہ کھولنے اور بند کرنے کا وقت معلوم کرنے کے متعدد ذرائع موجود ہیں اور شہروں، قصبات اور دیہاتوں کی مساجد بھی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

نفلی اعتکاف کے لیے کوئی شرط نہیں

سوال:

میں چند دنوں کے لیے ایک مسجد میں نفلی اعتکاف کرنا چاہتا ہوں، وہاں کی انتظامیہ نے کہ چاند دیکھے بغیر نفلی اعتکاف نہیں ہوتا، مہربانی فرما کر شریعت کی روشنی میں جواب ت فرمائیں، (احمد خان گوہر آباد، کراچی)۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

جواب:

نفلی اعتکاف جسے مستحب وسنّت غیر مؤکدہ بھی کہا جاتا ہے، کے لیے کوئی پابندی نہیں، نہ روزہ رکھنا شرط، نہ کوئی خاص وقت مقرر بلکہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اعتکاف کی نیت کی اور جب تک مسجد میں رہا، معتکف ہے، جب نکل گیا، تو اعتکاف ختم۔ ماہِ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں بیسویں روزے کے غروبِ آفتاب کے وقت سے جو اعتکاف شروع کیا جاتا ہے، وہ سنّت مؤکدہ ہے، جس کے لیے شرائط بھی ہیں اور پابندیاں بھی۔ اِس کے علاوہ کچھ لوگ درمیان میں اعتکاف کی نیت سے بیٹھ جاتے ہیں، وہ بھی نفلی اعتکاف کی قبیل سے ہے اور اُس کے لیے کوئی شرط، کوئی پابندی نہیں ہے، جب تک مسجد میں رہے گا، معتکف شمار ہوگا، جب چلا گیا، اعتکاف ختم، نفلی اعتکاف اگر درمیان میں چھوڑ دیا، تو اُس کی قضا نہیں، وہیں ختم ہوگیا۔ مذکورہ مسجد کمیٹی کا یہ کہنا درست نہیں کہ چاند دیکھے بغیر نفلی اعتکاف نہیں ہوتا۔

اعتکاف کے لیے مسجد کا جامع ہونا شرط نہیں

سوال:

ہماری مسجد تعمیری مراحل میں ہے اور اِسی سال شعبان کے مہینے میں ہم نے مسجد میں پنجوقتہ نماز اور جمعہ کا اہتمام کیا ہے۔ تراویح کی نماز مسجد میں ابھی نہیں ہورہی۔ محلے کے کچھ لوگ مسجد میں اعتکاف کرنا چاہتے ہیں، ایسی صورت میں کہ جب مسجد میں تراویح کی نماز نہیں ہوتی، کیا اعتکاف کے لیے لوگوں کو بٹھایا جاسکتا ہے؟۔

(انتظامیہ جامع مسجد غلام نبی، گڈاپ ٹاؤن)

جواب:

رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف ''سنّت مؤکدہ علی الکفایہ'' ہے۔ شہر کے کسی محلے یا قصبے اور بستی میں اگر کسی ایک نے کرلیا تو سب بریُ الذمہ ہوجائیں گے اور اگر کسی نے نہ کیا تو سب سے جوابدہی ہوگی۔ اعتکاف کے لیے جامع مسجد ہونا شرط نہیں بلکہ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

جہاں پنج وقتہ نماز باجماعت ہوتی ہو، اعتکاف کیا جاسکتا ہے۔ صاحب مراقی
حسن بن عمار بن علی شرنبلالی لکھتے ہیں:

بیتہٖ، فِی مَسْجِدٍ تُقَامُ فِیْہِ الْجَمَاعَۃُ بِالْفِعْلِ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فَلَا یَصِحُّ
تُقَامُ فِیْہِ الْجَمَاعَۃُ لِلصَّلَاۃِ عَلَی الْمُخْتَارِ۔

تکاف) وہ ایسی مسجد میں جہاں پانچ وقت نماز باجماعت ہوتی ہو، (اعتکاف
سے ٹھہرنا ہے، پس ایسی مسجد جہاں باجماعت نماز نہ ہوتی ہو، اعتکاف صحیح نہیں
تار مذہب ہے'' (جلد 2 ص: 373-374)۔ صاحب مراقی الفلاح کے اس قول
ت معلوم ہوتی ہے کہ اگر قرب و جوار میں اور بھی مساجد ہوں، جہاں باجماعت نماز
و ایسی صورت میں اُسے مسجد جماعت میں ہی اعتکاف کرنا چاہیے۔

بائے کرام نے اس مسئلے میں توسع اختیار کیا ہے اور فقہائے کرام کی تصریحات سے
وتا ہے کہ ایسی مسجد جہاں نماز جمعہ یا باجماعت نماز نہ ہوتی ہو، وہاں بھی اعتکاف
ہے اور چند شرائط کے ساتھ معتکف کو نمازِ جمعہ یا پنج گانہ نماز کی جماعت کے لیے
کی اجازت ہے۔

ام الدین رحمہ اللہ اعتکاف کی شرائط بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

مَسْجِدُ الْجَمَاعَۃِ فَیَصِحُّ فِی کُلِّ مَسْجِدٍ لَہٗ أَذَانٌ وَإِقَامَۃٌ ھُوَ الصَّحِیْحُ کَذَا فِی
بِیَّۃِ۔ وَأَفْضَلُ الْاِعْتِکَافِ مَا کَانَ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ثُمَّ فِی مَسْجِدِ النَّبِیِّ عَلَیْہِ
وَالسَّلَامُ ثُمَّ فِی بَیْتِ الْمَقْدِسِ ثُمَّ فِی الْجَامِعِ ثُمَّ فِیْمَا کَانَ أَھْلُہٗ أَکْثَرَ وَأَوْفَرَ کَذَا فِی
ن۔

''(اعتکاف کی شرائط میں سے) مسجد جماعت ہونا ہے اور ہر وہ مسجد صحیح ہے جہاں
اقامت (اور جماعت) ہوتی ہو اور یہی صحیح ہے، جیسا کہ ''خلاصہ'' میں ہے۔ سب
ل مسجد حرم شریف میں اعتکاف ہے، پھر مسجد نبوی علیہ الصلاۃ والسلام، پھر مسجد
ر جامع مسجد میں اور پھر وہ مسجد جہاں بڑی جماعت ہوتی ہو، ''تبیین'' میں اسی طرح

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ہے''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 211)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مذکورہ مسجد میں اعتکاف کے لیے انتظام کیا جاسکتا ہے اور یہ اعتکاف درست ہوگا، مسجد انتظامیہ کو چاہیے کہ بقیہ دنوں میں بھی مسجد میں تراویح کا اہتمام کرلیں، خواہ آخری دس سورتیں ہی پڑھی جائیں۔

اعتکاف کی قضا

سوال:

زید ماہِ رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں لاہور کی جامع مسجد میں معتکف تھا، تقریباً چھ دن ہوئے تھے کہ اُس کی والدہ فوت ہوگئیں، زید نمازِ جنازہ کے لیے لاہور سے شیخوپورہ اپنے گھر گیا۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ بقیہ اعتکاف کی قضا کس طرح پوری ہوگی، پورے دس دن ہوں گے، چار دن یا ایک دن کی قضا کی جائے گی؟۔

(قاری محمد جمیل، رینجرز ہیڈکوارٹرز پاکستان، لاہور)

جواب:

آپ کی بیان کی ہوئی صورت میں زید کا اعتکاف مسنون فاسد ہوگیا، بس ایک دن کی قضا اس پر لازم ہے۔ رمضان مبارک کے باقی ایام کا نفلی اعتکاف کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ زید کو چاہیے کہ نمازِ مغرب سے قبل قضا اعتکاف کی نیت سے مسجد میں بیٹھ جائے، اگلے دن کا روزہ رکھے اور نمازِ مغرب کے بعد اٹھ جائے، قضا پوری ہوجائے گی۔ اگر رمضان مبارک کے آخری عشرے کے اعتکاف کی نیت کی ہے اور بلا عذر یا کسی عذر کے سبب اعتکاف توڑ دیا، تو صرف ایک دن کی قضاء لازم آئے گی۔ اگر رمضان مبارک میں قضاء کرے تو رمضان کا روزہ اُس کے لیے کافی ہے، ورنہ غیر رمضان میں قضا کرنے کے لیے روزہ بھی لازم ہوگا۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

عذر کے سبب اعتکاف نہ ہونے کا گناہ نہیں

سوال:
ہم نے تعمیر نو کے لیے اپنی مسجد شہید کردی تھی، جس کی وجہ سے رمضان میں مسجد میں کوئی شخص اعتکاف نہ کرسکا۔ کیا اس کا کوئی گناہ ہوگا؟، (نذر محمد، نواب شاہ)۔

جواب:
رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف ''سنّت مؤکّدہ علی الکفایہ'' ہے۔ شہر کے کسی محلے یا قصبے اور بستی میں اگر کسی ایک نے کرلیا تو سب بریُ الذمہ ہوجائیں گے اور اگر کسی نے نہ کیا تو سب سے جوابدہی ہوگی۔ سنّت مؤکدہ علی الکفایہ ہونے کا معنٰی یہ ہے کہ محلے میں کسی ایک کی جانب سے ادائیگی پر تمام لوگ بریُ الذمہ ہوگئے۔

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

(أَیْ سُنَّةٌ كِفَايَةٌ) نَظِيْرُهَا اِقَامَةُ التَّرَاوِيْحِ بِالْجَمَاعَةِ، فَإِذَا قَامَ بِهَا الْبَعْضُ سَقَطَ الطَّلَبُ عَنِ الْبَاقِيْنَ، فَلَمْ يَأْثَمُوْا بِالْمُوَاظَبَةِ عَلَى التَّرْكِ بِلَا عُذْرٍ، وَلَوْكَانَ سُنَّةَ عَيْنٍ لَأَثِمُوْا بِتَرْكِ السُّنَّةِ الْمُؤَكَّدَةِ اِثْمًا دُوْنَ تَرْكِ الْوَاجِبِ

ترجمہ: ''سنت کفایہ، اس کی مثال تراویح کی نماز کا باجماعت قائم کیا جانا ہے پس اگر بعض نے قائم کی تو باقی لوگوں سے جماعت ساقط ہوگئی (نہ کہ نمازِ تراویح)، تو وہ بلا عذر اُس کے ترک کیے جانے پر گنہگار نہیں ہوں گے۔ اور اگر اعتکاف سنت عین ہوتا، تب بھی ترکِ سنّت کا گناہ ترکِ واجب سے کم ہوگا''۔ (جلد3،ص:383)

بہتر تو یہ تھا کہ مسجد میں خیمہ لگا کر کسی کو اعتکاف کے لیے بٹھا دیا جاتا لیکن اگر محلے میں اور مساجد بھی ہیں، جن میں محلے کے لوگوں نے اعتکاف کیا ہو، تو کافی ہے، تمام محلے سے سنت مؤکدہ ساقط ہوگیا۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

حج کے مسائل

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرنے کی صورت میں حلق کا مسئلہ

سوال:

اگر کوئی شخص عمرہ کے لیے جاتے وقت سر پر (ہلکی موٹی سی) مشین چلوا کر گیا دوسرے دن وہاں پہنچ کر عمرہ ادا کرنے کے بعد سر پر باریک مشین چلوائی، بلیڈ نہیں لگوایا، تو کیا دم واجب ہوگا؟ (محمد عمران عطاری، بفرزون، کراچی)

جواب:

حج یا عمرے کے بعد حلق یا قصر کرنا واجب ہے۔ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص کے سر پر بال نہ ہوں، اُسے بھی اُسترہ پھیرنا واجب ہے۔ کسی سبب سے اگر سر مونڈوا نہیں سکتا اور سر پر اتنے بال نہیں کہ جنہیں تقصیر (کم) کروالے، تو عذر کے سبب سر مونڈانا اور کتروانا دونوں ساقط ہو گئے۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَاِذَاجَاءَ وَقْتُ الْحلقِ وَلَمْ یَکُنْ عَلٰی رَاْسِہٖ شَعْرٌ بِاَنْ حَلَقَ قَبْلَ ذٰلِکَ اَوْبِسَبَبٍ آخَرَ، ذَکَرَ فِی الْاَصْلِ اَنَّہٗ یَجْرِیْ الْمُوْسٰی عَلٰی رَاْسِہٖ لِاَنَّہٗ لَوْکَانَ عَلٰی رَاْسِہٖ شَعْرٌ کَانَ الْمَاْخُوْذُ عَلَیْہِ اِجْرَاءَ الْمُوْسٰی، وَاِزَالَۃُ الشَّعْرِ فَمَا عَجَزَعَنْہُ سَقَطَ، وَمَالَمْ یَعْجِزْعَنْہُ، یَلْزَمُہٗ، ثُمَّ اخْتَلَفَ الْمَشَائِخُ فِی اِجْرَاءِ الْمُوْسٰی، اَنَّہٗ وَاجِبٌ اَوْ مُسْتَحَبٌّ، وَالْاَصَحُّ اَنَّہٗ وَاجِبٌ، ھٰکَذَافِی الْمُحِیْطِ۔

ترجمہ: ”اور جب حلق کرانے کا وقت آ گیا لیکن پہلے مونڈوانے کے سبب یا کسی اور وجہ سے اُس کے سر پر بال نہیں، ”اصل“ (یعنی مبسوط) میں ذکر فرمایا کہ وہ اپنے سر پر اُسترہ چلائے گا، اس لیے کہ استرہ چلانے سے اُس کے سر پر جو بال ہوں گے، وہ اُنہیں لے لے گا اور جو بال دور کرنے سے عاجز ہو، تو اُس سے ساقط ہو جائے گا اور جو عاجز نہ ہو، اُس سے ساقط نہیں ہوگا، پس مشائخ کا اِس امر میں اختلاف ہے کہ (آیا سر پر بال نہ ہونے کی صورت میں) اُسترہ کا چلانا واجب ہے یا مستحب اور صحیح یہی ہے کہ واجب ہے، جیسا کہ ”محیط“ میں ہے“۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 231)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

تاہم شرعی مسئلہ یوں بھی ہے کہ اُسترہ سے مونڈوانے یا کتروانے کے علاوہ اگر کسی اور چیز سے بال دور کردیے، تو بھی جائز ہے۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے: (وَحَلْقُهُ) لِکُلٍّ (أَفْضَلُ) وَلَوْ أَزَالَهُ بِنَحْوِ نُوْرَةٍ جَازَ

ترجمہ: ''اور حلق ہر ایک کے لیے افضل ہے، اگرچہ (بالوں کو) دور کرنا کسی طریقے سے ہو مثلاً چونے سے جب بھی جائز ہے''۔ (رد المحتار علی الدر المختار، جلد 3، ص: 475)۔ پس مذکورہ صورت میں کوئی دَم لازم نہیں ہوگا۔

حج وعمرہ گروپ کا زائد رقم وصول کرنا

سوال:

لوگ حج وعمرہ گروپ بناتے ہیں، جس میں اکانومی پیکیج =/70,000 روپے فی آدمی ہوتا ہے، لیکن وہ غلط بیانی کرکے ایک لاکھ روپے فی آدمی وصول کرتے ہیں۔ خود اور اپنے احباب کو مفت عمرہ کراتے ہیں، کیا ان کا عمرہ جائز ہے۔ کیا اُن کا یہ اضافی رقم لینا جائز ہے؟۔

جواب:

ہمارے ہاں آج کل حج اور عمرہ ''ٹورازم'' کی شکل اختیار کرچکا ہے اور جو بھی پرائیوٹ حج وعمرہ گروپ ہیں، یہ کاروباری ادارے ہیں۔ اس کا شرعاً شفاف طریقہ تو یہ ہے کہ گروپ آرگنائزر اصل اخراجات (Net Expenses) اپنے گاہکوں کو بتادیں اور اپنی خدمات کا معاوضہ بھی بتادیں، کیونکہ یہ ''اجارۃ الخدمات'' (Services Ijarah) ہے، جو شرعاً جائز ہے، ورنہ کم از کم بر سبیل تنزُّل اپنے گاہک (Cliant) سے صراحت کے ساتھ یہ کہیں کہ ہم مصارف سفر وقیام اور تمام قانونی کارروائی (Documentation) اور ویزا لگوانے کی خدمات کے عوض مجموعی طور پر اتنی رقم لیں گے۔ اجارہ کا پیشگی تعین اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ بعد میں نزاع پیدا نہ ہو اور اس صورت میں نزاع کا امکان ختم ہوجائے گا۔ گاہک نے جب اپنی رضامندی سے معاہدہ کرلیا، تو اسے ان کے اور ان کے دوستوں کے عمرے سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے کہ مفت کرتے ہیں یا مصارف کے عوض کرتے ہیں۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

سعی کے درمیان کمزوری کی بنا پر توقف جائز ہے

سوال:

میری عمر 80 سال ہے، قوتِ بصارت کمزور ہوگئی ہے، جسمانی کمزوری اتنی ہے کہ 100 گز فاصلہ بھی رکے بغیر طے نہیں کرسکتا۔ اس کے باوجود میں عمرہ پر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اگر میں طواف میں رَمل کی کیفیت اختیار نہ کروں اور طواف وسعی کے ہر دو چکر کے بعد ذرا دیر سستالوں تو میرا یہ فعل سنّت کے مطابق ہوگا یا نہیں؟۔ مکہ میں میرا قیام 10-8 دن ہوگا، اگر ایک سے زائد عمرہ ادا کرنا چاہوں، تو میقات کے حوالے سے ادائیگی کا طریقہ کیا ہوگا؟۔ (صادق، کراچی)

جواب:

ایسا مریض جو خود طواف نہیں کرسکتا، تو اُس کے ساتھی اُسے طواف کرائیں یا ویل چیر پر طواف کا انتظام کریں، ایسی صورت میں رَمل کرنا جو کہ سنّت ہے، ممکن نہیں ہے۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ترجمہ: ''مریض کو طواف کرایا اور اپنے طواف کی بھی نیت ہے، تو دونوں کے طواف ہوگئے، اگرچہ دونوں کے دو قسم کے طواف ہوں''۔

(عالمگیری، جلد 1، ص:236)

سعی میں پیدل چلنا واجب ہے لیکن اگر عذر ہو تو سواری، ڈولی یا ویل چیر پر سعی کرسکتا ہے، لیکن اگر بغیر عذر سواری پر سعی کی تو دم لازم ہوگا۔ علامہ زین الدین بن ابراہیم المعروف ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

أَنَّ الْمَشْيَ فِيهِ وَاجِبٌ حَتّٰى لَوْ سَعٰى رَاكِبًا مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ لَزِمَهٗ دَمٌ۔

ترجمہ: ''سعی میں پیدل چلنا واجب ہے، اگر کسی عذر کے بغیر سواری پر سعی کی تو دَم لازم ہوگا''۔ (البحر الرائق، جلد 2، ص:573)

ایک عمرے کی ادائیگی کے بعد دوسرے عمرے کی نیت کے لیے حدودِ حرم سے باہر جانا ضروری ہے۔ مقامِ تنعیم (مسجدِ عائشہ)، جِعرانہ، عرفات اور جدہ، مکہ میں رہنے والوں کے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

لیے یہ چار مقامات حِل ہیں، حدودِ حرم اور میقات کے درمیانی مقامات کو "حِل" کہا جاتا ہے، مکی کو عمرہ ادا کرنا ہو تو وہ حدودِ حرم کے باہر جا کر احرام باندھے گا، یعنی آپ مسجد عائشہ جا کر احرام باندھ کر طواف کر سکتے ہیں۔ آپ سعی کے پھیروں کے درمیان سستانے یعنی دوبارہ تقویت پانے کی خاطر کچھ دیر بیٹھ سکتے ہیں، اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں بلکہ آپ میلین اخضرین کے درمیان دوڑ نہیں سکتے ہیں تو عام چال چلیں جیسا کہ ترمذی میں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ظاہر و باہر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا
ترجمہ: "اللہ کسی انسان کو اُس کی قوتِ برداشت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا (یعنی کسی ایسے حکم شرعی کے لیے مکلّف نہیں بناتا)"۔ (البقرہ:286)

مُعتمِر کا حلق یا قصر کرائے بغیر حدودِ حرم سے نکل جانے کا حکم

سوال:
ایک شخص عمرہ کرنے گیا اور حلق کیے بغیر وطن واپس آ گیا، یہاں آ کر اُس نے حلق کر لیا تو شرعی حکم کیا ہے، نیز اگر حلق سے پہلے بیوی سے تعلق قائم کیا تو شرعی حکم کیا ہے؟۔
(مولانا محمد انور، امام وخطیب جامع مسجد قبا، لیاقت آباد، کراچی)

جواب:
عمرے کی ادائیگی میں حلق یا قصر کرنا واجب ہے، عمرہ میں حلق یا تقصیر کے لیے وقت کی کوئی تخصیص نہیں ہے جیسا کہ حج میں حلق یا قصر فوری واجب ہوتا ہے، عمرہ میں فوری واجب نہیں ہے۔ علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر الفرغانی لکھتے ہیں:
وَالتَّقۡصِیۡرُ وَالۡحَلۡقُ فِی الۡعُمۡرَۃِ غَیۡرُ مُؤَقَّتٍ بِالزَّمَانِ بِالۡاِجۡمَاعِ، فَاِنۡ لَّمۡ یُقَصِّرۡ حَتّٰی رَجَعَ وَقَصَّرَ فَلَاشَیۡءَ عَلَیۡہِ فِیۡ قَوۡلِہِمۡ جَمِیۡعًا۔
ترجمہ: "عمرہ میں حلق اور تقصیر کے لیے بالاتفاق کوئی خاص وقت مُقرر نہیں ہے، پس اگر عمرہ کرنے والا حلق یا قصر کرائے بغیر (حدودِ) حرم سے باہر نکل جائے اور پھر دوبارہ آ کر حلق یا قصر کرالے تو اُس پر دَم لازم نہیں ہے، تمام ائمہ کا اِس پر اتفاق ہے"۔ (ہدایہ، جلد2، ص:289)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اگر حدودِ حرم سے باہر حلق یا قصر کیا تو اس کے ذمے دم لازم ہوگا اور یہ دم وہ حرم کی زمین پر ہی دے گا۔

علامہ برہان الدین المرغینانی لکھتے ہیں: ''وَمَنِ اعْتَمَرَ، فَخَرَجَ مِنَ الْحَرَمِ وَقَصَّرَ، فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُف رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى لَا شَيْءَ عَلَيْهِ''۔

ترجمہ: ''اور جس نے عمرہ کیا اور (حلق یا قصر کیے بغیر) حدودِ حرم سے باہر نکل گیا اور وہاں قصر کیا تو اُس پر امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دم لازم ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: اُس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے (یعنی امام ابو یوسف کے نزدیک معتمر کے لیے مطلقاً حلق یا قصر لازم ہے، حدودِ حرم میں ضروری نہیں ہے)، اور اگر حدودِ حرم سے باہر جانے کے بعد قصر نہ کیا یہاں تک کہ حرم میں واپس لوٹ آیا اور قصر کیا تو تینوں ائمہ کے نزدیک اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے''۔

(الہدایہ، ج:2، ص:88-287، مکتبۃ البشریٰ)

اگر حلق یا قصر کرانے سے پہلے عورت سے مختلف مجلسوں میں مباشرت (Intercourse) کی تو جتنی بار مباشرت کی ہے، اتنی بار بکری کا بطورِ دَم دینا لازم ہوگا، لیکن اگر حلق کرانے کے بعد مباشرت کی ہو، تو دَم نہیں ہے۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ''وَإِنْ جَامَعَ فِي الْعُمْرَةِ قَبْلَ أَنْ يَّطُوْفَ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ فَسَدَتْ عُمْرَتُهُ فَيَمْضِيْ فِيْهَا وَيُقْضِيْهَا وَعَلَيْهِ شَاةٌ، وَإِنْ جَامَعَ بَعْدَ مَا طَافَ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ أَوْ أَكْثَرَ فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَلَا تَفْسُدُ عُمْرَتُهُ، كَذَا فِي ''الْهِدَايَةِ'' وَإِذَا جَامَعَ الْمُعْتَمِرُ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى فِيْ مَجْلِسَيْنِ، فَعَلَيْهِ بِالثَّانِيْ شَاةٌ، وَكَذٰلِكَ لَوْ جَامَعَ بَعْدَ مَا فَرَغَ مِنَ السَّعْيِ، كَذَا فِي ''الْإِيْضَاحِ''، هٰذَا إِذَا كَانَ قَبْلَ الْحَلْقِ وَإِنْ كَانَ بَعْدَ الْحَلْقِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ، هٰكَذَا فِي ''شَرْحِ الطَّحَاوِيْ''۔

ترجمہ: اور اگر مُعتمر نے طواف کے چار چکر پورے کرنے سے پہلے جماع کیا، تو اُس کا عمرہ

فاسد ہوگیا، تو اُسے پورا کرے اور پھر اُس کی قضا کرے اور اُس پر ایک بکری دم دینا واجب ہے اور اگر مُعْتَمِر نے طواف کے چار چکر یا اس سے زیادہ پورے کرنے کے بعد جماع کیا تو اُس پر ایک بکری دَم دینا واجب ہے اور اس صورت میں اُس کا عمرہ فاسد نہیں ہوگا (یعنی وہ اپنے عمرے کے افعال حسبِ ترتیب پورا کرے گا)، ''ہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔ اور جب معتمر نے یکے بعد دیگرے دو مجلسوں میں جماع کیا، تو دوسری بار کرنے پر بھی اس پر ایک بکری دم دینا واجب ہوگا (یعنی وہ مختلف مجالس میں جتنی بار جماع کرے گا، ہر بار اُس پر ایک بکری دَم دینا واجب ہوگا) اور اسی طرح اگر معتمر نے سعی سے فراغت کے بعد اور حلق سے پہلے ایک سے زائد بار مختلف مجلسوں میں جماع کیا تو ہر بار اس پر ایک دَم واجب ہوگا) ''ایضاح'' میں اسی طرح ہے۔ اور ہر بار جماع کرنے پر دم دینے کا یہ حکم اُس صورت میں ہے کہ حلق سے پہلے جماع کرے اور اگر حلق کے بعد جماع کرے، تو اُس پر کچھ لازم نہیں ہے، ''شرح الطحاوی'' میں اسی طرح ہے''۔ (فتاویٰ عالمگیری، ج:1، ص:245)

دوسری بار الگ مجلس میں جماع کرنے پر دم دینے کا حکم صرف اس صورت میں ہے کہ وہ عمرے کے احرام سے باہر آنے کا قصد نہ کرے اور اگر وہ دوسری بار جماع کرنے پر عمرے سے باہر آنے کا قصد کرے تو پھر اس پر ہر بار بکری بطور دَم دینا واجب نہیں ہے، علامہ نظام الدین لکھتے ہیں: ''وَاِنْ کَانَ الجِمَاعُ الثَّانِي عَلیٰ وَجْهِ الرَّفْضِ، فَلَا دَمَ عَلَيْهِ لِلثَّانِي، کَذَا فِي ''المُحِيط''''۔ (عالمگیری، ج:1، ص:245)

حج کا حکم

سوال:

میں ریلوے کا ریٹائرڈ ملازم ہوں، جو مراعات ملیں اُس سے بچوں کی شادی کردی، 2010ء میں حج کے لیے گیا، عمرہ کیا اور جمعے کے روز نمازِ جمعہ سے فراغت کے بعد ہوٹل کے لیے پیدل چلا، راستہ بھٹک کر تقریباً 9-8 کلومیٹر دور نکل گیا، رات کو تھکان کے سبب جلد سو گیا، صبح ہسپتال میں داخل کرادیا گیا کیونکہ ڈبل نمونیا ہوگیا تھا۔ پندرہ روز ہسپتال میں

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

رہا، اس دوران حج ہوگیا، مگر ڈاکٹر میری حالت کو دیکھتے ہوئے عرفات نہ لے جا سکے۔ اس سے پیشتر میں قربانی کی رقم بینک میں جمع کرا چکا تھا، میرے ساتھیوں نے میری جانب سے کنکریاں بھی ماریں۔ میں تو حج کی نیت سے گیا تھا لیکن بیماری نے نہ کرنے دیا۔ اب میرے پاس صرف اتنی رقم ہے کہ یا تو میں دوبارہ حج کے لیے جاؤں یا اپنے دو فارغ بیٹوں کو کوئی کاروبار کروادوں۔ برائے مہربانی میری رہنمائی کیجیے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟۔

(جاوید لودھی، 2 کورٹ اسٹریٹ، نزد ضلع کچہری، لاہور)

جواب:

آپ نے جو صورتِ حال بیان کی ہے، اُس کے مطابق آپ کا حج ادا نہیں ہوا، کیونکہ حج کا رُکنِ اعظم وقوفِ عرفہ ہے، جو آپ ادا نہیں کر سکے۔ آپ کی طرف سے جو قربانی کی گئی وہ نفلی قربانی ہوئی۔ چونکہ آپ اب بھی صاحبِ استطاعت ہیں، اِس لیے آپ پر حج کی ادائیگی لازم ہے۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اِنْ کَانَ لَہٗ دَارٌ یَسْکُنُھَا وَعَبْدٌ یَسْتَخْدِمُہٗ وَثِیَابٌ یَلْبِسُھَا وَمَتَاعٌ یَحْتَاجُ اِلَیْہِ لَا تَثْبُتُ بِہِ الْاِسْتِطَاعَۃُ وَفِی التَّجْرِیْدِ اِنْ کَانَ لَہٗ دَارٌ لَا یَسْکُنُھَا وَعَبْدٌ لَا یَسْتَخْدِمُہٗ فَعَلَیْہِ أَنْ یَبِیْعَہٗ وَیَحُجَّ بِہٖ وَاِنْ لَمْ یَکُنْ لَہٗ مَسْکَنٌ وَلَا شَیْئٌ مِنْ ذٰلِکَ وَعِنْدَہٗ دَرَاھِمُ یَبْلُغُ بِھَا الْحَجَّ أَوْ یَبْلُغُ ثَمَنَ مَسْکَنٍ وَخَادِمٍ وَطَعَامٍ وَقُوْتٍ فَعَلَیْہِ الْحَجُّ فَاِنْ جَعَلَھَا فِیْ غَیْرِ الْحَجِّ أَثِمَ کَذَا فِی الْخُلَاصَۃِ۔

ترجمہ: ''اگر کسی شخص کے پاس گھر ہے اور وہ اس میں سکونت پذیر ہے اور اس کے پاس ایک غلام ہے جو اُس کی خدمت کرتا ہے اور کپڑے ہیں جن کو وہ پہنتا ہے اور گھریلو سامان ہے جس کے استعمال کی اس کو ضرورت ہوتی ہے، (ان چیزوں کے مالک ہونے سے) حج کی استطاعت ثابت نہیں ہوتی''۔ اور تجرید میں ہے: ''اگر اُس شخص کے پاس مکان ہے مگر اُس میں رہائش اختیار نہیں کرتا، خدمت کے لیے غلام موجود ہے لیکن اُس سے خدمت نہیں لیتا، تو اُس پر لازم ہے کہ اُسے فروخت کر کے حج کرے اور اگر کسی کے پاس اتنی رقم ہے،

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جس سے یا تو حج کر لے یا مکان، غلام وغیرہ خرید لے (اور خریدنے کے بعد حج کے لیے رقم نہیں بچے گی) تو اُس پر حج کرنا فرض ہے، اگر کسی اور کام میں وہ رقم خرچ کی تو گناہگار ہوگا، اسی طرح خلاصۃ الفتاوی میں ہے"۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص:217)

اسی طرح جن لوگوں کے پاس نقد فاضل رقم اتنی نہیں ہے کہ حج کر سکے، لیکن اُس نے پلاٹ لے کر رکھے ہوئے ہیں یا ضرورت سے زیادہ زرعی زمین ہے، تو اتنی مقدار فروخت کر کے حج کرے۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

قربانی کے مسائل

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ماہ ذوالحجہ میں ناخن اور بال کٹوانے کا حکم

سوال:

کیا یکم ذوالحجہ سے عید الاضحیٰ کے دن تک ناخن اور بال کٹوانے کی ممانعت ہے؟۔

(محمد رمیز، سیکٹر D-11 نارتھ کراچی)

جواب:

ایسا شخص جو قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ یکم ذوالحجہ سے عید الاضحیٰ کے دن تک یا جس دن قربانی کرے گا، اُس وقت تک ناخن اور بال نہ ترشوائے، اِس حکم پر عمل کرے تو بہتر ہے، نہ کرے تو مضائقہ نہیں۔ حدیثِ پاک میں ہے:

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَنْ رَأٰی هِلَالَ ذِی الحِجَةِ وَأَرَادَأَنْ یُضَحِّیَ فَلَایَأخذَنَّ مِن شَعرِہٖ وَلَا مِنْ أَظفَارِہٖ۔

ترجمہ: ''حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو جب تک قربانی نہ کرلے، بال اور ناخنوں سے کچھ نہ لے یعنی اِنہیں نہ ترشوائے''۔ (سُنن ترمذی:1523)

علامہ علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

وَقَالَ أَبُوحَنِیفَةَ: هُوَمُبَاحٌ وَلَایُکرَہُ وَلَایُستَحَبُّ، وَقَالَ أَحْمَدُ بِتَحْرِیمِہٖ، کَذَافِی ''رَحْمَةِ الأُمَّةِ فِی اِخْتِلَافِ الأَئِمَّةِ''۔

ترجمہ: ''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ مباح ہے، نہ مکروہ ہے اور نہ ہی مستحب ہے۔ اور امام احمد نے اس کے حرمت کا قول کیا ہے (ظاہر ہے اس سے مکروہِ تحریمی مراد ہے)، ''رَحْمَةُ الأُمَّةِ فِی اِخْتِلَافِ الأَئِمَّةِ'' میں اسی طرح ہے''۔ (مرقاۃ، جلد 3، ص:307)

احادیث مبارکہ میں طہارت ونظافت کے احکام میں ناخن تراشنے، مونچھیں پست کرانے اور موئے زیرِ ناف دور کرنے کے لیے جو انتہائی مدت بیان کی گئی ہے، وہ چالیس روز ہے، اِس سے زائد مدت تک چھوڑے رہنا ممنوع ومکروہ ہے۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

قَالَ اَنَسٌ: وُقِّتَ لَنَا فِيْ قَصِّ الشَّارِبِ، وَتَقْلِيْمِ الْاَظْفَارِ، وَنَتْفِ الْاِبِطِ، وَحَلْقِ الْعَانَةِ

أَنْ لَا نَتْرُكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مونچھیں کاٹنے، ناخن ترشوانے، بغل کے بال لینے اور زیرِ ناف بال دور کرنے کے لیے یہ میعاد مقرر کی گئی کہ چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑیں''۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث:599)

امام احمد رضا قادری قُدِّسَ سِرُّہُ العزیز لکھتے ہیں: ''اگر کسی شخص نے ۳۱ دن سے کسی عذر کے سبب خواہ بلاعذر ناخن نہ تراشے ہوں نہ خط بنوایا ہو کہ چاند ذی الحجہ کا ہوگیا، تو وہ اگرچہ قربانی کا ارادہ رکھتا ہو، اس مستحب پر عمل نہیں کرسکتا کہ اب دسویں تک رکھے گا تو ناخن وخط بنوائے ہوئے اکتالیسواں دن ہوجائے گا، اور چالیس دن سے زیادہ نہ بنوانا گناہ ہے۔ فعلِ مستحب کے لیے گناہ نہیں کرسکتا۔

فِيْ رَدِّ الْمُحْتَارِ فِيْ شَرْحِ الْمُنْيَةِ وَفِي الْمُضْمَرَاتِ: عَنِ ابْنِ مُبَارَكٍ فِيْ تَقْلِيْمِ الْاَظْفَارِ وَحَلْقِ الرَّأْسِ فِيْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ، قَالَ: لَا تُؤَخِّرُ السُّنَّةَ. وَقَدْ وَرَدَ ذٰلِكَ وَلَا يَجِبُ التَّاْخِيْرُ اهـ. فَهٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلَى النَّدْبِ بِالْاِجْمَاعِ، لِاَنَّ نَفْيَ الْوُجُوْبِ لَا يُنَافِي الْاِسْتِحْبَابَ. فَيَكُوْنُ مُسْتَحَبًّا، لِاَنَّ اِسْتِلْزَامَ الزِّيَادَةِ عَلٰى وَقْتِ اِبَاحَةِ التَّاْخِيْرِ، وَنِهَايَتُهٗ مَا دُوْنَ الْاَرْبَعِيْنَ فَلَا يُبَاحُ فَوْقَهَا۔

ترجمہ: ''ردالمحتار میں ہے: ''منیہ'' کی شرح اور ''مضمرات'' میں ابن المبارک سے نقل کیا کہ ذوالحجہ کے دس دنوں میں ناخن کاٹنے اور سر منڈانے کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ سنت کو موخر نہ کیا جائے جبکہ اس کے متعلق حکم وارد ہے تاہم تاخیر واجب نہیں ہے اھ۔ تو یہ بالاجماع استحباب پر محمول ہے کیونکہ وجوب کی نفی استحباب کے منافی نہیں ہے، لہٰذا مستحب ہے، ہاں! اگر اباحت کی مدت کی انتہا چالیس روز ہے، تو اس سے زیادہ تاخیر مباح نہ ہوگی''، (فتاویٰ رضویہ، جلد 20، ص:354)۔ بہتر اور افضل یہ ہے کہ جو مسلمان قربانی کا ارادہ رکھتے ہیں، انہیں ذی الحجہ کے چاند سے ایک دو دن پہلے طہارت یعنی ناخن تراشنے، مونچھیں اور ضرورت

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

سے زیادہ بال کٹوا لینے چاہییں تاکہ مستحب پر عمل کرنے میں ترکِ سنّت لازم نہ آئے۔

آسٹریلوی گائے کی قربانی کا حکم

سوال: کیا آسٹریلوی گائے کی قربانی جائز ہے۔ اُس کے بارے میں یہ افواہ بھی ہے کہ اُسے حرام جانور کے مادّہ منویہ سے حاملہ کرایا جاتا ہے تاکہ اس سے دودھ کی زیادہ مقدار حاصل ہو۔ ایسی گایوں کا شرعی حکم کیا ہے؟، (محمد ابدال، سرجانی ٹاؤن)۔

جواب: آسٹریلوی گائے کی قربانی جائز ہے۔ فقہی رائے کا مدار افواہوں یا سنی سنائی باتوں پر نہیں ہوتا، صرف اُن باتوں پر ہوتا ہے، جو قطعی ثبوت یا مشاہدے سے ثابت ہوں، اسی لیے مُسلمہ اصول ہے کہ: "یقین شک سے زائل نہیں ہوتا"۔ تاہم اگر یہ بات درست بھی ہو، تب بھی یہ گائیں حلال ہیں، ان کا گوشت کھانا اور دودھ پینا جائز ہے۔ اس لیے کہ جانور کی نسل کا مدار ماں (یعنی مادہ جانور) پر ہوتا ہے۔ علامہ برہان الدین المرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

وَالْمَوْلُودُ بَیْنَ الأَهْلِیِّ وَالْوَحْشِیِّ یَتْبَعُ الأُمَّ لِأَنَّهَا هِیَ الأَصْلُ فِی التَّبْعِیَّةِ حَتّٰی إِذَا نَزَا الذِّئْبُ عَلَی الشَّاةِ یُضَحّٰی بِالْوَلَدِ

ترجمہ: "اور جو بچہ جانور پالتو اور وحشی جانور کے ملاپ سے پیدا ہو، وہ (بچہ) ماں کے تابع ہوتا ہے، کیونکہ بچے کے تابع ہونے میں ماں ہی اصل ہے، یہاں تک کہ اگر بھیڑیے نے بکری پر جفتی کی، تو اس ملاپ سے جو بچہ پیدا ہوگا، اس کی قربانی جائز ہے"۔ اس کی شرح میں علامہ محمد بن محمود بن احمد حنفی اپنی شرح ہدایہ "عنایہ" میں لکھتے ہیں:

لِأَنَّهُ جُزْءُهَا وَلِهٰذَا یَتْبَعُهَا فِی الرِّقِّ وَالْحُرِّیَّةِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْمُنْفَصِلَ مِنَ الْفَحْلِ هُوَ الْمَاءُ، وَأَنَّهُ غَیْرُ مَحَلٍّ لِهٰذَا الْحُکْمِ، وَالْمُنْفَصِلُ مِنَ الْأُمِّ هُوَ الْحَیَوَانُ وَهُوَ مَحَلٌّ لَهُ فَاعْتُبِرَ بِهَا۔

ترجمہ: "کیونکہ بچہ ماں کا جزء ہوتا ہے اور اسی لیے آزاد یا غلام ہونے میں ماں کے تابع ہوتا ہے (یہ اُس دور کی بات ہے جب غلامی کا رواج تھا)، یہ اس لیے کہ نر کے وجود سے نطفہ جدا ہوتا ہے اور وہ قربانی کا محل نہیں ہے اور ماں کے وجود سے حیوان جدا ہوتا ہے اور وہ قربانی کا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

محل ہے، پس اسی کا اعتبار کیا گیا ہے''۔ (فتح القدیر، جلد 9،ص:532)
اور آج کل تو مغرب میں انسانوں کو اسی حیوانی درجے میں پہنچادیا گیا ہے، اسی لیے باپ کے بجائے ماں کا نام پوچھا جاتا ہے، کیونکہ بہت سے لوگوں کو اپنے باپ کا پتا ہی نہیں ہوتا، جب کہ اسلامی تعلیمات کی رُو سے انسانوں میں نسب باپ کی طرف سے چلتا ہے۔

قربانی کے کسی حصے دار کی وفات کی صورت میں قربانی کا حکم

سوال:
اگر سات افراد نے قربانی کی نیت سے ایک گائے خریدی اور اُن میں سے ایک حصے دار قربانی کا دن آنے سے پہلے قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا، تو اب اُس قربانی کا کیا حکم ہے؟۔ (معاذ منور، لیاقت مارکیٹ ملیر کراچی)

جواب:
اگر وفات پانے والے حصے دار کے وارثوں نے دیگر شرکاء کو اجازت دے دی کہ اُسے اپنی اور اُس کی طرف سے ذبح کردو، تو استحساناً سب کی قربانی جائز ہوجائے گی، کیونکہ سب کی نیت تقرُّبِ الٰہی یعنی عبادت کی ہے اور اگر انہوں نے فوت شدہ شریک کے وارثوں کی اجازت کے بغیر ذبح کردیا تو سب کی قربانی ادا نہیں ہوگی۔ تنویر الابصار مع در المختار میں ہے:
(وَاِنْ مَاتَ اَحَدُ السَّبْعَةِ)اَلْمُشْتَرَكِيْنَ فِي الْبَدَنَةِ(وَقَالَ الْوَرَثَةُ اِذْبَحُوْا عَنْهُ وَعَنْكُمْ صَحَّ) عَنِ الْكُلِّ اِسْتِحْسَانًا لِقَصْدِ الْقُرْبَةِ مِنَ الْكُلِّ، وَلَوْذَبَحُوْهَا بِلَا اِذْنِ الْوَرَثَةِ لَمْ يُجْزِهِمْ لِاَنَّ بَعْضَهَا لَمْ يَقَعْ قُرْبَةً۔
ترجمہ: ''اور اگر ایک قربانی کے سات شرکاء میں سے ایک فوت ہوگیا اور اس کے وارثوں نے شرکاء سے کہا کہ اُسے اپنی اور اس کی طرف سے ذبح کردو، تو سب کی قربانی استحساناً صحیح ہو جائے گی، کیونکہ سب کی نیت قُربتِ الٰہی یعنی عبادت کی ہے اور اگر دیگر شرکاء نے وفات یافتہ شریک کے وارثوں کی اجازت کے بغیر ذبح کردیا، تو سب کی قربانی ادا نہیں ہوگی، کیونکہ بعض کی طرف سے قُربتِ الٰہی کی نیت نہیں تھی''۔ اس کی شرح میں علامہ ابن عابدین شامی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

لکھتے ہیں: ''بدائع الصنائع'' میں کہا: کیونکہ موت میّت کی طرف سے تقرُّب الٰہی (کسی مالی یابدنی عبادت کے ایصالِ ثواب) میں مانع نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا اور نفلی حج کرنا جائز ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ نے دو مینڈھے ذبح کیے، ایک اپنی جانب سے اور دوسرا اپنی اُمت کے اُن لوگوں کی جانب سے جو قربانی کی استطاعت نہیں رکھتے، حالانکہ اُن میں سے بعض اس قربانی سے پہلے وفات پاچکے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو اُن پر ولایت حاصل تھی''۔

(ردالمحتار، جلد9، ص:395)

قربانی کا بدل مالی صدقہ نہیں ہے

سوال:

اس سال ہمارے ملک میں تباہ کن سیلاب آیا ہے، جس سے کافی جانی و مالی نقصان ہوا ہے، اسی طرح وزیرستان میں آپریشن ضربِ عضب کی وجہ سے لاکھوں لوگ بے گھر ہیں، تو کیا قربانی کو موقوف کرکے یہ رقم ان متاثرین کی مدد پر صرف کی جاسکتی ہے؟

(سید شفاعت علی، گلشن اقبال کراچی)

جواب:

وہ عبادات جو شریعت میں مقرر ہیں، وہ بجائے خود مقصود ہیں اور ان کو شارع کے حکم کے مطابق بجالانا ضروری ہے۔ لہٰذا قربانی لازم ہے اور مالی صدقہ اس کا مُتبادل نہیں ہوسکتا۔ قربانی، جسے عربی میں ''اُضْحِیَہ'' کہتے ہیں، گوشت پوست کے حصول کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کی حقیقت اور روح ایامِ قربانی میں عبادت اور تقرُّب الٰہی کی نیت سے شریعت کی مقررہ شرائط کے مطابق جانور ذبح کرنے کا نام ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قربانی کے دن بنی آدم کا کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں (قربانی کی نیت سے) جانور کا خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے، اور یہ (قربانی کا جانور) قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اور کھروں سمیت (یعنی سالم وجود کے ساتھ) آئے گا اور (قربانی کے جانور کا خون) یقیناً زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتبۂ قبول کو پالیتا ہے، سو (اے اہلِ ایمان!) تم خوش دلی سے قربانی کیا کرو''۔(سُنن ترمذی:1493)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ قربانی کی حقیقت اور اصل عبادت ''اِھراقُ الدم'' یا ''اِراقۃُ الدم'' ہے، جس کے معنی ہیں: خون بہانا، یعنی شرعی شرائط کے مطابق ذبح کرنا، جو خون بہانے کا سبب ہے''۔اس حکمت کو اللہ عزوجلّ نے بیان فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان (قربانی کے جانوروں) کا نہ گوشت پہنچتا ہے اور نہ ہی اُن کا خون، بلکہ (اس عمل قربانی سے مقصود) تقویٰ ہے، جو اس کی بارگاہ میں پہنچتا ہے''۔(الحج:37)

ہاں! اپنے وطن کے مصیبت زدہ بھائیوں کی اپنی بساط کے مطابق ہر ممکن مدد کرنا بھی ہمارے دین اور ایمان کا تقاضا ہے اور پوری قوم کو اس ذمے داری سے عہدہ برآ ہونا چاہیے۔

قربانی کا جانور سالم خریدا، پھر عیب دار ہو گیا

سوال:

ایک شخص نے قربانی کا جانور خریدا، جو ہر عیب سے پاک تھا اور قربانی کے شرعی معیار پر پورا اترتا تھا، مگر قربانی کے دن آنے سے پہلے وہ عیب دار ہو گیا، کیا اُس کی قربانی اُس شخص کے لیے جائز ہے؟ اور اگر وہ جانور قربانی کا وقت آنے سے پہلے قضائے الٰہی سے مر گیا، اُس شخص کے لیے کیا حکم ہے؟۔(شوکت علی خان، لاہور)۔

جواب:

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے: اگر (کسی نے) قربانی کا جانور سالم خریدا، پھر اس میں ایسا عیب پیدا ہو گیا،، جس کی بنا پر قربانی صحیح نہیں ہو سکتی، تو اگر وہ شخص مال دار ہے، تو اس کی جگہ دوسرا جانور (قربانی کے معیار کے مطابق) خریدے۔اور اگر وہ شخص فقیر ہے، تو اسی عیب دار جانور کی قربانی اس کے لیے کافی ہے۔اسی طرح اگر فقیر نے قربانی کی نیت سے عیب دار جانور خریدا، تو وہ اس کی قربانی کر سکتا ہے، کیونکہ اس پر (عنداللہ) قربانی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

واجب نہیں ہے۔اس کے برعکس اگر مال دار شخص نے قربانی کی نیت سے عیب دار جانور خریدا، تو اُس کی قربانی اس کے لیے جائز نہیں ہے، (یعنی وہ اس کی جگہ بے عیب جانور خرید کر قربانی کرے)۔البتہ مال دار شخص نے قربانی کے لیے بے عیب جانور خریدا تھا اور ذبح کے وقت اچھل کود کی وجہ سے اس جانور میں عیب پیدا ہوگیا، تو وہ اُسی جانور کو ذبح کرے، (اس کی قربانی درست ہے)۔اسی طرح ایک شخص نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا اور قضائے الٰہی سے وہ جانور مرگیا، تو اگر وہ شخص فقیر ہے تو اس پر دوسرا جانور خرید کر قربانی دینا لازم نہیں ہے۔اور اگر وہ شخص مال دار ہے، تو اس پر لازم ہے کہ دوسرا جانور خرید کر ذبح کرے"۔(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 9، ص: 394)

بیرونِ ملک مقیم مسلمانوں کی پاکستان میں قربانی کے لیے وہاں کے ایامِ نحر کا اعتبار ہوگا

سوال:

ایک شخص بیرونِ ملک مقیم ہے، اُس نے اپنی قربانی کے لیے پاکستان میں کسی کو وکیل بنایا۔اُن ممالک اور پاکستان کے وقت میں کافی فرق ہے، وہاں رات ہوتی ہے تو یہاں دن ہوتا ہے۔بعض اوقات وہاں عید پاکستان سے ایک یا دو دن پہلے ہوتی ہے یعنی اُن کے ایامِ نحر "دس تا بارہ ذوالحجہ" ہم سے ایک یا دو دن پہلے ختم ہوجاتے ہیں۔تو یہاں جب بطور وکیل اس کی قربانی کی جائے گی، تو وہاں کی تاریخ کا اعتبار ہوگا یا پاکستان کا، کیونکہ اس سال پاکستان میں پیر کو عید الاضحیٰ کا دن تھا اور وہاں بعض جگہ اتوار کو اور بعض جگہ ہفتے کے دن؟۔

(اختر عبداللہ، ہیوسٹن امریکا)

جواب:

بیرونِ ملک سے مسلمان بڑی تعداد میں رفاہی اداروں کو قربانی کے لیے اپنا وکیل بناتے ہیں اور بعض لوگوں کو شخصی طور پر وکیل بنایا جاتا ہے اور آج کل بعض اوقات مختلف ممالک میں عید الاضحیٰ میں ایک یا دو دن کا فرق واقع ہوجاتا ہے، چونکہ قربانی عبادت ہے

Scanned with CamScanner

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اور بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے، اس لیے اِس مسئلے کو فقہی اصولوں کے مطابق عوام اور رفاہی اداروں کی رہنمائی کے لیے حل کیا جائے، چنانچہ ہم نے اِس پر تفصیلی غور وخوض کیا اور ہمارا فقہی موقف درج ذیل ہے:

اس حوالے سے ہماری قدیم کُتبِ فتاویٰ میں صراحت نہیں ہے، کیونکہ اس وقت ذرائعِ ابلاغ اتنے ترقی یافتہ نہیں تھے۔ اس لیے ہمارے فقہائے کرام کے سامنے شہر یا دیہات یا دوشہروں کی مثالیں تھیں، اس لیے اُن کے بیان کردہ مسائل اِس صورتِ حال کے مطابق ہیں کہ قربانی نمازِ عید الاضحیٰ سے پہلے ہو یا بعد میں۔ یعنی اگر قربانی شہر میں کی جارہی ہے، تو شہر میں پڑھی جانے والی پہلی نمازِ عید الاضحیٰ کے بعد ہونی چاہیے، خواہ جس کی قربانی ہورہی ہے، وہ دیہات میں ہی کیوں نہ ہو اور اگر قربانی دیہات میں ہورہی ہے، جہاں نمازِ عید نہیں ہوتی تو دس ذوالحجہ کی طلوعِ فجر کے بعد ہوسکتی ہے، خواہ صاحبِ قربانی شہر میں ہو۔ قربانی کے جواز کے لیے مقامِ ذبح کا اعتبار ہے، مذبوح عنہ (یعنی جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے) اس کا اعتبار نہیں ہے، یہ اس حد تک درست ہے۔ لیکن فی نفسہٖ قربانی کے وجوبِ ادا کا سبب وقت یعنی صاحبِ قربانی کے لیے ایامِ قربانی کا ہونا ہے۔ اسی لیے ہمارے فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر سات اشخاص نے مل کر قربانی کی ایک گائے خریدی اور 9 ذوالحجہ کو ایک شریک کا انتقال ہوگیا، تو اگر اس کے ورثاء اجازت دے دیں، تو سب کی قربانی جائز ہوجائے گی، ورنہ کسی کی بھی جائز نہیں ہوگی، کیونکہ کسی صاحبِ نصاب مسلمان پر قربانی کا ادا کرنا اُس وقت واجب ہوگا، جب اُس کا ''یوم النحر'' شروع ہوجائے اور 9 ذوالحجہ یوم النحر نہیں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر صاحبِ قربانی کینیڈا میں ہے، تو اس کے لیے وہاں کے ایامِ نحر معتبر ہوں گے، پس اگر وہاں یومِ عید ہفتہ کے روز واقع ہوا ہے، تو یہاں پاکستان میں اس کی قربانی پیر تک ہی ہوسکے گی اور اگر وہاں یومِ عید اتوار کو ہے، تو یہاں اس کی قربانی منگل تک ہوسکے گی، البتہ قربانی کے وقت کے لیے مقامِ ذبح کا اعتبار ہوگا۔

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

(وَ سَبَبُهَا الْوَقْتُ) وَهُوَ اَيَّامُ النَّحْرِ وقِيْلَ الرَّأْسُ وَقَدَّمَهُ فِي ''التتارخانيه''۔

ترجمہ: ''اور قربانی کا سبب وقت ہے اور وہ ایامِ نحر (قربانی کے دن) ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ رأس (مسلم عاقل و بالغ صاحبِ نصاب یعنی عبدِ مُکلّف کی ذات) ہے اور فتاویٰ ''تتارخانیہ'' میں اسے مقدم رکھا''۔ اس کی شرح میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

سَبَبُ الْحُكْمِ مَاتَرَتَّبَ عَلَيهِ الْحُكْمُ مِمَّا لَايُدرِكُ الْعقلُ تَاْثِيرَهٗ وَلَايَكُونُ بِصَنعِ الْمُكَلّفِ كَالْوَقْتِ لِلصَّلٰوةِ۔۔۔۔ الى اَن قَالَ ثُمَّ حَقَّقَ اَنّ السَّبَبَ هُوَالْوَقْتُ، لِاَنّ السَّبَبَ اِنَّمَا يُعْرَفُ بِنِسْبَةِ الْحُكْمِ اِلَيهِ وَتَعَلُّقِهٖ بِهٖ، اِذِالْاَصْلُ فِيْ اِضَافَةِ الشَّئ الى الشيئِ اَن يَّكُونَ سَبَبًا۔

ترجمہ: ''کسی حکم کا سبب وہ ہوتا ہے، جس پر وہ حکم مرتب ہوتا ہے، جس کے اثر کا ادراک عقل سے نہیں ہوسکتا اور نہ ہی (عبد) مُکلّف کے کرنے سے ہوتا ہے، جیسے نماز کے لیے وقت۔ آگے چل کر کہا: پھر ثابت ہوا کہ سبب وقت ہی ہے، کیونکہ وہ سبب اس کی طرف حکم کی نسبت یا اس کے ساتھ حکم کے متعلق ہونے سے پہچانا جاتا ہے، کیونکہ ایک چیز کی دوسری چیز کی طرف نسبت میں اصل یہ ہے کہ وہ سبب ہو''۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 9، ص:379)

علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی لکھتے ہیں:

''رہا وجوبِ قربانی کا وقت، تو وہ ایام نحر ہیں، پس وقت داخل ہونے سے پہلے قربانی واجب نہیں ہوگی، کیونکہ واجباتِ مؤقّتہ (Time Bound Obligation Fixed Time Obligation/) مُقررہ اوقات سے پہلے واجب نہیں ہوتے، جیسے نماز، روزہ وغیرہ اور ''ایامِ نحر'' تین ہیں اور وہ ہیں، دس ذوالحجہ کی طلوع فجر سے بارہ ذوالحجہ کے غروب آفتاب تک۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: کیونکہ عبادات اور قربانیوں کا وقت نقل و روایت ہی سے معلوم ہوسکتا ہے''۔ (بدائع الصنائع، جلد 5، ص:97)

وہ مزید لکھتے ہیں: ''پس جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، اگر وہ شہر میں ہے اور قربانی کا جانور دیہات میں یا ایسے مقام پر ہے، جہاں نماز عید نہیں ہوتی، اور صاحبِ قربانی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

نے اُن لوگوں کو (وکیل بناکر) کہا تھا کہ اُس کی طرف سے قربانی کریں اور انہوں نے وہاں طلوعِ فجر کے بعد قربانی والے کی عید سے پہلے قربانی کردی، تو اُس کی قربانی ادا ہوگئی۔ اور اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہے کہ صاحبِ قربانی ایسی جگہ ہے جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی اور اس کی قربانی شہر میں ہے جہاں نمازِ عید ہوتی ہے، تو اگر اس صورت میں اُس کی قربانی شہر میں نماز سے پہلے اُس کے وکیل نے کردی، تو اُس کی قربانی ادا نہیں ہوگی، اس لیے قربانی کے جواز کے لیے صاحبِ قربانی کے مقام کا نہیں بلکہ اُس مقام کا اعتبار ہے جہاں قربانی کی جارہی ہے (یعنی محلِ قربانی کا)، امام محمد رحمہ اللہ نے ''نوادر'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور انہوں نے کہا: میں ذبح کے مقام کو دیکھوں گا، جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، اُس (مذبوح عنہ) کے مقام کو نہیں دیکھوں گا۔ امام حسن نے امام ابویوسف سے بھی اسی طرح روایت کی ہے، کیونکہ قربانی کرنا عبادت ہے اور اس کے لیے قربانی کی جگہ کا اعتبار ہوگا، نہ کہ ''مذبوح عنہ'' کے مقام کا۔ البتہ امام حسن بن زیاد نے کہا ہے کہ دونوں جگہوں (مقامِ ذبح اور مقامِ مذبوح عنہ) کا اعتبار کیا جائے کہ دونوں جگہ نمازِ عید ہوجائے اور اگر دوسری جگہ کی عید کا پتا نہ چل سکے تو زوال تک انتظار کرے تاکہ دونوں جگہ کی نمازِ عید ادا ہوجائے'' (بدائع الصنائع، جلد 5، ص: 111)۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اُن کے ذہن میں دونوں مقامات کے بُعد کا اتنا ہی تصور تھا، مگر اب صورتِ حال اس کے برعکس ہے اور دونوں مقامات میں بعض جگہ بارہ گھنٹے کا فرق ہے۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وَلَوْأَنَّ رَجُلًامِن أَهْلِ السَّوَادِ دَخَلَ الْمِصْرَ لِصَلَاةِ الْأَضْحٰى وَأَمرَأَهْلَهٗ أَن يُّضَحُّوْا عَنْهُ، جَازَ أَن يَّذْبَحُوا عَنهُ بَعدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ، قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ: أَنْظُرُ فِي هٰذَا اِلٰى مَوضِعِ الذَّبْحِ دُوْنَ الْمَذْبُوحِ عَنْهُ، كَذَا فِي ''الظَّهِيْرِيَّةِ''، وَعَنِ الْحَسَنِ بن زياد بِخلافِ هٰذَا، وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ وَبِهٖ نَاخُذُ كَذَا فِي ''الْحَاوِي لِلْفَتَاوٰى''۔

ترجمہ: اور اگر ایک شخص دیہات میں ہے اور نمازِ عید الاضحیٰ کے لیے شہر میں آیا اور اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ اس کی قربانی کرلیں، تو اُن کے لیے جائز ہے کہ طلوعِ فجر کے بعد

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

(یعنی شہر میں نمازِ عید سے پہلے) اس کی قربانی کرلیں (کیونکہ مقام ذبح کا اعتبار ہے)،
امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: میں اس مسئلے میں مقامِ ذبح کو دیکھتا ہوں، نہ کہ ''مذبوح عنہ''
کو ''الظہیریہ'' میں اسی طرح ہے، امام حسن بن زیاد کا قول اس کے برعکس ہے اور پہلا قول
صحیح ہے اور ہم اسی کو بطور مذہب اختیار کرتے ہیں، ''الحاوی للفتاویٰ'' میں اسی طرح
ہے''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد5، ص:296)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

قَوْلُہٗ وَاَوَّلُ وَقْتِہَا بَعْدَ الصَّلٰوۃِ فِیہِ تَسَامُحٌ اِذِ التَّضْحِیَۃُ لَایَخْتَلِفُ وَقْتُہَا بِالْمِصْرِ وَغَیْرِہٖ بَلْ شَرْطُہَا، فَاَوَّلُ وَقْتِہَا فِیْ حَقِّ الْمِصْرِیِّ وَالْقَرَوِیِّ، طُلُوْعُ الْفَجْرِ، اِلَّا اَنَّہٗ شُرِطَ لِلْمِصْرِیِّ تَقْدِیْمُ الصَّلٰوۃِ، فَعَدَمُ الْجَوَازِ لِفَقْدِ الشَّرْطِ لَالِعَدَمِ الْوَقْتِ۔

ترجمہ: ''ماتن کا یہ کہنا کہ دس ذوالحجہ کو (شہر میں) قربانی کا ابتدائی وقت نمازِ عید الاضحیٰ کے
بعد ہے، اس میں تسامح ہے، کیونکہ قربانی کا وقت شہر اور دیہات کے لیے (اپنی اصل کے
اعتبار سے) مختلف نہیں ہے (بلکہ ایک ہی ہے البتہ شہری کے لیے) نمازِ عید الاضحیٰ کا پڑھا
جانا شرط ہے، سو شہری اور دیہاتی (دونوں) کے لیے قربانی کا اول وقت (دس ذوالحجہ) کو
طلوعِ فجر ہے، فرق بس اتنا ہے کہ شہری کے لیے شرط ہے کہ نمازِ عید ادا ہو جائے، سو شہر میں
نمازِ عید سے پہلے قربانی کا جائز نہ ہونا شرط کے فقدان کے سبب ہے، نہ کہ اس لیے کہ یہ
قربانی کا وقت نہیں ہے''۔ (شامی، جلد9، ص:385)

شمس الائمہ علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی لکھتے ہیں:

ثُمَّ اَوَّلُ وَقْتِ الْاُضْحِیَۃِ عِنْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ الثَّانِیْ مِنْ یَوْمِ النَّحْرِ اِلَّا اَنَّ فِیْ حَقِّ اَھْلِ الْاَمْصَارِ یُشْتَرَطُ تَقْدِیْمُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْاُضْحِیَۃِ، وَدُخُوْلُ الْوَقْتِ لَایَخْتَلِفُ فِیْ حَقِّ اَھْلِ الْاَمْصَارِ وَالْقَرَوِیِّ اِنَّمَا یَخْتَلِفُوْنَ فِیْ وُجُوْبِ الصَّلٰوۃِ فَلَیْسَ عَلٰی اَھْلِ الْقُرٰی صَلٰوۃُ الْعِیْدِ۔

ترجمہ: ''پھر قربانی کا ابتدائی وقت دس ذوالحجہ کی صبح صادق کے طلوع ہونے کا وقت ہے،
صرف اتنی بات ہے کہ شہریوں کے لیے قربانی سے نمازِ عید الاضحیٰ کا مُقدّم کرنا شرط ہے، ورنہ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

قربانی کا وقت (فی نفسہٖ یعنی اپنی اصل کے اعتبار سے) شہری اور دیہاتی کے لیے مختلف نہیں ہے، دونوں کے حکم میں فرق صرف وجوبِ صلوٰۃ کا ہے کہ دیہاتی پر نمازِ عید واجب نہیں ہے"۔ (المبسوط، جلد 12، ص:13)

اِن عبارات سے معلوم ہوا کہ قربانی کا اصل سبب وقت ہی ہے یعنی صاحبِ قربانی کے ایامِ قربانی ہیں۔ اور ایامِ قربانی کے تعین کے لیے مقامِ قربانی کا نہیں بلکہ صاحبِ قربانی (مذبوح عنہ) کا اعتبار ہوگا، البتہ دن اور رات یا نمازِ عید سے پہلے اور بعد کے لیے مقامِ قربانی کا اعتبار ہوگا۔ پس خلاصۂ کلام یہ کہ اگر یورپی ممالک میں مقیم مسلمانوں کے ایامِ نحر شروع ہوچکے ہیں، مگر پاکستان میں ابھی ایامِ نحر شروع نہیں ہوئے، تو پاکستان میں اُن کی طرف سے قربانی قبل از وقت ہونے کی وجہ سے ادا نہیں ہوگی اور اگر یورپی ممالک میں مقیم مسلمانوں کے ایامِ نحر ختم ہوچکے ہیں، اگرچہ پاکستان میں ایامِ نحر باقی ہیں، لیکن پاکستان میں ان کی طرف سے قربانی بعد از وقت ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہوگی، بعد از وقت قربانی کا صدقہ واجب ہوتا ہے، جانور کا ذبح کرنا صرف ایامِ قربانی کے ساتھ مشروط ہے۔ لہٰذا یورپ و دیگر ممالک میں مقیم مسلمانوں کی پاکستان میں قربانی صرف اُس صورت میں جائز ہوگی کہ جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، اس (یعنی مذبوح عنہ) کے ایامِ قربانی باقی ہوں اور جہاں قربانی کی جارہی ہے، وہاں کے اعتبار سے بھی قربانی کے ایام جاری ہوں اور وقت بھی درست ہو۔ اس مسئلہ کو عام کرنا اس لیے ضروری ہے کہ بیرونِ ملک مقیم لوگوں کی قربانی کی عبادت صحیح طور پر ادا ہو۔ ہم نے اپنے عہد کے ممتاز مفتیانِ عظام علامہ مفتی محمد رفیق حسنی، علامہ مفتی محمد ابراہیم قادری، علامہ مفتی محمد الیاس رضوی اشرفی، مفتی ابوبکر صدیق شاذلی اور مفتی محمد اسماعیل نورانی سے مشاورت کی، اُنہوں نے بھی اس موقف سے اتفاق کیا، فَلِلّٰہِ الحمد (30 اکتوبر 2014ء)

مفتی منیب الرحمٰن

رئیس دارالافتاء دارالعلوم نعیمیہ کراچی

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

مفتی محمد رفیق حسنی نے اس موقف سے اتفاقِ رائے کرتے ہوئے خلاصہ ان الفاظ میں تحریر کیا: ''پس خلاصہ کلام یہ کہ اگر یورپی ممالک میں مقیم مسلمانوں کے ایامِ نحر شروع ہو چکے ہیں، مگر پاکستان میں ابھی ایامِ نحر شروع نہیں ہوئے، تو پاکستان میں اُن کی طرف سے قربانی قبل از وقت ہونے کی وجہ سے ادا نہیں ہوگی اور اگر یورپی ممالک میں مقیم مسلمانوں کے ایامِ نحر ختم ہو چکے ہیں اور پاکستان میں ایامِ نحر باقی ہیں تو پاکستان میں ان کی طرف سے قربانی بعد از وقت ہوگی، اس لیے قربانی جائز نہیں ہوگی۔ بعد از وقت قربانی کا صدقہ واجب ہوتا ہے۔ جانور کا ذبح کرنا صرف ایامِ قربانی کے ساتھ مشروط ہے۔ لہٰذا یورپ و دیگر ممالک میں مقیم مسلمانوں کی پاکستان میں قربانی تب جائز ہوگی کہ جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، اس (یعنی مذبوح عنہ) کے ایامِ قربانی ہوں اور جہاں قربانی کی جارہی ہے، وہاں کے اعتبار سے بھی قربانی کے ایام موجود ہوں اور وقت بھی درست ہو۔ اس مسئلہ کو عام کرنا اس لیے ضروری ہے کہ بیرونِ ملک مقیم لوگوں کی قربانی کی عبادت صحیح طور پر ادا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مفتی محمد رفیق حسنی

دار الافتاء جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھم لک الحمد یا وھاب صلّ وسلّم علی سید الأواب وعلی آلہ وأزواجہ والأصحاب، أسئلک ہدایۃ الحق والصواب۔

دنیا کے جس خطے [illegible] ثابت ہو جائے تو وہاں کے دیہاتوں اور شہروں [illegible] کی طلوع فجر کے بعد [illegible] قربانی کرنے کے لیے [illegible]۔

[illegible]

Scanned with CamScanner

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

وقت قربانی سے قبل اصلاً قربانی نہیں، یونہی وقت قربانی ختم ہو جانے پر وجوب صدقہ کا حکم ہے:

وَالتَّفصِیلُ فِی مَقَامِہٖ کَمَا لَا یَخفٰی عَلٰی مَن لَہُ الْمَام بِالْکُتُبِ الفِقْھِیَّۃِ۔

امریکا، کینیڈا اور برطانیہ کے رہنے والے مسلمان پاکستان میں اپنی طرف سے قربانی کرنا چاہتے ہیں، تو مذکورہ بالا ممالک نیز پاکستان میں وقت قربانی کا اتحاد ضروری ہے، اگرچہ دنوں میں موافقت لازمی نہیں، البتہ جانبین میں وقت قربانی کا تحقق حتمی ہے، کیونکہ مذکورہ بالا ممالک میں وقت قربانی ہو، مگر پاکستان میں نہ ہو، تو جواز قربانی پر کون سی دلیل ہے؟ نیز ان ملکوں میں وقت قربانی نہ ہو، مگر پاکستان میں ہو تو جب وجوبِ قربانی ہی متحقق نہ ہوا، تو وجوب کیسے ساقط ہوگا؟، علاوہ ازیں ان ملکوں میں وقت قربانی ختم ہو چکا ہو مگر پاکستان میں ہو تو وجوب صدقہ کا حکم ہوگا۔ کما مر سابقاً۔ اس مبحث میں جانبین کے طلوعِ فجر وغروبِ آفتاب کا خیال رکھنا بھی از حد ضروری ہے۔

وَفِی الْخِتَامِ اَقُوْلُ اِنَّ الْمُجِیْبَ اللَّبِیْبَ مُصِیْبٌ فِیْمَا اَجَابَ فَلِلّٰہِ دَرُّہٗ فِیْمَا اجْتَھَدَ وَاَجَادَ وَاَطَابَ فِیْمَا اَصَابَ فَمَنْ اَرَادَ اَخَذَہٗ فَلَہٗ مَا اَفَادَ الْمُجِیْبُ الْمُنِیْبُ لِنُصْحِ اَھْلِ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ بِعَوْنِ اللّٰہِ الْمُطَّلِعِ عَلَی الظَّوَاھِرِ وَالسَّرَائِرِ الْغَافِرِ لِمَنْ شَاءَ مِنَ الْکَبَائِرِ وَالصَّغَائِرِ۔

(مفتی محمد الیاس الرضوی الاشرفی عفا عنہ اللہ القوی)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

نکاح کے مسائل

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

سالی اور دیور سے بدکاری کے نکاح پر اثرات

سوال:1

ہم سے ایک گھناؤنا جرم سرزد ہوا ہے، میں اپنی سالی سے زنا کرتا رہا، اس کے بعد کیا بیوی سے میرا نکاح برقرار ہے؟۔

سوال:2

ایک عورت اپنے دیور سے زنا کرتی رہی ہے، کیا اُس عورت کا نکاح اپنے شوہر سے برقرار ہے؟۔ اِس گناہ کی تلافی شریعت میں کس طرح ممکن ہے۔ اِس کا جواب اخبار میں دے دیں، کیونکہ نام ظاہر کرنا خاندان کی تباہی کا باعث بنے گا۔

جواب:

سالی سے زنا سے بیوی حرام نہیں ہوتی، حدیث پاک میں ہے:

''عَنِ ابنِ عَبّاسٍ: اِذَا زَنَی بِاُختِ امرَأَتِہٖ لَمْ تَحرُمْ عَلَیہِ امرَأَتُہٗ''۔

ترجمہ:'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی سالی سے زنا کر بیٹھے تو اس وجہ سے اُس کی بیوی اُس شخص پر حرام نہیں ہوجاتی''۔(صحیح بخاری:5105)

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں: وَطئُ اُختِ اِمرأَتِہٖ لَاتَحرُمُ عَلَیہِ اِمرأَتُہٗ

ترجمہ:'' سالی سے صحبت (زنا) کرنا بیوی کو شوہر پر حرام نہیں کرتا''۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 4، ص:88)

سالی کے ساتھ زنا سے بیوی حرام نہیں ہوتی۔ جہاں تک زنا کی حرمت اور قبیح ترین کبیرہ گناہوں میں سے ہونے کا تعلق ہے، اس کی شدّت میں کسی کمی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اگر نظامِ شریعت نافذ ہوتو اقرارِ جرم یا گواہوں کے ذریعے عدالت میں جرم ثابت ہونے کی صورت میں زنا کی حدّ نافذ ہوگی، ورنہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے معافی کے لیے توبہ ہی کا راستہ ہے، جس کی قبولیت اس کے کرم پر موقوف ہے۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جواب:2

زنا یا اسبابِ زنا سے سات عورتیں حرام ہو جاتی ہیں:

(۱) مَزنیہ (جس سے زنا کیا جائے) کی ماں (۲) دادی (۳) نانی (۴) بیٹی (۵) نواسی (۶) پوتی (۷) باپ کی مَزنیہ (یعنی جس سے باپ نے زنا کیا ہو)۔ زنا سے مَزنیہ، زانی کے اصول و فروع پر حرام ہو جاتی ہے اور زانی پر مَزنیہ کے اصول و فروع حرام ہو جاتے ہیں۔

دیور سے زنا سے عورت اپنے شوہر پر حرام نہیں ہوتی کیونکہ دیور اُس کے شوہر کے نہ اصول میں ہے اور نہ فروع میں سے ہے۔ علامہ نظام الدین لکھتے ہیں:

فَمَنْ زَنیٰ بِامْرَأَةٍ حُرِمَتْ عَلَيْهِ اُمُّهَا وَاِن عَلَتْ وَابنتُها وَاِن سَفَلَتْ وكذا تَحْرُمُ الْمَزْنِيُّ بِهَا عَلیٰ اٰبَاءِ الزَّانِيْ وَأَجْدَادِهٖ وَاِن عَلَوْا وَأَبْنَائِهٖ وَاِن سَفَلُوا، كذا في ''فتح القدير''۔

ترجمہ: ''جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا، تو اس شخص پر اس عورت کی ماں (اوپر تک یعنی دادی، نانی وغیرہ) حرام ہے اور نیچے تک اس کی بیٹی بھی حرام ہے (یعنی پوتی، نواسی وغیرہ)، اسی طرح جس عورت سے زنا کیا ہو، وہ زانی کے باپ دادا (اوپر تک) حرام ہے، اور اُس کے بیٹے اور اُن سے نیچے (پوتے وغیرہ) تک سب پر حرام ہے، جیسا کہ ''فتح القدیر'' میں ہے''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 274)

دیور بھابھی کے لیے غیر محرم ہے اور اجنبی کے حکم میں ہے۔ مگر مشترکہ خاندانی نظام میں قربت اور آمنے سامنے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں اور یہ ناگزیر ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے موت یعنی خطرے سے تعبیر فرمایا ہے، حدیث میں ہے:

عَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: ''اِيَّاكُم وَالدُّخولَ عَلَى النِّسَآءِ'' فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَرَأَيتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوتُ۔

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (اجنبی) عورتوں کے پاس جانے سے اجتناب کرو، انصار میں سے ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! دیور کا کیا حکم ہے؟، فرمایا کہ دیور موت ہے''۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث 5570)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

عورت اپنے والدین سے ملاقات کے لیے کتنے وقت کے بعد جائے

سوال:

کیا شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیوی کو میکے جانے سے روکے، پابندی لگائے؟۔

(بینا حسن، ملیر توسیعی کالونی کراچی)

جواب:

بیوی کو میکے جانے سے روکنے یا اُس کے والدین کو اُس سے ملنے کے لیے شوہر کے گھر آنے سے روکنے کا شوہر کو شرعاً اختیار نہیں ہے۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

(وَلَا یَمْنَعُهَا مِنَ الْخُرُوجِ إِلَى الْوَالِدَيْنِ) فِي كُلِّ جُمُعَةٍ إِنْ لَّمْ يَقْدِرَا عَلَى إِتْيَانِهَا عَلَى مَا اِخْتَارَهُ فِي "الاختيارِ" وَلَوْ أَبُوهَا زَمِنًا مَثَلًا فَاحْتَاجَهَا فَعَلَيْهَا تَعَاهُدُهُ وَلَوْ كَافِرًا وَإِنْ أَبَى الزَّوْجُ۔ "فتح" (وَلَا يَمْنَعُهُمَا مِنَ الدُّخُولِ عَلَيْهَا فِي كُلِّ جُمُعَةٍ، وَفِي غَيْرِهِمَا مِنَ الْمَحَارِمِ فِي كُلِّ سَنَةٍ)

ترجمہ: "شوہر بیوی کو اُس کے والدین کے پاس ہر ہفتے (یعنی سات دن) میں ایک بار جانے سے منع نہیں کرے گا بشرطیکہ اُس کے والدین اُس کے پاس نہ آسکتے ہوں، یہ حکم اس روایت کی بنا پر ہے جس کو "اختیار" میں مختار فرمایا ہے، اگر زوجہ کا باپ محتاج (لُنجا یا لنگڑا) ہو اور اُس کی خدمت کا محتاج ہو، اگرچہ وہ کافر ہو اور شوہر خدمت سے منع کرتا ہو، پھر بھی اس عورت پر اپنے باپ کی دیکھ بھال لازم ہے، "فتح القدیر" میں اسی طرح ہے۔ شوہر بیوی کے والدین کو ہفتہ میں ایک بار اپنے گھر آنے سے منع نہ کرے اور والدین کے سوا دیگر محارم کو سال میں ایک بار آنے سے منع نہ کرے"۔

اس کی شرح میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

فِي "الْبَحْرِ" أَنَّهُ الصَّحِيحُ الْمُفْتَى بِهِ مِنْ أَنَّهَا تَخْرُجُ لِلْوَالِدَيْنِ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ بِإِذْنِهِ وَبِدُونِهِ وَلِلْمَحَارِمِ فِي كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً مبإِذْنِهِ وَبِدُونِهِ۔

ترجمہ: "البحر الرائق میں ہے: صحیح مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ بیوی ہفتہ میں ایک بار خاوند کی

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اجازت ہو یا نہ ہو والدین کی ملاقات کے لیے گھر سے باہر جاسکتی ہے اور اپنے باقی محارم کی ملاقات کے لیے سال میں ایک مرتبہ جاسکتی ہے، خاوند کی اجازت ہو یا نہ ہو''۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 5، ص: 58-257، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں: ''ہاں والدین کے یہاں آٹھویں دن بے اجازتِ شوہر بھی جاسکتی ہے کہ دن کے دن رہے اور رات کو چلی آئے۔ ردالمحتار میں ہے:

فِی الْبَحْرِ الصَّحِیْحُ الْمُفْتٰی بِہٖ اَنَّھَا تَخْرُجُ لِلْوَالِدَیْنِ فِیْ کُلِّ جُمُعَۃٍ بِاِذْنِہٖ وَبِدُوْنِہٖ وَلِلْمَحَارِمِ فِیْ کُلِّ سَنَۃٍ مَرَّۃً بِاِذْنِہٖ وَبِدُوْنِہٖ۔

ترجمہ: ''البحر الرائق'' میں ہے: صحیح مفتیٰ بہٖ یہ ہے کہ بیوی ہر ہفتہ میں (شرعی اصطلاح جمعہ میں) خاوند کی اجازت ہو یا نہ ہو والدین کی ملاقات کے لیے گھر سے باہر جاسکتی ہے اور اپنے باقی محارم کی ملاقات کے لیے سال میں ایک مرتبہ جاسکتی ہے، خاوند کی اجازت ہو یا نہ ہو۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 13، ص: 420، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

شریعت میں یہ پابندی ملاقات کے کم از کم مواقع کے لیے ہے۔ بیوی شوہر کی رضامندی سے اس کے علاوہ بھی جب چاہے، والدین اور محرم رشتہ داروں سے ملاقات کے لیے جاسکتی ہے اور وہ اس کی ملاقات کے لیے آسکتے ہیں اور ازدواجی زندگی کی کامیابی کا مَدار باہم مَوَدّت ومَحبت، فضل واحسان اور تبرُّع پر ہے۔

مُطلّقہ لڑکی کو کنواری ظاہر کرنے سے نکاح پر اثر نہیں پڑتا

سوال:

مارچ 2010ء میں میری شادی کنزہ آمنہ بنت محمد قدیر سے ہوئی، شادی کے وقت لڑکی کے گھر والوں نے اُسے کنواری بتایا اور نکاح نامے میں بھی کنواری لکھوایا، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ لڑکی 2007ء میں کسی شخص سے طلاق یافتہ ہے۔ مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لوگ نوسرباز ہیں اور شادی کی آڑ میں لوگوں کو لوٹتے اور دھوکا دیتے ہیں۔ شرعی حکم کیا ہے؟۔

(شہباز خان، صدر کراچی)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

جواب:

آپ نے جوصورت بیان کی ہے، اگر درست ہے، تو اس کے باوجود نکاح شرعاً صحیح ہے۔لڑکی کے گھر والوں کا یہ عمل دھوکا دہی اور فریب کے زمرے میں آتا ہے، جوشرعاً حرام اور ناجائز ہے، حدیث مبارک میں اس کی شناعت کو یہ بیان فرمایا:

''مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا''

ترجمہ: ''جس نے ہمیں دھوکا دیا، وہ ہم میں سے نہیں''۔(صحیح مسلم:283)

تاہم اس دھوکا دہی کے عمل سے آپ کے نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑتا، آپ کا نکاح بدستور قائم ہے اور آپ دونوں (زوجین) میں باہم ذہنی مطابقت ہے تو ماضی کو فراموش کر دیں اور اپنی ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنائیں۔ بیوی کے والدین یا گھر والوں کی غلط بیانی کی سزا بیوی کو نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ کو عفو ودرگزر پسند ہے۔ آپ نے شادی کے نام پر لوٹنے کی جو بات کی ہے، غلط بیانی کے سوا اُس کا کوئی ثبوت سوال میں مذکور نہیں ہے، جس کا شرعی حکم بیان کیا جائے۔ البتہ غلط بیانی پر اُنہیں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہیے اور آپ سے معافی مانگ لینی چاہیے تاکہ معاملہ رفع دفع ہو۔

گواہوں کی موجودگی میں براہِ راست ایجاب وقبول سے نکاح صحیح ہے

سوال:

میری سالی صباحت بنت عبداللہ (عمر 19 سال) نے والدین کی مرضی کے خلاف اپنی پسند سے ایک لڑکے جاوید ولد شہاب الدین سے نکاح کرلیا، جس میں نکاح کا وکیل اور گواہ لڑکے کے دوست تھے۔ نکاح باقاعدہ ایک مجلس میں نکاح خواں نے پڑھایا، لڑکی اور لڑکا نکاح خواں کے سامنے ہی بیٹھے تھے، خاندان کا کوئی فرد موجود نہیں تھا۔ ہمارے کچھ رشتے دار اس نکاح کو نہیں مان رہے، اُن کا کہنا ہے کہ نکاح کا وکیل لڑکی کا کوئی محرم رشتے دار ہونا چاہیے تھا، مثلاً والد، بھائی، چچا، تایا، ماموں وغیرہ۔ ازروئے شریعت کیا یہ نکاح جائز ہے؟

(محمد عمران، نارتھ کراچی)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جواب:

اگر لڑکا، لڑکی کا کفو (Equal Status) ہے یعنی حَسَب، نَسَب، تعلیم و مال وغیرہ میں لڑکی کی برابری رکھتا ہے اور نکاح شریعت کے مطابق باقاعدہ ایجاب وقبول اور مہر کے تعین کے ساتھ دو گواہوں کے سامنے ہوا ہے، تو یہ نکاح صحیح ہے، اگرچہ والدین کی اجازت اور رضامندی کے بغیر ایسا کرنا نافرمانی ہے اور گناہ کا سبب ہے۔ شرعی اور قانونی طور پر بہت سے اُمور ایسے ہوتے ہیں جو ناپسندیدہ یا غیر اَخلاقی ہونے کے باوجود نافذ اور مؤثر ہوتے ہیں، جیسے شوہر کا اپنی بیوی کو ایک وقت میں تین طلاقیں دینا یا حالتِ حمل میں طلاق دینا۔ آپ نے سوال میں لکھا ہے کہ لڑکی کے والد، بھائی، چچا، تایا اور ماموں وغیرہ میں سے کسی کو لڑکی کا وکیل ہونا چاہیے تھا، ہماری معاشرتی اَقدار کے مطابق ایسا ہی ہونا چاہیے، لیکن شرعاً یہ واجب اور لازم نہیں ہے۔ لڑکی کے والد، بھائی اور چچا حسبِ ترتیب اُس کے اولیاء میں شمار ہوتے ہیں۔ وکیل کی ضرورت اُس وقت پیش آتی ہے جب اصل فریق مجلسِ عقد میں موجود نہ ہو، مگر آپ کے بیان کے مطابق لڑکا اور لڑکی نکاح خواں کے سامنے موجود تھے، تو وہاں وکیل کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، بلکہ گواہوں کی موجودگی میں براہِ راست دونوں کا ایجاب وقبول کرلینا نکاح کے صحیح ہونے کے لیے کافی ہے۔ علامہ برہان الدین ابوبکر الفرغانی حنفی لکھتے ہیں:

وَیَنْعَقِدُ نِکَاحُ الْحُرَّةِ الْعَاقِلَةِ الْبَالِغَةِ بِرِضَائِهَا وَاِنْ لَمْ یَعْقِدْ عَلَیْهَا وَلِیٌّ بِکْرًا کَانَتْ أَوْثَیِّبًا عِنْدَ أَبِی حَنِیْفَةَ وَأَبِی یُوسُفَ فِی ''ظَاهِرِ الرِّوَایَةِ''۔

ترجمہ: ''امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک (فقہِ حنفی کی) ظاہر الروایت کے مطابق عاقلہ، بالغہ عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر بھی اُس کی اپنی رضامندی سے منعقد ہو جاتا ہے، خواہ (لڑکی) باکرہ (کنواری) ہو یا ثَیِّبَہ (شوہر دیدہ یعنی مُطلّقہ یا بیوہ)''۔ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

ثُمَّ فِیْ ظَاهِرِ الرِّوَایَةِ لَافَرْقَ بَیْنَ الْکُفْوِ وَغَیْرِ الْکُفْوِ لٰکِنْ لِلْوَلِیِّ الْاِعْتِرَاضُ فِیْ غَیْرِ الْکُفْوِ۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ترجمہ: ''پھر ظاہر الروایت میں کفو اور غیر کفو کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، لیکن ولی کو غیر کفو میں اعتراض کا حق حاصل ہے''۔ (ہدایہ، جلد 2، ص: 28-27)

صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''(شرعاً) گواہ اُسی کو نہیں کہتے جو دو شخص مجلسِ عقد میں مُقرّر کر لیے جاتے ہیں، بلکہ وہ تمام حاضرین گواہ ہیں، جنہوں نے ایجاب وقبول سنا، اگر قابلِ شہادت ہوں''۔ (بہارِ شریعت، حصہ ہفتم، ص: 14)

نکاح میں تفویضِ اختیار

سوال:

میری بالغہ بیٹی کا نکاح بعد نمازِ عصر مسجد میں منعقد ہوا، قاضی صاحب نے نکاح اِس طرح پڑھایا کہ لڑکی کے وکیل سے کہا کہ آپ اپنا حقِ وکالت مجھے سپرد کر دیں، لڑکی کے وکیل نے تمام لوگوں کے سامنے کہا کہ میں اپنا حق وکالت آپ کے سپرد کرتا ہوں، پھر قاضی صاحب نے خطبہ پڑھا اور ان الفاظ سے نکاح کروایا: ''جناب محمد ارشد خان (دولہا) میں دو شرعی گواہوں کی موجودگی میں دلہن ثمرین بنت غلام دستگیر کو محمد احمد سے حقِ وکالت لیتے ہوئے اتنے مہر کے عوض آپ کے نکاح میں دیتا ہوں، کیا آپ نے قبول کیا''، یہ الفاظ تین مرتبہ دہرائے۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا کیونکہ قاضی نے لڑکی سے تین دفعہ نہیں کہلوایا۔ شریعت کی رُو سے یہ نکاح ہوا یا نہیں؟، (غلام دستگیر، سیکٹر B-11 نارتھ کراچی)

جواب:

نکاح میں وکیل جب مؤکلہ (یعنی وہ لڑکی جس کا نکاح منعقد ہو رہا ہے) سے اجازت لیتا ہے، تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(الف) یہ کہ مؤکلہ خاتون دو گواہوں کے سامنے ان الفاظ میں وکیل کو اپنے نکاح کا اختیار دے: ''میں فلاں بن فلاں شخص کے ساتھ اتنے مہر (اور رقم کا تعین کرے) کے عوض آپ کو اپنا نکاح کرانے کا اختیار دیتی ہوں''۔ یہ اذنِ خاص ہے اور اگر یہ وکیلِ مجاز خود محفلِ نکاح میں دو گواہوں کے سامنے فریقِ ثانی کے ساتھ نکاح کا ایجاب یا قبول کرتا ہے، تو یہ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

نکاح صحیح ہے اور بغیر کسی تردّد اور تحفّظ کے درست ہے۔

(ب) یہ کہ مؤکّلہ خاتون دو گواہوں کے سامنے وکیل کو اِن الفاظ میں اختیار دے:

''میں آپ کو مُطلق اختیار دیتی ہوں کہ آپ فلاں بن فلاں شخص کے ساتھ اتنے مہر کے عوض خود یا کسی دوسرے شخص کو وکیل مُقرر کر کے میرا نکاح کرادیں''۔

یہ تعمیمِ اختیار نکاح کی ایک صورت ہے، یعنی وہ وکیل خود بھی اُس عورت کا نکاح مجلس عقد میں دو گواہوں کے سامنے ایجاب یا قبول کر کے اُس شخص کے ساتھ کراسکتا ہے اور کسی دوسرے کو بھی یہ اختیار تفویض (Delegate) کرسکتا ہے۔ اور اب اِس کے بعد یہ نکاح براہِ راست وکالت کا اختیار لینے والا شخص خود کرائے یا کسی دوسرے شخص کو اِس کے لیے وکیل مُقرر کر کے شریعت کے مطابق نکاح کرائے، دونوں صورتیں درست ہیں اور نکاح صحیح ہے۔

(ج) یہ کہ مؤکّلہ خاتون دو گواہوں کے سامنے اِن الفاظ میں وکیل کو اپنے نکاح کا اختیار دے:

''میں آپ کو شریعت کے مطابق اپنے نکاح کا مُطلق (Absulute) غیر مشروط (Unconditional) اور مکمل اختیار (Full Power) دیتی ہوں کہ آپ جس شخص کے ساتھ بھی چاہیں اور جو بھی مہر مُقرر کرنا چاہیں، آپ کو خود بھی میرے نکاح کا مکمل اختیار ہے اور کسی دوسرے شخص کو بھی آپ یہ اختیار تفویض کر سکتے ہیں''۔ اِسے ہمارے یہاں مالی اُمور سے متعلق قانونی زبان میں To Delegate the General Power of Attorney کہتے ہیں۔ اِس صورت میں یہ تفویضِ اختیار کی تعمیمِ مُطلَق ہے۔ وہ شخص خود بھی کسی کے ساتھ کوئی بھی مقدارِ مہر مُقرر کر کے نکاح کراسکتا ہے اور کسی دوسرے کو بھی یہ عمومی اختیار تفویض کرسکتا ہے، بشرطیکہ اِس نکاح میں کوئی اور شرعی رکاوٹ نہ ہو۔

تفویضِ اختیار کے بغیر نکاح:

اِس کی دو صورتیں ہیں: (الف) مؤکّلہ خاتون نے دو گواہوں کی موجودگی میں وکیل کو کسی شخص کے ساتھ مقررہ مہر کے عوض اپنے نکاح کا اِذنِ خاص دیا، یعنی وہ وکیل شریعت

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

کے مطابق مجلسِ نکاح میں دو گواہوں کی موجودگی میں اُس شخص کے ساتھ اس خاتون کا نکاح کراسکتا ہے۔اب اگر وہ وکیل شریعت کے مطابق مجلسِ نکاح میں خود اُس خاتون کا نکاح کرالیتا ہے،تو درست ہے،لیکن اگر وہ خود ایجاب یا قبول نہیں کرتا اور کسی دوسرے شخص کو یہ ذمہ داری تفویض کردیتا ہے،تو یہ درست نہیں ہے،کیونکہ اُس کے پاس اِس تفویضِ وکالت کا اختیار نہیں ہے۔یہ نکاحِ فضولی کی ایک صورت ہے۔لیکن اگر اس صورت میں بھی وکیل اپنے بنائے ہوئے وکیل کے عقد کو نافذ اور جائز قرار دے،تو عقد درست ہے۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ مُتعلقہ خاتون سے اِذن حاصل کیے بغیر اور اُس سے رجوع کیے بغیر کوئی شخص ازخود اُس کا وکیل بن کر مجلسِ نکاح میں دو گواہوں کی موجودگی میں اُس کا نکاح کرادیتا ہے،تو یہ نکاح لازم نہیں ہے،کیونکہ اُس کے پاس اس کا کوئی اختیار نہیں ہے اور یہ مُطلق فضولی نکاح ہے۔

نکاحِ فضولی کا حکم

نکاحِ فضولی عورت کی اجازت پر موقوف رہتا ہے،جب متعلقہ خاتون کو اُس کی اطلاع مل جائے،اطلاع ملنے پر وہ خاتون اُسے قبول کرلیتی ہے،تو اب یہ نکاح منعقد ہوجائے گا اور درست قرار پائے گا،کیونکہ اُس نے اِس نکاح کو برقرار رکھا،اِسے قانون کی زبان میں Post Permission کہتے ہیں یعنی کسی معاملے کے واقع ہونے کے بعد اُسے برقرار رکھنا اور جائز قرار دینا۔لیکن اگر وہ خاتون اُسے رَد (Reject) کردے تو یہ نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اِس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

جو صورتِ مسئلہ آپ نے بیان کی ہے،ہمارے ملک کے بعض علاقوں میں اس طرح کے نکاح منعقد ہوتے رہتے ہیں اور یہ نکاح درست ہیں۔علامہ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم لکھتے ہیں:

اَلْوَکِیْلُ اِذَا وُکِّلَ بِغَیْرِ اِذْنٍ وَتَعْمِیْمٍ وَاَجَازَ مَافَعَلَہٗ وَکِیْلُہٗ نَفَذَ

ترجمہ:''مؤکل کی اجازت کے بغیر یا عمومی اختیار حاصل کیے بغیر وکیل نے ازخود دوسرا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

وکیل بنالیا اور اس دوسرے وکیل کے عمل کو اصل وکیل نے جائز قرار دیا، تو یہ عمل نافذ ہو جائے گا''۔(الاشباہ والنظائر، الفن الثانی، ص:241)

غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر میں ہے: وَکَذَا لَوْعقد أَجْنَبِیٌّ فَأَجَازَ الْأَوَّلُ

ترجمہ: ''اسی طرح اگر کسی اجنبی نے عقد کیا اور وکیل نے اُسے جائز قرار دیا، تو یہ عمل بھی درست ہے''۔(جلد2، ص:11)

آپ کی بیان کی ہوئی صورت میں اصل وکیل محفلِ نکاح میں موجود رہا، اس کی اجازت سے نکاح منعقد ہوا، تو یہ درست ہے۔ امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ''عالمگیری میں ہے:

لَایَجُوْزُ نِکَاحُ أَحَدٍ عَلٰی بَالِغَةٍ صَحِیْحَةِ الْعَقْلِ مِنْ أَبٍ أَوْ سُلْطَانٍ بِغَیْرِ اِذْنِهَا بِکْرًا کَانَتْ أَوْثَیِّبًا فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِکَ فَالنِّکَاحُ مَوْقُوْفٌ عَلٰی اِجَازَتِهَا فَاِنْ اَجَازَتْهُ جَازَ وَاِنْ رَدَّتْهُ بَطَلَ کَذَا فِی السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ۔

ترجمہ: ''عاقلہ بالغہ کی مرضی کے خلاف باپ یا حاکم کا کیا ہوا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوگا، خواہ وہ عاقلہ بالغہ باکرہ ہو یا ثیّبہ۔ اگر ایسا ہوا تو اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، وہ جائز قرار دے تو جائز ہوگا ورنہ اگر رَد کر دے، تو وہ نکاح باطل ہو جائے گا، ''سراج الوہاج'' میں یوں ہی ہے''۔

پھر اجازت جس طرح قول سے ہوتی ہے مثلاً عورت نکاح کی خبر سن کر کہے: ''میں نے جائز کیا'' یا ''اجازت دی'' یا ''راضی ہوئی'' یا ''مجھے قبول ہے'' یا ''اچھا کیا'' یا ''خدا مبارک کرے'' اِلٰی غَیْرِ ذٰلِکَ مِنْ اَلْفَاظِ الرِّضَا (علاوہ ازیں تمام وہ الفاظ جو رضا پر دلالت کرتے ہیں) یونہی اس فعل یا حال سے بھی ہو جاتی ہے، جس سے رضامندی سمجھی جائے مثلاً عورت اپنا مہر مانگے یا نفقہ طلب کرے یا مبارک باد لے یا خبرِ نکاح سن کر خوشی سے ہنسے یا مسکرائے یا اپنا جہیز شوہر کے گھر بھجوائے یا اس کا بھیجا ہوا مہر لے لے یا اسے بلاجبر واکراہ اپنے ساتھ جماع یا بوس وکنار و مساس کرنے دے یا تنہا مکان میں اپنے ساتھ خلوت میں

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

آنے دے یا اُس کے کام خدمت میں مشغول ہو جبکہ نکاح سے پہلے اس کی خدمت نہ کیا کرتی ہو ونحوُ ذٰلکَ مِنْ کُلِّ فِعْلٍ یَدُلُّ عَلَی الرِّضَا (اور یونہی اس قسم کے تمام وہ افعال جو رضامندی پر دلالت کرتے ہیں) ان سب صورتوں میں وہ نکاح کہ موقوف تھا جائز و نافذ ولازم ہو جائے گا''۔(فتاویٰ رضویہ، جلد 11، ص:146-145)

ہمارے عرف میں دونوں طریقے رائج ہیں کہ نکاح خواں کبھی خود وکیل کا وکیل بن کر نکاح پڑھاتا ہے اور کبھی وکیل سے ایجاب کرواتا ہے لیکن لوگوں کے ذہن میں یہی ہوتا ہے کہ نکاح، نکاح خواں پڑھائے گا خواہ کسی بھی طریقے کے مطابق پڑھائے اور یہ بات خود لڑکی کے ذہن میں بھی ہوتی ہے، اس تقدیر پر یہ نکاح فضولی نہیں ہوا بلکہ نکاح خواں کا پڑھایا ہوا نکاح نافذ اور منعقد ہے۔

عقدِ نکاح ہو یا کوئی اور عقد (معاہدہ) ہو، ایک بار ہی ایجاب وقبول کافی ہے، تین مرتبہ کہنے کی حاجت نہیں اور اگر تین مرتبہ کہا جائے، تو اِس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔
امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز سے سوال کیا گیا کہ: نکاح کرنے والے کو تین مرتبہ قبول کرنا شرط ہے یا ایک بار؟، آپ نے جواب میں لکھا کہ ''نکاح، خواہ کوئی اور عقد ہو، میں تین بار قبول اصلاً ضرور نہیں، ایک ہی بار کافی ہے اور تین بار تین طرح الفاظِ قبول ادا ہونا کچھ مضر نہیں'' (فتاویٰ رضویہ، جلد:11، ص:217)۔یعنی مجلسِ نکاح میں دو گواہوں کی موجودگی میں فریقین کا اصالۃً یا وکالۃً ایک بار ایجاب وقبول کرنے سے نکاح شرعی طور پر صحیح اور درست ہوتا ہے، تین بار ایجاب وقبول شرعاً ضروری نہیں ہے اور ایسا کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

جرگے کا فیصلہ

سوال:

میرے بیٹے محمد فاروق اور مسماۃ نسرین بنت رشید گبول نے برادری کی مرضی کے خلاف کورٹ میرج کرلی، جس سے برادری میں تنازعات پیدا ہوئے اور لڑکی والوں نے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اُنہیں کاروکاری قرار دے دیا پھر جرگے نے فیصلہ دیا کہ ''ونی'' کے ذریعے اس تنازعہ کو ختم کیا جائے۔جرگے نے میری 14 سالہ بیٹی حمیرا کا نکاح رشید کے 17 سالہ بیٹے آفتاب سے زبردستی کر دیا۔مزید یہ کہ ونی کے طور پر میری 4 سالہ پوتی کو بھی پابند کر دیا کہ اس کا رشتہ بھی ہماری مرضی سے کیا جائے گا۔اب حمیرا کی عمر 17 سال ہو چکی ہے۔یہ رشتہ جبراً لڑکی اور ہماری مرضی کے بغیر کیا گیا ہے۔اِس نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہوگی اور چھٹکارے کی صورت کیا ہوگی؟لڑکی ابھی تک ہمارے گھر میں ہی ہے''۔(امام دین ،صفورہ گوٹھ ،کراچی)

جواب:

کاروکاری قرار دینا ماورائے عدالت قتل ہے اور یہ شریعت اور قانون دونوں کے خلاف ہے۔اور کاروکاری کے نتیجے میں جو لوگ کسی مرد یا عورت کو قتل کر دیں ،اُن پر قصاص واجب ہے اور قانونِ قصاص کو نافذ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔لیکن آپ کے بیان کے مطابق کاروکاری پر عمل نہیں ہوا ،یہ اچھی بات ہے۔محمد فاروق اور نسرین گبول اگر ایک دوسرے کے کفو ہیں ،تو اُن کا باہمی رضامندی سے آپس میں جو نکاح منعقد ہوا ،وہ شرعاً درست ہے ،اگرچہ ماں باپ کی رضامندی کے بغیر ایسا کرنا شرعاً ناپسندیدہ بات ہے۔

14 سالہ حمیرا اگر بالغہ تھی ،تو اُس کا نکاح اُس کی رضامندی کے بغیر درست نہیں تھا ،کسی جرگے کو شرعاً ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے ،نہ ہی جرگے کو یہ حق حاصل ہے کہ لوگوں کی بالغہ یا نابالغہ بچیوں کے نکاح ان کی مرضی کے خلاف منعقد کریں ،ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔حدیث پاک میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: الأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا۔

ترجمہ:''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ولی کی بہ نسبت غیر شادی شدہ لڑکی (کنواری یا بیوہ یا مُطلقہ ہو) اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے اور باکرہ سے بھی اس کے بارے میں اجازت لینی چاہیے اور اُس کی اجازت خاموشی ہے (یعنی

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اُس کا انکار نہ کرنا رضامندی کی دلیل ہے)''۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 3473)

البتہ اگر کوئی شخص بالغہ عورت کا نکاح اس سے اجازت لیے بغیر وکیل بن کر اپنی مرضی سے کرا دے، تو یہ نکاحِ فضولی ہے اور اُس (لڑکی) کی مرضی پر موقوف ہے کہ معلوم ہونے پر اُسے قبول کرے یا رَد کر دے۔ علامہ نظام الدین لکھتے ہیں:

لَایَجُوْزُ نِکَاحُ أَحَدٍ عَلٰی بَالِغَةٍ صَحِیْحَةِ الْعَقْلِ مِنْ أَبٍ أَوْ سُلْطَانٍ بِغَیْرِ إِذْنِهَا بِکْرًا کَانَتْ أَوْ ثَیِّبًا، فَإِنْ فَعَلَ ذٰلِکَ فَالنِّکَاحُ مَوْقُوْفٌ عَلٰی إِجَازَتِهَا، فَإِنْ أَجَازَتْهُ جَازَ وَإِنْ رَدَّتْهُ بَطَلَ، کَذَا فِی السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ۔

ترجمہ: ''کسی بھی عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، خواہ وہ نکاح اس کے والد یا حاکمِ وقت نے منعقد کیا ہو، اگر کسی نے (اس کی اجازت کے بغیر) یہ نکاح کر بھی دیا ہو، تو یہ نکاح اُس (لڑکی) کی اجازت پر موقوف ہے، اگر اطلاع ملنے پر وہ اسے قبول کرلے (اور قائم رکھے) تو جائز ہے اور اگر وہ رَد کر دے تو نکاح باطل ہو جائے گا، ''السراج الوہاج'' میں بھی اسی طرح ہے''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 287)

صورتِ مسئولہ میں چونکہ یہ نکاح حمیرا کی اجازت کے بغیر کیا گیا لہٰذا اگر معلوم ہونے پر اُس نے رَد کر دیا تھا، تو یہ نکاح سِرے سے منعقد ہی نہیں ہوا اور لڑکی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنی آزادانہ مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے، ہم نے یہ شرعی حکم بیان کیا ہے، اس کی قانونی حیثیت کسی ماہر قانون سے معلوم کرلیں۔ جرگے کا یہ فیصلہ کہ آپ کی چار سالہ پوتی کا رشتہ بھی وہ طے کریں گے، اس فیصلے کی کوئی شرعی یا قانونی حیثیت نہیں ہے، لہٰذا یہ باطل اور کالعدم ہے۔ نابالغہ کے نکاح کا اختیار صرف اُس کے ولی کو حاصل ہے۔

محض علیحدہ رہنے سے نکاح ختم نہیں ہو جاتا

سوال:

ایک شخص گزشتہ چھ ماہ سے بیوی سے اختلافات ہونے کے سبب گھر سے دور ہے، بیوی سے کسی قسم کا رابطہ نہیں ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ سورۂ بقرہ میں ہے کہ اگر شوہر چار ماہ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

تک بیوی سے کوئی رابطہ نہ کرے تو شرعی طور پر خود بخود طلاق ہو جاتی ہے۔ برائے مہربانی یہ
فرمائیے کہ کیا واقعی اس طرح طلاق ہو جاتی ہے؟، (سید فراز الدین حیدر، دستگیر کراچی)

جواب:

شوہر اپنی بیوی کو جب تک طلاق نہ دے یا دونوں باہمی رضامندی سے خلع نہ کرلیں یا
کسی جائز شرعی وجہ کے سبب قاضی نکاح فسخ نہ کردے، محض چھ ماہ یا اس سے بھی زیادہ
عرصے تک بیوی سے الگ رہنے کی بنا پر نکاح از خود (Automatically) ختم نہیں
ہوتا، بلکہ نکاح قائم رہتا ہے۔ البتہ اگر یہ دوری شوہر کی اپنی مرضی سے ہے، تو بیوی کے
ازدواجی حقوق نہ کرنے کا وبال اُس پر ہوگا۔

سورۂ بقرہ کی بابت جو آپ نے لکھا ہے، وہ اُن لوگوں کے بارے میں ہے جو اپنی
بیویوں سے ازدواجی تعلق قائم نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں اور اپنی قسم پر قائم رہتے ہیں، تو
چار ماہ گزرنے کے بعد اُن کا نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں اُسے ''ایلاء'' کہا
جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآبِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: ''جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں ان کے لیے چار
مہینے کی مہلت ہے اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کرلیا تو بے شک اللہ بہت بخشنے
والا بڑا مہربان ہے اور اگر انہوں نے طلاق ہی کا ارادہ کرلیا ہے تو بے شک اللہ خوب سننے
والا بہت جاننے والا ہے''۔ (البقرہ: آیت: 226,227)

اس آیت کریمہ کی رو سے شوہر کا قسم کھا کر اپنی بیوی کو یہ کہنا کہ میں چار ماہ تک (یا
دائمی طور پر) تم سے ازدواجی تعلق قائم نہیں کروں گا، یہ ''ایلاء'' ہے۔ اگر وہ اپنی قسم پر قائم
رہتا ہے، تو اس سے ایک طلاقِ بائن واقع ہو جاتی ہے اور قسم توڑ کر چار ماہ کے اندر بیوی سے
رجوع کر لیتا ہے تو نکاح قائم رہتا ہے اور قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے، جو یہ ہے: دس

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

مساکین کو اپنے اوسط معیار کے مطابق دو وقت کا کھانا کھلانا، یا لباس فراہم کرنا ہے اور اگر یہ نہ کر سکے تو پے در پے تین روزے رکھنا ہے۔

بیوی کے حقوق اور والدین کی اطاعت

سوال:

میں اپنے بیوی بچوں کو لے کر میڈیکل میں اسپیشلائزیشن کرنے کے لیے ایبٹ آباد سے کراچی جانا چاہتا ہوں۔ میرے والدین کہتے ہیں کہ بیوی بچوں کو یہاں ہمارے پاس چھوڑ دو اور اکیلے چلے جاؤ وہاں دوسری شادی کرلو، جبکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ بیوی بچوں کے لیے یہاں حالات سازگار نہیں اور میرے لیے کراچی میں اکیلے رہنا ممکن نہیں۔ کیا میں اُن کی مرضی کے خلاف بیوی کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں؟، (ڈاکٹر توصیف، ایبٹ آباد)

جواب:

آپ کے والدین کا یہ مطالبہ درست نہیں کہ بیوی کو اُن کے پاس چھوڑ دیا جائے شرعاً بیوی کی رہائش کی ذمہ داری شوہر پر ہے کہ وہ جہاں خود رہے وہاں اُس کی رہائش کا بھی انتظام کرے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ

ترجمہ: ''اپنی بیویوں کو وہاں رکھو، جہاں اپنی حیثیت کے مطابق تم خود رہتے ہو، اور ان پر تنگی کرنے کے لیے انہیں تکلیف نہ پہنچاؤ''، (الطلاق:6)

علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں: ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے یوں پڑھا ہے کہ جہاں تم خود رہتے ہو وہاں اپنی بیویوں کو رکھو اور اپنی مالی حیثیت کے مطابق انہیں نفقہ دو''۔ (روح المعانی جلد:15 صفحہ:206)

عورت پر شوہر کا حق مقدم ہے، حدیثِ پاک میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَنْ أَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الْمَرْأَةِ؟، قَالَ: زَوْجُهَا، قُلْتُ: مَنْ أَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الرَّجُلِ؟، قَالَ: أُمُّهُ۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ترجمہ: ''ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! عورت پر لوگوں میں سے سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟، آپ ﷺ نے فرمایا: اُس کے شوہر کا۔ میں نے عرض کی: مرد پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟، آپ ﷺ نے فرمایا: اُس کی ماں کا''۔

(المستدرک للحاکم، رقم الحدیث: 7418)

آپ کے لیے مناسب صورت تو یہ ہے کہ والدین کو اِس بات کے لیے آمادہ کریں اور حُسنِ سلوک رکھتے ہوئے نرمی اور شفقت سے اُنہیں سمجھائیں کہ آپ کے بہتر مستقبل اور ترقی کے لیے ضروری اور اہم اَقدامات کیا ہیں۔

شیخ الحدیث والتفسیر علامہ غلام رسول سعیدی مجمع الزوائد (علامہ نورالدین علی بن ابوبکر ہیثمی، جلد 8، ص: 138) کے حوالے سے ایک حدیث بیان کرتے ہیں:

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَسْتَشِيرُهُ فِي الْجِهَادِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَلَكَ وَالِدَانِ، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: اَلْزِمُهُمَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ أَقْدَامِهِمَا، رَوَاهُ الطبرَانِي وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔

ترجمہ: ''معاویہ بن جاہمہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے جہاد (پر جانے) کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ نبی ﷺ نے پوچھا: کیا تمہارے والدین (حیات) ہیں؟، اُنہوں نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: تم اُن سے چمٹے رہو، کیونکہ جنت ان کے قدموں کے نیچے ہے، اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں''۔ (شرح صحیح مسلم، جلد 7، ص: 44)

اس سے معلوم ہوا کہ جہاد جو ضرورت کے موقع پر فرض ہے، لیکن اگر دیگر مجاہدین موجود ہوں جو جہاد کی شرعی ضرورت سے عہدہ برآ ہو سکتے ہوں، تو پھر ماں کی خدمت مُقدم ہے، بشرطیکہ ماں کی خدمت کے لیے اُس کے دیگر بہن بھائی موجود نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو، جب رسول تمہیں اُس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفریں ہو''۔ (انفال:24)

اِس آیت کی تفسیر میں علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: ''جب کوئی شخص نفل نماز پڑھ رہا ہو اور اُس کی ماں اُس کو نماز میں بلائے، تو اس پر واجب ہے کہ نماز توڑ کر ماں کے بلانے پر حاضر ہو جائے، البتہ باپ کے بلانے پر نفل نماز نہ توڑے۔ امام بیہقی نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ جب تمہاری ماں اس حال میں بلائے کہ تم (نفل) نماز پڑھ رہے ہو، تو اس کے پاس حاضر ہو اور جب تمہارا باپ بلائے تو حاضر نہ ہو حتیٰ کہ تم نماز سے فارغ ہو جاؤ۔ (شعب الایمان، رقم الحدیث: 7883، الدر المنثور، جلد 4، ص: 174، مصر)

امام ابن ابی شیبہ نے محمد بن المنکدر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہاری ماں تم کو نماز میں بلائے، تو اُس کی خدمت میں حاضر ہو اور جب تمہارا باپ بلائے، تو حاضر نہ ہو (الکتاب المصنف، جلد 2، ص: 193)۔ امام ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو مکحول سے بھی روایت کیا ہے۔

اور فرض نماز میں سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور کسی کے بلانے پر جانا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونے کی دلیل مذکور الصدر قرآن مجید کی آیت ہے اور درج ذیل حدیث ہے: امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں: ''حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا، پس میں حاضر نہیں ہوا۔ (جب میں نے نماز پڑھ لی) تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو''۔ (انفال:24)

امام ابوداؤد اور امام نسائی نے اس طرح روایت کیا ہے: ''میں نماز پڑھ کر حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا: میرے بلانے پر تم کیوں نہیں آئے تھے؟، میں نے عرض کی: میں نماز

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

پڑھ رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: 4474-5006، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: 1445، سنن نسائی، رقم الحدیث: 912، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 3785)''۔ (تبیان القرآن، جلد 4، ص: 601-602)

حدیث پاک میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَمْ يَتَكَلَّمْ فِي الْمَهْدِ إِلَّا ثَلَاثَةٌ: عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ، وَصَاحِبُ جُرَيْجٍ وَكَانَ جُرَيْجٌ رَجُلًا عَابِدًا، فَاتَّخَذَ صَوْمَعَةً، فَكَانَ فِيهَا، فَأَتَتْهُ أُمُّهُ وَهُوَ يُصَلِّي، فَقَالَتْ: يَا جُرَيْجُ! فَقَالَ: يَا رَبِّ! أُمِّي وَصَلَاتِي، فَأَقْبَلَ عَلَى صَلَاتِهِ، فَانْصَرَفَتْ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ أَتَتْهُ وَهُوَ يُصَلِّي، فَقَالَتْ: يَا جُرَيْجُ! فَقَالَ: أَيْ رَبِّ! أُمِّي وَصَلَاتِي، فَأَقْبَلَ عَلَى صَلَاتِهِ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ أَتَتْهُ وَهُوَ يُصَلِّي، فَقَالَتْ: يَا جُرَيْجُ! فَقَالَ: أَيْ رَبِّ! أُمِّي وَصَلَاتِي، فَأَقْبَلَ عَلَى صَلَاتِهِ، فَقَالَتْ: اللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتَّى يَنْظُرَ إِلَى وُجُوهِ الْمُومِسَاتِ، فَتَذَاكَرَ بَنُو إِسْرَائِيلَ جُرَيْجًا وَعِبَادَتَهُ، وَكَانَتِ امْرَأَةٌ بَغِيٌّ يُتَمَثَّلُ بِحُسْنِهَا، فَقَالَتْ: إِنْ شِئْتُمْ لَأَفْتِنَنَّهُ لَكُمْ، قَالَ: فَتَعَرَّضَتْ لَهُ، فَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيْهَا، فَأَتَتْ رَاعِيًا كَانَ يَأْوِي إِلَى صَوْمَعَتِهِ، فَأَمْكَنَتْهُ مِنْ نَفْسِهَا، فَوَقَعَ عَلَيْهَا، فَحَمَلَتْ، فَلَمَّا وَلَدَتْ، قَالَتْ: هُوَ مِنْ جُرَيْجٍ، فَأَتَوْهُ فَاسْتَنْزَلُوهُ وَهَدَمُوا صَوْمَعَتَهُ وَجَعَلُوا يَضْرِبُونَهُ، فَقَالَ: مَا شَأْنُكُمْ؟، قَالُوا: زَنَيْتَ بِهَذِهِ الْبَغِيِّ، فَوَلَدَتْ مِنْكَ، فَقَالَ: أَيْنَ الصَّبِيُّ؟، فَجَاؤُوا بِهِ، فَقَالَ: دَعُونِي حَتَّى أُصَلِّيَ، فَصَلَّى، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَتَى الصَّبِيَّ فَطَعَنَ فِي بَطْنِهِ، وَقَالَ: يَا غُلَامُ! مَنْ أَبُوكَ؟، قَالَ: فُلَانٌ الرَّاعِي، قَالَ: فَأَقْبَلُوا عَلَى جُرَيْجٍ يُقَبِّلُونَهُ وَيَتَمَسَّحُونَ بِهِ، وَقَالُوا: نَبْنِي لَكَ صَوْمَعَتَكَ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: لَا، أَعِيدُوهَا مِنْ طِينٍ كَمَا كَانَتْ، فَفَعَلُوا۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: پنگھوڑے (پالنے) میں صرف تین بچوں نے کلام کیا ہے، حضرت عیسیٰ بن مریم اور صاحبِ جریج نے،

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

جریج ایک عبادت گزار شخص تھا، اُس نے ایک عبادت گاہ بنائی، جس وقت وہ معبد میں نماز پڑھ رہا تھا، اُس کی ماں آئی اور کہا: اے جریج! اس نے (دل میں) کہا: اے میرے رب! ایک طرف میری ماں ہے اور ایک طرف میری نماز ہے، پھر وہ نماز پڑھتا رہا اور اس کی ماں واپس چلی گئی۔ دوسرے دن پھر وہ اُس وقت آئی، جب وہ نماز پڑھ رہا تھا، اُس نے کہا: اے جریج! اس نے (دل میں) کہا: اے میرے رب! ایک طرف میری ماں ہے اور ایک طرف میری نماز ہے، پھر وہ نماز پڑھتا رہا اور اُس کی ماں واپس چلی گئی۔ اگلے روز ماں پھر اُس وقت آئی جب وہ نماز پڑھ رہا تھا، اس نے کہا: اے جریج!، جریج نے کہا: اے میرے رب! ایک طرف میری ماں ہے اور ایک طرف میری نماز ہے، پھر وہ نماز میں مصروف رہا، اُس کی ماں نے کہا: اے اللہ! جب تک یہ فاحشہ عورتوں کا چہرہ نہ دیکھ لے، اس پر موت طاری نہ کرنا، بنو اسرائیل جریج اور اس کی عبادت کا بہت چرچا کرتے تھے، بنو اسرائیل کی ایک بدکار عورت تھی، جس کا حُسن ضرب المثل تھا، اُس نے کہا: اگر تم چاہو تو میں جریج کو فتنہ میں مبتلا کردوں، وہ عورت جریج کے پاس گئی، جریج نے اُس کی طرف توجہ نہیں کی۔ ایک چرواہا جریج کے معبد میں رہتا تھا، اُس عورت نے اُس چرواہے کو اپنے نفس پر دعوت دی، چرواہے نے اُس سے اپنی خواہش پوری کی، وہ عورت حاملہ ہوگئی، جب اُس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوگیا تو اُس نے کہا: یہ جریج کا بچہ ہے، لوگ آئے اور اُنہوں نے جریج کو مَعبَد (Church) سے اتارا اور عبادت گاہ کو گرادیا، لوگوں نے جریج کو مارنا شروع کردیا، جریج نے پوچھا: تمہارے اس ہنگامے کا سبب کیا ہے؟، لوگوں نے کہا: تم نے اس بدکار عورت سے زنا کیا ہے اور تم سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے۔ جریج نے کہا: وہ بچہ کہاں ہے؟، لوگ اُس بچے کو لے کر آئے، جریج نے کہا: ٹھہرو! مجھے نماز پڑھنے دو، اُس نے نماز پڑھی، پھر فارغ ہوکر بچے کے پاس آیا اور اُس کے پیٹ میں انگلی چبھوکر کہا: اے بچے! تیرا باپ کون ہے؟، اُس نے کہا: فلاں چرواہا، حضور ﷺ نے فرمایا: پھر لوگ جریج کی طرف مڑے، اُس کو بوسہ دینے لگے اور حصولِ برکت کے لیے اُس کو چھونے لگے اور کہا: ہم آپ کے لیے سونے کا معبد بنادیتے ہیں۔ جریج نے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کہا: نہیں تم اس کو اُسی طرح مٹی کا بنادو، پھر اُنہوں نے ویسا ہی بنادیا''۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: 6456)

اِس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت جریج شریعتِ عیسوی کے ایک صالح بندے اور عبادت گزار تھے اور والدین کے فرماں بردار بھی تھے، لیکن وہ تذبذب کی وجہ سے ماں کے بلاوے پر نماز نہ توڑ سکے اور دل ہی دل میں یہ سوچتے رہے کہ اے پروردگار! ایک طرف تیری عبادت نماز ہے اور دوسری جانب ماں کا بلاوا۔ اِس تذبذب میں ماں کے بلانے پر وہ نماز نہ توڑ سکے اور نماز کے بعد انہیں عبادت میں مشغولیت کی وجہ سے ماں کا بلانا یاد نہ رہا اور پھر یہی واقعہ دوبارہ رونما ہوگیا۔ ماں نے غصے میں آکر بددعا دے دی اور اُنہیں ایک بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ اُنہوں نے تو اپنے رب اور اپنی ماں کو راضی کرلیا ہوگا، کیونکہ وہ اللہ کے ولی تھے، لیکن ہمارا کیا بنے گا۔ اِسی لیے ایک حدیث پاک میں ماں باپ کو اولاد کے لیے ''بددعا'' کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ ان کی بددعا اگر درجۂ قبولیت کو پائے گی، تو اولاد تو یقیناً اس کے نتائج بھگتے گی، مگر خود والدین کو بھی اولاد کو تکلیف میں دیکھ کر رنج ہوگا۔

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں حقوقِ والدین، اکرامِ والدین اور اِطاعتِ والدین پر بہت زور دیا گیا ہے اور ماں کے بلانے پر نفلی نماز توڑ کر ماں کے حکم کی تعمیل کرنا بعض ائمہ کے نزدیک واجب ہے، بعض کے نزدیک ایسا کرنا افضل واَولیٰ ہے اور اَحسن صورت یہ ہے کہ نماز میں تخفیف کرے اور نماز جلدی مکمل کر کے ماں کے حکم کی تعمیل کرے۔ یہ تفصیلات ہم نے اِس لیے بیان کی ہیں کہ والدین کے مقام ومرتبے کا احساس ہوجائے۔

میڈیکل میں تخصُّص (Specialization) اچھی بات ہے، جو آپ کے اپنے لیے بھی نفع بخش ہے اور انسانیت کے لیے بھی فائدہ مند ہے، تاہم والدین کو ناراض کرکے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔ اگر والدین کی خدمت کے لیے آپ کے دوسرے بہن بھائی اُن کے قریب موجود ہیں تو اُنہیں وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کو خوش دلی سے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اجازت دے دینی چاہیے اور انہیں چاہیے کہ بیوی بچوں کو بھی آپ کو اپنے ہمراہ رکھنے کی اجازت دیں، کیونکہ بیوی کے بھی حقوق ہوتے ہیں اور بچوں کی بہتر تعلیم وتربیت والدین کے زیرِ سایہ ہی بہتر طور پر ہوسکتی ہے۔ دوسری متبادل صورت یہ ہے کہ آپ والدین کو بھی اپنے ہمراہ کراچی لے آئیں۔ آج کل والدین کو چاہیے کہ ایسی اولاد کو غنیمت جانیں جو اُن کی بغاوت اور نافرمانی پر آمادہ نہیں ہوتی بلکہ اپنی جائز خواہشات کی تکمیل کے لیے اُن کی اجازت کی طلب گار ہوتی ہے۔ رویوں میں شدت سے دوریاں پیدا ہوتی ہیں اور نرمی سے ذہنی اور فکری قربتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ہم نے ایسے بھی والدین اور شادی شدہ یا غیر شادی شدہ اولاد دیکھی ہے کہ وہ رہتے تو ساتھ ساتھ ہیں، لیکن دلوں میں ایک دوسرے کے لیے قبولیت کی جگہ نہیں ہوتی۔ والدین کا دوسری شادی کا مشورہ درست نہیں ہے۔ شریعت نے دوسری شادی کو عدل کی کڑی شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً**۔ ترجمہ: ''اگر تمہیں خدشہ ہو کہ ایک سے زیادہ ازواج کے درمیان تم عدل قائم نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو''۔ (النساء: 3)

دوسری شادی سے بھی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ آپ کے والدین کو مشورہ ہے کہ آپ کے لیے فراخ دلی کا مظاہرہ کریں۔

کفارۂ ظہار

سوال:

کسی شخص نے اپنی بیوی سے ظِہار کیا اور ظِہار کے کفارے میں موجودہ دور کے مجرم قیدی کو آزاد کرانا چاہتا ہے، کیا اِس سے اُس کا کفارہ ادا ہوجائے گا؟۔

(محمد صفدر سعیدی، نواب شاہ)

جواب:

قرآنِ کریم میں بیان کردہ ترتیب کے مطابق اوّلاً ظِہار کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے، یہ نہ ہونے کی صورت میں دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا ہے، روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ساٹھ مساکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ۚ

ترجمہ: ''پس جو غلام کو نہ پائے تو اس پر عملِ زوجیت سے پہلے دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا ہے، پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے، تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے''۔ (مجادلہ:۴)

اب چونکہ غلامی کا رواج ختم ہو گیا ہے اور اس پر عالمی سطح پر انسانیت کا اجماع ہو چکا ہے، اس لیے اب غلام اور باندیاں نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں قتلِ خطا کا کفارہ ایک مومن غلام آزاد کرنا اور مقتول کے ورثاء کو دیت ادا کرکے توبہ کرنا ہے۔ کفارۂ یمین کے تیسرے آپشن کے طور پر اور کفارۂ ظہار میں ترجیح اول کے طور پر غلام آزاد کرنے کا حکم ہے۔ مگر چونکہ اب غلام نہیں رہے، اس لیے غلام آزاد کرنے کا حکم اپنی مشروعیت کے اعتبار سے تو باقی ہے، لیکن غلامی نہ ہونے کی وجہ سے اس حکم پر عمل ممکن نہیں رہا، لہٰذا عمل کی حد تک یہ ساقط ہے، تاوقتیکہ دنیا میں انقلاباتِ زمانہ کے نتیجے میں پھر خدانخواستہ غلامی رائج ہو جائے۔

مجرم قیدی غلام نہیں ہیں، اس لیے اگر کوئی قیدی کسی مالی تاوان یا جرمانہ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے قید میں ہے اور وہ فقیر و مسکین ہے، تو وہ سورۂ توبہ آیت نمبر 60 میں بیان کیے گئے صدقاتِ واجبہ کے مستحقین کے تحت فقیر و مسکین ہونے کی وجہ سے ''غارمین'' کے ذیل میں آسکتا ہے اور زکوٰۃ کا مستحق ہے۔

آپ کو کفارۂ ظہار کے ساٹھ روزے رکھنے ہوں گے، ورنہ 60 مساکین کو دو وقت کھانا دینا ہوگا۔ شیخ الحدیث والتفسیر علامہ غلام رسول سعیدی قتلِ خطا کے کفارے کے بیان میں لکھتے ہیں: ''کسی مسلمان نے کسی مسلمان کو دارالاسلام میں خطاءً قتل کیا ہو یا کسی مسلمان کو دارالحرب میں خطاءً قتل کیا ہو یا کسی ذمی کو دارالاسلام میں قتل کیا ہو، تینوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان قاتل پر کفارہ لازم کیا ہے اور وہ ایک مسلمان کی گردن (باندی یا غلام) آزاد کرنا ہے، اب اگر کسی شخص کی قدرت میں غلام آزاد کرنا نہ ہو یا غلامی کا رواج ختم ہو گیا ہو،

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جیسا کہ آج کل ہے تو وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے گا، تو دیت کی ادائیگی اور کفارہ ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا''۔ (انوار تبیان القرآن، ص: 145)

مُطلّقہ بیوی کی عدت کے اندر اُس کی بہن سے نکاح

سوال:

میں نے اپنے شوہر سید وحید شاہ سے مطالبہ کیا کہ مجھے طلاق دے دو، میں تم سے کوئی حق مہر بھی نہیں لوں گی، جس پر وحید شاہ نے کہا کہ: ''میں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں''۔ جس مجلس میں طلاق دی، اُسی میں میری چھوٹی بہن بی بی بشریٰ سے وحید شاہ کا نکاح ہوا۔ مذکورہ دونوں مسئلوں پر شرعی حکم کیا ہے؟

(سیدہ بی بی آمنہ، گولڈن ٹاؤن کراچی)

جواب:

اگر آپ کا بیان درست ہے تو آپ کو تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور آپ دونوں ایک دوسرے کے اوپر حرام ہوگئے۔ آپ کے سابق شوہر وحید شاہ نے جس مجلس میں آپ کو طلاقِ مُغلَّظہ (تین طلاقیں) دی، اُسی مجلس میں آپ کی بہن کے ساتھ جو اُن کا نکاح منعقد ہوا، وہ فاسد اور کالعدم ہے۔ دونوں کا میاں بیوی کی حیثیت سے رہنا حرام ہے، اُن پر لازم ہے کہ فوراً علیحدگی اختیار کرلیں۔ علامہ ابن عابدین شامی نکاح فاسد کی بحث میں لکھتے ہیں:

تَزَوُّجُ الْأُخْتَيْنِ مَعًا، وَنِكَاحُ الْأُخْتِ فِي عِدَّةِ الْأُخْتِ، وَنِكَاحُ الْمُعْتَدَّةِ، وَالْخَامِسَةُ فِي عِدَّةِ الرَّابِعَةِ

ترجمہ: ''دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا، مُطلّقہ بیوی کی عدت کے اندر اُس کی بہن سے نکاح کرنا، ایسی عورت جو اپنی طلاق یا وفات کی عدت گزار رہی ہے، ایامِ عدت میں اُس سے نکاح کرنا اور اگر کسی کے نکاح میں چار بیویاں ہیں اور وہ چوتھی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے، تو جب اُس کی عدت مکمل نہیں ہوجاتی، اُس کی عدت کے دوران کسی اور خاتون سے نکاح، تو ان چاروں صورتوں میں نکاح فاسد ہے (اور ان کے درمیان فوراً علیحدگی لازم

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ہے)۔(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 4، ص:202)

محض لوگوں کی بدگمانی سے زنا ثابت نہیں ہوتا

سوال:

ہند نامی عورت اور زید نامی شخص عوام کی نظر میں ایک دوسرے سے بدکاری کرتے رہے، لیکن لوگوں کے پاس کوئی گواہ موجود نہیں ہیں۔ اب ہند کے لڑکے خالد اور زید کی لڑکی شبنم کا آپس میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟، حالانکہ ہند کا لڑکا شکل وصورت میں زید سے مماثلت رکھتا ہے، (شمس الضحیٰ)۔

جواب:

مذکورہ سوال میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) ایک ہند اور زید پر زنا کا دعویٰ (۲) ہند کے لڑکے خالد کے نسب کو مُشتَبہ قرار دینا (۳) ہند کے بیٹے خالد اور زید کی بیٹی شبنم کے درمیان نکاح کی حرمت کا مسئلہ۔

شریعتِ مطہرہ میں ثبوتِ زنا کے لیے چار ثقہ مرد گواہ درکار ہیں یا خود زانی کا اقرار۔ لوگوں کی نظر میں یہ بات مشہور ہونے سے زنا کا ثبوت حاصل نہیں ہوجاتا۔ زنا کا الزام لگانے والے اگر گواہ نہ پیش کرسکیں اور شرعی عدالت قائم ہو، تو ایسے لوگوں پر حدِّ قَذَف جاری ہوگی، جو 80 کوڑے ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ

ترجمہ: ''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر (اس کے ثبوت میں) چار مرد گواہ نہ پیش کرسکیں، تو تم ان کو 80 کوڑے مارو اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو'' (النور:4)۔ زنا کے ثبوت کے لیے چار مسلمان آزاد مردوں کی گواہی ضروری ہے عورتوں کی گواہی سے زنا ثابت نہیں ہوتا، جس پر قرآن مجید، احادیث، اجماع فقہاء سے بکثرت دلائل موجود ہیں۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

(۱) خالد کا نسب ہند کے شوہر سے ثابت ہے، کیونکہ جب تک عورت کسی کے نکاح میں ہے، اُس کے بطن سے جو بچہ پیدا ہوگا، اُس کا نسب اُسی شخص کی طرف منسوب ہوگا، جس کے نکاح میں وہ عورت ہے اور وہ بچہ اُس کا وارث بھی بنے گا، حدیث پاک میں ہے:

اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ

ترجمہ: ''بچے کا نسب اسی کی طرف منسوب ہوگا، جس کے نکاح میں اس کی ماں ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے (یعنی محرومی ہے)''۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 2053)

اس حدیث کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

وَأَجمعتْ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْعُلَمَآءِ بِاَنَّ الْحُرَّةَ فِرَاشٌ بِالْعَقْدِ عَلَيْهَا مَعَ اِمْكَانِ الْوَطْئِ، وَاِمْكَانِ الْحَمْلِ، فَاِذَا كَانَ عَقْدُ النِّكَاحِ يُمْكِنُ مَعَهُ الْوَطْئُ وَالْحَمْلُ، فَالْوَلَدُ لِصَاحِبِ الْفِرَاشِ لَايَنْتَفِيْ عَنْهُ أَبَدًا بِدَعْوٰى غَيْرِهٖ وَلَا بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوْهِ، اِلَّا بِاللِّعَانِ۔

ترجمہ: ''جماعت علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ آزاد عورت جب کسی مرد کے عقد میں ہو اور اُس سے وطی اور اُس کا حمل قرار پانا ممکن ہو، تو (اس سے پیدا ہونے والے بچے) کا نسب اُس شخص کی طرف منسوب ہوگا (جس کے وہ نکاح میں ہے)، اور کسی دوسرے شخص کے دعوائے نسب یا کسی بھی اور سبب سے اُس کے نسب کی نفی نہیں ہوگی، سوائے اُس کے اُس عورت (یعنی بچے کی ماں) کا شوہر اُس پر زنا کا الزام لگائے اور وہ عورت اُس الزام کو رَد کرے اور سورۂ نور کی آیات لعان (آیت: 6 تا 9) کے مطابق عمل کر کے قاضی اُن کا نکاح فسخ کردے (تو صرف اس صورت میں اُس بچے کے نَسب کی اُس شخص سے نفی کی جائے گی)''۔

آگے چل کر ''وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

أَنَّ الزَّانِیْ لَهُ الْخَيْبَةُ، وَلَاحَظَّ لَهٗ فِی الْوَلَدِ۔ وَالْعَرَبُ تَجْعَلُ هٰذَا مَثَلًا فِی الْخَيْبَةِ، كَمَا يُقَالُ: لَهُ التُّرَابُ، اِذَا أَرَادُوا لَهُ الْخَيْبَةَ، وَقِيْلَ: اَلْوَلَدُ لِصَاحِبِ الْفِرَاشِ مِنَ الزَّوْجِ أَوِالسَّيِّدِ، وَلِلزَّانِیْ اَلْخَيْبَةُ وَالْحِرْمَانُ، كَقَوْلِكَ: مَالَكَ عِنْدِیْ شَیْءٌ غَيْرُالتُّرَابِ،

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

وَمَابِیَدِكَ غَیْرُالْحَجَرِ۔

ترجمہ: ''یعنی زانی کے لیے محرومی اور ناکامی ہے اور بچے کے نسب میں اُس کا کوئی حصہ نہیں ہے اور اہلِ عرب کے نزدیک ''اَلْحَجَرُ'' کو ''خَیْبَۃ (ناکامی)'' کے معنی میں بولا جاتا ہے، جیسے ناکامی کے اظہار کے لیے ''اَلتّرَاب (مٹی)'' بھی بولتے ہیں، اور ایک قول کے مطابق اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ بچہ اُس شخص کا ہے، جس سے اُس عورت کا عقدِ شرعی ہے اور زانی کے لیے محرومی اور ناکامی ہے، جیسے کوئی کہے: ''تمہارے لیے میرے پاس مٹی کے سوا کچھ نہیں ہے'' اور ''تمہارے ہاتھ میں پتھر کے سوا کیا ہے؟'''۔

(عمدۃ القاری، جلد 11، ص: 241-240)

محض شکل وصورت کی مشابہت ومماثلت سے زنا کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا خالد اور شبنم کے نکاح میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے، اگر دفعِ شَر اور لوگوں کی انگشت نمائی سے بچنے کے لیے وہ اجتناب کرنا چاہیں، تو بہتر ہے۔

برادری سے باہر نکاح کا حکم

سوال:

ہمارا تعلق ناگوری برادری سے ہے، کچھ عرصے سے برادری میں جرگہ سسٹم نافذ ہوگیا ہے، جس میں یہ پابندی لگائی گئی ہے کہ کوئی بھی فرد برادری سے باہر شادی نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی شخص برادری سے باہر شادی کرے تو اُسے جرگہ کے ذریعے برادری میں سزا دی جاتی ہے، سزا یہ ہے کہ جس نے برادری سے باہر شادی کی یا کروائی، وہ اور اُس کے والدین کو برادری کی تمام خوشی کی تقریبات سے دور کردیا جاتا ہے، چار تا چھ سال کے لیے اُس پر یہ پابندی لگائی جاتی ہے۔ برادری میں یہ اعلان کردیا جاتا ہے کہ فلاں بن فلاں کو دعوت نہ دینا۔ اِسی طرح اگر کوئی شخص طلاق دے، تو اُسے بھی یہ سزا دی جاتی ہے۔ کیا جرگہ سسٹم کے تحت دی جانے والی ناگوری جماعت کی یہ سزائیں اور اِس پر عمل کرانے والی کمیٹی کے افراد یہ اچھا کام کررہے ہیں؟ قرآن وسنّت کی روشنی میں جواب عنایت

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

فرمائیں۔ (حاجی محمد ابوبکر، شیر شاہ کالونی، کراچی)

جواب:

قرآن کریم نے مسلمان مرد و عورت کے درمیان نکاح کو مطلقاً جائز رکھا ہے۔ لیکن شریعت نے زوجین کے درمیان خوشگوار ازدواجی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے کفو (Equal Status) کا اعتبار کیا ہے، تاکہ دونوں کا رہن سہن، عادات واطوار یکساں ہوں۔ شرعاً کفو کا معیار مرد کی جانب سے معتبر ہوتا ہے، یعنی دونوں خاندان عزت، شرافت، دین داری، مالداری اور صنعت وحرفت میں برابر ہوں یا عورت کم درجہ کی ہو لیکن اگر والد راضی ہو تو بالغہ لڑکی غیر کفو میں بھی نکاح کر سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اِذَا خَطَبَ اِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوْهُ، اِلَّا تَفْعَلُوْا، تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے، جس کے اخلاق اور دین کو تم پسند کرتے ہو، تو نکاح کر دو، اگر نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ و فسادِ عظیم ہوگا''۔

(سُنن ترمذی، رقم الحدیث: 1086، سُنن ابن ماجہ: 1967)

برادری سے باہر نکاح کرنا نہ تو کوئی عیب ہے اور نہ ہی نکاح کے لیے مانع ہے۔ مفتی وقارالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''برادری کو ایسی پابندی لگانا کہ اپنی برادری سے باہر لڑکی کی شادی نہیں کی جائے گی، غلط ہے۔ اپنی برادری کی برابر حیثیت والی برادری یا اس سے اعلیٰ برادری میں شادی کرنے پر تو کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی، کم درجہ کے لیے پابندی لگائی جا سکتی ہے۔ مگر جب لڑکی کے والدین راضی ہوں تو برادری اس تیسری صورت میں بھی اُن پر کوئی پابندی نہیں لگا سکتی، جبکہ اس پابندی سے خراب اثر پڑتا ہو کہ لڑکیاں بغیر شادی عمر گزار دیں، تو پابندی لگانا گویا فتنوں کا دروازہ کھولنا ہے۔ جو ماں باپ اپنی لڑکی کی شادی غیر برادری میں کر دیں، اُن سے تعلقات اس طرح منقطع کرنا کہ شادی بیاہ اور میت

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

میں بھی شریک ہونے کو ممنوع قرار دے دیا جائے، حرام ہے۔ کسی جائز کام پر اس قسم کی پابندی لگانے والے سخت گناہ گار ہیں، اُنہیں توبہ کرنی چاہیے اور حکمِ شریعت کے خلاف پابندی کو فوراً ختم کر دینا چاہیے''۔ (وقار الفتاویٰ، جلد سوم، ص: 21)

برادری سے باہر شادی کرنے والوں پر اپنے عزیزوں اور قرابت داروں کی خوشیوں کی تقریبات میں شرکت پر آپ کی برادری کا پابندی لگانا قطع رحمی ہے، جو حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

(1) لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَاطِعٌ۔

ترجمہ: ''رشتے اور قرابت کے تعلق کو توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا''۔

(صحیح بخاری، رقم: 5984، صحیح مسلم، رقم: 2556، سنن ترمذی، رقم: 1916)

(2) اِنَّ الرَّحِمَ شَجْنَۃٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ، فَقَالَ اللّٰہُ مَنْ وَصَلَکَ وَصَلْتُہٗ وَمَنْ قَطَعَکِ قَطَعْتُہٗ

یعنی ''رحم (رحمٰن سے ملی ہوئی) شاخ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو تجھ سے وصل کرے گا میں اس سے وصل کروں گا اور جو تجھ سے قطع کرے گا میں اس سے قطع کروں گا''۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: 5988)

شوہر کے طلاق کے حق پر پابندی تو شرعاً نہیں لگائی جاسکتی، لیکن دینی تعلیم وتربیت کے ذریعے بلاسبب طلاق دینے کے رجحان کو مناسب حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ہم نے ایک الگ فتوے میں اصلاحی تجویزیں بیان کی ہیں، ان کا مطالعہ مفید ہوگا۔ برادریوں کو خاندانی تنازعات کو حل کرنے میں مؤثر کردار ادا کرنا چاہیے اور یہ کردار صرف اسی صورت میں مؤثر ہوتا ہے، جب اخلاص پر مبنی ہو، منصفانہ ہو، جانبداری نہ ہو، کمزور فریق کا سہارا بنے اور شریعت کی حدود میں ہو۔

تہمتِ زنا اور حدود کے شرعی احکام

سوال:

ایک عاقل وبالغ مسلمان مرد ایک عورت سے تعلق قائم کرتا ہے، جس کے نتیجے میں

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اولاد ہوئی، اُس شخص کے بارے میں قرآن وسنّت کا کیا حکم ہے؟''۔

(محمد شمیم خان، فیڈرل بی ایریا، کراچی)

جواب:

آپ نے سوال میں یہ نہیں لکھا کہ مذکورہ شخص شادی شدہ تھا یا غیر شادی شدہ؟، قرآن وسنّت کی رُو سے زنا ایک سنگین جرم ہے، لیکن ثبوتِ شرعی کے بغیر جرم ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ محض الزام کہلاتا ہے اور قانون کی زبان میں بھی اُسے ملزَم(Accused) کہا جاتا ہے۔ اگر شرعی معیار (یعنی چار عینی گواہوں یا مجرم کے اقرار) سے مُجاز عدالت کے سامنے جرم ثابت ہوجائے تو اسلامی ریاست میں یہ جرم ''موجبِ حد'' ہے اور اس پر حدِ شرعی نافذ کرنا صرف عدالت کا دائرۂ اختیار ہے۔ اگر ارتکابِ جرم کے وقت وہ شخص عاقل وبالغ اور غیر شادی شدہ تھا، تو قرآن مجید میں اُس کی سزا سو کوڑے ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ: ''زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے اگر تم اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے''۔ (النور:2)

اور قانون یہ بھی دیکھتا ہے کہ جرم کس عدالت کے دائرۂ اختیار میں سرزد ہوا ہے۔ حدود قائم کرنا حاکمِ اسلام یا اُس کے مقرر ومُجاز قاضی کا کام ہے۔ اگر کسی پر زنا کا الزام لگایا جائے اور وہ شخص جرم سے انکاری ہو اور مدّعی عدالت میں چار گواہوں سے اپنے دعوے کو ثابت نہ کرسکے، تو اُس پر حدِ قذف جاری ہوگی، جو اَسّی کوڑے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں، پھر (عدالتِ مُجاز کے سامنے) چار عینی گواہ پیش نہ کرسکیں، تو اُنہیں (حدِّ قذف کے) اَسّی کوڑے لگاؤ اور (آئندہ) اُن کی شہادت کبھی بھی (عدالتِ مجاز میں) قبول نہیں ہوگی (یعنی وہ مردود الشہادت ہوں گے) اور وہی لوگ فاسق ہیں''۔ (النور: 4)

کسی غیر شادی شدہ عورت کا محض بیٹا تولُّد ہونے سے کسی شخص کو زنا کا مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا تاوقتیکہ عدالت مُجاز میں کوئی شخص کسی پر دعویٰ دائر کرے اور عدالت میں چار عینی گواہوں یا اقرارِ جرم سے ثابت ہو۔ حال ہی میں اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان قرار دے چکی ہے کہ DNA ٹیسٹ حدِّ زنا کے نفاذ کے لیے کافی شہادت نہیں ہے اور اِس کی بنا پر حد نہیں جاری کی جاسکتی، یہ محض قرائن کی شہادت (Circumtancial Evidence) ہوسکتی ہے، لیکن اِس پر حد نہیں جاری کی جاسکتی۔

اسلام چونکہ مسلمان کو جان و مال اور آبرو کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی شخص پر زنا کا الزام لگائے اور وہ ازالۂ حیثیتِ عرفی (Defamation) کے لیے عدالت سے رجوع کرے اور عدالت مُجاز میں چار عینی گواہوں سے جرم ثابت نہ ہو تو الزام لگانے والوں پر حدِّ قذف لگائی جائے گی، جو اَسّی کوڑے ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب چار عینی گواہوں کی شہادت رَد ہوگئی، تو ان چاروں کو اَسّی اَسّی کوڑے لگائے گئے۔ قانون کی رُو سے مُقدمہ وہیں دائر ہوسکتا ہے، جہاں جرم سرزد ہوا ہو، یعنی جس عدالت کا دائرۂ اختیار (Jurisdiction) ہو، وہیں پر مُقدمہ دائر ہوگا، حدود کا معاملہ معمولی نوعیت کا نہیں ہے۔

اگر ان چیزوں کو پروپیگنڈے کی شکل دی گئی، تو لوگ اپنے عزتِ نفس کے تحفظ کی خاطر لاوارث بچوں کو گود لینے اور پرورش کرنے سے اجتناب کریں گے اور یا تو وہ کچرے کے ڈھیروں پر زندگی کی بازی ہار جائیں گے یا لاوارث بچوں کے اداروں میں رُلتے رہیں گے، جبکہ روزانہ لوگ ٹیلیویژن پر دیکھتے ہیں کہ لوگ لاوارث بچوں کو گود لے لیتے ہیں یعنی

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

Adopt کرتے ہیں اور اُن کی پرورش کرتے ہیں اور تعلیم وتربیت کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں، کیونکہ ایسے بچے کا خود تو کوئی قصور نہیں ہے۔

نوٹ: اس فتوے کو سیاق وسباق سے ہٹ کر اور قطع وبُرید کر کے پیش کرنے کی اجازت نہیں ہے اور نہ ہی میڈیا پر جاری کرنے کی اجازت ہے، یہ دینی، قانونی اور علمی خیانت کے زمرے میں آئے گا۔

جہیز کا سامان ضائع ہونے کی صورت میں تاوان نہیں

سوال:

ایک شادی شدہ جوڑے کے درمیان طلاق ہوگئی۔ لڑکے والوں کی طرف سے بار ہا جہیز کا سامان اٹھانے کے لیے کہا جاتا رہا لیکن لڑکی والوں نے کافی عرصے تک جہیز کا سامان نہیں اٹھایا، وہ سامان اگرچہ محفوظ مقام پر رکھا گیا تھا لیکن دیمک لگ جانے کے سبب ضائع ہوگیا۔ اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟، (عبدالمجید چانڈیو، ابوالحسن اصفہانی روڈ، کراچی)

جواب:

رشتۂ نکاح کے ختم ہوجانے کے بعد لڑکی کے جہیز کا سامان امانت تھا، لہٰذا اگر لڑکی کے سُسرال والوں نے سامان کی حفاظت میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور سامان کا نقصان ہوگیا، تو لڑکے والوں پر کوئی ضمان نہیں۔ ہاں اگر حفاظت میں کسی قسم کی کوتاہی کی یا جان بوجھ کر کسی ایسے مقام پر ڈال دیا گیا، جہاں سے ضائع ہوجاتا، تو ضمان ہوگا جیسا کہ امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز ایسی ایک صورت میں لکھتے ہیں: ''اگر متولی نے کوئی بے احتیاطی نہ کی تو اس پر تاوان نہیں، کیونکہ مُتولی وَصی کی طرح امین ہے اور قسم کے ساتھ اُس کا قول معتبر ہوگا، لانہ کَالْوَصِیِّ اَمِیْنٌ فَالْقَوْلُ قَوْلُہٗ بِیَمِیْنٍ۔ (کیونکہ وہ (متولی) وصی کی طرح امین ہے تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی) اور اگر بے احتیاطی کی مثلاً صندوق کُھلا چھوڑ دیا غیر محفوظ جگہ رکھا تو اس پر تاوان ہے لِاَنَّ الْاَمِیْنَ بِالتَّعَدِّیْ ضَمِیْنٌ۔ (کیونکہ حد سے تجاوز (بے پروائی اور بے احتیاطی) کی وجہ سے امین پر ضمان لازم ہوتا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ہے)''۔(فتاویٰ رضویہ جلد 16 ص:570 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

رضاعی بہن سے نکاح کا شرعی حکم

سوال:

مُسمّٰی منیر احمد نے اپنی حقیقی خالہ ایمنہ کا دودھ پیا ہے۔اب منیر احمد کا نکاح ایمنہ کی بیٹی عذرا کے ہمراہ کردیا گیا ہے۔کیا یہ نکاح جائز ہے؟۔عذرا کو جب معلوم ہوا تو اُس نے علیحدگی کرلی ہے،کیا اِس رشتے کو ختم کرنے کے لیے طلاق دینا ضروری ہے؟۔(عذرا بی بی)

جواب:

صورتِ مسئولہ میں منیر احمد کا عذرا سے نکاح ،نکاحِ فاسد ہے۔تفریق قاضی/جج کے حکم سے ہوگی یا شوہر قولی اور عملی طور پر علیحدگی اختیار کرے،یعنی مُتارکہ کرے اور یوں کہے کہ ''میں نے تجھے جدا کیا یا چھوڑا''۔یہ حکم اُس صورت میں ہے کہ جب ازدواجی تعلق قائم ہوا ہو اور اگر ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوا تو محض علیحدہ ہوجانا کافی ہے اور کوئی عدت لازم نہیں ہے۔ازدواجی تعلق قائم ہونے کی صورت میں محض علیحدگی کافی نہیں ہے،بلکہ عقدِ ثانی سے پہلے عدت گزارنا لازمی ہے۔تفصیلی دلائل حسبِ ذیل ہیں:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ

ترجمہ:''اور تمہاری مائیں،جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں (تم پر حرام کی گئیں)''۔(النساء:23)

ا۔عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ لِی رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:''یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا یَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ''۔

ترجمہ:''حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا: رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں''۔(صحیح مسلم:3505)

جس بچی یا بچے نے کسی عورت کا دودھ مدتِ رضاعت (یعنی ڈھائی سال کی عمر تک)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

پیا ہے، اس دودھ پینے والے بچے پر رضاعی ماں باپ کی ساری اولاد خواہ وہ دودھ پلانے سے پہلے کی ہو یا بعد کی، اسی طرح رضاعی ماں کی کسی دوسرے شوہر سے اولاد، سب اس دودھ پینے والے کے لیے رضاعی بہن بھائی ہوگئے اور ان میں سے کسی کی شادی اس دودھ پینے والے سے نہیں ہوسکتی، جبکہ رضاعی ماں باپ کی اولاد پر صرف یہ بچہ یا بچی حرام ہے، جس نے دودھ پیا ہے، اس کے باقی بہن بھائی حرام نہیں ہے(بشرطیکہ حرمت کا کوئی اور سبب نہ ہو)۔

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

أَنَّ النِّكَاحَ لَايَرتَفِعُ بِحُرمَةِ الرَّضَاعِ وَالْمُصَاهَرَةِ، بَلْ يَفسُدُ، حَتّٰى لَوْوَطِئَهَاقَبلَ التَّفرِيقِ لَا يَجبُ عَلَيْهِ الْحَدُّ، اِشتَبَهَ الأَمرُأَولَمْ يشتَبِهْ، نَصَّ عَلَيْهِ فِي ''الأَصْلِ'' وَفِي الفَاسِدِ لَابُدَّمِنْ تَفرِيقِ القَاضِي أَوالْمُتَارَكَةِبِالقَولِ فِي المَدْخُولِ بِهَاوَفِي غَيْرِهَا يُكْتَفٰى بِالْمُفَارَقَةِبِالأَبدَانِ۔

ترجمہ: ''حُرمتِ مصاہرت اور حرمتِ رضاعت کی بنا پر نکاح ختم نہیں ہوتا بلکہ فاسد ہوتا ہے، حتیٰ کہ اگر شوہر نے تفریق سے قبل مباشرت کی ہو تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی، اس کو کوئی اشتباہ ہو یا نہ ہو۔ (امام محمد رحمہ اللہ نے) ''اصل'' میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ نکاحِ فاسد میں مدخولہ عورت کے لیے تفریق قاضی کے حکم سے ہوگی یا زبانی مُتارکہ (علیحدگی کے الفاظ کہنے) سے، اور اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو دونوں کا عملاً علیحدہ ہوجانا ہی کافی ہے''۔ (جلد 9، ص:83)

امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ''اس حُرمت کے پیدا ہونے سے مرد وزن کو جدا ہوجانا اور اس نکاح فاسد شدہ کا فسخ کر دینا فرض ہوجاتا ہے، مگر خود بخود نکاح زائل نہیں ہوجاتا، یہاں تک کہ شوہر جب تک مُتارکہ نہ کرے اور بعد مُتارکہ عدت نہ گزرے، عورت کو رَوا (جائز) نہیں کہ دوسرے سے نکاح کرے اور قبل متارکہ شوہر کا اس سے وطی کرنا حرام ہوتا ہے، مگر زنا نہیں کہ نکاح باقی ہے، لہٰذا اس وطی سے جو اولاد پیدا ہو، صحیح النسب ہے، ایسے نکاح کے اِزالہ کے لیے جو الفاظ کہے جائیں، طلاق نہیں بلکہ مُتارکہ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

(یعنی اظہارِ علیحدگی) کہلاتے ہیں اگر چہ بلفظ طلاق ہو یہاں تک کہ ان سے عددِ طلاق کم نہیں ہوتا''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 11 ص: 365)

ظِہار کا معنیٰ اور اَحکام

میں بے نظیر یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر ہوں اور ظِہار کے موضوع پر تحقیقی کام کر رہی ہوں، اس مسئلے پر آپ جیسے علمی، تحقیقی اور فکری صاحب الرائے سے استفادے کے طور پر چند سوالات کا حل مطلوب ہے؟

(ڈاکٹر نسیم اختر، اسسٹنٹ پروفیسر بے نظیر یونیورسٹی، پشاور)

سوال:

(ا) ظِہار کے معنیٰ اور حکم کیا ہیں؟۔

جواب:

''ظَھر'' کے معنیٰ پُشت کے ہیں، علامہ امام علاء الدین کاسانی حنفی لکھتے ہیں: ظَاھَرَ الرَّجُلُ مِنۡ اِمرَأَتِہٖ (یعنی شوہر نے اپنی بیوی سے ظِہار کیا) کے معنی ہیں: شوہر کا بیوی سے یہ کہنا کہ ''تو مجھ پر میری ماں کی پُشت کی طرح ہے''، ''ظِہار'' ہے۔ اس سے مَحرَم عورت کا ہر وہ عضو، جس کا سَتر واجب ہے اور جس کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے، مراد ہے، جیسے پیٹ، ران، فَرج (شرمگاہ) وغیرہ۔ یعنی اگر شوہر نے بیوی سے کہا: ''تو میرے لیے میری ماں کی ران یا پیٹ یا فَرج کی طرح ہے، یہ بھی ظِہار ہے'' (بدائع الصنائع، جلد 3 ص: 325)۔

بیوی کے کسی ایسے عُضو کو جس کا ستر لازم ہے، اپنی مَحرَم عورت کے عضو سے تشبیہ دینا بھی ظِہار ہے۔ مَحرَم عورت سے مراد ہر وہ عورت ہے، جس سے کسی شخص کا نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو، خواہ یہ حُرمت نَسبی رِشتے سے ہو یا رضاعی رِشتے سے یا سُسرالی رِشتے سے، جیسے نَسبی یا رضاعی ماں یا بہن یا خالہ یا پھوپھی یا بھانجی یا بھتیجی یا ساس وغیرہ۔ بیوی کی بہن (یعنی سالی) مَحرَم نہیں ہے، کیونکہ اُس سے نکاح کی حُرمت عارضی ہے، دائمی نہیں ہے، یعنی اگر بیوی کو طلاق دے دے اور عدّت گزر جائے یا بیوی وفات پا جائے، تو اُس کی بہن سے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

نکاح کرسکتا ہے۔ ظہار کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

ترجمہ: ''تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظِہار کرتے ہیں (یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے)، وہ عورتیں حقیقت میں اُن کی مائیں نہیں ہیں، اُن کی مائیں تو صرف وہ ہیں، جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظِہار کرلیں، پھر عملِ زوجیت کے لیے لوٹنا چاہیں، تو اُن پر عملِ زوجیت سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے، یہ وہ چیز ہے، جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے۔ پس جو غلام کو نہ پائے، تو اس پر عملِ زوجیت سے پہلے دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا ہے، پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے تو اُس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ حکم اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے''۔ (مجادلہ: 2 تا 4)

ظِہار کا حکم

ظِہار کرنے سے بیوی شوہر پر حرام ہوجاتی ہے، اگر شوہر دوبارہ رجوع کرنا چاہے، تو اسے کفارہ دینا ہوگا۔ علامہ برہان الدین ابوبکر فرغانی حنفی لکھتے ہیں:

وَاِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِاِمْرَأَتِهٖ: أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ، فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ لَا يَحِلُّ لَهٗ وَطْؤُهَا وَلَا مَسُّهَا، حَتّٰى يُكَفِّرَ عَنْ ظِهَارِهٖ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: (وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ترجمہ: ''جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری ماں کی پُشت کی مثل ہے، تو وہ (عورت) اُس پر حرام ہوجاتی ہے اور اب اُس سے عملِ زوجیت جائز نہیں اور نہ ہی اُس کو چھونا اور بوسہ دینا جائز ہے، تاوقتیکہ شوہر اس ظِہار کا کفارہ ادا کردے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مجادلہ کی آیت:3 میں ارشاد فرمایا''۔ (ہدایہ، جلد 3، ص:250)

ظِہار کا کفارہ

سورۂ مُجادلہ آیت:4 کی رُو سے آج کے حالات میں ظِہار کا کفارہ یہ ہے: رجوع یعنی بیوی کے ساتھ قربت سے پہلے دو ماہ مسلسل روزے رکھنا ورنہ ساٹھ مساکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا ہے۔

شیخ الحدیث والتفسیر علامہ غلام رسول سعیدی ہدایہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اور کفارۂ ظِہار، ایک غلام کو آزاد کرنا ہے اور اگر غلام میسر نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، پس اگر اس کی طاقت نہ رکھے، تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، کیونکہ کفارہ میں اِسی ترتیب سے نَص وارِد ہے اور یہ کفارے عملِ زوجیت سے پہلے ادا کیے جائیں اور یہ غلام آزاد کرنے میں اور روزے رکھنے میں تو ظاہر ہے کیونکہ قرآن مجید میں اِسی طرح ہے اور کھانا کھلانے میں بھی اِسی طرح ہے، کیونکہ کھانا کھلانے میں جماع سے منع کیا گیا ہے، اس حُرمت کی وجہ سے جو ظِہار سے ثابت ہے، اس لیے کفارہ کو عملِ زوجیت پر مُقدّم کرنا ضروری ہے تاکہ عملِ زوجیت حلال طریقہ سے ہو''۔ (الہدایہ مع البنایہ، جلد 5، ص:337)

علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی الحنفی الجصاص المتوفیٰ 370ھ لکھتے ہیں:

ظِہار کرنے والے کے متعلق اختلاف ہے، کیا وہ کھانا کھلانے سے پہلے جماع کرسکتا ہے؟، پس ہمارے اَصحاب (احناف) اور امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے: اس وقت تک جماع نہ کرے حتّٰی کہ کھانا کھلادے، جب کہ اس پر کھانا کھلانا فرض ہو اور جو ظِہار کرنے والا روزہ رکھنے سے عاجز ہو، اس سے نبی ﷺ نے فرمایا: جب تک وہ کفارہ نہ دے، جماع نہ کرے''۔ (احکام القرآن، جلد 3 ص:427-426)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

تاہم علامہ المرغینانی الحنفی نے لکھا ہے کہ کھانا کھلانے سے پہلے تو مُظاہر (ظہار کرنے والا) جماع نہیں کرسکتا لیکن کھانا کھلانے کے درمیان جماع کرسکتا ہے، وہ لکھتے ہیں: اگر مُظاہر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ رہا ہو اور دو ماہ کے درمیان اس نے اپنی بیوی سے جماع کرلیا تو وہ از سرِ نو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے گا اور جب دو ماہ کے مسلسل روزے نہ رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا اور ہر مسکین کو نصف صاع (دو کلو) گندم یا ایک صاع (چار کلو) کھجور یا ایک صاع جو یا ان کی قیمت ادا کرے گا اور اگر اس نے ایک مسکین کو ساٹھ دن کھانا کھلایا تو اس کے لیے کافی ہوگا اور اگر اس نے ایک مسکین کو ایک دن میں ساٹھ مسکینوں کا طعام دے دیا تو یہ صرف ایک مسکین کا کفارہ ہوگا اور اگر مُظاہر نے کھانا کھلانے کے دوران اپنی بیوی سے جماع کرلیا، تو اس کو یہ کفارہ دہرانا نہیں پڑے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلام آزاد کرنے اور ساٹھ مسلسل روزوں میں یہ قید لگائی ہے کہ یہ کفارہ جماع کرنے سے پہلے ادا کریں اور کھانا کھلانے میں یہ قید نہیں لگائی کہ جماع کرنے سے پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں، اس لیے یہ کفارہ اپنے اطلاق پر رہے گا اور کھانا کھلانے کے درمیان وہ جماع کرسکتا ہے"۔

(ہدایہ مع نصب الرایہ، جلد 3، ص: 359-358)، (تبیان القرآن، جلد 11، ص: 773-772)

نکاح سے قبل ظِہار نہیں

سوال: (۲) کیا ظہار شادی سے پہلے بھی ہوسکتا ہے؟۔

جواب:

نکاح سے پہلے ظِہار کے الفاظ کوئی معنیٰ نہیں رکھتے، سوائے اس ایک صورت کے کہ کسی اجنبی عورت سے مِلک یا سببِ مِلک کی طرف اضافت کے ساتھ ظِہار کے الفاظ کہے ہوں۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

(وَصَحَّ اِضَافَتُهُ اِلٰی مِلْكٍ أَو سَبَبِهِ)كَاِنْ نَكَحْتُكِ فَكَذَا، حَتّٰی لَوقَالَ: اِنْ تَزَوَّجْتُكِ فَأَنْتِ عَلَيَّ كَظَهرِاُمِّي مِائَةَ مَرَّةٍ فَعَلَيْهِ لِكُلِّ مَرَّةٍ كَفَّارَةٌ، "تَاتَرخَانِيَة"۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ترجمہ: ''اور ظِہار کی اِضافت مِلک یا سببِ مِلک کی طرف کرنا صحیح ہے، (اضافت اِلَی الملک سے مراد منکوحہ سے ظِہار کرنا اور سببِ مِلک سے مراد نکاح سے قبل تعلیق کے طور پر ظِہار کرنا) جیسے یہ کہنا کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو ایسا ہوگا، یہاں تک کہ اگر یوں کہے کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تو مجھ پر ایسی ہے جیسی میری ماں کی پُشت سو بار، تو ہر بار کے واسطے ایک کفارہ لازم آئے گا، جیسا کہ ''تاتارخانیہ'' میں ہے''۔

(حاشیہ ابن عابدین شامی، جلد 10، ص:144)

میاں بیوی کا ایک دوسرے کو ماں، بہن/ باپ بھائی کہنے سے ظِہار نہیں ہوتا

سوال: (۳) مذاق کرتے ہوئے اگر میاں بیوی کو ماں/ بہن کہہ دے یا بیوی شوہر کو باپ یا بھائی کہہ دے، تو کیا کفارہ لازم آئے گا؟۔

جواب:

بیوی کے کسی عضو کو اپنی ماں یا کسی اور مَحرم کی پُشت یا کسی اور عُضو سے تشبیہ دینا ظِہار ہے، شوہر کا اپنی بیوی کو ماں یا بہن کہنا ظِہار نہیں ہے۔ البتہ اس طرح کا کلام خواہ بیوی کہے یا شوہر، مکروہِ (تحریمی) ہے۔ حدیث مبارک میں اِس عمل کو مکروہ فرمایا ہے:

عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ الْهُجَيْمِيِّ أَنَّ: رَجُلاً قَالَ لِامْرَأَتِهِ يَا أُخَيَّةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أُخْتُكَ هِيَ؟، فَكَرِهَ ذَلِكَ وَنَهَى عَنْهُ۔

ترجمہ: ''حضرت ابوتمیمہ ھُجیمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو اپنی بیوی سے یہ کہتے ہوئے سنا: ''اے میری بہن!''، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ تیری بہن ہے؟، آپ نے اس کو ناپسند فرمایا اور اس سے منع فرمایا''۔ (سُنن ابوداؤد:2210)

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لَوْقَالَ لَهَا: أَنْتِ أُمِّي لَا يَكُونُ مُظَاهِراً وَ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ مَكْرُوهًا وَمِثْلُهُ أَنْ يَقُولَ: يَا ابْنَتِي وَيَا أُخْتِي وَنَحْوَهُ وَلَوْقَالَ لَهَا: أَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ أُمِّي أَوْكَأُمِّي يَنْوِي، فَإِنْ نَوَى الطَّلَاقَ وَقَعَ بَائِناً، وَإِنْ نَوَى الْكَرَامَةَ أَوِ الظِّهَارَ فَكَمَا نَوَى، هٰكَذَا فِي ''فَتْحِ الْقَدِيرِ''۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ترجمہ: ''اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو کہا: تو میری ماں ہے، تو یہ ظِہار نہیں ہوگا لیکن ایسا کہنا مکروہ ہے۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص (اپنی بیوی کو) کہے: اے میری بیٹی! یا اے میری بہن! یا اس طرح کے کلمات کہے، تو اُس کا بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق کی نیت سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا تو میری ماں کی طرح ہے، تو اگر وہ طلاق کی نیت کرتا ہے، تو طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر اُس نے اس کے اِعزاز کے لیے کہا یا ظِہار کی نیت سے کہا، تو اُس کے مطابق ہوگا (یعنی اِعزاز کے لیے کہا تو کچھ نہیں، ظِہار کی نیت سے کہا تو ظِہار ہوگا)، جیسا کہ ''فتح القدیر'' میں ہے''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 507)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: أَنتِ أُمِّی بِلَا تَشبِیہٍ فَاِنَّہٗ بَاطِلٌ وَاِنْ نَوٰی

ترجمہ: ''کسی شخص نے تشبیہ دیے بغیر اپنی بیوی کو کہا: ''تو میری ماں ہے''، تو اُس کا یہ قول باطل ہے، خواہ اس نے طلاق کی نیت سے کہا ہو''۔ (ردالمحتار، جلد 5، ص: 98)

خلاصۂ کلام یہ کہ بیوی کو محض ماں، بہن یا بیٹی کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ نبی کریم ﷺ نے اِس کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ یہ واقع کے خلاف ہے اور جھوٹ ہے، اس پر صرف توبہ کرنا واجب ہے۔

اگر بیوی شوہر سے ظِہار کے الفاظ کہے تو ظِہار نہیں بلکہ لغو ہے۔ تنویر الابصار مع الدرالمختار میں ہے:

وَظِہَارُہَا مِنْہُ لَغْوٌ فَلَا حُرمَۃَ عَلَیہَا وَلَا کَفَّارَۃَ، بِہٖ یُفتٰی، ''جَوہَرَۃ''۔

ترجمہ: ''اور بیوی کا (اپنے شوہر کو) ظِہار (کے الفاظ کہنا) لغو ہے، اس سے حُرمت نہیں ہوگی اور نہ ہی (عورت پر) کوئی کفارہ لازم ہوگا، اِسی پر فتویٰ ہے، (جیسا کہ) ''جوہرہ'' میں ہے''۔ اس کی شرح میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

أَیْ اِذَا قَالَتْ: أَنْتَ عَلَیَّ کَظَہرِ أُمِّی، أَو أَنَا عَلَیکَ کَظَہرِ أُمِّکَ فَہُوَ لَغْوٌ، لِأَنَّ التَّحرِیمَ لَیسَ اِلَیہَا۔

ترجمہ: ''یعنی جب عورت یوں کہے: ''تو مجھ پر ایسا ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ''، یا ''میں تجھ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

پر ایسی ہوں جیسی تیری ماں کی پیٹھ''، پس یہ لغو ہے۔ اس لیے کہ تحریم اُس کی طرف نہیں ہے۔ (حاشیہ ابن عابدین شامی، جلد 10، ص:145)

عاقدین گونگے بہرے ہوں تو ایجاب وقبول کی صورت

سوال:

ایک لڑکی جو بول اور سن نہیں سکتی، اُس کا نکاح ایک ایسے لڑکے سے ہو رہا ہے جو خود بھی گونگا بہرا ہے۔ آیا شریعت میں نکاح کے لیے عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے۔ نکاح میں ایجاب وقبول کی کیا صورت ہوگی؟، (امتیاز احمد، اورنگی ٹاؤن کراچی)۔

جواب:

اگر لڑکا اور لڑکی دونوں گونگے بہرے ہیں، تو بہتر یہ ہے کہ نکاح کے وقت اُنہیں مجلسِ نکاح میں آمنے سامنے بٹھائیں اور جو شخص ان کے اشارات، یعنی ہاتھوں کے اشارے سے مفہوم کو سمجھنا اور سمجھانا، جانتا ہو، وہ براہِ راست آمنے سامنے بٹھا کر اُن کا ایجاب وقبول کرائے، یعنی لڑکے کو سمجھائے کہ تم لڑکی سے اپنی اشاراتی اظہار میں یہ کہو کہ میں نے اتنے مہر کے عوض (مہر کی رقم کا تعین کر کے) تم سے نکاح کیا اور لڑکی اس کے جواب میں اسی طرح اشاراتی اِظہار میں کہے کہ میں نے قبول کیا۔ نکاح کے فارم میں لکھ دیا جائے کہ دولہا اور دلہن نے براہِ راست ایجاب وقبول کیا۔ اگر دونوں میں سے ایک گونگا، بہرا نہیں ہے، تو وہ مجلس نکاح میں لفظاً ایجاب (Proposed) یا قبول (Acceptance) کرے اور جو فریق گونگا بہرا ہے، تو وہ اشاروں کے ذریعے ایجاب یا قبول کرے۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: یَنْعَقِدُ النِّکَاحُ مِنَ الْأَخْرَسِ إِذَا کَانَتْ لَہٗ اِشَارَۃٌ مَعْلُومَۃٌ

ترجمہ: ''گونگے شخص کا نکاح اشارے سے ہوگا، جسے وہ سمجھتا ہو''۔

(حاشیہ ابن عابدین شامی، جلد 8، ص:72، دمشق)

بالغ اُسے کہتے ہیں، جس میں بلوغ کی علامات ظاہر ہو جائیں یا بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے۔ عاقل سے مراد یہ ہے کہ جو اپنے نفع ونقصان کو سمجھتا ہو اور اپنے ''مالَہ وما

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

عَلَیْہِ" (What is in his Favour or against) میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر بلوغ کی کوئی علامت نہ پائی جائے، تو پندرہ سال کی عمر مکمل ہونے پر اُسے بالغ تصور کیا جائے گا۔ اس پر اس حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے:

عَنِ ابنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہ عَنْہُمَا: أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ عَرَضَہُ یَوْمَ أُحُدٍ، وَھُوَابنُ أَرْبَعَ عَشَرَۃَ سَنَۃً، فَلَمْ یُجِزْہُ، وَعَرَضَہُ یَوْمَ الْخَنْدَقِ، وَھُوَابنُ خَمسَ عَشَرَۃَ سَنَۃً، فَأَجَازَہُ۔

ترجمہ: "عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ اُحد کے دن جب کہ ان کی عمر چودہ سال تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کا جائزہ لیا اور پھر انہیں (جہاد میں شرکت کی) اجازت نہ دی۔ اور غزوۂ خندق کے روز جب کہ ان کی عمر پندرہ سال تھی، ان کا جائزہ لیا اور انہیں (جہاد میں شرکت کی) اجازت عطا فرمادی"۔ (صحیح بخاری:4098)

"علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: "حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شرکت کے لیے حاضر ہوئے تو ان کی عمر چودہ سال تھی اور غزوۂ خندق کے موقع پر حاضر ہوئے تو ان کی عمر پندرہ سال تھی، تو بادیٔ النظر میں غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں ایک سال کا فرق ہونا چاہیے، جب کہ حقیقت حال یہ ہے کہ غزوۂ احد 3ھ کو واقع ہوا اور غزوۂ خندق 5ھ کو (یعنی ان دونوں غزوات کے درمیان دو سال کا وقفہ ہے)، حالانکہ اس کی رو سے غزوۂ خندق 4ھ کو ہونا چاہیے۔ اس کی تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر آپ کی عمر کے چودھویں سال کا آغاز ہوا اور غزوۂ خندق کے موقع پر پندرہویں سال کی تکمیل ہوئی، اس طرح مجموعی طور پر دو سال ہو گئے"۔

(فتح الباری شرح البخاری، رقم الحدیث:4098)

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ لڑکے کے لیے کم از کم ممکنہ عمرِ بلوغ بارہ سال ہے، بشرطیکہ اس میں علاماتِ بلوغ ظاہر ہوجائیں، ورنہ عمر کے پندرہ سال مکمل ہونے پر اُسے بالغ تصور کیا جائے گا۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

(بُلُوْغُ الْغُلَامِ بِالِاحْتِلَامِ وَالِاحْبَالِ وَالِانْزَالِ) وَالْأَصْلُ ھُوَ الِانْزَالُ (وَالْجَارِیَۃُ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

بِالِاحْتِلَامِ وَالْحَيْضِ وَالْحَبَلِ۔۔۔۔(وَأَدْنٰى مُدَّتِهٖ لَهٗ اِثْنَتَا عَشَرَةَ سَنَةً وَلَهَا تِسْعُ سِنِيْنَ) هُوَ الْمُخْتَارُ۔

ترجمہ:''لڑکے کا بالغ ہونا احتلام، اِحبال (عورت کو حاملہ کر دینا) اور انزال سے معلوم ہوتا ہے اور اُس کی اصل انزال ہونا ہے (یعنی احتلام اور عورت کو حاملہ کرنا انزال کے بغیر نہیں ہوسکتا) (اور لڑکی کی بلوغت احتلام ہونے، حیض آنے اور حاملہ ہوجانے سے معلوم ہوتی ہے۔مزید لکھتے ہیں: (لڑکے کے لیے کم از کم ممکنہ عمرِ بلوغ) بارہ سال ہے اور لڑکی کے لیے نو سال ہے، یہی قولِ مختار ہے''(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد:9،ص:185)۔اور مغرب میں اس کی مثالیں سامنے آئی ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ترجمہ:''مندرجہ بالا علامات بلوغت ظاہر ہونے یا عمرِ بلوغ تک پہنچے بغیر لڑکے میں محض زیرِ ناف بالوں یا ڈاڑھی یا پنڈلی، بغل اور مونچھوں کے بالوں کا نکلنا یا آواز کا بھاری پن اور لڑکی میں پستان کا اُبھار بلوغت کی دلیل نہیں ہوگی۔امام شافعی اور امام ابو یوسف نے زیرِ ناف بال یا ڈاڑھی کے بال نکلنے کو بلوغت کی علامت میں اعتبار کیا ہے''۔(ردالمحتار، جلد9،ص:185 ملخصاً)

خلاصہ یہ ہے کہ لڑکے یا لڑکی کو شرعاً بالغ اسی وقت تسلیم کیا جائے گا، جب بلوغ کی علامتیں ظاہر ہوجائیں، ورنہ لڑکے اور لڑکی دونوں کو پندرہ سال مکمل ہونے پر بالغ تصور کیا جائے گا،تنویر الابصار مع الدرالمختار میں ہے:

(فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ فِيهِمَا) شَيْءٌ (فَحَتّٰى يَتِمَّ لِكُلٍّ مِنْهُمَا خَمْسَ عَشَرَةَ سَنَةً، بِهٖ يُفْتٰى)

ترجمہ:''(پس اگر لڑکے اور لڑکی دونوں میں بلوغ کی علامات میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے، تو دونوں کو پندرہ سال کی عمر مکمل ہونے پر بالغ مانا جائے گا،فتویٰ اسی پر ہے''۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد:9،ص:185)

یہ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کا قول ہے اور امام اعظم سے بھی ایک روایت ہے اور ائمۂ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کا بھی یہی قول ہے۔اور

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

امامِ اعظم کے ایک قول کے مطابق لڑکے کے لیے بلوغت کی عمر اٹھارہ سال اور لڑکی کے لیے سترہ سال ہے۔لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ ہوں تو فقہِ حنفی کے مطابق نکاح کے لیے اُن کی رضامندی ضروری ہے۔

منگنی وعدۂ نکاح ہے، نکاح نہیں ہے

سوال:

شادی/نکاح سے قبل منگنی کے موقع پر لڑکا اور لڑکی کا ایک ساتھ تصویر بنوانا، ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنانا شرعی طور پر درست ہے؟۔(حافظ عبدالوحید، مظفرآباد)

جواب:

منگنی(Engagement)وعدۂ نکاح ہے،نکاح نہیں ہے۔منگنی سے لڑکا کسی اجنبی لڑکی کا نہ شوہر بنتا ہے اور نہ ہی محرم،وہ بدستور اُس لڑکی کے لیے اجنبی ہی رہتا ہے،لہٰذا منگنی کے باوجود ستر وحجاب کے شرعی احکام اُن دونوں کے آپس میں منگیتر(Fiance'e & Fianc'e) ہونے کے باوجود قائم رہتے ہیں۔حدیثِ پاک میں نکاح سے پہلے ضرورت کی بنا پر صرف لڑکی کا چہرہ دیکھنے کی رخصت واجازت ہے:

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ: أَنَّهُ خَطَبَ امْرَأَةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اُنْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا۔

ترجمہ:''حضرت مغیرہ بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا، نبی ﷺ نے فرمایا: جس(عورت سے)نکاح کرنا چاہتے ہو، اُس کو دیکھ لو کہ یہ دوامِ محبت کے لیے مناسب ہے(یعنی بعد میں یہ کہنے کا جواز نہیں ہوگا کہ میں نے تو دیکھا نہیں تھا، مجھے کچھ اور بتایا گیا تھا)''(سُنن ترمذی:1087)۔لڑکے اور لڑکی کا ایک دوسرے کے بدن کو چھونا، آزادانہ گپ شپ اور خلوت میں ملنا درست نہیں ہے۔

مفتی وقارالدین رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا:''منگنی کی رسم میں لڑکا لڑکی کو انگوٹھی پہناتا ہے، کیا یہ شریعت میں جائز ہے؟''،آپ نے جواب میں لکھا:''نکاح سے پہلے لڑکا اور لڑکی ایک

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

دوسرے کے لیے اجنبی اور غیر مَحرم ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے کے جسم کو چھونا ناجائز ہے، لہٰذا لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کو خود انگوٹھی نہیں پہنا سکتے''۔ (وقار الفتاویٰ جلد سوم، ص: 134)

احادیث مبارکہ اور علمائے کرام کی تصریحات کی روشنی میں تصویر بنوانا ناجائز ہے، ہاں! بعض تمدّنی، عمرانی اور معاشی اُمور، جن کے لیے تصویر ضروری ہے، مثلاً شناختی کارڈ، پاسپورٹ، ویزا، امتحانات کے ایڈمٹ کارڈ، ڈومیسائل، جائیداد کا انتقال (Mutation)، ڈرائیونگ لائسنس وغیرہ، اِن ضرورتوں کے لیے رخصت واجازت موجود ہے اور اِن اُمور کے لیے تصویر بنوانا جائز ہے اور بالعموم یہ نصف بالائی دھڑ کی تصویر ہوتی ہے، جس میں حیات مُتصور نہیں ہوتی۔ باقی لہو ولعب کے لیے تصویر کا بنوانا ناجائز ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ منگنی سے مَحرم ہونے کا رشتہ قائم نہیں ہوتا۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

طلاق کے مسائل

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

طلاق واقع ہونے کے لیے شوہر کا اقرار بھی کافی ہے

سوال:

میں بیرونِ ملک سروس کرتا ہوں، رمضان کے آخری ہفتے میں چھٹی پر گھر آیا میری بیوی عائشہ عید کے بعد اپنے والدین کے گھر گئی اور واپس نہیں آئی۔ اُس کے علیحدہ گھر کے مطالبے پر میں نے اُسے گھر کے اوپر علیحدہ پورشن بنا کر دیا۔ میں اُسے واپس لانے کی کوششیں کرتا رہا اور اِسی اثنا میں، میں نے اسٹامپ پیپر پر ایک خط لکھا، خود دستخط نہیں کیے بلکہ اپنے دو دوستوں سے بطور گواہ دستخط کرواکر اُس کے گھر دے آیا۔ یہ کام میں نے اِس لیے کیا تاکہ میں اپنی بیوی کو پریشر دے کر واپس لاسکوں۔ تحریر یہ تھی:

''میں مسمّٰی محمد عادل ولد محمد ناصر حلفیہ اقرار کرتا ہوں میں نے اپنی بیوی عائشہ ولد حاجی اسحاق کو تین طلاقیں تاریخ 22-11-2011 کو دی ہیں اور اس کا حق مہر بھی ادا کر دیا ہے۔ اب میرا عائشہ بنت حاجی اسحاق سے کسی بھی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ میں نے خود تحریر لکھی ہے ہوش وحواس کے ساتھ تاکہ یہ سند رہے کہ عائشہ بنت حاجی اسحاق کسی سے بھی شادی کرسکتی ہے، میری طرف سے عائشہ بنت حاجی اسحاق آزاد ہے''۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اب ہمارے لیے شرعی حکم کیا ہے؟، (محمد عادل، R-70 غازی ٹاؤن ملیر کراچی)

جواب:

اپنے بیان کے مطابق آپ نے خود اقرار کیا ہے کہ ''میں نے بیوی پر دباؤ ڈالنے کے لیے اُسے تین طلاقیں دینے کی تحریر لکھی اور اِس پر گواہ بھی قائم کیے اور پھر یہ طلاق نامہ بیوی کو بھیج دیا''، تو اِس سے آپ کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور دونوں ایک دوسرے پر حرام ہوگئے، علامہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''وان کَانَتْ مَرْسُوْمَۃً یَقَعُ الطَّلَاقُ نَوٰی أَوْلَمْ یَنْوِ'':

ترجمہ: ''اور اگر مُروّجہ طریقے کے مطابق طلاق لکھی ہو تو طلاق واقع ہوجائے گی، اگرچہ اُس کی نیت ہو یا نہ ہو''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 378)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

علامہ زین الدین بن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

اِنْ کَتَبَ عَلٰی وَجْهِ الرِّسَالَةِ مُصَدَّرًا وَمُعَنْوَنًا وَثَبَتَ ذَالِكَ بِاِقْرَارِ أَوْ بِالْبَيِّنَةِ فَكَالخطاب، وَاِنْ قَالَ: لَم أَنوِبِهِ الخِطَابَ لَم يُصَدَّقْ قَضَاءً وَدِيَانَةً۔

ترجمہ: ''اگر (شوہر نے) تحریری طلاق کو طلاق نامہ کے عنوان سے بھیجا اور یہ بات اُس کے اقرار یا گواہوں سے ثابت ہو جائے، تو یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے اس نے بالمشافہ طلاق دی (تو پھر اُس کے لکھے ہوئے کے مطابق عمل کیا جائے گا) اور اگر (شوہر) یہ کہے: میری نیت خطاب کی نہیں تھی تو قضاءً اور دیانۃً (یعنی بہر صورت) اُس کو سچا نہیں جانا جائے گا''۔

(الاشباہ والنظائر، ص:334)

عدت گزرنے کے بعد فسخِ نکاح کی شرعی حیثیت نہیں

سوال:
سلمٰی احمد کا نکاح 2002ء میں اعجاز الحق کے ہمراہ ہوا۔ کچھ عرصہ بعد میاں بیوی کے درمیان حالات بگڑنا شروع ہو گئے، دوسرے بچے کی پیدائش سے سات ماہ قبل سلمٰی کو گھر سے نکال دیا گیا اور بچے کی پیدائش کے تین ماہ بعد (06اپریل 2006ء کو) ایک طلاق کا نوٹس آیا، جس میں لکھا تھا: ''میں مذکورہ سلمٰی احمد کو نوٹس طلاق اوّل دیتا ہوں۔ طلاق نامہ بقائمی ہوش وحواس روبرو گواہان لکھ دیا ہے تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے''۔ اِس دوران اُس نے رجوع نہیں کیا، صلح کی کوششیں کی گئیں لیکن ناکام ہوئیں۔ پھر ہم نے 11اکتوبر 2007ء کو عدالت سے تنسیخِ نکاح کرالیا۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اُس طلاق کی شرعی حیثیت کیا ہے؟۔ (والدہ سلمٰی، بورے والا)

جواب:
صورتِ مسئولہ میں 06اپریل 2006ء کو جو ایک طلاق بذریعہ تحریر دی، وہ واقع ہوگئی اور شرعاً ایک طلاقِ رجعی دینے کے بعد شوہر کو دورانِ عدت یعنی تین حیض گزرنے تک قولی یا فعلی طور پر رجوع کا حق حاصل تھا لیکن اِس دوران اُس نے رجوع نہیں کیا لہٰذا دونوں

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کا نکاح ختم ہوگیا۔

علامہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فَالأحسَنُ أَن يُطَلِّقَ اِمرَأَتَهٗ وَاحِدَةً رَجعِيَّةً فِي طُهرٍ لَم يُجَامِعهَا فِيهِ، ثُمَّ يَترُكُهَا حَتّٰى تَنقَضِي عِدَّتُهَا أو كَانَت حَامِلًا قَدِ استَبَانَ حَملُهَا،

ترجمہ: ''پس (طلاق کا) اَحسن (طریقہ) یہ ہے کہ (شوہر) اپنی بیوی کو ایسے طُہر (پاکی کی حالت) میں جس میں عورت سے قربت نہ کی ہو، ایک طلاق رجعی دے، پھر اُس کو چھوڑے رہے یہاں تک کہ اُس کی عدت پوری ہوجائے یا اگر وہ حاملہ ہے تو وضعِ حمل ہوجائے''، (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص: 348)۔ اگر مہر ادا نہیں کیا تھا تو نکاح ختم ہونے پر مہر کی ادائیگی لازم ہے۔ اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہوں، تو نئے مہر کے ساتھ تجدیدِ نکاح کرنا ہوگا، محض رجوع کافی نہیں ہوگا اور آپ کی بیٹی کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کے لیے بھی آزاد ہے۔ سابق شوہر سے دوبارہ نکاح کی صورت میں شوہر کو آئندہ صرف دو طلاق کا حق حاصل رہے گا، خدانخواستہ جب بھی دو طلاقیں مزید دے گا، تو گزشتہ ایک طلاق جمع ہونے کے لیے مؤثر رہے گی۔ پہلی طلاق کے ساتھ جمع ہوکر تین طلاقیں مغلظہ ہوجائیں گی اور بیوی شوہر پر حرام ہوجائے گی۔ چونکہ عدالتی فسخِ نکاح بھی عدت کی مدت گزرنے کے بعد ہوا، جب دونوں کا نکاح ہی قائم نہیں تھا، لہٰذا اُس فسخِ نکاح کی کوئی شرعی حیثیت نہیں اور اُس سے مزید کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

طلاقِ بائن

سوال:

میرے شوہر پہلے مجھے دو طلاقیں دے چکے ہیں، میں اُن سے کہہ رہی تھی کہ اب آپ کو بہت احتیاط کرنا ہوگی، کیونکہ وہ غصے کے بہت تیز انسان ہیں۔ ایک دِن میں اُن کو یہی بات سمجھا رہی تھی، تو میرے شوہر نے فون پر مجھ سے کہا: ''چل جانی چل جا اب بے غیرت عورت اب ڈھونڈ لینا پھر سے کوئی اور بلکہ پھنسا لینا پھر سے کوئی اور بلکہ ہوسکتا ہے کہ تم نے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ڈھونڈ بھی لیا ہو''، میں نے اُن سے کہا:'' آپ دوسری شادی کریں گے''، اُنہوں نے کہا: ''ہاں !اب کسی لڑکی کو لائیں گے ہم، (میری عمر اُن سے دس سال زیادہ ہے) چل جا بے غیرت عورت، پھر مجھے گالیاں دیں۔ اِن الفاظ سے تیسری طلاق واقع تو نہیں ہوگئی؟ شرعی رہنمائی فرمائیں۔ (رضیہ، قیوم آباد، کراچی)

جواب:

صورتِ مسئولہ میں خط کشیدہ الفاظ ''کنایات'' سے ہیں اور اِن الفاظ سے طلاق کا واقع ہونا شوہر کی نیت پر محمول ہے یعنی اگر شوہر نے طلاق کی نیت سے یہ الفاظ کہے تھے تو طلاقِ بائن واقع ہوجائے گی۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وَلَوقَالَ لَهَا: اِذْهَبِیْ فَتَزَوَّجِیْ تَقَعُ وَاحِدَةٌ اِذَا نَوٰی فَاِنْ نَوٰی الثَّلَاثَ تَقَعُ الثَّلَاثُ

ترجمہ: ''اگر (شوہر نے) عورت سے کہا: تو چلی جا، تو نکاح کرلے، پس اگر اُس نے ایک طلاق کی نیت سے کہے تو ایک طلاق واقع ہوگئی اور اگر تین طلاقوں کی نیت تھی تو تین طلاقیں واقع ہوگئیں''۔

مزید لکھتے ہیں: وَلَوقَالَ تَزَوَّجِیْ وَنَوٰی الطَّلَاقَ أَوِ الثَّلَاثَ صَحَّ وَاِنْ لَمْ یَنْوِ شَیْئاً لَمْ یَقَعْ کَذَا فِی ''الْعتَابِیة''۔

ترجمہ: ''اگر شوہر بیوی کو کہے کہ تو نکاح کرلے، ایک طلاق یا تین طلاقوں کی نیت سے کہا ہو، تو (نیت کے مطابق) ایک یا تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی، صحیح یہی ہے اور اگر طلاق کی نیت نہ ہو، تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، ''عتابیہ'' میں اِسی طرح ہے''۔

(فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص:376)

خط کشیدہ الفاظ اگر شوہر نے طلاق کی نیت سے کہے ہیں، تو اِس سے مزید ایک طلاقِ بائن واقع جائے گی اور آپ کے بیان کے مطابق وہ دو طلاقیں پہلے دے چکے ہیں، تو اب یہ طلاق بائن سابق دی ہوئی دو طلاقوں کے ساتھ مل کر تین طلاقیں ہوجائیں گی اور اب آپ دونوں ایک دوسرے پر حرام ہیں اور رجعت کی گنجائش نہیں ہے۔ تنویر الابصار مع الدر المختار

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

میں ہے:

(كِنَايَتهٗ مَالَمْ يُوضَعْ لَهٗ وَاحْتَمَلَهٗ وَغَيرَهٗ فَلَا تُطَلِّقُ بِهَا اِلَّا بِنِيَّةٍ أَو دَلَالَةِ الحَالِ)وَهِيَ حَالةُ مُذَاكَرَةِ الطلاقِ أَوِالْغضَبِ،فَالحَالَاتُ ثَلَاثٌ: رِضاًوَغَضَبٌ وَمُذَاكَرَةٌ، وَالْكِنَايَاتُ ثَلَاثٌ: مَا يَحتَمِلُ الرَّدَّ ،أَومَا يصلَحُ لِلسَّبِّ،أَو لَاوَلَا (فَنَحْوُ أُخْرُجِيْ وَاذْهَبِيْ وَقُوْمِيْ)

ترجمہ:''کنایہ طلاق سے مراد(فُقَہاء کے نزدیک ایسا لفظ بولنا) ہے جو طلاق کے لیے وضع نہ ہوا ہو اور طلاق اور غیر طلاق دونوں معانی کا احتمال رکھتا ہو، پس کنایات سے اُس وقت تک طلاق کا حکم نہیں لگایا جائے گا جب تک نیت یا دلالتِ حال سے طلاق کا ثبوت نہ ہو دلالتِ حال یہ ہے کہ اُس وقت طلاق کے موضوع پر گفتگو ہورہی ہو یا رنج ہو یا غصے کی حالت ہو، یہ تین حالتیں ہیں: ایک رضا مندی کی حالت ،دوسری رنج وخفگی کی حالت اور تیسری مذاکرۂ طلاق کی حالت۔ الفاظِ کنایات کے بھی تین احتمالات ہیں:

(۱)بعض اُن میں سے رَد کا احتمال رکھتے ہیں (یعنی عورت کے طلاق کے سوال کا اُن کلمات کے ساتھ رَد بھی نکلتا ہے)اور جوابِ طلاق کے بھی مُحتمل ہیں۔

(۲)ان میں سے بعض سبّ ودشنام کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جوابِ طلاق کے بھی مُحتَمَل ہیں۔

(۳)بعض وہ ہیں کہ نہ رَدِّ سوال کے مُحْتَمل ہیں اور نہ سبّ ودشنام کے معنی کے حامل ہو سکتے ہیں،لیکن جواب کا احتمال رکھتے ہیں، پس جیسے: أُخْرُجِيْ (نکل جا)،اِذْهَبِيْ (چلی جا) اور قُوْمِيْ (کھڑی ہوجا)''۔(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 4،ص:396)

طلاقِ رجعی کے بعد رجوع کا طریقہ

سوال:

اکتوبر 2011ء کے پہلے عشرے میں میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ اسلام میں تین طلاقیں ہوتی ہیں اور آج میں تمہیں پہلی طلاق دے رہا ہوں ۔نومبر 2011ء کے پہلے

Scanned with CamScanner

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

عشرے میں میری بیوی پاکستان آگئی اور نومبر ہی کے آخری عشرے میں میں بھی پاکستان آگیا، ایک ہفتہ قیام کے دوران بیوی کے والدین کے گھر دعوت پر بھی گیا، خوش اسلوبی سے ایک دوسرے سے ملے، اس دوران میں بیوی کو شاپنگ پر بھی لے گیا اور پھر نومبر کے آخری عشرے میں ہی ہماری واپسی ہوگئی۔ ہم ایک بستر پر ساتھ ہی سوتے تھے، لیکن اس دوران مباشرت نہیں ہوئی، ہاں! روزانہ آفس جانے سے پہلے ہم ایک دوسرے کو گال پر بوسہ دیتے تھے۔ اِس کے علاوہ بیوی کی خواہش پر میں نے لندن اور آئرلینڈ کا ویزا لگوایا۔ فروری 2012ء کے آخری عشرے میں وہ اپنی والدہ کی عیادت کے لیے پاکستان آئیں اور وہاں پہنچ کر اُن کے گھر والوں نے مجھے مطلع کیا کہ اب وہ میری بیوی نہیں رہیں، عدت پوری کر چکی ہیں اور مکمل آزاد ہیں چونکہ پہلی طلاق بائن ہوچکی ہے۔ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا میرے مذکورہ فعل سے رجوع ہوگیا یا نہیں؟، (ریحان اقبال، جدہ)۔

جواب:

آپ کے بیان کے مطابق جس وقت آپ نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی، وہ ایک طلاق نافذ ہوگئی اور آپ کو بیوی کے تین حیض گزرنے سے پہلے یکطرفہ طور پر رجوع کا اختیار حاصل تھا۔ رجوع قولی طور پر بھی ہوتا ہے اور ایسے فعل سے بھی، جس سے حُرمتِ مُصاہرت ثابت ہو، کیا جاسکتا ہے۔

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وَکَمَا تَثْبُتُ الرَّجْعَةُ بِالْقَوْلِ تَثْبُتُ بِالْفِعْلِ وَهُوَالْوَطْئُ وَاللَّمْسُ عَنْ شَهْوَةٍ كَذَا فِيْ ''النِّهَايَةِ''۔ وَكَذَا التَّقْبِيْلُ عَنْ شَهْوَةٍ عَلَى الْفَمِ بِالْاِجْمَاعِ فَاِنْ كَانَ عَلَى الْخَدِّ أَوِالذَّقَنِ أَوِالْجَبْهَةِ أَوِالرَّاسِ اِخْتَلَفُوْافِيْهِ، وَظَاهِرُمَاأَطْلَقَهُ فِيْ الْعُيُوْنِ الْقُبْلَةُ فِيْ أَيِّ مَوْضِعٍ كَانَتْ تُوجِبُ حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ وَهُوَالصَّحِيْحُ كَذَافِي ''الْجَوْهَرَةِ النَّيِّرَةِ''۔۔۔ وَكُلُّ مَاتَثْبُتُ بِهٖ حُرْمَةُ الْمُصَاهَرَةِ تَثْبُتُ بِهِ الرَّجْعَةُ كَذَافِي ''التَّتَارْخَانِيَةِ''۔

ترجمہ: ''جس طرح رجعت (یعنی طلاق سے رجوع کرنا) قول (یعنی زبان سے کہنے) سے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ثابت ہوجاتی ہے، اُسی طرح فعل سے بھی ثابت ہوجاتی ہے اور وہ (یعنی عملی رجوع) بیوی کے ساتھ مباشرت کرنا یا شہوت کے ساتھ چھونا ہے، ''اَلنِّہایہ'' میں اِسی طرح ہے۔ اِسی طرح شہوت کے ساتھ منہ پر بوسہ دینے سے بالاتفاق رجعت ثابت ہوجاتی ہے، پس اگر بوسہ رخسار پر، ٹھوڑی پر، پیشانی یا سر پر لیا ہو، تو اِس میں (ائمہ کا) اختلاف ہے اور ''العیون'' میں جو مطلقاً قبلہ (بوسہ) کا ذکر کیا گیا ہے، اس کا ظاہری معنی یہی ہے کہ عورت کے کسی بھی عضو پر بوسہ دیا جائے، وہ حرمتِ مصاہرت کو ثابت کرتا ہے اور یہی صحیح ہے، ''الجوہرۃ النیّرۃ'' میں اسی طرح ہے''۔

مزید لکھتے ہیں: ''ہر وہ چیز جو حُرمتِ مُصاہرت کو ثابت کرتی ہے، وہی رجعت کو بھی ثابت کرتی ہے، جیسا کہ ''فتاویٰ تتارخانیہ'' میں ہے''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص:469)

اس کے علاوہ اگر آپ کا بیان درست ہے کہ بیوی آپ کے ساتھ خواب گاہ میں ایک ساتھ سوتی رہی، آپ اسے لے کر گھومتے رہے، شاپنگ کراتے رہے، تو یہ تمام واضح قرائن ہیں کہ رجوع ہوچکا ہے اور وہ خاتون بدستور آپ کی بیوی ہے اور آپ کے پاس دو طلاقوں کا اختیار باقی ہے، آپ کی بیوی کے والدین کو سابق طلاقِ رجعی کو بائن قرار دینا درست نہیں ہے۔

طلاقِ بائن

سوال:

میرا نام امجد ہے، اپنی زوجہ ثنا کو لڑائی جھگڑے کے دوران کہا کہ تو میری طرف سے فارغ ہے، نکال پیپر میں تجھے فارغ کردوں۔ چونکہ میں دینی تعلیم سے ناواقف تھا۔ میری نیت طلاق دینے کی نہیں تھی۔ دو ماہ بعد بچی کی ولادت سے پہلے میں نے اپنی زوجہ کو کہا یہ بچہ پیدا ہوجائے، تو میری طرف سے فارغ ہے''۔

(امجد حسین رانا، G-10 آگرہ تاج کالونی، کراچی)

بیوی کا بیان: میری شادی پانچ سال قبل امجد سے ہوئی، چند ماہ بعد ہی لڑائی جھگڑوں کا

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

سلسلہ شروع ہو گیا، جھگڑے کے دوران غصے میں یہ الفاظ کہے ''تو میری طرف سے فارغ ہے''۔ اس کے دو ماہ بعد جب میں حاملہ تھی، تو کہا: ''یہ بچہ پیدا ہو جائے، تو میری طرف سے فارغ ہے''۔ اِس دوران ہم ساتھ ہی رہتے رہے۔ ابھی گزشتہ چار سال سے علیحدہ ہیں۔ ہمارے لیے شرعی حکم کیا ہے؟، (ثنا عبدالستار، سیکٹر L-5 نارتھ کراچی)

جواب:

صورتِ مسئولہ میں ''تو میری طرف سے فارغ ہے'' طلاقِ بائن کے الفاظ ہیں، جسے کنایہ بھی کہتے ہیں۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں طلاقِ کنایہ کی تعریف یہ ہے:

(کِنَایتهٗ مَالَمْ یُوضَعْ لَهٗ وَاحْتَمَلَهٗ وَغَیرَهٗ فَلَا تُطَلَّقُ بِهَا اِلَّا بِنِیَّةٍ أَو دَلَالَةِ الحالِ وَهِیَ حالۃُ مُذاکَرَۃِ الطلاقِ أَوِالْغَضَبِ، فَالْحَالَاتُ ثَلَاثٌ: رِضَا وَغَضَبٌ وَمُذَاکَرَۃٌ، وَالْکِنَایَاتُ ثَلَاثٌ: مَا یَحْتَمِلُ الرَّدَّ، أَوْ مَایصلحُ لِلسَّبِّ أَوْلَاوَلَا (فَنحوُ أُخْرُجِیْ وَاذْهَبِیْ وَقُوْمِیْ)

ترجمہ: ''کنایہ طلاق سے مراد (ایسا لفظ بولنا) ہے جو طلاق کے لیے وضع نہ ہوا ہو۔ اور وہ طلاق اور غیر طلاق دونوں معنوں کا احتمال رکھتا ہو۔ پس کنایہ کے الفاظ سے صرف دو صورتوں میں طلاق کا حکم لگایا جائے گا: (۱) یہ کہ شوہر نے طلاق کی نیت سے یہ لفظ بولا ہو، (۲) یا دلالتِ حال اِس پر شاہد ہو کہ یہ لفظ طلاق کی نیت سے بولا گیا ہے۔ دلالتِ حال یہ ہے کہ مذاکرۂ طلاق ہو (یعنی عورت طلاق کا مطالبہ کر رہی ہو) یا غصے کی حالت میں یہ کلمہ بولا گیا ہو۔ پس حالتیں تین ہیں:

(۱) یہ کہ رضامندی کی حالت ہو، (۲) غصے اور ناراضی کی حالت ہو، (۳) یا طلاق کی بات چل رہی ہو، اِسے مذاکرۂ طلاق کہتے ہیں۔ اور کنایہ کے الفاظ میں بھی تین احتمالات ہیں:

(۱) جو رَد کا احتمال رکھے (یعنی عورت طلاق کا مطالبہ کر رہی ہو اور شوہر اُسے رَد کر رہا ہو، (۲) یا وہ کلمہ گالی گلوچ کے معنیٰ کی صلاحیت رکھتا ہو یا گالی گلوچ کے معنیٰ میں نہ آتا ہو، پس جیسے: أُخْرُجِیْ (نکل جا)، اِذْهَبِیْ (چلی جا) اور قُوْمِیْ (کھڑی ہو جا) کے کلمات ہیں (یہ گالی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کے معنیٰ کا احتمال نہیں رکھتے)'' (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 4،ص:396)۔ تو اِن کلمات سے طلاق ہی مراد لی جائے گی۔ عام اصول یہی ہے کہ طلاقِ کنایہ کے الفاظ جب طلاق کی نیت سے بولے جائیں، تو اُن سے طلاقِ بائن مراد ہوگی۔ لیکن جب دلالتِ حال موجود ہو، تو نیت کی ضرورت نہیں رہتی، یہ دلالتِ حال ہی نیت کے قائم مقام ہوتی ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگرچہ شوہر کا کہنا یہ ہے کہ میں نے یہ الفاظ طلاق کی نیت سے نہیں کہے، لیکن جھگڑے اور غیظ وغضب کی کیفیت میں یہ الفاظ بولے گئے ہیں، تو اِن سے طلاقِ بائن مراد ہوگی اور ایک طلاقِ بائن اُسی وقت واقع ہوگئی۔ اُس کے بعد زوجین کا تجدیدِ نکاح کے بغیر ایک ساتھ رہنا جائز نہیں تھا۔ بیوی کا بیان ہے کہ میں دو ماہ کی حاملہ تھی کہ شوہر نے کہا: ''یہ بچہ پیدا ہوجائے، تو تو میری طرف سے فارغ ہے''۔ اگر پہلی طلاق کی عدت جاری تھی کہ عورت حاملہ ہوگئی، تو بچے کی ولادت کے ساتھ ہی یہ دوسری طلاق بھی نافذ ہوجائے گی۔ لیکن دوسری بار شوہر نے جب یہ الفاظ استعمال کیے، تو دونوں کے بیان میں غصے یا جھگڑے کا ذکر نہیں ہے۔ اگر حقیقتِ حال بھی یہی ہے، تو یہ دوسری طلاق شوہر کی نیت پر موقوف ہے۔ اگر شوہر قسم کھا کر یہ کہے کہ یہ الفاظ بولتے وقت میری نیت طلاق دینے کی نہیں تھی، تو پھر اِس طلاق کا حکم نہیں لگایا جائے گا، کیونکہ قضاءً اپنی نیت کو تعبیر کرنے والا وہی ہے، دیانۃً اُس کی نیت کو وہ خود جانتا ہے یا اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔ اگر وہ جھوٹی قسم کھائے گا، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہے۔

دونوں صورتوں میں زوجین باہمی رضامندی سے تجدیدِ نکاح کرسکتے ہیں، پہلا مہر شوہر کے ذمے لازم ہوچکا اور عقدِ ثانی کے لیے دوبارہ مہر مُقرر کرنا ہوگا۔ ایک طلاقِ بائن کی صورت میں شوہر کے پاس آئندہ صرف دو طلاقوں کا حق رہے گا اور دو بائن طلاقوں کی صورت میں اُس کے پاس صرف ایک طلاق کا حق رہے گا، ورنہ عدت گزرنے کے بعد بیوی اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے اور حاملہ عورت کی عدت وضعِ حمل ہے۔

اگر یہ کلمہ طلاق کی نیت سے بولا ہو تو اِس سے ایک طلاقِ بائن واقع ہوگی۔ طلاقِ بائن

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کا حکم یہ ہے کہ اُس سے نکاح ختم ہوجاتا ہے۔ بائن، بائن کولاحق نہیں ہوتی تاوقتیکہ اُسے پہلی طلاق کی خبر قرار دینا ممکن ہو۔ مذکورہ صورت میں دو مختلف مواقع پر عدت کے دوران ہی یہ الفاظِ کنایہ کہے گئے، جس سے دو بائن طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔ عدت کی مدت گزر چکی ہے، لہٰذا اب عورت آزاد ہے، جہاں چاہے اپنی مرضی سے نکاح کرسکتی ہے۔ تاہم اب بھی دونوں باہمی رضامندی سے آپس میں نکاح کر سکتے ہیں، کیونکہ طلاقِ بائن کی صورت میں عدت کے دوران اور عدت کے بعد بھی سابق شوہر نئے مہر کے ساتھ تجدیدِ نکاح کرسکتا ہے بشرطیکہ عورت بھی راضی ہو۔ علامہ نظام الدین لکھتے ہیں:

اِذَا کَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا دُوْنَ الثَّلَاثِ فَلَہٗ اَنْ یَّتَزَوَّجَھَا فِی الْعِدَّۃِ وَبَعْدَ انْقِضَائِھَا۔

ترجمہ: ''اور جب طلاقِ بائن تین سے کم ہوں (یعنی ایک یا دو ہوں) توشوہر عدت کے اندر یا عدت گزرنے کے بعد (بیوی کی رضامندی سے دوبارہ) نکاح کرسکتا ہے''۔

(عالمگیری، جلد: 01، ص: 472)

اس کے لیے نیا مہر مقرر کرنا ہوگا، پہلا حق مہر اگر ادا نہیں کیا تھا تو اُس کی ادائیگی بھی شوہر پر واجب ہے۔ لیکن اس عقدِ ثانی کی صورت میں پہلے شوہر کے پاس صرف ایک طلاق کا حق باقی رہے گا۔ اور اگر خدانخواستہ اس نے مستقبل میں (حسبِ صورت) ایک طلاق مزید دیدی تو سابق دو طلاقوں کے ساتھ جمع ہوکر یہ تین ہوجائیں گی اور پھر تحلیلِ شرعی کے بغیر دونوں میں رجوع نہیں ہوسکے گا۔ طلاقِ بائن کے بعد تجدید نکاح کے بغیر زوجین کا ایک ساتھ رہنا اور ازدواجی زندگی گزارنا حرام تھا، اِس پر وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں۔

طلاقِ مُعلّق بالشرط کا حکم

سوال:

میرا اور میرے شوہر کا جھگڑا ہوا، شوہر نے مجھ سے کہا: ''آج کے بعد تم نے اگر اردو میں مجھ سے بات کی تو تم مجھ پر تین شرائط طلاق ہو''، اس کے بعد میرے شوہر نے مجھ سے پوچھا: میرے موزے کہاں ہیں؟، میں نے اپنے شوہر کو جواب دیا: ''اندر ہیں''۔ میرے

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

شوہر کہتے ہیں کہ اُنہوں نے میری آواز نہیں سنی، لیکن جب میں موزے لینے کمرے میں گئی تو وہ میرے پیچھے کمرے میں آئے۔ اس مسئلے پر رہنمائی فرمائیں کہ کیا طلاق واقع ہوگئی ہے یا گنجائش باقی ہے؟۔ (نیلم اورنگزیب، بلدیہ ٹاؤن کراچی)

جواب:

آپ نے جو صورتِ واقعہ بیان کی ہے، اُس کے مطابق آپ کے شوہر نے کہا: ''آج کے بعد تم نے اگر اردو میں مجھ سے بات کی تو تم مجھ پر تین شرائط طلاق ہو''، اِس میں آپ کے شوہر نے طلاق کے واقع ہونے کو ''اُردو میں بات کرنے'' کی شرط کے ساتھ مُعلّق کیا ہے۔ ایسی طلاق کو فقہ میں طلاق ''مُعلَّق بالشرط'' کہتے ہیں، انگریزی میں Dependent on a Specific Condition یا Conditional on کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں فقہی اصول یہ ہے: علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر الفرغانی حنفی لکھتے ہیں:

وَاِذَا اَضَافَهُ اِلٰی شَرْطٍ: وَقَعَ عَقِیْبَ الشَّرْطِ، مِثْلَ أَنْ یَّقُوْلَ لِامْرَأَتِہٖ: اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ، وَهٰذَا بِالْاِتِّفَاقِ۔

ترجمہ: ''اگر (شوہر نے) طلاق کو شرط کی طرف منسوب کیا ہو، تو وہ شرط کے پائے جانے کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی، مثلاً کوئی شخص یوں کہے: ''اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے''، یہ متفق علیہ ہے''۔ (ہدایہ، جلد 3، ص: 196)

''آج کے بعد'' کے کلمے کو ہمارے عرف اور محاورے میں ''اِس کے بعد'' یا ''اب اگر'' کے معنی میں بولا اور سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ مفتی وقارالدین رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال ہوا: ''کوئی شخص یہ کہے کہ'' آج کے بعد اگر میں ساس کے گھر گیا تو میری بیوی پر تین طلاقیں''، اب اگر شخصِ مذکور اپنے ساس سسر کے گھر چلا جائے، تو کیا اُس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟''، اُنہوں نے جواب میں لکھا: ''صورتِ مسئولہ میں جب بھی وہ شخص ساس کے گھر جائے گا، تو اُس کی بیوی کو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور وہ اس پر حُرمتِ مُغلظہ سے حرام

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ہوجائے گی''۔ (وقار الفتاویٰ، جلدسوم، ص: 183)۔ لہٰذا آپ پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں، آپ پر لازم ہے کہ شوہر سے علیحدگی اختیار کریں، اب عدت کے دوران اور عدت کے بعد براہِ راست اُس شوہر کے ساتھ تجدیدِ نکاح کی گنجائش نہیں ہے۔

امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی رحمۃ اللہ علیہ قسم کی بابت عبارت کے تسلسل میں لکھتے ہیں:

لَایُکَلِّمُہٗ فَنَادَاہُ وَھُوَنَائِمٌ فَاَیقَظَہٗ اَوْاِلَّابِاِذْنِہٖ فَأَذِنَ لَہٗ وَلَمْ یَعْلَمْ حَنَثَ

ترجمہ: ''کسی نے دوسرے شخص کے بارے میں قسم کھائی: میں اس سے کلام نہیں کروں گا، پھر اُس نے نیند کی حالت میں اُسے پکارا اور اُسے جگادیا یا یوں کہا کہ اُس کی اجازت کے بغیر میں اُس سے کلام نہیں کروں گا، اُس نے اسے کلام کی اجازت دے دی اور اُسے قسم کا علم نہیں تھا تو حانث ہوگیا (یعنی قسم ٹوٹ گئی)''۔

اِس کی شرح میں علامہ شیخ زین الدین ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

لِاَنَّہٗ فِی الْمَسْأَلَۃِ الْاُوْلٰی کَلَّمَہٗ وَقَدْ وَصَلَ اِلٰی سَمْعِہٖ، وَقَدْ شَرَطَ الْمُصَنِّفُ أَن یُوقِظَہٗ وَھِیَ رِوَایَۃُ الْمَبْسُوْطِ وَعَلَیْہِ مَشَایِخُنَا، وَھُوَالْمُخْتَارُ، لِاَنَّہٗ اِذَا لَمْ یَنْتَبِہْ کَانَ کَمَا اِذَانَادَاہُ مِنْ بَعِیْدٍ وَھُوَ بِحَیْثُ لَایَسْمَعُ صَوْتَہٗ لَایَحْنَثُ، وَلَمْ یَشْتَرِطْہُ الْقُدُوْرِیُّ کَمَااِذَانَادَاہُ وَھُوَبِحَیْثُ یَسْمَعُ لٰکِنَّہٗ لَمْ یَفْھَمْ لِتَغَافُلِہٖ وَھِیَ مِنَ الْمَسَائِلِ الَّتِی جَعَلَ النَّائِمَ فِیْھَا کَالْمُسْتَیْقِظِ وَھِیَ خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ ذَکَرْنَاھَافِی بَابِ التَّیَمُّمِ۔

ترجمہ: ''کیونکہ پہلی صورت میں اُس نے اُس سے کلام کیا اور اُس کی بات کو مخاطَب نے سن لیا (تو حانث ہوگیا)، مصنف نے اسے جگانے کی شرط لگائی اور یہ مبسوط کی روایت ہے اور ہمارے مشائخ کا مختار قول یہی ہے، کیونکہ جب وہ بیدار نہ ہوا ہو تو یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے اُسے دور سے پکارا اور اُس نے اُس کی آواز نہ سنی، تو حانث نہیں ہوگا اور صاحبِ قدوری نے جگانے کی شرط نہیں لگائی، جیسے کہ اُسے ایسی جگہ سے پکارا ہو کہ وہ سن سکتا تھا، لیکن غفلت کی وجہ سے اُسے سمجھ نہ سکا اور یہ ان مسائل میں سے ہے، جن میں سوئے ہوئے کو جاگے ہونے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کی مثل قرار دیا جاتا ہے اور یہ 25 صورتیں ہیں، جن کا ذکر ہم نے باب التیمم میں کیا ہے''۔
(البحر الرائق، جلد 4، ص: 557)

طلاق کے مؤثر ہونے کے لیے بیوی کو طلاق نامہ ملنا ضروری نہیں ہے

سوال:

ایک شخص 03 دسمبر کو اپنی بیوی کو چھوڑ کر اپنے والدین کے گھر گیا، 11 دسمبر کو ایک طلاق نامہ TCS کے ذریعے بیوی کو ملا، جس میں اُس نے اپنی بیوی کو مورخہ 15 نومبر کو تین طلاقیں دے دی تھیں، جسے اُس نے بیوی سے پوشیدہ رکھا اور 9 دن تک وہ طلاق دینے کے باوجود بیوی کے ساتھ رہا، ازدواجی تعلقات بھی قائم کرتا رہا، کیا اُس کے اِس عمل پر زنا کی حد جاری ہوگی؟۔ شوہر کا موقف یہ ہے کہ چونکہ میں نے بیوی کو طلاق نامہ نہیں دیا تھا اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا، اِس لیے میرا خیال تھا کہ بیوی ابھی نکاح میں ہے۔

جواب:

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق طلاق نامہ خود شوہر نے لکھا ہو یا کسی سے لکھوایا ہو، طلاق اُسی وقت واقع ہوگئی، بیوی کو ملنا ضروری نہیں۔ اس کے بعد شوہر کا بیوی کے ہمراہ معمول کے مطابق ازدواجی زندگی گزارنا خلافِ شرع ہے اور اس پر وہ گنہگار ہے۔ سابق شوہر کو چاہیے تھا کہ وہ بیوی کو طلاق کے بارے میں بتا کر اُسی وقت اُس سے علیحدگی اختیار کرلیتا۔ تاہم شوہر کا طلاق دینے کے بعد اُسے بیوی سے پوشیدہ رکھنے اور ازدواجی تعلق بدستور قائم رکھنے پر شرعی حد جاری نہیں کی جائے گی۔ علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر الفرغانی حنفی لکھتے ہیں:

قَالَ: اَلْوَطْءُ الْمُوجِبُ لِلْحَدِّ هُوَالزِّنَا، وَأَنَّهُ فِي عُرْفِ الشَّرْعِ وَاللِّسَانِ: وَطْءُ الرَّجُلِ الْمَرْأَةَ فِي الْقُبُلِ فِي غَيْرِ الْمِلْكِ، وَشِبْهَةِ الْمِلْكِ۔

ترجمہ: ''صاحبِ بدایۃ المبتدی نے فرمایا: جو وطی حد کو واجب کرتی ہے، وہ زنا ہے اور زنا کے شرعی ولغوی معنی یہ ہیں کہ مرد کسی ایسی عورت سے اُس کی شرم گاہ میں وطی کرے جو

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

مِلک اور شبہ ملک سے خالی ہو"۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد یہ سمجھتے ہوئے مباشرت کر لی کہ یہ اب بھی میرے لیے حلال ہے تو یہ شبہِ مَحلّی ہے اور اس میں حد ساقط ہو جائے گی۔ مزید لکھتے ہیں:

ثُمَّ الشِّبْهَةُ نَوعَانِ: شِبْهَةٌ فِي الْفِعْلِ، وَتُسَمّٰى شِبْهَةَ اِشْتِبَاهٍ، وَشِبْهَةٌ فِي الْمَحَلِّ وَتُسَمّٰى شِبْهَةً حُكْمِيَّةً۔

ترجمہ: "پھر شبہہ کی دو قسمیں ہیں: ایک فعل میں شبہہ، اُس کو شبہِ اشتباہ بھی کہتے ہیں اور دوسرا محل میں شبہہ اور اسے شبہِ حکمیہ کہا جاتا ہے"۔ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

وَمَنْ طَلَّقَ اِمْرَأَته ثَلَاثًا، ثُمَّ وَطِئَهَا فِي الْعِدَّةِ، وَقَالَ: عَلِمْتُ أَنَّهَا عَلَيَّ حَرَامٌ، حُدَّ، لِزَوَالِ الْمِلْكِ الْمُحَلِّلِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، فَتَكُونُ الشُّبْهَةُ مُنْتَفِيَةً، وَقَدْ نَطَقَ الْكِتَابُ بِانْتِفَاءِ الْحِلِّ، وَعَلٰى ذٰلِكَ الإِجْمَاعُ، وَلَا يُعْتَبَرُ قَولُ الْمُخَالِفِ فِيهِ، لِأَنَّهُ خِلَافٌ لَا اِخْتِلَافٌ، وَلَوْقَالَ: ظَنَنْتُ أَنَّهَا تَحِلُّ لِي لَايُحَدُّ، لِأَنَّ الظَّنَّ فِي مَوْضِعِهِ، لِأَنَّ أَثَرَالْمِلْكِ قَائِمٌ فِي حَقِّ النَّسَبِ، وَالْحَبْسِ، وَالنَّفَقَةِ، فَاعْتُبِرَ ظَنُّهُ فِي إِسْقَاطِ الْحَدِّ۔۔۔ لِثُبُوتِ الْحُرْمَةِ بِالْإِجْمَاعِ، وَقِيَامُ بَعْضِ الآثَارِ فِي الْعِدَّةِ۔

ترجمہ: "اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، پھر عدت ہی میں اُس سے مباشرت کر لی اور یہ کہا کہ میں یہ جانتا تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے، تو اُس پر حد جاری کی جائے گی، کیونکہ اس کے لیے اُس کے حلال ہونے کا حق، جو نکاح کی وجہ سے تھا، وہ طلاق سے ختم ہو چکا ہے، اِس لیے کسی طرح کا شبہہ باقی نہ رہا اور قرآن پاک نے اس کے حلال ہونے کی صراحت کے ساتھ نفی کر دی ہے اور اس بات پر تمام فقہاء کا اجماع ہو چکا ہے۔ اور کوئی شخص اس میں اختلاف کرے گا تو اس کی بات کا کسی بھی طرح اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ یہ اختلاف رائے نہیں ہے بلکہ خلافِ محض ہے۔ اور اگر مباشرت کرنے والے نے یہ کہا کہ میرے گمان میں وہ میرے لیے حلال تھی، تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی کہ اس کا وہ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

گمان اپنے محل میں ہے، کیونکہ ثبوتِ نسب (یعنی اگر مباشرت سے حمل قرار پایا تو اُس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کا نسب سابق شوہر سے ثابت ہوگا)، عدت گزرنے تک عقدِ ثانی سے رکے رہنے اور نفقے کی حد تک ملکیتِ نکاح کا اثر اب بھی قائم ہے، تو حدِ زنا کے ساقط ہونے میں اس کے گمان کا اعتبار ہوگا اور عدت کے دنوں میں اُسے نکلنے کی ممانعت ہے اور شوہر پر اس کا نفقہ بھی واجب ہے، اس لیے حد ساقط ہونے میں بھی اس کے خیال وگمان کا اعتبار کیا جائے گا''۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: ''کیونکہ اجماع سے اُن کی حرمت ثابت ہے اور عدت کے دوران بعض آثارِ نکاح قائم رہتے ہیں''۔

(ہدایہ، جلد 4، ص: 86 تا 89)

تحریری طلاق اقرار یا گواہوں سے ثابت ہو تو مؤثر ہوتی ہے

سوال:

طلاق سے متعلق بیوی کا بیان: میرا اپنے خاوند سے جھگڑا ہوا، رات جب وہ واپس آئے تو میں اُنہیں منانے لگی، کمرے میں صرف ہم دونوں ہی تھے، اُنہوں نے ایک صفحہ پر لکھا:

1.I Diverce you. 2.I Diverce you 3.I Diverce you.

4.I Diverce you. 5.I Diverce you.

اور کاغذ میری طرف کر دیا کہ یہ لو، منہ سے الفاظ نہیں بولے۔ میں نے وہ کاغذ نیچے پھینک دیا اور پھر ہم باتیں کرتے رہے۔ صبح وہ کاغذ اٹھا کر لے گئے، دوپہر کو میں نے اپنے والد کو بلا کر ساری بات بتائی، وہ مجھے لے جانے لگے تو شوہر نے روک لیا اور صلح ہوگئی۔ میں نے طلاق کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے کہ میں نے تمہیں طلاق نہیں دی، تمہیں ڈرانے کے لیے لکھا تھا، میری کوئی نیت نہیں تھی۔

شوہر کا بیان: میری نیت طلاق کی نہیں تھی، نہ سوچ میں تھا طلاق کا۔ صرف ڈرانے کے لیے میں نے وہ الفاظ صفحے پر لکھے تھے۔ میرے ذہن وعلم میں یہ تھا کہ جب تک نیت نہ ہو تب تک کچھ نہیں ہوتا، اس لیے میں نے پانچ مرتبہ جملہ لکھا۔ اب مجھے پتا چلا کہ ہنسی مذاق میں

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

بھی طلاق ہو جاتی ہے؟(محمد اشرف، وہاڑی)

جواب:

کسی ایسی چیز پر الفاظِ طلاق لکھے کہ حروف ممتاز اور واضح سمجھ آتے ہوں، خواہ طلاق کی نیت نہ ہو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

''وَإِنْ كَانَتْ مَرْسُومَةً يَقَعُ الطَّلَاقُ نَوَى أَوْلَمْ يَنْوِ''

ترجمہ:''اور اگر مُروجہ طریقے کے مطابق طلاق لکھی ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی، اگرچہ اُس کی نیت ہو یا نہ ہو''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص:378)

علامہ زین الدین بن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

إِنْ كَتَبَ عَلَى وَجْهِ الرِّسَالَةِ مُصَدَّرًا مُعَنْوَنًا وَثَبَتَ ذٰلِكَ بِإِقْرَارٍ أَوْبِالْبَيِّنَةِ، فَكَالْخِطَابِ، وَإِنْ قَالَ: لَمْ أَنْوِبِهِ الْخِطَابَ لَمْ يُصَدَّقْ قَضَاءً وَدِيَانَةً، فِي الْمُنْتَقَى اللهُ يُدَيَّنُ۔

ترجمہ:''اگر (شوہر نے) تحریری طلاق، اپنی بیوی کو مخاطب کر کے بھیجی اور یہ بات اُس کے اقرار یا گواہوں سے ثابت ہو جائے کہ یہ اُس کا لکھا ہوا ہے، تو تحریر معتبر ہوگی۔ اگر (شوہر) کہے کہ میری نیت بیوی کو خطاب کی نہیں تھی تو قضاءً اور دیانۃً اُس کو سچا نہیں جانا جائے گا اور ''المنتقی'' میں ہے کہ دیانۃً اُسے سچا جانا جائے گا''۔ (الاشباہ والنظائر، ص:334)

صریح طلاق میں نیت کی حاجت نہیں ہوتی۔ علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر فرغانی لکھتے ہیں:

فَالصَّرِيحُ: قَوْلُهُ: أَنْتِ طَالِقٌ، وَمُطَلَّقَةٌ، وَطَلَّقْتُكِ، فَهٰذَا يَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ، لِأَنَّ هٰذِهِ الْأَلْفَاظَ تُسْتَعْمَلُ فِي الطَّلَاقِ، وَلَا تُسْتَعْمَلُ فِي غَيْرِهِ، فَكَانَ صَرِيحًا--- وَلَايَفْتَقِرُ إِلَى النِّيَّةِ، لِأَنَّهُ صَرِيحٌ فِيهِ لِغَلَبَةِ الْإِسْتِعْمَالِ۔

ترجمہ:''پس صریح (طلاق کے الفاظ یہ ہیں): تجھے طلاق ہے، تو مُطلّقہ ہے اور میں نے تجھے طلاق دی، اِن کلمات سے طلاق رجعی واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ یہ الفاظ طلاق ہی

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

میں استعمال ہوتے ہیں اور طلاق کے غیر میں استعمال نہیں کیے جاتے، پس یہ صریح ہیں اور نیت کی ضرورت نہیں ہے، اِس لیے کہ کثرتِ استعمال کے سبب یہ صریح ہے''۔

(ہدایہ، جلد3، ص:143)

تنویرالابصار مع الدرالمختار میں ہے: (صَرِیحُہ مَالَمْ یُسْتَعمَل اِلَّافِیہِ) وَلَوبِالْفَارِسِیَّة

ترجمہ: ''صریح وہ (الفاظ) ہیں جو طلاق کے علاوہ دوسرے معنیٰ میں استعمال نہیں ہوتے، اگرچہ وہ فارسی میں ہوں''۔ علامہ ابن عابدین شامی اِس کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَمَالَایُسْتَعمَل فِیْہَااِلَّافِی الطَّلَاقِ فَھُوَصَرِیْحٌ یَقَعُ بِلَانِیَّةٍ۔

ترجمہ: ''پس وہ الفاظ جو طلاق کے علاوہ (کسی اور معنیٰ) میں استعمال نہیں ہوتے، وہ صریح ہیں اور اُن سے نیت کے بغیر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد4، ص:337)

ایک طلاقِ رجعی عدت گزرنے پر بائن ہوجاتی ہے

سوال:

میں اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ ہالینڈ میں رہتا ہوں، 3 اگست 2011ء کو میں پاکستان آیا اور میں نے اپنی بیوی صائمہ کو 9 جولائی 2011ء میں ایک طلاقِ رجعی دی تھی، لیکن اُس طلاق سے رجوع نہیں ہوسکا۔ 15 مارچ 2012ء کو E-Mail کے ذریعے دوسری اور تیسری طلاق بھی دے دی۔ شرعی حکم کیا ہے؟، (محمد شعیب، کراچی)

جواب:

آپ کے بیان کے مطابق جس وقت آپ نے اپنی بیوی کو ایک طلاقِ رجعی دی، وہ ایک طلاق نافذ ہوگئی۔ آپ کو طلاقِ رجعی کے بعد بیوی کے تین حیض گزرنے سے پہلے یک طرفہ طور پر رجوع کا اختیار حاصل تھا، مگر آپ نے اُس مدت میں رجوع نہیں کیا۔ لہٰذا عدت گزرتے ہی وہ طلاق بائن ہوگئی اور آپ دونوں کے درمیان نکاح کا رشتہ مکمل طور پر ختم ہوگیا اور آپ کو یک طرفہ رجوع کا حق حاصل نہیں رہا۔ اب اگر آپ دونوں ساتھ رہنا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

چاہتے ہیں، تو باہمی رضامندی (Mutual Consent) سے نئے مہر کے ساتھ تجدیدِ نکاح کر سکتے ہیں اور خاتون کسی دوسرے شخص کے ساتھ بھی نکاح کرنے کے لیے آزاد ہے۔ اگر سابق مہر ادا نہیں کیا تھا تو اُس مہر کی ادائیگی بھی لازم ہے۔ آپ سے دوبارہ نکاح ہوجانے کی صورت میں آپ کو آئندہ صرف دو طلاقوں کا حق حاصل رہے گا، خدانخواستہ جب بھی دو طلاقیں مزید دیں، تو گزشتہ ایک طلاق جمع ہونے کے لیے موثر رہے گی۔ اور پہلی طلاق کے ساتھ جمع ہوکر تین طلاقیں مغلظہ ہوجائیں گی اور بیوی حرام ہوجائے گی۔ عدت گزرنے کے بعد بذریعہ ای میل آپ نے جو دو طلاقیں دیں، وہ غیر مؤثر ہیں، کیونکہ اُس وقت صائمہ آپ کے نکاح میں نہیں تھی، اس کی حیثیت ایک اجنبی عورت کی تھی اور آپ کو اسے طلاق دینے کا حق حاصل نہیں تھا، لہٰذا وہ دونوں طلاقیں لغو ہیں اور غیر مؤثر ہیں۔

بیوی کو دیے ہوئے زیورات کا حکم

سوال:

میں نے اپنی بیوی کو زیور، مہر کے عوض دیا تھا، اُس کی شرعی حیثیت کیا ہے اور باقی زیورات جو میری ملکیت تھی، اُس کی کیا شرعی حیثیت ہے؟۔

جواب:

جو زیور آپ نے اپنی بیوی کو مہر کے عوض دیا تھا، وہ اُس کی مالکہ بن گئی اور آپ کی جانب سے مہر ادا ہوگیا، اب آپ اُس زیور کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ دوسرے زیورات جن پر آپ اب ملکیت کا دعویٰ کر رہے ہیں، سوال یہ ہے کہ آپ نے وہ زیورات اپنی بیوی کو کس نیت سے دیے تھے؟، اگر آپ اُنہیں ہبہ کر چکے تھے اور وہ اُنہیں قبول کر کے قبضہ کر چکی تھیں، تو ہبہ مکمل ہوگیا اور وہ اُن زیورات کی مالکہ ہوگئیں اگر آپ نے اپنی بیوی کو عاریۃً استعمال کے لیے دیے تھے، تو آپ واپس لے سکتے ہیں یا آپ کی برادری میں زیورات کے حوالے سے جو عرف ہے، اس پر عمل ہوگا۔

امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں: ''دلہن کا گہنا جوڑا جو بری میں جاتا ہے، اگر نصاً یا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

عرفاً اس میں بھی تملیک ہوتی ہو، جیسے شکر، میوہ، عطر پھلیل وغیرہ میں مطلقاً ہوتی ہے، تو وہ بھی قبضۂ منکوحہ، ملکِ منکوحہ ہوگا، ہمارے یہاں شرفاء کا عرفِ ظاہر یہی ہے، ولہٰذا بعد رخصت اس کے واپس لینے کو سخت معیوب وموجبِ مطعونی جانتے ہیں، اور اگر لے لیں تو طعنہ زن یہی کہتے ہیں کہ دے کر پھیر لیا یا صرف دکھانے کو دیا تھا، جب دلہن آئی چھین لیا، یعنی یہ ان کی رسمِ معہود کے خلاف ہے، اس صورت میں تو اس کے لیے بعینہٖ وہی احکام ہوں گے جو دولہا کے جوڑے میں گزرے کہ بعد ہلاک دلہن سے تاوان لینے کا اصلاً اختیار نہیں، جیسے شکر، میوہ کا تاوان بٹنے کے بعد نہیں مل سکتا، اگرچہ ہنوز کھانے میں نہ آیا ہو۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: ہاں جہاں عرف تملیک نہ ہو بلکہ صرف پہنانے کے لیے بھیجا جاتا اور پہنانے والوں ہی کی ملک سمجھا جاتا ہو، وہاں دلہن کی ملک نہیں، ایک عاریت ہے کہ بحالتِ بقا جس سے رجوع ہروقت جائز وحلال''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 12، ص: 208، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

طلاق غصے ہی میں دی جاتی ہے

سوال:

میری شادی 18 نومبر 2011ء کو ہوئی، ایک سال بعد 6 نومبر 2012ء کو شدید غصے کی حالت میں میں نے اپنی بیوی کو 6 سے 9 مرتبہ ایک ساتھ طلاق دے دی۔ میں حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میں اپنے ہوش وحواس میں نہیں تھا نہ ہی میرا کوئی ایسا ارادہ اور نیت تھی۔ میں نے ملتان کے جامعہ انوار العلوم کے مفتی غلام مصطفیٰ رضوی صاحب (ممبر اسلامی نظریاتی کونسل) سے فتویٰ لیا ہے، اُنہوں نے مجھ سے طلاق کی کیفیت اور حلفیہ اقرار کرواکر چار بندوں کے سامنے فتویٰ دے دیا کہ آپ کی طلاق نہیں ہوئی۔ میرے سسرال والے اس فتویٰ کو نہیں مان رہے، آپ اس کیس پر اپنا موقف بیان فرمائیں کہ شدید غصے کی حالت میں انسان جب ہوش وحواس قائم نہ رکھ سکے، تو اس کیفیت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟۔ (سید دانش گیلانی، ملتان)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

جواب:

آپ کے بیان کے مطابق آپ نے غصے میں طلاق دی ہے، طلاق غصے ہی میں دی جاتی ہے ایسی حالت نہیں تھی جس میں عقل زائل ہوگئی ہو اور یہ پتا نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ امام احمد رضا قادری قُدِّسَ سِرُّہ العزیز لکھتے ہیں: غصہ مانع وقوعِ طلاق نہیں بلکہ وہی طلاق پر حامل ہوتا ہے، تو اُسے مانع قرار دینا گویا حکمِ طلاق کا راساً (سرے سے) ابطال (باطل قرار دینا) ہے، ہاں! اگر شدّتِ غیظ و جوشِ غضب اس حد کو پہنچ جائے کہ اس سے عقل زائل ہو جائے، خبر نہ رہے کہ کیا کہتا ہوں زبان سے کیا نکلتا ہے، تو بیشک ایسی حالت کی طلاق ہرگز واقع نہ ہوگی''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 12، ص: 383)

ائمہ ومشائخ عظام نے تصریح فرمائی ہے کہ غصہ ارادۂ طلاق کی علامت ہے۔ ملک العلماء علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی لکھتے ہیں:

وَحَالُ الْغَضَبِ وَمُذَاکَرَۃُ الطَّلَاقِ دَلِیْلُ اِرَادَۃِ الطَّلَاقِ ظَاھِراً، فَلَایُصَدَّقُ فِی الصَّرْفِ عَنِ الظَّاھِرِ۔

ترجمہ: ''غصہ کی حالت (حالتِ غضب) اور مذاکرۂ طلاق ظاہری طور پر طلاق کے ارادہ پر دلیل ہوتے ہیں، لہٰذا طلاق کے کلمات بولنے کے بعد اگر شوہر کلام کی ظاہری معنی کے خلاف مراد بیان کرے، تو اُس کی تصدیق نہیں کی جائے گی''۔ (بدائع الصنائع، جلد 3، ص: 149)

صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ''آج کل اکثر لوگ طلاق دے بیٹھتے ہیں، بعد کو افسوس کرتے اور طرح طرح کے حیلہ سے یہ فتویٰ لیا چاہتے ہیں کہ طلاق واقع نہ ہو۔ ایک عذر اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ غصہ میں طلاق دی تھی۔ مفتی کو چاہیے کہ یہ امر ملحوظ رکھے کہ مطلقاً غصہ کا اعتبار نہیں، معمولی غصہ میں طلاق ہو جاتی ہے۔ وہ صورت کہ عقل غصہ سے جاتی رہے، بہت نادر ہے، لہٰذا جب تک اس کا ثبوت نہ ہو محض سائل کے کہہ دینے پر اعتماد نہ کرے۔ (بہارِ شریعت، جلد اول، ص: 113)

صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ''طلاق اکثر غصے ہی میں ہوتی ہے

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اور غصہ میں جو طلاق دی جاتی ہے، واقع ہوتی ہے، مگر جب کہ غصہ اس حد کا ہو کہ عقل بالکل زائل ہو جائے کہ غصہ کی شدت میں مجنون اور پاگل کی طرح ہو جائے کہ اسے کچھ امتیاز ہی باقی نہ رہے، جو کچھ کہے اُس کا علم نہ رہے کہ کیا کہتا ہے تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی، مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر واقع میں اس حد کا غصہ نہ ہوا اور لوگوں پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ مجھے بالکل خبر نہیں کہ کیا کہا تو اپنے اس جھوٹے بیان سے مؤاخذۂ اُخروی سے بری نہ ہوگا۔ اور وہ بیان طلاق کو عنداللہ منع نہ کرے گا اور اگر معمولی غصہ تھا تو جتنی طلاقیں دی ہیں، واقع ہیں۔

(فتاویٰ مجددیہ، دوم، ص:197)

دائمی تفویضِ طلاق

سوال:

میرے شوہر نے تقریباً دس ماہ قبل مجھے ایک طلاق دی اور اُسی ہفتے میں رجوع کر لیا تھا، پھر پانچ ماہ بعد دوسری طلاق دی اور عدت کے دوران ہی رجوع کر لیا تھا، پھر ایک موقع پر مجھے کہا: ''تیسری طلاق کا حق میں تمہیں دیتا ہوں، جب چاہے، استعمال کر سکتی ہو''۔ اس دوران جب بھی لڑائی ہوتی تو کہتے تھے کہ: ''طلاق کا حق تمہارے پاس ہے، تم استعمال کرلو''، پھر میں نے اپنا حق استعمال کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے: ''جو حق آپ نے مجھے دیا ہے، وہ میں اپنے اوپر واضح کرتی ہوں اور اپنے اوپر تیسری طلاق واقع کرتی ہوں''۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ ہمارے رشتے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟۔

(سیما، ولی محمدی اپارٹمنٹ، بلاک 17، F.B ایریا، کراچی)

جواب:

طلاق، اصالتاً اور بالذات شوہر کا حق ہے اور وہ جب چاہے، اسے استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن شوہر یہ ''حقِ طلاق'' بیوی کو تفویض بھی کر سکتا ہے، خواہ نکاح کے وقت کرے یا بعد میں کسی وقت، اگر شوہر اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تو جب چاہے یا جب بھی چاہے یا جس وقت چاہے یا جس وقت بھی چاہے، اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے، تو یہ تفویضِ طلاق کا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

یہ حق دائمی اور غیر موقت ہوگا، جب تک وہ اس شوہر کے نکاح میں ہے، اس حق کو استعمال کر سکتی ہے۔ شوہر تفویضِ طلاق کا حق دے کر نہ واپس لے سکتا ہے اور نہ اسے باطل کر سکتا ہے۔ علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی لکھتے ہیں:

فَأَمَّا اِذَا کَانَ مُؤَقَّتًا فَاِنْ أَطْلَقَ الْوَقْتَ بِأَنْ قَالَ: أَمْرُكِ بِیَدِكِ اِذَا شِئْتِ أَوْ اِذَا مَا شِئْتِ أَوْ مَتٰی مَا شِئْتِ أَوْ حَیْثُمَا شِئْتِ، فَلَهَا الْخِیَارُ فِی الْمَجْلِسِ وَغَیْرِ الْمَجْلِسِ، وَلَا یَتَقَیَّدُ بِالْمَجْلِسِ حَتّٰی لَوْ رَدَّتِ الْأَمْرَ لَمْ یَکُنْ رَدًّا، وَلَوْ قَامَتْ مِنْ مَجْلِسِهَا أَوْ أَخَذَتْ فِی عَمَلٍ آخَرَ أَوْ کَلَامٍ آخَرَ فَلَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا لِأَنَّهُ مَا مَلَّکَهَا الطَّلَاقَ مُطْلَقًا لِیَکُوْنَ طَالِبًا جَوَابَهَا فِی الْمَجْلِسِ بَلْ مَلَّکَهَا فِی أَیِّ وَقْتٍ شَاءَتْ فَلَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا

ترجمہ: ''لیکن جب (تفویضِ طلاق) مُؤَقَّت ہو (یعنی اس میں وقت کا ذکر ہے)، تو اگر وقت کو مطلق رکھا (یعنی اس کا تعین نہیں کیا اور نہ ہی اس کی تحدید کی بلکہ تعمیم کی، اسے ہم انگریزی Unlimited یا Genaralizaed بھی کہہ سکتے ہیں)، وہ اس طرح (مثلاً) شوہر نے کہا: ''(أَمْرُكِ بِیَدِكِ اِذَا شِئْتِ) یعنی تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے جب تو چاہے''، یا کہا: ''(مَتٰی مَا شِئْتِ) یعنی تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، جب بھی تو چاہے''، یا کہا: ''(حَیْثُمَا شِئْتِ) جہاں تو چاہے''، تو بیوی کو اس مجلس کے اندر اور مجلس برخاست ہونے کے بعد بھی خود کو طلاق دینے کا اختیار حاصل رہے گا اور یہ خیارِ طلاق اُس مجلس کے ساتھ مُقَیَّد نہ ہوگا، حتیٰ کہ اگر اُس نے اس خیارِ طلاق کو رَد کر دیا (جیسے کہے کہ میں اپنا یہ اختیار آپ کو واپس کرتی ہوں)، تو یہ رَد نہیں ہوگا۔ اور اگر بیوی اس مجلس سے کھڑی ہوگئی یا کسی دوسرے کام میں مشغول ہوگئی یا دوسری بات شروع کر دی، تب بھی اس کو اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار حاصل رہے گا، اس لیے کہ شوہر نے بیوی کو طلاق کا مالک مطلقاً نہیں بنایا کہ وہ اُسی مجلس میں بیوی سے جواب کا طالب ہو (یعنی یوں نہیں کہا کہ: ''تجھے خود پر طلاق کو دینے کا اختیار یا تیرا معاملہ تیرے اپنے اختیار میں ہے'')، بلکہ اُس نے بیوی کو طلاق کا ان الفاظ میں مالک بنایا ہے کہ ''جس وقت بھی یا جب کبھی بھی بیوی چاہے''، لہٰذا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اُس کا اختیار حاصل ہوگا کہ جس وقت بھی وہ چاہے اپنے آپ کو طلاق دے دے''۔

(بدائع الصنائع، جلد 3، ص: 168)

آپ کے بیان کے مطابق آپ کے شوہر آپ کو دو طلاقیں دے چکے تھے اور یکے بعد دیگرے دونوں طلاقوں کے بعد رجوع بھی کر چکے تھے، یہ طلاقیں شرعاً مؤثر ہیں اور عدت کے اندر رجوع بھی درست تھا۔ بعد ازاں اُنہوں نے ایک طلاق کا حق آپ کو دائمی طور پر تفویض کر دیا تھا، جسے آپ نے اختیار کرلیا اور آپ پر تیسری طلاق واقع ہوگئی اور دونوں ایک دوسرے پر حرام ہوگئے، اب تحلیلِ شرعی کے بغیر رجوع کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عدت کا خرچہ کس طرح دیا جائے گا

سوال:

طلاق شدہ عورت کو خرچہ ماہانہ کتنا دینا ہوتا ہے، کتنے ماہ تک دینا ہوگا، کیا یہ رقم یکمشت دی جائے گی یا اقساط میں ادا کی جاسکتی ہے؟، (سید کاشف، ایف بی ایریا، کراچی)

جواب:

طلاق کے بعد عورت جب تک عدت میں ہے، اُس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے اور یہ خرچہ وہ اپنے مالی معیار کے مطابق ادا کرنے کا پابند ہے۔

مُطلّقہ غیر حاملہ کی عدت تین حیض گزرنا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ (البقرۃ:228)

ترجمہ: ''اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقدِ ثانی سے) روکے رکھیں۔

نفقہ سابق شوہر کی مالی حیثیت کے مطابق ادا کیا جائے گا اور جو آسان طریقہ ہو، وہ اختیار کیا جائے گا۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

(فِیْ کُلِّ شَهْرٍ) اَیْ کُلِّ مُدَّةٍ تَنَاسُبِهٖ کَیَوْمٍ لِلْمُحْتَرِفِ وسنةٍ للدّهْقَانِ، وَلَهُ الدَّفْعُ کُلَّ یَوْمٍ، کَمَا لَهَا الطلب کُلَّ یَوْمٍ عِنْدَ الْمَسَاءِ لِلْیَوْمِ الْاٰتِیْ،

ترجمہ: ''(نفقہ کی ادائیگی) ہر مہینے کے حساب سے معین کردے، یعنی ہر شخص کے لیے اُس

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کے پیشے کی مناسبت سے جو مدت مناسب ہو، مقرر کردی جائے، جیسا کہ پیشہ ور شخص کے لیے ایک دن کی مدت اور کاشتکاروں کے لیے سال بھر کی مدت مقرر کرے۔ اور شوہر کو اختیار ہے کہ ہر روز خرچہ دے جیسا کہ عورت کو ہر روز خرچہ طلب کرنے کا حق حاصل ہے، اگلے دن کا نفقہ شام کے وقت دے دے''۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 5، ص:233)

طلاق کا ایک مسئلہ

سوال:

ایک شخص نے اپنی بیوی کو اِس طرح کہا: ''میں اپنی بیوی کو سنّت کے مطابق طلاق دیتا ہوں، اسلامی مہینے کی اس پہلی کو ایک طلاق، اگلے مہینے کی پہلی کو دوسری طلاق، اُس کے بعد والے مہینے کی پہلی تاریخ کو تیسری طلاق دیتا ہوں''۔ کیا اس شخص کو رجوع کا حق حاصل ہے، رجوع کرسکتا ہے یا نہیں؟۔

(معرفت: مولانا آثار اللہ صاحب، مُدرّس دار العلوم نعیمیہ، کراچی)

جواب:

صورتِ مسئولہ میں مذکورہ الفاظ کہے جانے کے بعد ہر اسلامی ماہ کی پہلی تاریخ کو ایک، ایک طلاق واقع ہوتی رہے گی، درمیان میں اُسے رجوع کا حق حاصل رہے گا، لیکن تیسرے مہینے کی پہلی تاریخ کو تیسری اور آخری طلاق واقع ہونے کے بعد رجوع کا حق حاصل نہیں رہے گا، اور تیسری طلاق واقع ہوتے ہی دونوں ایک دوسرے پر حرام ہوجائیں گے۔ علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

وَاِذَا أَرَادَ أَنْ یطلّقھا ثَلَاثًا لِلسنّةِ، کتب ثُمّ اِذَا حضتِ و طھرت فانت طالق ثم اذا حضت و طھرت فأنت طالق، وان شاء أو جز فکتب اذا جاء ك کتابی ھذا فأنت طالق ثلاثا للسنة فیقع بھذہ الصفة، وَاِنْ کَانَتْ لَاتَحِیْضُ کتبَ اِذَا جَاءَكِ کِتَابِی ھٰذَا ثُمّ أھلّ شَھرٌ فَأنتِ طَالِقٌ أَوْ فَأنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ۔

ترجمہ: ''(شوہر) جب اپنی بیوی کو سنت کے مطابق تین طلاق دینا چاہے، تو یوں لکھے:

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جب تو حیض سے پاک ہو،تو تجھے طلاق ، پھر جب تو حیض سے پاک ہو،تو تجھے طلاق ، (پھر جب تو حیض سے پاک ہوتو تجھے طلاق)۔اور اگر اختصار سے کام لینا چاہے تو اس طرح لکھے کہ جب تجھے میری یہ تحریر پہنچے تو تجھے سنّت کے مطابق تین طلاقیں ، پس یہ اُسی ترتیب سے واقع ہوں گی ۔اور اگر عورت کو حیض نہ آتا ہوتو یوں لکھے جب بھی نیا چاند طلوع ہو،تو تجھے ایک طلاق ہے یا یہ الفاظ لکھے کہ تجھے سنت (میں بیان کردہ طریقے) کے مطابق تین طلاقیں ہیں"۔(البحرالرائق،جلد3،ص:417)

طلاق کا مطالبہ کرنے والی عورت کا حکم

سوال:

اگر کوئی عورت کسی وجہ کے بغیر اپنے شوہر سے طلاق چاہتی ہو،تو اُس کا کیا حکم ہے؟

(داروغہ اقبال احمد،کراچی)

جواب:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام حلال امور میں طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا باعث ہے،امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللہِ عَزَّوَجَلَّ اَلطَّلَاقُ، ترجمہ:"یعنی حلال امور میں اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض (ناپسندیدہ)چیز طلاق ہے"۔(سنن ابوداؤد:2171)

(۲)عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ:قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم:وَلَا خَلَقَ اللہُ شَیْئًا عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الطَّلَاقِ۔

ترجمہ:"حضرت معاذ بن جبل بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:روئے زمین پر اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز پیدا نہیں فرمائی جو اس کے نزدیک طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ ہو"۔(رواہ الدارقطنی:3939)

کسی شرعی جواز کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرنے والی عورت کے لیے حدیث پاک میں

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

وعید آئی ہے:

عَنْ ثَوْبَانَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مِنْ غَيْرِ بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ۔

ترجمہ: ''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت کسی وجہ کے بغیر شوہر سے طلاق کا سوال کرے، اُس پر جنّت کی خوشبو حرام ہے''۔

(سُنن ترمذی، رقم الحدیث: 1187)

ہمارے پاس کئی ایسے مسائل آتے ہیں کہ بیوی نے انتہائی ضد کرکے طلاق مانگی، جب شوہر نے مجبور ہوکر طلاق دے دی تو بعد میں پچھتانا پڑا۔ اسلامی تعلیمات کا منشا اور مزاج تو یہ ہے کہ شوہر و بیوی کے مابین ''رشتۂ نکاح'' تاحیات قائم رہے، مگر بعض ناگزیر حالات میں طلاق اور خلع کا راستہ بھی رکھا ہے تاکہ طبائع کے اختلاف کی وجہ سے زندگی ایک دوسرے کے لیے جہنّم نہ بن جائے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ اگر زوجین کے درمیان اختلافات زیادہ بڑھ جائیں تو دونوں کے خاندانوں سے ایک ایک بزرگ یا زیرک و دانا اور اصلاح پسند نمائندہ چن کر ان دونوں کو حَکَم مقرر کیا جائے تاکہ وہ زوجین کے درمیان اختلاف کو رفع کرسکیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝

ترجمہ: ''اور اگر تمہیں ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہو تو شوہر کے خاندان سے ایک حَکَم مقرر کرو اور (اسی طرح) بیوی کے خاندان میں سے ایک حَکَم (منصف، ثالث) لے لو، اگر وہ دونوں اصلاح کا ارادہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان موافقت (کی صورت) مقدر فرمادے گا، بے شک اللہ خوب جاننے والا اخبر رکھنے والا ہے''۔ (النساء: 35)

اگر مصالحت ناکام ہوجائے تو بھی تفریق سے پہلے اصلاح کی تدبیر کے طور پر اسلام

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

نے حکیمانہ انداز اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ ۚ

ترجمہ: ''اور تمہیں جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو، اُنہیں سمجھاؤ اور (اگر نصیحت بے اثر ثابت ہو تو) خواب گاہوں میں اُن سے علیحدہ رہو اور (پھر بھی اگر وہ آمادۂ اصلاح نہ ہوں تو) انہیں (تنبیہ کے طور پر معمولی) تادیب کرو''۔ (النساء:34)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ: ثَلَاثَةٌ لَاتَرْتَفِعُ صَلَاتُھُمْ فَوْقَ رُؤُوْسِھِمْ شِبْرًا: رَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَھُمْ لَهٗ كَارِھُوْنَ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُھَا عَلَيْھَا سَاخِطٌ وَأَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین لوگوں کی نماز اُن کے سروں سے ایک بالشت اوپر بلند نہیں ہوتی (یعنی قبولیت کے درجے کو نہیں پہنچتی): ایک وہ شخص جو لوگوں کی امامت کرے، دراں حالیکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں، دوسری وہ عورت جو اِس حالت میں رات گزارے کہ اُس کا شوہر اُس سے ناراض ہو، (تیسرے) وہ دو بھائی جو آپس میں قطع تعلق کرلیں''۔ (سُنن ابن ماجہ:971)

حضرت امّ سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

''أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ، وَزَوْجُھَا عَنْھَا رَاضٍ، دَخَلَتِ الْجَنَّةَ۔

ترجمہ: ''وہ عورت جس نے اِس حالت میں وفات پائی کہ اُس کا شوہر اُس سے راضی تھا، جنت میں داخل ہوجائے گی''۔ (سُنن ابن ماجہ:1854، سُنن ترمذی:1161)

شک کی صورت میں طلاق کی بنا کم پر ہوگی

سوال:

میری شادی 16 ماہ قبل ہوئی، 02 دسمبر کو جھگڑے کے دوران ہوش وحواس میں ارادتاً ایک طلاق دی، اُس کے بعد رجوع بھی کرلیا۔ 2 فروری کو پھر غصے میں طلاق کے الفاظ کہے، میرا گمان ہے کہ میں نے دو مرتبہ طلاق دی جبکہ میری زوجہ کو یہ یقین ہے کہ ایک طلاق

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

دی گئی، میری ذہنی کیفیت کے مطابق یہ ممکن ہے کہ مجھ سے بھول ہورہی ہو۔ گواہ کوئی نہیں، شرعی حکم کیا ہے؟، (ڈاکٹر فیاض حسین صدیقی، گلشن اقبال کراچی)۔

جواب:

آپ کی بیان کردہ صورت کے مطابق کم طلاق کا اعتبار کیا جائے گا، تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے: وَلَوشَکَّ أطلَّقَ وَاحِدَۃً أوْ اَکثَر بَنٰی عَلَی الأقلِّ۔

ترجمہ: ''اگر اِس بات میں شک ہو کہ ایک طلاق دی یا زائد دیں، تو کم عدد کا اعتبار کیا جائے گا''۔ (حاشیہ ابن عابدین، جلد 9،ص:264، دمشق)

امام احمد رضا قادری قُدِّسَ سِرُّہٗ العزیز اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ''جب طلاق میں شک ہو کہ دو تھیں یا تین، تو دو ہی سمجھی جائیں گی جب تک گواہانِ شرعی سے زیادہ کا ثبوت نہ ہو، فِی الاَشْبَاہِ وَالدُّرِّ الْمُخْتَار وَالْعُقُودِ الدُّرِّیَۃِ وَغَیرِھَا لَوشَکَّ أَطَلَّقَ وَاحِدَۃً أَوْ اَکْثَر بَنٰی عَلَی الْاَقَلّ۔

ترجمہ: ''الاشباہ والنظائر، الدرالمختار اور العقود الدریہ وغیرھا میں ہے کہ اگر شوہر کو شک ہو کہ بیوی کو ایک طلاق دی ہے یا زیادہ، تو کم عدد والی پر بنا ہوگی''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 12،ص:457)

مجموعی طور پر آپ کی بیوی کو دو طلاقیں ہوچکی ہیں، عدت کے دوران رجوع کا حق حاصل ہے، لیکن آئندہ صرف ایک طلاق کا حق آپ کو حاصل ہے، خدانخواستہ جب بھی ایک طلاق مزید دی، تو گزشتہ دو طلاقیں جمع ہونے کے لیے مؤثر رہیں گی اور گزشتہ دو طلاقوں کے ساتھ جمع ہوکر تین طلاقیں مغلظہ ہوجائیں گی اور بیوی حرام ہوجائے گی۔ یہ مسئلہ صرف اُس صورت میں ہے کہ واقعی آپ کو شک ہے اور دو طلاق کا یقین نہیں ہے، اگر آپ کو یقینی طور پر معلوم ہے کہ آپ نے دو طلاقیں دی ہیں، تو پھر یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور آپ کی یقینی طور پر دی ہوئی دو طلاقیں مؤثر ہوجائیں گی۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

حضانت کے مسائل

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

بچی کی پرورش کا حق

سوال:

میں نے اپنی بیٹی کرن کی شادی محمد عمران شیخ سے 2006ء میں کی تھی، جن کی ساڑھے تین سال کی ایک بیٹی مریم ہے۔ میرے داماد کے بھائیوں کے درمیان جائیداد کا جھگڑا تھا، جس کی بنا پر عمران کے بھائیوں نے میرے داماد اور بیٹی کو کمرے میں جلا کر مار دیا۔ ددھیال میں بچی کے چچا، تایا اور پھوپھی یعنی عمران کے بھائی اور بہن موجود ہیں۔ جبکہ ننھیال میں نانا، نانی، ماموں اور خالہ حیات ہیں۔ بچی کی پرورش کا استحقاق کون رکھتا ہے؟۔

(محمد شریف راجا، سیکٹر J 5 نیو کراچی)

جواب:

آپ نے جو صورتِ مسئلہ بیان کی ہے اس کی رُو سے چونکہ کرن کے والدین وفات پاچکے ہیں، اس لیے اس کی پرورش ونگہداشت کا حق اُس کی ماں کی عدم موجودگی میں اُس کی سگی نانی کو حاصل ہے۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے: اَلْحِضَانَۃُ تَثْبُتُ لِلْاُمِّ۔۔۔ (ثُمَّ) أَیْ بَعدَ الْاُمِّ بِأَنْ مَاتَتْ أَوْلَمْ تَقْبَلْ أَوْ أَسْقَطَتْ حَقَّهَا أَوْ تَزَوَّجَتْ بِأَجْنَبِیِّ (أُمِّ الْاُمِّ)۔

ترجمہ: ''بچے کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: ترجمہ: ''ماں فوت ہوجائے یا بچے کو قبول نہ کرے یا اپنا حقِ حضانت (پرورش) ساقط کردے، یا کسی ایسے شخص کے ساتھ نکاح کرلے جو بچے کے لیے اجنبی ہے، تو پھر ماں کے بعد نانی کو پرورش کا حق ہے''۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 5 ص: 210 تا 216، بیروت)

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں: ''عورتوں میں سے مقدم (۱) ماں ہے، (۲) پھر سگی نانی، (۳) پھر اس (سگی نانی) کی ماں، (۴) پھر سگی دادی، (۵) پھر اس (سگی دادی) کی ماں، (۶) پھر اُس کی بہن، (۷) پھر مادری بہن (یعنی جو اس بچے سے ماں میں شریک اور باپ جدا ہو) پھر روایتِ متون میں (۸) سوتیلی بہن، (۹) پھر سگی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

بھانجی، (۱۰) پھر مادری (یعنی مادری بہن کی) بیٹی، (۱۱) پھر سگی خالہ، (۱۲) پھر مادری خالہ، (۱۳) پھر سوتیلی خالہ، (۱۴) پھر سگی بھانجی، (۱۵) پھر سوتیلی بھانجی (۱۶) پھر سگی بھتیجی، (۱۷) پھر سوتیلی، (۱۸) پھر سگی پھوپھی، (۱۹) پھر مادری (۲۰) پھر سوتیلی، (۲۱) پھر ماں کی سگی خالہ (۲۲) پھر مادری، (۲۳) پھر سوتیلی، (۲۴) پھر باپ کی سگی خالہ، (۲۵) پھر مادری، (۲۶) پھر سوتیلی، (۲۷) پھر ماں کی سگی پھوپھی، (۲۸) پھر مادری، (۲۹) پھر سوتیلی، (۳۰) پھر باپ کی سگی پھوپھی، (۳۱) پھر مادری، (۳۲) پھر سوتیلی۔ یہ بتیس عورتیں ہیں جب ان میں کوئی نہ ہو یا بوجوہ مذکور مستحق نہ رہے تو حق حضانت عصبات ذکور کی طرف منتقل ہوگا جن میں سب سے مقدم باپ ہے، پھر دادا، پھر سگا بھائی، پھر سوتیلا، پھر سگا بھتیجا، پھر سوتیلا، پھر سگا چچا، پھر سوتیلا۔ ان میں سے کسی کے ہوتے نانا، ماموں وغیرہم ذوی الارحام کو استحقاق نہیں"۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 13 ص: 389، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

لڑکی کے لیے فقہائے کرام نے استحقاقِ پرورش ونگہداشت کی مدت نو سال بتائی ہے۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

(وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ) لِاُمٍّ أَوْ لِأَبٍ (اَحَقُّ بِهَا) بِالصَّغِيْرَةِ (حَتّٰى تَحِيْضَ ــــــ وَغَيْرُهُمَا أَحَقُّ بِهَا حَتّٰى تَشْتَهِيَ) وَقُدِّرَ بِتِسْعٍ وَبِهٖ يُفْتٰى۔

ترجمہ: "بچی کی ماں اور نانی اور دادی اُس کی پرورش کی زیادہ حق دار ہیں، یہاں تک کہ اُسے حیض آجائے (یعنی بالغہ ہوجائے) ـــ آگے چل کر لکھتے ہیں: (ان کی عدم موجودگی یا عدم دست یابی کی صورت میں) دوسری پرورش کرنے والی عورتوں کا استحقاق لڑکی کے مُشْتَہاۃ (قریبُ البلوغ) ہونے تک ہے اور اُس کی مدت 9 سال مقرر کی گئی ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے"۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 5 ص: 210 تا 216 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

حقِ پرورش کا مسئلہ

سوال:

میں نے گھریلو نا چاقی کے سبب اپنی بیوی طلعت نور کو تین طلاقیں دے دی ہیں، اُس سے میرا ایک بیٹا محمد اویس ہے۔ طلاق کے وقت محمد اویس گیارہ ماہ کا تھا، اب اُس کی عمر ڈھائی سال ہے۔ میری سابق بیوی اور میرے بچے محمد اویس کی والدہ طلعت نور نے دوسری شادی کرلی ہے۔ بچہ اب اُس کے مُربّی والدین کے پاس ہے۔ طلعت نور کے حقیقی والدین نہیں ہیں بلکہ اُنہوں نے طلعت کو گود لے کر پالا تھا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اُس بچے کی پرورش کا حق منہ بولے نانا نانی کو حاصل ہے یا بچے کے حقیقی والد کو؟۔ واضح رہے کہ میرے والدین یعنی بچے کے دادا، دادی بھی ماشاءاللہ حیات ہیں۔

(محمد شاہد، سیکٹر F-5 نیو کراچی)

جواب:

آپ نے جو صورتِ مسئلہ بیان کی ہے اس کی رُو سے آپ کی سابق بیوی (اور آپ کے بچے محمد اویس کی والدہ) طلعت نور نے دوسری شادی کرلی ہے۔ عقدِ ثانی ہوجانے کے بعد طلعت نور کا اپنے بچے محمد اویس کی نگہداشت کا حق ساقط ہوچکا ہے۔ شریعت کی بیان کردہ ترتیب کے مطابق بچے کی نگہداشت کا حق ماں کے بعد اُس کی نانی کو حاصل ہوتا ہے:

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

اَلْحِضَانَةُ لِلْأُمِّ۔ (ثُمَّ) أَيْ بَعْدَ الْأُمِّ بِأَنْ مَاتَتْ أَوْلَمْ تَقْبَلْ أَوْ أَسْقَطَتْ حَقَّهَا أَوْ تَزَوَّجَتْ بِأَجْنَبِيٍّ (أُمُّ الْأُمِّ)

ترجمہ: ''بچے کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے۔

آگے چل کر لکھتے ہیں: ''اگر ماں فوت ہوجائے یا بچے کو قبول نہ کرے یا اپنا حقِ حضانت (پرورش) ساقط کردے، یا کسی ایسے شخص کے ساتھ نکاح کرلے جو بچے کے لیے اجنبی ہے، تو پھر ماں کے بعد نانی کو پرورش کا حق ہے''۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اگر آپ کا بیان درست ہے کہ آپ کی سابق بیوی طلعت نور کے حقیقی والدین نہیں ہیں، تو طلعت نور کو گود لینے والے میاں بیوی بچے کے حقیقی نانا اور نانی نہیں ہیں، اِس لیے وہ بچے کی نگہداشت کا استحقاق نہیں رکھتے۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے: ۔ ثم اُمّ الأبِ (یعنی ماں کے عقدِ ثانی اور حقیقی نانی نہ ہونے کی صورت میں آپ کے بچے کی نگہداشت کا حق اُس کی) دادی کو حاصل ہے''۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 5 ص: 210 تا 216 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

لٰہذا شرعاً وقانوناً آپ کی والدہ یعنی بچے کی دادی محمد اویس کی پرورش کا حق رکھتی ہیں۔ اور وہ شرعاً وقانوناً اپنے اِس حق کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔

حُرمت کا رشتہ

سوال:

میری بیٹی کی پہلے شوہر سے ایک بیٹی ہے، جس کی عمر اس وقت سولہ سال ہے۔ میں نے اپنی بیٹی کی دوسری شادی کر دی ہے، نواسی کو میری بیٹی اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اُس بچی کا ماں کے ساتھ رہنا مناسب نہیں کیونکہ وہ اُس کے شوہر اور سوتیلے باپ کے لیے نامحرم ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں۔ ایک دوست نے مودودی صاحب کی تفہیم القرآن کا حوالہ دیا کہ سورۂ نسا آیت: 23 کی تفسیر میں ہے: ایسی لڑکی کا حرام ہونا اس شرط پر موقوف نہیں ہے کہ اُس نے سوتیلے باپ کے گھر میں پرورش پائی ہو۔ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے محض اس رشتہ کی نزاکت ظاہر کرنے کے لیے استعمال فرمائے ہیں۔ فقہائے اُمت کا اس بات پر تقریباً اجماع ہے کہ سوتیلی بیٹی بہر حال حرام ہے، خواہ اس نے سوتیلے باپ کے گھر میں پرورش پائی ہو یا نہ پائی ہو۔ آپ سے گزارش ہے کہ شریعت کی روشنی میں میری رہنمائی فرمائیں۔ (عزیز الرحمٰن، لاہور)

جواب:

آپ کی بیٹی کے عقدِ ثانی کے بعد اگر اُس شوہر سے آپ کی بیٹی کا ازدواجی تعلق قائم

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ہوچکا ہے، تو وہ شخص آپ کی نواسی کا مَحرم ہے۔ اور وہ اُس گھر میں رہائش اختیار کرسکتی ہے اور اُس پر اپنے سوتیلے باپ سے شرعی پردہ وحجاب لازم نہیں ہے۔ آپ نے سورۂ نسآء آیت:33 کا جوحوالہ دیا ہے، اُس کا سیاق وسباق (Context) بھی اسی سے متعلق ہے اور اس آیت سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے:

''اور تمہاری وہ بیویاں جن سے تم صحبت کر چکے ہو اُن کی سابق شوہر سے بیٹیاں (تم پر حرام کردی گئی ہیں) اور اگر تم نے اُن بیویوں سے صحبت نہ کی ہو تو (اُن کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں''۔ (النساء:23)۔ الغرض یہ آیت ''مُحرَّماتِ نکاح'' (یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے) کے بیان کا تسلسل ہے۔ اگر کسی شخص نے کسی ایسی مُطلّقہ یا بیوہ سے نکاح کیا، جس کی گود میں سابق شوہر سے بیٹی تھی، اور وہ بیٹی اُس دوسرے شوہر کے ہاں اپنی ماں کے ساتھ رہی اور وہیں پرورش پائی، تو وہ شوہر (یعنی سوتیلا باپ) اُس کا مَحرم ہے اور اُس گھر میں بلوغت کے بعد وہ رہ سکتی ہے۔ (لیکن اگر اُس عورت کے اِس عقدِ ثانی کے بعد میاں بیوی میں ازدواجی تعلق قائم نہ ہوسکا اور طلاق ہوگئی، تو وہ اُس عورت کی سابق شوہر سے بیٹی کا مَحرم نہیں ہے، اُس سے اِس لڑکی کا پردہ لازم ہے اور اُن کا باہم نکاح بھی ہوسکتا ہے)۔ اِسی طرح اگر کسی شادی شدہ جوڑے نے کوئی بچی گود لی، پالی پوسی اور اب وہ بالغہ ہوگئی اور اُس شخص کے ساتھ بچی کا نسب، مُصاہرت یا رضاعت کے حوالے سے حُرمت کا کوئی رشتہ نہیں ہے، تو بالغہ ہونے کے بعد وہ شخص اُس لڑکی کے لیے نامحرم ہے، دونوں کے درمیان شرعی پردہ اور حجاب لازم ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

أی سِواءٌ کانَتْ فِیْ حَجْرِہٖ: اَیْ کَنَفِہٖ وَنَفَقَتِہٖ اَوْلا، وَذِکْرُ الْحَجْرِفِی الْاٰیَةِ خَرَجَ مَخْرَجَ الْعَادَةِ أَوْ ذُکِرَ لِلتَّشْنِیْعِ عَلَیْھِمْ کَمَا فِی ''الْبَحْرِ'' وَاحْتَرَزَ بِالْمَوْطُوْءَةِ عَنْ غَیْرِھَا، فَلَا تَحْرُمُ بِنْتُھَا بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ۔

ترجمہ: ''یعنی خواہ وہ اس کی گود میں ہو، یعنی اس کی نگہداشت اور نفقہ کی ذمہ داری اپنے

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ذمے لے رکھی ہو یا نہ۔ آیت میں حجر (گود) کا ذکر عادت کے طور پر ہے کہ بالعموم ایسا ہوتا ہے، یا اس کا ذکر عار دلانے کے لیے ہو جیسا کہ ''البحر الرائق'' میں ہے، اور موطوءہ (مدخولہ) کی قید غیر موطوءہ سے احتراز کے لیے ہے، تو محض عقد کی بناء پر اس عورت کی کسی سابقہ شوہر سے بیٹی اِس شوہر پر حرام نہیں ہوگی (بشرطیکہ مباشرت سے قبل اس نے اسے طلاق دے دی ہو)''۔ (ردالمحتار جلد 4 ص 83، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حقیقی والدین کے حقوق مُعطل نہیں ہوتے

سوال:

اگر کوئی شخص اپنا ایک دن کا بچہ کسی کو گود دے دے اور 14-13 سال بعد اُس بچے کو واپس لینا چاہے، تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ (محمد کامران الحق، 11D نیو کراچی)

جواب:

حقیقی والدین کے حقوق کبھی مُعطّل نہیں ہوتے اور پرورش کرنے والے مُربّی (ماں باپ) حقیقی والدین نہیں بن جاتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ۝

ترجمہ: ''اور اس (اللہ تعالیٰ) نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنایا، یہ سب تمہاری اپنی خود ساختہ باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ حق (بات) ارشاد فرماتا ہے اور وہ راہِ راست کی طرف رہنمائی فرماتا ہے، (الاحزاب:4)''۔ اور فرمایا:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

ترجمہ: ''ان (لے پالکوں) کو ان کے (حقیقی) باپوں کے ناموں سے پکارو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی سب سے زیادہ انصاف کی بات ہے، (الاحزاب:5)''۔

اگر بچے کے حقیقی والدین اُسے واپس لینا چاہتے ہیں تو اُنہیں اِس کا مکمل اختیار ہے، مُربّی والدین اُس بچے کی کفالت و پرورش کرنے پر یقیناً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اجر پائیں

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

گے اور اگر وہ بیٹا بالغ ہوگیا ہے، تو اپنے معاملات میں آزاد ہے، تاہم حقیقی والدین کے حقوق اس پر واجب ہیں، اگر وہ اس کی مالی مدد کے محتاج ہیں، تو رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ اَنَّ رَجُلاً قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ! اِنَّ لِیْ مَالاً وَوَلَدًا، وَاِنَّ اَبِیْ یُرِیْدُ اَنْ یَجْتَاحَ مَالِیْ، فَقَالَ: اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِیْكَ۔

ترجمہ: ''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس (کچھ) مال ہے اور میری اولاد بھی ہے، اور میرے والد چاہتے ہیں کہ وہ میرا مال سرے سے ختم کردیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اور تمہارا مال (دونوں) تمہارے والد کے ہیں۔

(۲) اِنَّ اَوْلَادَکُمْ مِنْ أَطْیَبِ کَسْبِکُمْ۔ فَکُلُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔

ترجمہ: ''بے شک تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی میں سے ہے، پس اپنی اولاد کی کمائی سے کھاؤ، (یعنی تمہیں اپنی اولاد کے مال میں سے کھانے کی اجازت ہے)''۔

(سُنن ابن ماجہ: 2291-92)

(۳) انَّ رَجُلاً أَتَی النَّبِیَّ ﷺ، فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنَّ لِیْ مالاً وَوَلَداً، وَاِنَّ والِدِی یَجِیحُ مَالِیْ، قال: أَنْتَ وَمَالُكَ لِوَالِدِكَ، اِنَّ اَوْلَادَکُمْ مِنْ أَطْیَبِ کَسْبِکُمْ، فَکُلُوا مِنْ کَسْبِ أَوْلَادِکُمْ، (ایک نسخہ میں یَجِیحُ کی بجائے یَجْتَاحُ ہے)۔

ترجمہ: ''ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی یارسول اللہ! میرے پاس (کچھ) مال ہے اور میری اولاد بھی ہے اور میرے والد میرے مال کو سرے سے ختم کرنا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اور تمہارا مال تمہارے والد کے لیے ہے، بے شک تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی میں سے ہے، تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ''۔

(سُنن ابوداؤد: 3524)

اِسی طرح اگر وہ جسمانی لحاظ سے ضعیف العمری اور کمزوری کی وجہ سے اُس کے سہارے کے محتاج ہیں، تو اُسے اُن کا سہارا بننا چاہیے۔ البتہ جو اُس کے مُربّی ہیں، انہوں

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

نے اس پر احسان کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝
ترجمہ: ''احسان کا بدلہ احسان ہے''۔ (رحمٰن:60)

اُس پر بھی لازم ہے کہ اُن کے ساتھ اپنی استطاعت کے مطابق حسنِ سلوک کرے۔
مگر یہ اُن کا شرعی وارث نہیں ہے، تاہم وہ اپنی زندگی میں جتنا چاہیں، اُسے ہبہ کر سکتے ہیں۔ جو لوگ کسی بچے کو گود لینا چاہیں اور مُتبنّیٰ (Adopted Son) یا مُتبنّاۃ (Adopted Daughter) بنانا چاہیں، جسے ہمارے عرف میں ''گود لینا'' کہتے ہیں، یعنی پرورش ونگہداشت کرنا۔ اگر اس گود لیے جانے والے بیٹے کے ساتھ نسبی قرابت کا کوئی ایسا رشتہ پہلے سے قائم ہے، جس سے وہ مُرَبِّیہ ماں کا محرم بنتا ہو، تو فبہا، ورنہ رضاعت کا کوئی ایسا رشتہ قائم کرنے کی تدبیر اختیار کرنی چاہیے، جس سے وہ بیٹا بالغ ہونے پر مُربیہ ماں کا محرم بن جائے اور وہ مُربّی باپ اس بیٹی کا محرم بن جائے تاکہ شریعت کے اَحکام کی خلاف ورزی لازم نہ آئے، ورنہ بالغ ہونے کے بعد وہ لڑکا اپنی پالنے والی ماں کے لیے اجنبی ہوگا اور وہ لڑکی اپنے مُربّی باپ کے لیے اجنبیہ ہوگی۔

فائدہ: باپ بیٹے کے مال کا اس کی زندگی میں ہرگز مالک نہیں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد بھلائی کے باب میں ہے، قانون نہیں ہے۔ نہ باپ کو بے رضا واجازتِ پسر اس کے مال سے ایک حبہ لینے کا اختیار مگر جب کہ باپ فقیر محتاج ہو اور بیٹا غنی تو صرف بقدرِ نفقہ کے بلا اطلاعِ پسر بھی لے سکتا ہے اگرچہ بیٹا راضی نہ ہو۔ حدیث پاک: انت ومالك لابيك (تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے)۔ کوئی عاقل اس سے یہ وہم نہیں کر سکتا کہ بیٹے کی مِلک کی نفی فرمائی ہے، ایسا ہو تو باپ بیٹے کا وارث نہ ہو سکے اور آیۂ کریمہ (وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ) کا معاذ اللہ صاف انکار لازم آئے کہ اِرث ترکۂ مورث میں جاری ہوگی اور ترکہ مثبتِ مِلک جب مِلک منفی تو اِرث کہاں۔ (ھکذا فی الفتاوی الرضویہ)
نوٹ: اس حدیث کی مکمل تشریح ہم نے تفہیم المسائل جلد پنجم ص 426 میں کی ہے، دلچسپی رکھنے والے حضرات اس مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

خرید وفروخت کے مسائل

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

موبائل ری چارج

سوال:

موبائل کمپنیاں صارفین کو لون دے کر اگلے ریچارج پر زائد رقم وصول کرتی ہیں، کیا یہ سود ہے؟، (محمد کاشف رضا، لاہور)

جواب:

موبائل کمپنیوں کی جانب سے ملنے والی ایڈوانس رقم کی اگلے ری چارج یا ایزی لوڈ پر جو کٹوتی کی جاتی ہے، اگر اس میں اصل رقم مع سرکاری ٹیکس کے علاوہ سروس چارج بھی وصول کیا جائے، تو اسے ''اجارۃ الخدمات'' کہتے ہیں اور اگر یہ سروس چارجز متعین (Fix) ہیں، تو یہ درست ہے۔ زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ یہ کمپنیاں اپنے واجبات، حکومتی ٹیکس اور اپنا سروس چارج شامل کر کے اپنے گاہک (Client) کو ایر ٹائم بیع مؤجّل کے طور پر فروخت کردیں اور اس سے ابتدا ہی میں گاہک کو مُطلع کردیں، تو یہ جائز ہے۔ بیع مؤجّل اسے کہتے ہیں کہ جس میں قیمت بعد میں ادا کرنے کی سہولت موجود ہو۔

قسطوں کے کاروبار کا شرعی حکم

سوال:

قسطوں کے کاروبار کا شرعی حکم کیا ہے؟، (نعمان مسعود، کراچی)۔

جواب:

مختلف افراد، کمپنیاں اور ادارے ادھار پر سامان فروخت کرتے ہیں اور قیمت اقساط میں وصول کی جاتی ہے قیمت باہمی رضامندی سے طے کرلی جاتی ہے، عام طور پر یہ موجودہ بازاری قیمت سے زیادہ ہوتی ہے، اسی طرح قسط کی رقم اور ادائیگی کی کل مدت پہلے سے طے ہوتی ہے، مبیع (SOLD ITEM) خریدار کے حوالے کر کے اس کی ملک میں دے دی جاتی ہے، تو یہ عقد شرعاً صحیح ہے، بشرطیکہ اس میں یہ شرط شامل نہ ہو کہ اگر خدانخواستہ مقررہ مدت میں اقساط کی ادائیگی میں تاخیر ہوگئی تو ادائیگی کی اضافی مدت کے عوض قیمت میں کسی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

خاص شرح سے کوئی اضافہ ہوگا۔اور اگر تاخیری مدت کی عوض قیمت میں اضافہ کردیا تو یہ سود ہے اور حرام ہے۔ فی نفسہٖ حدودِ شرع کے اندر اقساط کی بیع جائز ہے۔قسطوں پر سامان لینے پر جو اضافی رقم ادا کی جاتی ہے، وہ سود میں شمار نہیں ، مفتی وقارالدین قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا کہ:

(''قسطوں پر سامان لینا کیسا ہے؟ مثلاً ایک چیز کی قیمت نقد =/17,000 روپے ہے اور قسطوں پر ہم اُس چیز کو لیتے ہیں، تو اس کی قیمت =/21,000 روپے ہوجاتی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ نقد رقم سے جو زیادہ روپے دینے پڑتے ہیں، یہ سود ہے یا نہیں؟ مالک بتادیتا ہے کہ آپ قسطوں پر لیں گے تو آپ کو اتنے روپے زیادہ دینے پڑیں گے''؟) آپ نے جواب میں لکھا:

''فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ نقد اور ادھار کی قیمتوں میں فرق کرنا جائز ہے اور اس طرح بیع کرنا کہ یہ چیز نقد دس روپے کی ہے اور ادھار پندرہ روپے کی ، یہ جائز ہے۔لہٰذا صورتِ مسئولہ میں قسطوں پر سامان لینا جائز ہے اور قسطوں کی صورت میں جو زیادہ پیسہ دیا جاتا ہے، یہ سود نہیں ہے۔ اس میں ناجائز ہونے کی صورت مندرجہ ذیل ہوگی کہ اگر مالک سے قیمت متعین کر کے کوئی چیز خریدی گئی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اتنے روپے مالک کے خریدار کے ذمے واجب ہیں اور خریدار اُس چیز کا مالک ہوگیا اب خریدار مالک کو یہ روپیہ نقد نہ دے بلکہ یہ کہے کہ میں قسطوں میں اِس سے زیادہ ادا کروں گا، تو اِس صورت میں یہ زیادتی سود ہے اور حرام ہے''۔(وقار الفتاویٰ ،جلد سوم ص:271)

سونے کی بیع

سوال:

آج سے 10 سال پہلے قادر ولی محمد کو کاروبار کی غرض کے لیے سونے کے زیورات دیے تھے، اس میں سے 577 گرام سونا بقایا تھا، جس کی مالیت دس سال پہلے کے ریٹس سے 2 لاکھ 80 ہزار تھی۔ انہوں نے دو لاکھ 80 ہزار کے چیک دیے تھے جو آج تک کیش

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

نہیں ہوئے بینک سے واپس آ گئے تھے۔ پرانے ریٹس 4780 روپے فی تولا تھے، آج کے ریٹس سے 37000 تولا ہے، کل مالیت 22 لاکھ روپے بنتے ہیں جو اس وقت اس نے چیک دیے تھے رقم نہ ہونے کی وجہ سے کیش نہ ہو سکے اور مجھے جس پارٹی کو حساب دینا ہے، سونا ہی دینا ہے۔ لہٰذا معلوم یہ کرنا ہے کہ میں قادر بھائی سے پرانے ریٹس سے لوں یا نئے ریٹس سے لوں۔ (محمد زبیر محمد ابراہیم، علی کارنر B.5 عائشہ منزل، ایف بی ایریا، کراچی)

جواب:

زیورات کی بیع ہونے کی صورت میں اگر ثمن کی ادائیگی میں مذکورہ شخص کی طرف سے ٹال مٹول کا سلسلہ جاری رہا اور آپ کے مطالبے کے باوجود اُس نے تاخیر کرتے کرتے دس سال گزار دیے، تو آپ موجودہ قیمت کے مطابق اپنی رقم وصول کر سکتے ہیں اور اگر آپ کی سستی وغفلت کے سبب تاخیر ہوئی، تو جتنی رقم معاہدے کے وقت طے ہوئی تھی، اتنی ہی رقم آپ کو ملے گی، اُس سے زائد نہیں ملے گی۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

امّا اِذَا غَلَتْ قِیمَتُهَا أَوِانْتَقَصَتْ فَالْبَیْعُ عَلٰی حَالِهٖ وَلَا یَتَخَیَّرُ الْمُشْتَرِیْ، وَیُطَالَبُ بِالنَّقْدِ بِذٰلِكَ الْعِیَارِ الَّذِیْ كَانَ وَقْتَ الْبَیْعِ، كَذَا فِیْ ''فَتْحُ الْقَدِیْر'' وَفِیْ ''الْبَزَّازِیَة'' عَنِ ''الْمُنْتَقٰی'': غَلَتِ الْفُلُوسُ أَوْ رَخُصَتْ فَعِنْدَ الِامَامِ الْاَوَّلِ وَالثَّانِیْ: أَوَّلاً لَیْسَ علیه غَیْرُهَا۔ وَقَالَ الثَّانِیْ ثَانِیًا: عَلَیهِ قِیمَتُهَا مِنَ الدَّرَاهِمِ یَوْمَ الْبَیْعِ وَالْقَبْضِ، وَعَلَیهِ الْفَتْوٰی۔

ترجمہ: جب بھاؤ میں کمی یا زیادتی ہو تو بیع اسی طرح درست رہتی ہے اور خریدار کو خیار نہیں ملتا اور اس سے بیع منعقد ہونے کے وقت کی قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا، ''فتح القدیر'' میں اسی طرح ہے اور ''بزازیہ'' میں ''مُنْتَقٰی'' کے حوالے سے ہے کہ (بعد میں) قیمت بڑھ جائے یا کم ہو جائے، شیخین (امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کا) قول اول یہ ہے کہ پہلی قیمت لازم ہوگی، اُس کے علاوہ نہیں اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ (جس کی طرف آپ نے رجوع کیا) کہ خریدار پر وہ قیمت واجب ہے، جو خریداری کے دن تھی یا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

(قرضہ کی صورت میں جو) قبضے کے دن تھی، فتویٰ اِسی (قول) پر ہے''۔

مزید لکھتے ہیں: وَفِی ''الذَّخِیرَۃِ'' عن ''المنتقٰی'': اِذَا غَلَتِ الْفُلُوْسُ قَبْلَ الْقَبْضِ اَوْ رَخُصَتْ۔ قَالَ اَبُوْیُوسُف: قَوْلِیْ وَقَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِیْ ذٰلِکَ سَوَائٌ، وَلَیْسَ لَہٗ غَیْرُھَا، ثُمَّ رَجَعَ اَبُوْیُوسُفَ وَقَالَ: عَلَیْہِ قِیْمَتُھَا مِنَ الدَّرَاھِمِ، یَوْمَ وَقَعَ الْبَیْعُ وَیَوْمَ وَقَعَ الْقَبْضُ۔

ترجمہ: ''''ذخیرہ'' میں ''منتقیٰ'' کے حوالے سے ہے: ''جب پیسوں کے بھاؤ میں قبضے سے پہلے کمی یا زیادتی ہوجائے، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرا اور امام ابوحنیفہ کا قول ایک ہے وہ یہ کہ خریدار پر مثل کی ادائیگی واجب ہے، پھر امام ابو یوسف نے اس سے رجوع کیا اور فرمایا: اس پر درہموں سے وہ قیمت واجب ہے، جو خریداری کے دن تھی اور قرضہ ہوتو جو قرضے کے دن قیمت تھی''۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 7، ص: 41)

اَحناف کے ہاں اِس پر دو قول ہیں کہ جب ثمن پر قبضہ ہونے سے پہلے بھاؤ میں فرق آئے، تو خریدار پر کس حساب سے ادائیگی لازم ہوگی۔ ہم نے یہاں کے عرف کے مطابق امامِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر حکم بیان کیا ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کی صورت بھی بیان کردی ہے، جسے علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ نے مُتعدد کتابوں کے حوالے سے مفتیٰ بہ بیان فرمایا ہے۔

منرل واٹر کا کاروبار

سوال:

میں منرل واٹر کا کاروبار کرنا چاہتا ہوں، والد صاحب کہتے ہیں کہ یہ کاروبار ناجائز اور اس کی آمدنی حرام ہے۔ آپ سے شرعی رہنمائی کی درخواست ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ بعض احادیث میں پانی فروخت کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

(ہدایت چوہدری، روشنی منرل واٹر، کراچی)

جواب:

آج کل پینے کے صاف پانی (Mineral Water) کا کاروبار بڑے پیمانے پر

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ہو رہا ہے، مختلف کمپنیاں اس کاروبار سے وابستہ ہیں اور لوگ بڑی تعداد میں ان کی پروڈکٹس کو استعمال بھی کرتے ہیں۔ شرعاً یہ کاروبار جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بعض احادیثِ مبارکہ میں پانی کی فروخت کی ممانعت بیان ہوئی ہے اور آپ کے والد صاحب کے علم میں شاید وہ احادیث آئی ہوں، لیکن ان کا محمل اور مِصداق خاص ہے، اُن کا حکم عام نہیں ہے۔ ذیل میں ہم اُن احادیث کے ساتھ فقہاء کی آرا بیان کر رہے ہیں۔

امام مسلم نے اپنی صحیح "مسلم" میں باب باندھا: "بَابُ تَحْرِيمِ فَضْلِ بَيْعِ الْمَاءِ الَّذِي يَكُونُ بِالْفَلَاةِ وَيُحْتَاجُ إِلَيْهِ لِرَعْيِ الْكَلَأِ" (جنگلات کے فاضل پانی کو بیچنے کی ممانعت)۔

(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ مَبِيعِ فَضْلِ الْمَاءِ۔

ترجمہ: "حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فالتو پانی کو بیچنے سے منع فرمایا"۔ (صحیح مسلم:3928)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لَا يُبَاعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُبَاعَ بِهِ الْكَلَأُ۔

ترجمہ: "فاضل پانی کی بیع نہ کی جائے تاکہ اس وجہ سے گھاس کی بیع کی جائے"۔
(صحیح مسلم:3932)

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اَلْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ فِي الْمَاءِ وَالْكَلَأِ، وَالنَّارِ، وَثَمَنُهُ حَرَامٌ"۔

ترجمہ: "تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں، پانی، گھاس اور آگ اور اِن (تینوں چیزوں) کا ثمن حرام ہے"۔ (سُنن ابن ماجہ:2472)

امام یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فالتو پانی کی بیع کی حُرمت کی تین شرائط بیان فرمائی ہیں:

أَحَدُهُمَا: أَلَّا يَكُونَ مَاءٌ آخَرُ يُسْتَغْنٰى بِهٖ، وَالثَّانِي: أَنْ يَكُونَ الْبَذْلُ لِحَاجَةِ الْمَاشِيَةِ لَا لِسَقْيِ الزَّرْعِ، وَالثَّالِثُ: أَلَّا يَكُونَ مَالِكُهُ مُحْتَاجًا إِلَيْهِ، أَنَّ الْمَذْهَبَ الصَّحِيحَ أَنَّ مَنْ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

نَبَعَ فِی مِلْکِہٖ مَاءٌ صَارَ مَمْلُوکًالَہٗ۔

ترجمہ:''اوّل یہ کہ اس پانی کے علاوہ اور کوئی پانی نہ ہو، جس سے لوگوں کی ضرورت پوری ہو۔ دوم یہ کہ مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے اُس پانی کی ضرورت ہو، کاشت کاری کے لیے نہ ہو۔ سوم یہ کہ اس پانی کے مالک کوخود اِس کی حاجت نہ ہو۔ صحیح مذہب یہ ہے کہ جس شخص کی ملک میں کوئی پانی نکل آئے، وہ اُس کا مالک ہوجاتا ہے''۔

(شرح صحیح مسلم لِلنّوَوِی، جلد 7، ص:4268)

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نمازی کے ساتھی کے پاس پانی موجود ہونے کی صورت میں تیمم کے جواز کی صورتیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَان أَبٰی أَنْ یُعْطِیَہٗ اِلَّا بِثَمَنِ الْمِثْلِ انْ لَّمْ یَکُنْ مَّعَہٗ ثَمَنُہٗ تَیَمَّمَ وَاِنْ کَانَ لَمْ یَتَیَمَّمْ وَاِن لَّمْ یَبِعْ اِلَّا بِغَبَنٍ فَاحِشٍ وَھُوَضِعْفُ الْقِیمَۃِتَیَمَّمَ، ھٰکَذَافِی الْکَافِی۔

ترجمہ:''اور (وضو کے لیے پانی دستیاب نہیں ہے اور اُس کے ساتھی کے پاس پانی موجود ہے مگر) وہ اسے بازاری قیمت کے بغیر دینے کے لیے تیار نہیں ہے اور اس کے پاس پانی کو بازاری قیمت پرخریدنے کے لیے رقم نہیں ہے، تو وہ تیمم کرسکتا ہے اور اگر اُس کے پاس پانی کی قیمت موجود ہے، تو تیمم نہ کرے۔ اور اگر اس کا ساتھی بازاری قیمت سے زیادہ یعنی دگنی قیمت مانگ رہا ہے (اور مجبوری سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، تو قیمت ہونے کے باوجود یہ شخص) تیمم کرسکتا ہے، ''الکافی'' میں اسی طرح ہے''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 1، ص:29)

اس عبارت سے بالواسطہ معلوم ہوا کہ پانی کی خرید وفروخت جائز ہے۔ پانی مالِ مُتَقَوَّم ہے اور اس کی خرید وفروخت ہمارے معاشرے میں رائج ہے اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، واٹر ٹینکروں کے ذریعے پانی کی خرید وفروخت کا وسیع کاروبار ہے اور اسی طرح Mineral Water کا کاروبار بھی بلا کراہت جائز ہے۔ احادیث میں جس پانی کو بیچنے کی ممانعت ہے، اُس سے مراد یہ ہے کہ کوئی عام چراگاہ یا جنگل ہو یا بعض پہاڑی علاقوں میں مشترکہ چراگاہ ہوتی ہے، جہاں سب لوگ مویشی چراتے ہیں، اگر وہاں کوئی ایک

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

شخص کسی قدرتی جھیل یا کنویں کا مالک بن بیٹھے، تو اس صورت میں باقی لوگوں کے لیے اس چراگاہ سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں رہے گا، کیونکہ پھر جانوروں کو پانی کہاں سے پلائیں گے۔

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ ''پانی اور برف کی بیع'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں :

''کنویں (اس سے مراد وہ کنواں ہے جو کسی کی ملکیتی زمین میں نہ ہو) اور دریا میں (بہتے ہوئے) پانی کی بیع جائز نہیں ہے، ''حاوی'' میں اسی طرح ہے، اس کا حیلہ یہ ہے کہ ڈول اور رسی اجرت پر دے، ''محیط سرخسی'' میں اسی طرح ہے۔ پھر جب کسی نے (کنویں یا دریا) کے پانی کو کسی گھڑے یا برتن میں ڈال کر اُسے محفوظ کرلیا، اب وہ اس کا حق ہے اور اس کے لیے اس کی بیع اور ہر قسم کا تصرُّف جائز ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص (کسی جنگلی جانور کے) شکار کو پکڑ لے، تو اب اسے بیچ سکتا ہے، ''ذخیرہ'' میں اسی طرح ہے۔ اسی طرح بارش کے پانی کو اپنے برتن یا حوض میں جمع کرلے تو اسے بیچ سکتا ہے، ''محیط سرخسی'' میں اسی طرح ہے۔ البتہ وہ پانی جسے انسان اپنے حوض میں جمع کرلے شیخ الاسلام المعروف خواہر زادہ نے لکھا ہے اور ''کتاب الشُّرب'' میں اس کا اضافہ کیا ہے کہ جب اس حوض کو چونے سے پختہ (Cemented) کرلیا ہو، یا وہ حوض تانبے کا یا بڑا ٹب ہو تو اس کی بیع ہر صورت میں جائز ہے، گویا حوض کے مالک نے اس پانی کو اپنے حوض میں محفوظ کرلیا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ حوض پانی کے بہاؤ میں نہ ہو تا کہ اس کا جمع شدہ پانی (مَبیع) دوسرے پانی (غیر مَبیع) کے ساتھ خَلَط مَلَط نہ ہو۔ اور اگر وہ حوض تانبے یا پیتل کا نہ ہو اور پختہ نہ ہو تو مشایخ کا اس میں اختلاف ہے جیسا کہ گرمی کے موسم میں برف جمانے کی جگہ میں برف کے بیچنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر اس کو پہلے سپرد کردے اور پھر بیچ دے تو یہ جائز ہے اور اگر پہلے اس کو بیچ دے اور پھر اس کو (مشتری کے) حوالے کردے تو یہ جائز نہیں ہے، اسی طرح ''محیط سرخسی'' میں ہے''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 3، ص: 121)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اقساط پر بیع کی واجب الادا رقم میں قبل از وقت ادائیگی پر کمی کا جواز

سوال:

ماہانہ اقساط پر اشیاء کی خرید وفروخت میں خریدار چند اقساط کی ادائیگی کے بعد بقایا رقم مقررہ مدت سے پہلے فوری ایک ساتھ ادا کرنا چاہے، تو کیا وہ مشتری سے قیمت میں کمی کا مطالبہ کرسکتا ہے کیونکہ اقساط کی صورت میں قیمت نقد کی نسبت زیادہ مقرر ہوئی تھی۔ شرعی رہنمائی فرمائیں۔ (محمد فصیح، دبئی)

جواب:

ایک شخص کو کوئی چیز قیمت خرید اور دیگر مصارف ملا کر جتنے میں پڑی، اُس پر ایک معلوم اور مُعین نفع رکھ کر اس چیز کو دوسرے شخص پر فروخت کردینا ''بیع مُرابحہ'' کہلاتی ہے۔ آج کل اقساط پر اشیاء کی خرید وفروخت کا جو طریقہ مارکیٹ میں رائج ہے، وہ ''بیع مرابحہ'' ہی کے قبیل سے ہے۔ یعنی بائع اور مُشتری میں باہمی اتفاق رائے سے ایک قیمت طے ہوجاتی ہے۔ اُس کے بعد خریدار مَبیع پر مالکانہ قبضہ کرلیتا ہے اور طے شدہ قیمت اُس پر اُدھار ہوتی ہے اور اُس کی ادائیگی کا طریقہ اور مُدت بھی آپس میں اتفاقِ رائے سے طے ہوجاتی ہے۔ اس میں خریدار پر قیمت کی ادائیگی طے شدہ طریقۂ کار کے مطابق اور مُقررہ مُدت کے اندر واجب ہوتی ہے اور اُس پر اس کی پاس داری لازم ہے۔ اس میں یک طرفہ طور پر ایک فریق قیمت میں کمی نہیں کرسکتا، لیکن فریقین کی باہمی رضامندی سے قیمت میں کمی ہوسکتی ہے اور اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ اصل عقد ہی اس قیمت پر ہوا تھا، کیونکہ قیمت میں یہ کمی بائع کی طرف سے تبرُّع اور احسان ہے۔

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر مرغینانی حنفی نے ہدایہ جلد 5 ص: 168-167 پر اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے:

''بیع منعقد ہونے کے بعد مُشتری کے لیے جائز ہے کہ وہ بائع کے لیے قیمت میں اضافہ کرے اور بائع کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ مُشتری کے لیے مَبیع (مالِ تجارت) کی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

مقدار میں اضافہ کردے، دونوں کو اس کا حق حاصل ہے اور اس صورت میں یہ سمجھا جائے کہ گویا اصل عقد ہی اسی مقدار یا اسی قیمت پر ہوا تھا، یعنی قیمت یا مقدار میں کمی بیشی کا وصف اصل کے ساتھ لاحق ہوجائے گا، کیونکہ قیمت اور مقدار میں کمی بیشی وصف ہے اور وصف اصل کے ساتھ ہی قائم رہتا ہے، وصف کا اصل سے جدا ہوکر مستقل بالذات کوئی وجود نہیں ہوتا۔ پس یہ سمجھا جائے گا کہ یہ تبرّع اور احسان شروع ہی سے کیا گیا ہے، کیونکہ اس سے وصف میں تبدیلی واقع ہوگی، مثلاً بیع وشراء میں نفع ہونا یا نقصان ہونا یا برابر برابر ہونا، یعنی نہ نفع نہ نقصان''۔

تنویرالابصار مع الدرالمختار میں ہے:

قَضَی الْمَدْیُونُ الدَّیْنَ الْمُؤَجَّلَ قَبْلَ الْحُلُوْلِ أَوْمَاتَ فَحَلَّ بِمَوْتِهٖ فَاَخَذَ مِنْ تَرِکَتِهٖ لَایَاخُذُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ الَّتِی جَرَتْ بَیْنَھُمَا اِلَّا بِقَدْرِ مَامَضٰی مِنَ الْأَیَامِ وَھُوَجَوابُ الْمُتَأَخِّرِیْنَ ''قُنیه'' وَبِهٖ أفتی الْمَرْحُوْمُ أَبُوالسُّعودِ آفندی مفتی الروم وَعَلَّلَهٗ بِالرِّفْقِ لِلْجَانِبَیْنِ۔

ترجمہ:''مدیون (INDEBTOR) نے دینِ مؤجل (Deferred Debt) کو میعاد سے پہلے ادا کردیا یا مدیون وفات پاگیا، جس کی بنا پر دین حالی (یعنی فوری واجب الادا) ہوگیا (اور مؤجل نہ رہا)، چنانچہ قرض خواہ نے مقروض میت کے ترکے سے اپنا قرض وصول کرلیا، تو اب قرض خواہ وہ نفع نہ لے، جو اس کے اور مدیون کے درمیان طے پایا تھا، مگر صرف اتنے دنوں کی مقدار لے جو گزر چکے، اور متاخرین کا جواب یہی ہے (بحوالہ) ''قنیہ'' اور مفتیِ روم ابوالسّعود آفندی نے اسی پر فتویٰ دیا اور انہوں نے جانبین (دائن ومدیون) کی رعایت کو اس کی علت قرار دیا ہے''۔

(لایاخذمن) کی شرح میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

صُورَتُهٗ اِشْتَرٰی شَیْئًا بِعَشَرَةٍ نَقْدًا وَبَاعَهٗ لِآخَرَ بِعِشْرِیْنَ اِلٰی أَجَلٍ ھُوَعَشَرَةُ أَشْھُرٍ، فَاِذَا قَضَاهُ بَعْدَ تَمَامِ خَمْسَةٍ أَوْمَاتَ بَعْدَھَا یَاخُذُ خَمْسَةً، وَیَتْرُکُ خَمْسَةً۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ترجمہ:''اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے کوئی چیز دس درہم نقد کی خریدی اور دوسرے کے ہاتھ بیس درہم کے عوض دس مہینے کے اُدھار پر فروخت کی، پھر جب مدیون نے پانچ ماہ بعد ثمن ادا کردیا یا پانچ ماہ بعد وہ وفات پا گیا، تو صاحبِ دین پانچ درہم نفع لے لے اور پانچ درہم چھوڑ دے، (جلد 10، ص:40، داراحیاء التراث العربی، بیروت)''۔

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں:''مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے اپنے چھٹے اجلاس منعقدہ 14 تا 20 مارچ 1990ء میں بیع بالتقسیط (Sale & Purchase on Instalments) پر غور کیا اور اتفاقِ رائے سے یہ اُمور طے کیے:

(1) قسطوں پر اشیاء کا نقد قیمت سے زیادہ قیمت پر اُدھار بیچنا جائز ہے، لیکن یہ بیع تب جائز ہوگی کہ ایک مُقررہ قیمت پر عاقدین (بائع و مُشتری) کا اتفاق ہوجائے، اگر غیر مُعیَّن بات کی جائے کہ نقد قیمت یہ ہے اور اُدھار یہ، تو یہ صورت جائز نہیں ہے۔

(2) اس میں اصل قیمت اور نفع کا الگ الگ ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔

(3) اگر کسی وجہ سے مُقررہ مُدت کے اندر خریدار ادائیگی نہ کرے، تو اس صورت میں بائع کا قیمت میں اضافہ جائز نہیں ہے، خواہ یہ پہلے سے مشروط ہو یا نہ ہو۔

(4) مدیون مُشتری کا قسطوں کی ادائیگی میں ٹال مٹول (willful Default) حرام ہے اور ادائیگی میں تاخیر پر اضافہ بھی جائز نہیں ہے۔

(5) بائع اور مُشتری باہمی رضامندی سے ابتدا میں ہی یہ طے کرسکتے ہیں کہ اگر بعض قسطیں مشتری مُقررہ وقت سے پہلے ادا کردے، تو بعض کی ادائیگی کی مُدت کو مؤخر (Deffer) کیا جاسکتا ہے۔

(6) ایک بار جب بیع منعقد ہوجائے تو بائع مَبیع (Sold Item) کو اپنی ملکیت میں روکے رکھنے کا حق نہیں رکھتا، البتہ وہ اقساط کی ادائیگی تک کوئی چیز رہن رکھ سکتا ہے۔

اُنہوں نے لکھا کہ بعض ابحاث کو مؤخر کردیا گیا، جن میں جلد ادائیگی کی صورت میں قیمت میں تخفیف اور مُشتری کی وفات کی صورت میں بقیہ اقساط کا مسئلہ، (الفقہ الاسلامی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

وادلتہٗ، جلد 7، ص: 5173-5172) نیز جلد 5، ص: 3461 پر اُنہوں نے لکھا کہ اقساط پر بیع کی اجازت شافعیہ، حنفیہ، مالکیہ، حنبلیہ، زید بن علی، مؤید باللہ اور جمہور فقہائے اُمّت نے دی ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

عَن ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَمَّا اَمَرَ رَسُولُ اللہ ﷺ بِاِخْرَاجِ بَنِی النَّضِیرِ مِنَ الْمَدِیْنَةِ، أَتَاهُ أُنَاسٌ مِنهُمْ فَقَالُوْا: اِنَّ لَنَا دُیُونًا لَمْ تَحِلَّ، فَقَالَ: ضَعُوا وَ تَعَجَّلُوْا۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنونضیر کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا، تو اُن کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے کہ بے شک ہم پر قرض ہے، جس کی ادائیگی کا ابھی وقت نہیں آیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: (قرض میں) کمی کر دو اور جلدی ادا کر دو''۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی، 46/6)

امام عبدالرزاق بن ہمام نے ''المصنَّف'' میں ''اَلرَّجُلُ یَضَعُ مِنْ حَقِّهٖ وَیَتَعَجَّلُ'' (یعنی ایک شخص اپنے دَین کی مَطلوبہ مقدار میں کچھ کمی کر دے اور مَدیون اسے مُقررہ وقت سے پہلے ادا کر دے) کے باب کے تحت آثارِ صحابہ وتابعین نقل کیے ہیں:

''حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہم اس کے عدمِ جواز کے قائل تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ابراہیم، سفیان، شریح رضی اللہ عنہم اس کے جواز کے قائل تھے اور وہ کہتے تھے کہ ''ربا تو یہ ہے کہ ایک شخص اپنے مدیون سے کہے کہ میں (ادائیگی کی) مدت بڑھا دیتا ہوں، تم رقم بڑھا دو''۔ (جلد: 8، ص: 59-56)

ڈاکٹر احمد محمد الخلیل نے اسے فقہ کے ''مسائلِ مُہمّہ'' میں شمار کیا ہے اور اس پر تفصیلی بحث کی ہے: ''اس کے جواز کے قائلین میں اُنہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس اور تابعین میں امام نخعی، امام زُفر، امام ابوثور، امام شافعی، شیخ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کے اسماء ذکر کیے ہیں اور پھر آخر میں جواز کے قول کو ترجیح دی ہے اور جو وَرَع واحتیاط کو ترجیح دیتے ہوئے اجتناب کرے تو یہ افضل ہے''۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

علامہ ابن قیم نے کہا ہے کہ یہ (مُقررہ مُدت سے قبل) دین کی ادائیگی اور دَین کی مقدار میں تخفیف کی صورت ربا (سود) سے مختلف ہے، کیونکہ سودخور تو چاہتا ہے کہ ادائیگی کی مقررہ مُدت میں اضافہ ہواور اس کے عوض دَین میں اِضافہ ہواور یہ صورت مدیون کے لیے باعث ضرر ہے، جبکہ اس عقد میں جلد ادائیگی کی صورت میں دین کی مقدار میں تخفیف ہے، جس کے سبب وہ دین کی ذمّے داری سے بھی عہدہ برآ ہوجاتا ہے اور مدت میں کمی کے سبب دین کی مقدار میں کچھ کمی بھی ہوجاتی ہے، تو اس کا فائدہ عقد کے فریق کو پہنچتا ہے، تو دونوں صورتوں (یعنی ایک ادائیگی کی مدت بڑھا کر دین میں اضافہ کرنا اور دوسری ادائیگی کی مدت میں کمی کرکے دین میں تخفیف کرنا) میں بڑا فرق ہے، (یعنی پہلی صورت مدیون کے لیے مُضِر ہے اور دوسری اس کے لیے نفع بخش)، پس دوسری صورت، پہلی کا عکس ہے، سو یہ صورت، حقیقت، لغت اور عُرف کسی بھی اعتبار سے ''ربوٰ'' نہیں ہے'' (اعلام الموقعین 278/3)۔ علامہ ابن قیّم کی یہ دلیل اگر غور کیا جائے، تو بہت وزنی ہے۔

بیعِ صرف کا حکم

سوال:

کیا سونا اُدھار پیسوں کے بدلے خریدا جاسکتا ہے، مثلاً زید نے دوتولا سونا خریدا اور پیسے دوماہ بعد ادا کیے، تو اس کی شرعی صورت کیا ہوگی؟۔ جبکہ علامہ ابن عابدین شامی نے ردالمحتار باب الربا میں اس کو جائز قرار دیا ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نوٹوں کے ذریعے لین دین پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ان نوٹوں کے ذریعے سونے اور چاندی کی خریداری کو اس لیے ناجائز قرار دینا کہ یہ بیع صرف ہے اور بیع صرف میں دونوں طرف سے مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے، جو یہاں نہیں پایا گیا، ان تمام باتوں میں ناقابلِ تحمل حرج لازم آتا ہے، حالانکہ اس قسم کے معاملات میں شریعت مروجہ عرفِ عام کو معتبر مانتے ہوئے اس میں سہولت اور آسانی پیدا کرتی ہے'' (شرح صحیح مسلم، جلد4، ص:362)۔ کیا یہ بیع بیعِ صرف میں داخل ہے یا نہیں؟۔ (مولانا آثاراللہ، کراچی)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جواب:

ایسے عوضین کے تبادلے کو ''بیع صرف'' کہتے ہیں، جن میں سے ہر ایک ثمن کی جنس سے ہو۔ علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

اَلصَّرفُ: ھُوَالْبَیْعُ اِذَاکَانَ کُلُّ وَاحِدٍمِنْ عِوَضَیْہِ مِنْ جِنْسِ الْاَثْمَانِ، سُمِّیَ بِہٖ لِلْحَاجَۃِ اِلَی النَّقْلِ فِی بَدْلَیْہِ مِنْ یَدٍ اِلٰی یَدٍ، وَالصَّرْفُ ھُوَ النَّقْلُ وَالرَّدُّ لُغَۃً، أوْلِأنَّہٗ لَایُطْلَبُ مِنْہُ اِلَّا الزِّیَادَۃُ، اِذْلَا یُنْتَفَعُ بِعَیْنِہٖ، وَالصَّرْفُ ھُوَالزِّیَادَۃُ لُغَۃً۔

ترجمہ: ''صرف بھی بیع ہے جبکہ اس کے دونوں عوضوں میں سے ہر ایک ثمن کی جنس سے ہو، اس کا نام ''صرف'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کے دونوں عوض ہاتھوں ہاتھ نقل کرنے کی ضرورت ہے اور ''صرف'' لغت میں منتقل کرنے اور پھیرنے کو کہتے ہیں یا اس لیے کہ اس عقد سے فقط زیادتی مطلوب ہوتی ہے کیونکہ اس کی ذات سے نفع نہیں اٹھایا جاتا اور لغت میں صرف زیادتی کو کہتے ہیں''۔ (ہدایہ، جلد5،ص:253)

عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَآءً بِسَوَآءٍ یَدًا بِیَدٍ فَاِذَا اخْتَلَفَتْ ھٰذِہِ الْأَصْنَافُ فَبِیْعُوْا کَیْفَ شِئْتُمْ اِذَا کَانَ یَدًا بِیَدٍ۔

ترجمہ: ''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سونے کی بیع سونے کے عوض اور چاندی کی بیع چاندی کے عوض اور گندم کی بیع گندم کے عوض اور جَو کی بیع جَو کے عوض اور کھجور کی بیع کھجور کے عوض اور نمک کی بیع نمک کے عوض برابر برابر اور نقد بہ نقد ہو اور جب یہ اَقسام مختلف ہو جائیں تو پھر جس طرح چاہو بیچو، بشرطیکہ نقد بہ نقد ہو'' (صحیح مسلم:4060)۔ ایک روایت میں فرمایا:

فَمَنْ زَادَ أوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ أرْبٰی، اِلَّا مَا اخْتَلَفَتْ أَلْوَانُہٗ۔

ترجمہ: ''جس نے زیادہ دیا، یا زیادہ لیا تو اس نے سودی کاروبار کیا، سوائے اس کے کہ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اقسام بدل جائیں''۔(صحیح مسلم:4063)

حضرت براء بن عازب اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

''نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ دَيْنًا''۔

ترجمہ:''رسول اللہ ﷺ نے سونے اور چاندی کی اُدھار بیع سے منع فرمایا ہے''۔ (صحیح بخاری:2180)

(۲) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ، وَالذَّهَبِ بِالذَّهَبِ، اِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ وَأَمَرَنَا أَنْ نَبْتَاعَ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ كَيفَ شِئْنَا، وَالْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ كَيفَ شِئْنَا''۔

ترجمہ:''نبی ﷺ نے چاندی کی چاندی کے ساتھ اور سونے کی سونے کے ساتھ بیع سے منع فرمایا سوائے اس کے کہ وہ مقدار میں برابر ہوں (تو جائز ہے) اور ہمیں حکم دیا کہ ہم سونے کو چاندی کے عِوَض اور چاندی کو سونے کے عِوَض جس طرح چاہیں، خریدلیں''(صحیح بخاری:2182)۔ الغرض چاندی کی چاندی کے عوض اور سونے کی سونے کے عوض خرید وفروخت صرف اس صورت میں جائز ہے کہ مقدار ایک ہو، مقدار میں کمی بیشی سود کے زمرے میں آئے گی۔ لیکن اگر جنس ایک نہیں ہے تو کمی بیشی جائز ہے، یعنی سونے کی چاندی کے عوض اور چاندی کی سونے کے عوض مقدار میں تفاوت کے ساتھ خرید وفروخت کرسکتے ہیں۔

قبل از وقت ادائیگی کی صورت میں تخفیف کا مسئلہ

سوال:

ماہانہ اقساط پر اشیاء کی خرید وفروخت میں خریدار چند اقساط کی ادائیگی کے بعد بقایا رقم فوری ایک ساتھ ادا کرنا چاہے، تو کیا وہ مشتری سے قیمت میں کمی کا مطالبہ کرسکتا ہے کیونکہ اقساط کی صورت میں قیمت نقد کی نسبت زیادہ مقرر ہوئی تھی۔ شرعی رہنمائی فرمائیں۔

(منور احمد، لیاقت مارکیٹ ملیر، کراچی)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جواب:

کسی شے کی اصل قیمت پر اُس کے مصارف وغیرہ کو ظاہر کر کے نفع کی مقدار بڑھا کر جو بیع وشراء کی جاتی ہے، اُسے ''مرابحہ'' کہتے ہیں۔ اقساط پر خریدی جانے والی اشیاء کا معاہدہ اِسی ''بیع مرابحہ'' کے قبیل سے ہے کہ اُن اشیاء کی قیمت باہمی رضامندی سے طے کر لی جاتی ہے، جو عام طور پر موجودہ بازاری قیمت سے زیادہ ہوتی ہے، اقساط کی صورت میں رقم کی ادائیگی کی مدت پہلے سے طے ہوتی ہے۔ اُس طے شدہ قیمت میں کمی یا زیادتی فریقین کی باہم رضامندی سے ہوسکتی ہے کیونکہ بیع کو فسخ کرنے کا اختیار بائع اور مشتری دونوں کو حاصل ہے، تو اُس میں تغییر کا بھی اختیار دونوں کو حاصل ہوگا لیکن یہ سب استحقاق سے متعلق ہوگا۔

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

وَیَجُوْزُ لِلْمُشْتَرِی أَنْ یَّزِیدَ لِلْبَائِعِ فِی الثَّمَنِ، وَیَجُوزُ لِلبَائِعِ أَنْ یَّزِیدَ لِلْمُشْتَرِیْ فِی الْمَبِیْعِ، وَیَجُوزُ أَن یَحُطَّ مِنَ الثَّمنِ، وَیَتَعَلَّقُ الاِسْتِحْقَاقُ بِجَمِیْعِ ذٰلِكَ، فَالزِّیَادَةُ وَالْحَطُّ یَلْتَحِقَانِ فَأَصْلُ الْعَقْدِ عِنْدَنَا، وَعِنْدَ زُفَرَ وَالشَّافِعِی: لَایَصِحَّانِ عَلٰی اعْتِبَارِ الاِلْتِحَاقِ بَلْ عَلٰی اعْتِبَارِ ابْتِدَاءِ الصِّلَةِ، لَهُمَا: أنه لَایُمْكِنُ تَصْحِیْحُ الزِّیَادَةِ ثَمَنًا، لأنه یَصِیْرُ مِلْكُهُ عِوَضَ مِلْكِهٖ، فَلَا یَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ، وَكَذٰلِكَ الْحَطُّ، لِاَنَّ كُلَّ الثَّمَنِ صَارَ مُقَابِلًا بِكُلِّ الْمَبِیعِ، فَلَا یُمْكِنُ إِخْرَاجُهُ، فَصَارَ بِرًّا مُبْتَدأً، وَلَنَا: أَنَّهُمَا بِالْحَطِّ وَالزِّیَادَةِ یُغَیِّرُ ان العقد من وَصفٍ مَشْرُوْعٍ اِلٰی وَصفٍ مَشْرُوعٍ، وَهُوَ كَوْنُهُ رَابِحًا أَوْخَاسِرًا، أَوْعَدلًا، وَلَهُمَاوِلَایَةُ الرَّفْعِ، فَأَولٰی أَنْ یَكُوْنَ لَهُمَا وِلَایَةُ التَّغْیِیْرِ، وَصَارَ كَمَا اِذَا أَسْقَطَا الْخِیَارُ، أَوشَرَطَاهُ بَعْدَ الْعَقْدِ، ثُمَّ اِذَا صَحَّ یَلْتَحِقُ بِأَصلِ الْعَقْدِ، لِاَنَّ وَصفَ الشَّیِٔ یَقُوْمُ بِهٖ لَا بِنفسِهٖ، بِخِلافِ حَطِّ الْكُلِّ، لِأَنَّهٗ تَبْدِیْلٌ لِأَصْلِهٖ لَاتَغْیِیْرٌ لِوَصْفِهٖ، فَلَا یَلْتَحِقُ بِهٖ، وَعَلٰی اعْتِبَارِ الاِلْتِحَاقِ لَاتَكُونُ الزِّیَادَةُ عِوَضًا عَنْ مِلْكِهٖ، وَیَظْهَرُحُكْمُ الاِلْتِحَاقِ فِی التَّوْلِیَةِ وَالْمُرَابَحَةِ۔

ترجمہ: ''مشتری کا بائع کے لیے ثمن میں اضافہ کرنا جائز ہے، بائع کے لیے جائز ہے کہ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

مشتری کے حق میں مبیع میں اضافہ کردے اور ثمن میں کمی کرنا بھی جائز ہے، ان سب کے ساتھ استحقاق متعلق ہوگا، پس اضافہ کرنا اور کم کرنا ہمارے نزدیک اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوجاتے ہیں اور امام شافعی اور امام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک لاحق کرنے کے اعتبار پر صحیح نہیں ہے بلکہ ابتدائے صلہ کے اعتبار پر صحیح ہے۔ امام شافعی اور امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ زیادتی کو ثمن قرار دے کر صحیح کہنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ یہ صورت ایسی ہوجائے کہ وہ اپنے ہی مال کا مالک اپنے ہی مال کے بدلے بن رہا ہے، اس لیے اصل عقد کے ساتھ الحاق نہ ہوگا اور یہی حکم قیمت کم کرنے کا ہوگا، کیونکہ پورا ثمن پوری مبیع کے مقابلہ میں ہوگیا، اس لیے اس سے نکالنا ممکن نہیں ہے پس گویا یہ ابتداءً احسان ہوگیا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ بائع اور مشتری کم کرنے اور بڑھانے سے عقد کو ایک وصف مشروع سے دوسرے وصف مشروع کی طرف بدلتے ہیں اور وہ بیع کا نفع بخش یا نقصان دہ یا برابر ہونا ہے اور بائع اور مشتری کو جب عقد بیع کو فسخ کردینے کا اختیار ہے، تو ان دونوں کو متغیر کردینے کا اختیار بدرجۂ اولیٰ ہوگا اور یہ ایسا ہی ہوگیا جیسا کہ جیسے دونوں نے ابتدا میں عقد کرتے وقت خیارِ شرط رکھا تھا، لیکن بعد میں باہمی رضامندی سے خیار کو ساقط کردیا (ابتدا میں عقد کے وقت خیارِ شرط نہیں رکھا تھا لیکن بعد میں باہمی ضامندی سے) عقد میں خیارِ شرط رکھ لیا، پھر عاقدین کی طرف سے جب یہ تغیر وتبدل صحیح ہوا تو اصل عقد کے ساتھ ہی لاحق ہوگا، اعتبار پر زیادتی اپنی ملک کے عوض نہ ہوگی اور اصل عقد کے ساتھ ملنے کا حکم بیع تولیہ اور بیع مرابحہ میں ظاہر ہوگا''۔ (ہدایہ، جلد 5، ص:168-167)''۔ کیونکہ کسی چیز کا وصف اسی کے ساتھ قائم ہوتا ہے، (اصل سے جدا ہوکر) وصف بذاتہٖ قائم نہیں ہوتا، بخلاف اس کے کہ پوری قیمت معاف کردی جائے، کیونکہ یہ وصف کی تبدیلی نہیں ہے بلکہ اصل کی تبدیلی ہے۔ لہٰذا یہ اصل کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا، (جب کہ قیمت میں کمی بیشی کی صورت میں) زیادتی اپنی ملک کے عوض نہیں ہوگی بلکہ اصل عقد میں مُتصور ہوگی اور اس کا اثر تولیہ اور مرابحہ دونوں میں ظاہر ہوگا۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

بیع مرابحہ میں قیمت میں کمی

سوال:

بیع مرابحہ کسے کہتے ہیں؟ ، کیا بیع مرابحہ میں جو اُدھار کی بنیاد پر کی جائے ، اگر مُشتری مُقررہ مدت سے پہلے پوری قیمت ادا کر دے تو بائع مُقررہ قیمت میں مشتری کے لیے کمی کر سکتا ہے، یہ سود کے زمرے میں تو نہیں آئے گا؟۔

جواب:

''بیع مرابحہ'' سے مراد یہ ہے کہ بائع مشتری کو دیانت داری کے ساتھ یہ بتائے کہ یہ چیز مجھے اتنے میں پڑی ہے اور میں اس پر اتنا نفع رکھ کر آپ کو فروخت کر رہا ہوں ، ایسی بیع نقد لین دین کی بنیاد پر بھی ہو سکتی ہے اور اُدھار کی بنیاد پر بھی ۔ اُس کی صورت یہ ہے کہ بائع مُشتری سے یہ کہے کہ مثلاً یہ موٹر سائیکل مجھے پچاس ہزار روپے میں پڑی ہے اور میں دس ہزار روپے نفع رکھ کر ساٹھ ہزار روپے میں آپ کو فروخت کر رہا ہوں اور مُشتری اس قیمت پر راضی ہو جائے اور دونوں فریق باہمی رضامندی سے یہ طے کریں کہ مُشتری بائع کو یہ قیمت تین سال میں ادا کرے گا، یہ ادائیگی یکمشت بھی ہو سکتی ہے اور ماہانہ یا سہ ماہی یا ششماہی یا سالانہ اقساط (الغرض جو بھی باہم طے ہو) کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے ۔ اگر بالفرض مُشتری بائع کے مُقررہ مدت سے پہلے ہی ساری رقم ادا کرنا چاہتا ہے، تو اسے پوری طے شدہ قیمت دینی ہوگی ۔ لیکن اگر بائع تبرُّع اور احسان کے طور پر کچھ کم کر دے، تو کر سکتا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ اس کی علت جانبین کی طرف سے نرمی ہے۔

مُضارَبت کا شرعی حکم

سوال:

آج کل مضاربہ اسکینڈل کثرت سے آرہے ہیں ۔ بعض معروف دینی مدارس کے دارالافتاء سے فتوے لے کر بظاہر علماء اور مفتیوں کی نگرانی میں مضاربت کا کاروبار شروع کیا

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

گیا، جواب پاکستان کی تاریخ کا شاید سب سے بڑا اسکینڈل بن چکا ہے اور لوگوں کے سینکڑوں ارب روپے ڈوب چکے ہیں۔ شریعت میں مضاربت کی تعریف اور طریقۂ کار کیا ہے اور اس میں حکومت کے متعلقہ اداروں مثلاً سیکورٹی ایکسچینج کمیشن آف پاکستان (SECP) کی بھی کوئی ذمہ داری ہے؟۔

جواب:

دو افراد کے درمیان ایسا عقد (Contract)، جس میں ایک فریق کا سرمایہ ہو اور دوسرے کی محنت، مضاربت کہلاتا ہے۔ جس فریق کا سرمایہ ہو، اُسے ''رَبُّ المال (Capital Provider)'' اور جس کی محنت ہو، اُسے ''مُضارِب (Working Partner)'' کہا جاتا ہے اور سرمائے کو ''رأسُ المال (Capital)'' کہتے ہیں۔ علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر مرغینانی لکھتے ہیں:

المضاربةُ عَقْدٌ یَقَعُ عَلَی الشِّرْکَةِ بِمَالٍ مِنْ اَحَدِ الْجَانِبَیْنِ وَمُرَادُہٗ: اَلشِّرْکَةُ فِی الرِّبْحِ، وَھُوَیَسْتَحِقُّ بِالْمَالِ مِنْ اَحَدِ الْجَانِبَیْنِ، وَالْعَمَلِ مِنَ الْجَانِبِ الآخَرِ۔

ترجمہ: ''مضارَبت (دو فریق کے درمیان) ایسا عقد ہے، جو ایک فریق کی جانب سے مال فراہم کرنے پر منعقد ہوتا ہے اور اس کا مقصد نفع میں عاقدین (Contract Partners) کی شرکت ہے (نہ کہ اصل مال میں کہ وہ صرف ایک فریق کا ہے)۔ عقدِ مُضارَبت میں ایک فریق کا مال ہوتا ہے اور دوسرے فریق کی محنت۔ (اور حاصل شدہ نفع میں پہلے سے طے شدہ تناسب سے دونوں شریک ہوتے ہیں)''۔ (ہدایہ، جلد 6، ص: 167)

مُضارَبت اس صورت میں جائز ہے کہ ''ربُّ المال'' اور ''مُضارِب'' کے درمیان نفع کی تقسیم کا تناسب پہلے سے طے شدہ ہو، تاکہ بعد میں کوئی تنازع پیدا نہ ہو۔ مثلاً یہ کہ فریقین کے درمیان نفع برابر برابر تقسیم ہوگا یا مضارب کو 60 فیصد اور ربُّ المال کو چالیس فیصد ملے گا وغیرہ۔ خدانخواستہ نقصان کی صورت میں حاصل شدہ کل نفع سے اس کی تلافی کی جائے گی۔ اگر مُضارَبت میں خدانخواستہ نقصان ہوا تو مُضارِب کی محنت ضائع ہوگی اور بے ثمر

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

رہے گی اور ربُّ المال سارا نقصان برداشت کرے گا۔نقصان کی صورت میں حاصل شدہ کل نفع سے اس کی تلافی کی جائے گی تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

(وَمَا هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ يُصْرَفُ إِلَى الرِّبْحِ) لِأَنَّهُ تَبَعٌ (فَإِنْ زَادَ الْهَالِكُ عَلَى الرِّبْحِ لَمْ يَضْمَنْ)

ترجمہ: ''مالِ مضاربت میں سے جو مال ہلاک ہوا، اس کی کمی نفع سے پوری کی جائے گی، کیونکہ نفع اصل زر (رأس المال) کے تابع ہے، پس اگر نقصان اتنا ہوا کہ نفع سے اس کو پورا نہیں کیا جا سکتا، تو مُضارِب پر ضمان نہیں ہے (بلکہ یہ نقصان ربُّ المال پر عائد ہوگا)۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 8،ص:385)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

رَجُلٌ دَفَعَ لِآخَرَ أَمْتِعَةً وَقَالَ: بِعْهَا وَاشْتَرِهَا وَمَا رَبِحْتَ فَبَيْنَنَا نِصْفَيْنِ فَخَسِرَ فَلَا خُسْرَانَ عَلَى الْعَامِلِ۔

ترجمہ: ''ایک شخص (رَبُّ المال) نے دوسرے شخص (مُضارِب) کو کچھ سامان دیا اور کہا: اس سے خرید وفروخت (یعنی کاروبار) کرو اور جو نفع آئے، وہ ہمارے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا اور (اگر بالفرض) اُسے (کاروبار میں) نقصان ہوگیا، تو عامل (یعنی مُضارِب) کے ذمے نقصان میں سے کچھ نہیں آئے گا (بس اسے صرف محنت کا اجر نہیں ملے گا)''

(ردالمحتار، جلد:8،ص:374)۔یہ مضاربت کا عام مُسلّمہ اصول ہے۔

ممتاز فقیہ علامہ مفتی نور اللہ بصیر پوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے سائل نے دریافت کیا کہ ہمارے علاقے میں معمول ہے کہ اگر عقدِ مضاربت میں بالفرض نقصان ہوجائے، تو اس نقصان کو ''ربُّ المال'' اور ''مضارِب'' دونوں برابر برابر برداشت کرتے ہیں، حالانکہ فقہ کا مسلّمہ اصول ہے کہ عقدِ مضاربت میں نقصان صرف ''ربُّ المال'' کو برداشت کرنا ہوتا ہے، اور مضارِب صرف اپنی محنت کے اجر سے محروم رہتا ہے۔انہوں نے جواب میں لکھا:

''حسب تصریحِ فقہاءِ کرام مضاربت میں صورتِ خُسران (Loss) میں شرط اشتراکِ ربِّ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

المال ومُضارِب فی الخسران باطل ہے اور مضاربت صحیح ہوتی ہے، بدائع الصنائع جلد ۶، ص: ۸۶، ہدایہ جلد ۳، ص: ۲۴۲، عالمگیری جلد ۳، ص: ۳۱۸ میں ہے: وَالنَّصُّ مِنَ الْبَدَائِعِ لَوْ شَرَطَ فِي الْعَقْدِ أَنْ تَكُوْنَ الْوَضِيْعَةُ عَلَيْهِمَا بَطَلَ الشَّرْطُ وَالْمُضَارَبَةُ صَحِيْحَةٌ، (بدائع میں ہے کہ اگر عقدِ مضاربت میں عاقدین نے یہ شرط لگائی کہ نقصان کی صورت میں دونوں فریق نقصان برداشت کریں گے، تو یہ شرط فاسد ہے اور عقدِ مضاربت صحیح ہے اور اپنے بنیادی مسلمہ اصول پر ہی محمول ہوگا کہ نقصان کا بار صرف ربُّ المال پر ہے) مگر اصل قیاس عدمِ جواز ہے اور جزئیات ومسائل عامہ کی بنا عرف وعاداتِ تجار پر ہے جو صورت رسم وعادتِ تجار میں آجائے وہ جائز ہے، جب تک کسی آیت وحدیث کی تصریح غیر ماؤل کے متصادم ومتعارض نہ ہو، کتبِ مذہبِ مُہذّب کی عبارات دیکھئے، استدلالات مسائل میں: ''مِن صَنْعِ التُّجَّارِ، مِنْ رَسْمِ التُّجَّارِ، عَادَةِ التُّجَّارِ، عُرْفِ التُّجَّارِ، مَتعارَفُ التُّجَّارِ، الْمَعْرُوف بَيْنَ التُّجارِ'' (کہ یہ تاجروں کا عمل، تاجروں کا دستور ہے، تاجروں کا عرف ہے، کی جگہ کہ تاجروں کے مابین یہ طریقہ معروف ہے اور رائج ہے) کے ہم معنی کلمات بار بار آتے رہتے ہیں، جن سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ معاہدات کی بنا عرف وعادت پر ہے، بلکہ خود فقہائے کرام نے تصریح حکمیتِ عرف وعادت فرمادی، بدائع جلد ۶، ص: ۸۸ میں ہے: تَصَرُّفُ الْمُضَارِبِ مَبْنِيٌّ عَلَى عَادَةِ التُّجَّارِ، (مضارِب کا تصرف تاجروں کی عادت پر مبنی ہے)۔ مبسوط جلد ۲۲، ص: ۳۸ میں ہے: مَا هُوَ مِن صَنْعِ التُّجَّارِ يَمْلِكُ الْمُضَارِبُ بِمُطْلَقِ الْعَقْدِ، (جو تاجروں کے معمول سے ہے، مضارِب مطلق عقد سے یعنی شرائط کے ذکر کے بغیر بھی، ان کا مالک ہوگا)۔ ہدایہ جلد ۳، ص: ۲۵۱ میں ہے: لَهُ الامرُ العامُّ المعروفُ بَيْنَ النَّاسِ، نیز مبسوط جلد ۲۲، ص: ۴۷ میں ہے: تَصرُّفُ المضارِبِ غَيرُ مقيَّدٍ بِمِثْلِهِ بَلْ بِمَا هُوَ مِنْ صَنْعِ التُّجَّارِ عَادَةً، تنویرُ الابصار میں ہے: أَوِاعْتَادَهُ التُّجَارُ، ردالمحتار میں ہے: ''هٰذَا هُوَ الْأَصْلُ''، ''نہایہ'' اور ''شامی'' نے مکرر کہا ہے، جلد ۴ ص: ۶۷۷، نیز مبسوط جلد ۲۲ ص ۴۵ میں

Scanned with CamScanner

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ہے: مَالَيْسَ مِنْ صَنْعِ التُّجَّارِ عَادَةً كَشِرَاءِ السَّفِيْنَةِ يُؤْخَذُ بِاَصْلِ الْقِيَاسِ فِيْهِ اور حدوث وقدومِ عُرف کا اعتبار ہے لِلْاِطْلَاقَاتِ الْمَذْكُوْرَةِ وَالْاِطْلَاقُ حُجَّةٌ قَوِيَّةٌ كَمَا بُيِّنَ فِي مَظَانِّهِ اور جزئیاتِ خاصّہ سے بھی مُؤیدا ہے" (فتاویٰ نوریہ، جلد 4، ص:74-73)۔ حضرت شیخ الحدیث مفتی ابوالبرکات سید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کلمات کے ساتھ اس کی توثیق فرمائی:

"حضرت مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب متع اللہ المسلمین بانوار علومہ نے مُتخاصمین کے بارہ جو فتویٰ اِرقام فرما کر حکم صادر فرمایا ہے، اگر تاجروں کے مابین یہی عرف ورواج ہے تو بلاشبہ درست وواجب العمل ہے۔

فقط كَمَا فِي الْمَبْسُوطِ: اَلثَّابِتُ فِي الْعُرْفِ كَالثَّابِتِ بِالنَّصِّ. وَاللهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ جَلَّ مَجْدُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ۔

سیکورٹی ایکسچینج کمیشن آف پاکستان (SECP) جو مُضاربہ کمپنیوں کو رجسٹرڈ کرتی ہے، غیر رجسٹرڈ کمپنیوں کے خلاف کارروائی کرنا اور عوام کو ان کے بارے میں خبردار کرنا اس ادارے کی ذمّے داری ہونی چاہیے بلکہ اسے چاہیے کہ باقاعدہ کارروائی کے لیے وہ وقتاً فوقتاً حکومت کو متوجہ کرے اور غیر قانونی مضاربہ کرنے والے افراد یا اداروں پر نظر رکھنے کے لیے باقاعدہ ایک شعبہ قائم کرے۔ وگرنہ لوگ اسی طرح اپنی جمع پونجی لٹاتے رہیں گے اور استحصالی طبقہ دین کے نام پر لوگوں کو لوٹتا رہے گا۔

منافع کی حد کا تعین

سوال:

شریعتِ اسلامیہ میں تاجروں کے لیے منافع لینے کی کوئی حد مُقرر کی گئی ہے، اگر ہے تو کس قدر؟۔ آج کل بعض اوقات مصنوعی قلت پیدا کر کے اشیائے صرف کی قیمتیں اچانک غیر معمولی طور پر بڑھا دی جاتی ہیں یا زیادہ نفع کے لالچ میں اپنے ملک میں شدید طلب کے باوجود پڑوسی ملک میں زیادہ قیمت پر برآمد کی جاتی ہیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

جواب:

اسلام دینِ فطرت ہے، اسلام نے کاروبار میں نفع کی کوئی خاص شرح مُقرر نہیں کی، اگر ایسا ہوتا تو خلافِ فطرت ہوتا اور بعض صورتوں میں ناقابلِ عمل ہوتا۔ اصولی طور پر تجارت کا مقصد نفع حاصل کرنا ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا فی نفسہٖ جائز طریقے سے نفع کمانا کوئی معیوب بات نہیں ہے، کیونکہ تجارت ذریعۂ معاش بھی ہے، معاشرے کی ضرورت بھی ہے اور خدمت بھی۔ تاجر ہی وہ فرد ہے جو صنعت کار، کاشت کار اور صارف کے درمیان رابطہ بنتا ہے۔

حدیث پاک میں ارشاد ہے:

عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الأَمِیْنُ مَعَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ۔

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بہت سچے اور دیانت دار تاجر (کا حشر) انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا''۔ (سنن ترمذی: 1209)

قیمتیں مُقرر کرنے کے بارے میں ارشادِ رسول ﷺ ہے:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: غَلَا السِّعْرُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللهِ! سَعِّرْ لَنَا، فَقَالَ: اِنَّ اللهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ، وَاِنِّیْ لَأَرْجُوْ أَنْ أَلْقٰی رَبِّیْ وَلَیْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ یَطْلُبُنِیْ بِمَظْلِمَةٍ فِیْ دَمٍ وَلَا مَالٍ۔

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عہدِ رسالت مآب ﷺ میں مہنگائی ہوگئی تو لوگوں نے آپ ﷺ سے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے لیے قیمتیں مُقرر فرما دیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ ہی (اپنے قانونِ فطرت کے مطابق) قیمتیں مُقرر فرمانے والا ہے، (وہی) روزی میں تنگی اور کشادگی فرمانے والا رزّاق ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں اپنے رب سے اِس حال میں ملوں کہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہو کہ جو مجھ سے جان یا مال (یعنی حقوق العباد) سے متعلق کسی ظلم وزیادتی (پر اللہ تعالیٰ سے انصاف) کا مطالبہ کرے''۔ (سُنن ترمذی: 1314)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

کاروبار یا تجارت کو انسانیت کے لیے نفع بخش بنانے کی خاطر شریعت نے کچھ اصولی ہدایات دی ہیں:

(۱) مجموعی حیثیت سے معاشرے کی فلاح پیشِ نظر رہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟، قَالَ: لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ۔

ترجمہ: ''دین خیرخواہی کا نام ہے، صحابۂ کرام نے عرض کی: (یارسول اللہ!) کس کی خیر خواہی؟، آپ ﷺ فرمایا: اللہ تعالیٰ، اُس کی کتاب، اُس کے رسول، ائمۂ مسلمین اور عام مسلمانوں کی خیرخواہی مراد ہے''۔ (صحیح مسلم: 196)

ظاہر ہے اللہ تعالیٰ، قرآن مجید اور رسول اکرم ﷺ کی خیرخواہی سے مراد شریعت کے اَحکام پر عمل کرنا ہے اور ائمۂ مسلمین کی خیرخواہی سے مراد اُن سے دین کے مسائل جاننے کے لیے رہنمائی لینا ہے اور عام مسلمانوں کی خیرخواہی سے مراد انہیں نقصان سے بچانا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خیرخواہی کے ایک معنی اللہ کے بندوں کی خیرخواہی بھی ہے۔

(۲) غَرَر یعنی دھوکا دہی سے کام نہ لیا جائے۔ حدیث پاک میں ہے: ''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے ذکر کیا کہ وہ خرید وفروخت میں دھوکا کھا جاتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم لین دین کرو، تو کہہ دیا کرو کہ دھوکا نہیں ہوگا''۔ (صحیح بخاری: 2117)

یعنی اگر کسی ناتجربہ کار شخص کے ساتھ دھوکا دہی ثابت ہوجائے، تو وہ بیع سے رجوع کر سکتا ہے۔

مجلّۃ الاحکام العدلیہ میں مادّہ: 164 کے تحت لکھا ہے:

اَلتَّغْرِیْرُ: تَوْصِیْفُ الْمَبِیْعِ لِلْمُشْتَرِیْ بِغَیْرِ صِفَتِہِ الْحَقِیْقِیَّۃِ۔

ترجمہ: ''دھوکا دہی یہ ہے کہ بائع مبیع (Object ,Sold Item) کے بارے میں ایسا وصف بیان کرے، جو درحقیقت اُس میں موجود نہیں ہے''۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

(۳) یہ کہ جو مال کمایا جائے، وہ فی نفسہٖ بھی حلال ہو اور اس کے کمانے کا طریقہ بھی حلال ہو۔

(۴) غَبنِ فاحش نہ ہو۔ غَبنِ فاحش کی تعریف مَجلّۃ الاحکام العدلیہ میں مادّہ: 165 کے تحت یہ درج ہے:

اَلْغَبَنُ الْفَاحِشُ: عَلٰی قَدْرِ نِصْفِ الْعُشْرِ فِی الْعُرُوْضِ وَالْعُشْرِ فِی الْحَیَوَانَاتِ وَالْخُمُسِ فِی الْعِقَارِ أَوْ زِیَادَۃٍ۔

ترجمہ: ''غبن اور دھوکا یہ ہے کہ عام اشیاء میں نفع پانچ فیصد، حیوانات میں دس فیصد اور غیر منقولہ اشیاء میں بیس فیصد یا اِس سے زیادہ ہو''۔ اِس کی شرح میں علامہ محمد خالد الاتاسی نے لکھا ہے: ''(اس تناسب کی حکمت یہ ہے کہ) عام اشیاء کی خرید وفروخت زیادہ ہوتی ہے، حیوانات کی مُتوسّط ہوتی ہے اور غیر منقولہ (زمین، مکان، دُکان، کارخانے وغیرہ) کی کم ہوتی ہے''۔ (جلد 2، ص: 26)

ابوعبید نے کہا: (الْعُرُوْضُ) الْأَمْتِعَۃُ الَّتِی لَا یَدْخُلُھَا کَیْلٌ وَلَا وَزْنٌ وَلَا تَکُوْنُ حَیَوَانًا وَلَا عَقَارًا۔ ترجمہ: عروض سے وہ سامان مراد ہے جو ناپ تول کر نہ بیچا جاتا ہو، نہ ہی وہ حیوانات سے ہو اور نہ ہی گھریلو قیمتی ساز وسامان ہو''۔

(مختار الصحاح، ج: 1، ص: 205، المکتبۃ العصریہ، بیروت)

غَرَر اور غَبنِ فاحش کا حکم مَجلّۃ الاحکام العدلیہ میں زیرِ مادّہ: 357 یہ بیان کیا ہے:

فِی الْغَبَنِ وَالتَّغْرِیْرِ: إِذَا غَرَّ أَحَدُ الْمُتَبَایِعَیْنِ الْآخَرَ وَتَحَقَّقَ أَنَّ فِی الْبَیْعِ غَبَنًا فَاحِشًا فَلِلْمَغْبُوْنِ أَنْ یَفْسَخَ الْبَیْعَ حِیْنَئِذٍ۔

ترجمہ: ''جب بائع اور مُشتری میں سے کوئی دوسرے کو دھوکا دے اور یہ ثابت ہو جائے کہ بیع میں غَبنِ فاحش ہے، تو جس کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے، اِس صورت میں اُسے اپنے آپ کو نقصان سے بچانے کے لیے بیع کو فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے''۔

میری رائے میں ہمارے فُقہائے کرام نے اپنے عہد کے اعتبار سے نفع کی یہ حد مُقرر

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

فرمائی ہے، جس کا ذکر ''مجلۃ الاحکام العدلیہ'' میں کیا گیا ہے۔ ہر دور میں عام حالات میں تاجروں کے درمیان جو شرحِ منافع رائج ہو، اُس کا اعتبار کیا جائے گا۔ موجودہ دور میں چونکہ اشیاء پیدا کرنے والوں (جیسے غلہ، سبزیاں، پھل، حلال جانور، انڈے وغیرہ) صنعتکاروں اور حرفت والوں اور حقیقی صارفین (Consumers) کے درمیان واسطے (Middle Man) بہت بڑھ گئے ہیں، اس لیے نفع کی شرح بھی بڑھ گئی ہے اور یہ بات قابلِ فہم بھی ہے۔

عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں چونکہ اشیاء پیدا کرنے والے یا بنانے والے خود اپنا مال لے کر شہر میں آتے تھے اور وہاں منڈیاں یا بازار لگتے تھے (جیسے آج کل ہمارے ہاں جمعہ بازار، اتوار بازار اور منگل بازار ہوتے ہیں، اس طرح مکہ مکرمہ میں ایامِ جاہلیت میں عُکاظ اور ذوالمجنہ کے میلے لگتے تھے) اور دیہاتی لوگ اپنا مال براہِ راست تاجروں یا صارفین پر بیچتے تھے، اس طرح باہر سے آنے والے دیہاتی کو اپنے مال کی مناسب قیمت مل جاتی تھی اور تاجر یا صارف کو تجارت کے فطری اصول کے مطابق صحیح قیمت پر مال مل جاتا تھا، یعنی درمیان میں واسطہ (Middle Man) نہیں ہوتا تھا۔ اُس زمانے میں رسول اللہ نے ''تلقّی الجلَب'' اور ''بیعُ حاضرٍ للبادی'' کی ممانعت فرمائی تھی، یعنی یہ کہ شہری تاجر شہر سے باہر جاکر تجارت کا مال لانے والے سادہ لوح دیہاتیوں سے مال خریدلے اور پھر اسے شہر میں لاکر من مانی قیمت پر فروخت کرے کیونکہ باہر سے آنے والے دیہاتی یا تجارتی قافلے کو شہر میں کسی چیز کی طلب یا قلّت کی بابت صحیح معلومات نہیں ہوتی تھیں، اسے شریعت میں ''سَدِّ ذرائع'' (یعنی کسی شعبۂ حیات میں خرابیوں کے رونما ہونے کے مواقع، اسباب یا امکانات کے راستے بند کرنا) کہتے ہیں، یعنی اسلام نے ناجائز نفع خوری کے طریقوں کو بند کیا۔ اِس دور میں یہ ہدایات قابلِ عمل بھی تھیں اور شہری حکومت کے لیے اس طرح کا نظم قائم کرنا یا اس پر نظر رکھنا (Checking) آسان تھا۔ اسے ہم دیہاتیوں کی شہری منڈیوں یا مارکیٹوں تک براہِ راست رسائی سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں اور اس کا مقصد تجارت

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

کے لیے فطری اور منصفانہ ماحول پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَلَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ، دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقِ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ۔

ترجمہ: ''شہری دیہاتی کے لیے بیع نہ کرے، لوگوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعے رزق دیتا ہے''۔ (صحیح مسلم: 3824)

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی لکھتے ہیں:

وَهٰذَا اِذَا كَانَ أَهْلُ الْبَلْدَةِ فِيْ قَحْطٍ وَعَوَزٍ وَهُوَ يَبِيْعُ مِنْ أَهْلِ الْبَدْوِ طَمَعًا فِي الثَّمَنِ الْغَالِيْ، لِمَا فِيْهِ مِنَ الْاَضْرَارِ بِهِمْ، اَمَّا اِذَا لَمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ، فَلَا بَأْسَ بِهِ لِانْعِدَامِ الضَّرَرِ۔

ترجمہ: ''شہری کی دیہاتی سے بیع اس وقت منع ہے، جب شہر میں قحط ہو یا اس چیز کی ضرورت ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شہری دیہاتی سے مہنگے داموں بیچنے کے لالچ میں کوئی چیز خریدے، کیونکہ اس میں لوگوں کا نقصان ہے، لیکن اگر یہ صورت نہ ہو (یعنی وہ معمول کی قیمت پر خرید وفروخت کرے) تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ممانعت کی علت لوگوں کو نقصان پہنچانا ہے اور وہ یہاں مفقود ہے''۔ (ہدایہ، جلد 5، ص: 141)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ''(اس کا صحیح مصداق یہ ہے کہ) شہری اپنے منافع کے لالچ میں دیہاتی کا دلال نہ بنے''۔ (حاشیہ ابن عابدین، جلد 14، ص: 726)

آج کل بڑے تاجر موقع پر جاکر کاشتکاروں سے مال خریدتے ہیں اور شہر میں آنے والا مال آڑھتیوں یعنی کمیشن ایجنٹوں کے ذریعے منڈیوں میں تھوک کے حساب (Whole Sale) سے فروخت ہوتا ہے اور پھر خوردہ فروش (Retaler) اُن سے خرید کر شہروں میں فروخت کرتے ہیں۔ شہر بہت پھیل چکے ہیں اور آبادی بہت بڑھ چکی ہے، اِس لیے ہر کاشت کار، باغبان یا مویشی بان کے لیے اپنے مال کو شہر کی منڈیوں تک پہنچانا آسان نہیں ہے اور اب بڑی مچھلیوں کے چھوٹی مچھلیوں کو نگل لینے کا محاورہ پوری طرح صادق آرہا ہے۔ عالمی سطح پر بھی کارپوریٹ کلچر نے اجارہ داریاں قائم کر رکھی ہیں۔ لیکن منافع خوری کو استحصال کا ذریعہ بنانے پر روک ٹوک عائد کرنے کے لیے رسالت مآب

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ﷺ نے بعض ہدایات فرمائی ہیں، مثلاً: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَکِرُ مَلْعُوْنٌ۔

ترجمہ: ''تاجر خوش بخت ہے اور ذخیرہ اندوزی (Hoarding) کرنے والا ملعون ہے۔

(سُنن ابن ماجہ: 2153)

ذخیرہ اندوزی یہ ہے کہ ایک خاص شعبے سے تعلق رکھنے والے ساہوکار ایک مُنظم گروپ (Cartel) بنا کر بڑے پیمانے پر اشیائے صرف کی ذخیرہ اندوزی کریں، رَسد (Supply) روک دیں تاکہ طلب (Demand) بڑھے، یہاں تک کہ قیمتیں غیر فطری انداز میں انتہائی بلند سطح پر چلی جائیں اور پھر عام لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر اپنی تجوریاں بھریں، ماضی میں شکر کے معاملے پر ایسا ہوتا رہا ہے، کبھی دواؤں کی اچانک قلت پیدا کی جاتی ہے اور پھر قیمتیں غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہیں۔ اسی طرح بیرون ملک اگر کسی چیز کی قیمت زیادہ مل رہی ہو تو اپنے لوگوں کو اس چیز کے لیے ترستا چھوڑ کر اُس مال کو برآمد کر لیتے ہیں۔ موجودہ دور میں حکومت کا کام طلب اور رَسد میں توازن پیدا کرنا اور نفع اندوزی کو استحصال کی حد تک پہنچانے سے روکنا ہے، یعنی حکومت کو چاہیے کہ Regulatory Authority کا کردار مؤثر طریقے سے ادا کرے۔

پس حکومت پر لازم ہے کہ وہ اشیائے صرف کی مصنوعی قلّت پیدا کرنے کے لیے ذخیرہ اندوزی کرنے والوں پر نظر رکھے، بنیادی ضرورت کی کسی چیز کی ملک کے اندر طلب بڑھ جانے پر اُس کی برآمد پر پابندی لگائے یا اُس کی فوری درآمد کے انتظامات کرے، الغرض ریاست وحکومت کو چاہیے کہ مارکیٹ کے رُجحانات (Market Trends) پر گہری نظر رکھے، طَلب ورَسد میں توازن قائم کرے اور ضرورت پڑنے پر ضروری انتظامی اَقدامات کرے اور ''سَدِّ ذرائع'' کی حکمت شرعی سے صرفِ نظر نہ کرے۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

چلتے ہوئے کاروبار میں شرکت کا شرعی حکم

سوال:

میں نے اپنے بھائی کے ساتھ ایک دکان میں بیڈشیٹ کا کاروبار کیا اور یہ طے پایا کہ میں چند ماہ بعد مزید رقم اِس کاروبار میں ملاؤں گا۔ اِس کام کا ہمیں تجربہ نہیں تھا، رقم کم پڑی تو ہماری خالہ نے کچھ رقم اُدھار دی، جس سے کاروبار میں بہتری آئی۔ پھر خالہ نے مزید رقم دیتے ہوئے کاروبار میں شرکت کی خواہش ظاہر کی۔ اِس نئی شرکت میں نفع ونقصان کا تعین تینوں کے درمیان برابر برابر طے پایا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا یہ درست ہے اور کاروبار کے درمیان میں کسی دوسرے کو شریک کیا جاسکتا ہے؟۔ (انیس احمد سومرو، گلستانِ جوہر کراچی)

جواب:

قرآن مجید میں شراکت کا تصور موجود ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''اللہ ایک ایسے غلام کی مثال بیان فرماتا ہے کہ جس کی ملکیت میں متضاد نظریات کے لوگ شریک ہیں اور ایک دوسرا غلام ہے جو صرف ایک شخص کی ملک میں ہے، کیا ان دونوں غلاموں کی مثال برابر ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں بلکہ ان (مشرکین) میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے''۔ (الزمر:29)

یہ مثال براہِ راست توعقیدۂ توحید کی راستی کے بیان کے لیے ہے کہ جس غلام کے کئی آقا ہوں گے اور ان کی طرف سے جداجدا احکام آئیں گے، تو وہ ان کے درمیان فٹ بال کی طرح لڑھکتا رہے گا، نہ ایک کوخوش کر پائے گا، نہ دوسرے کو۔ اس کے برعکس جس کا ایک ہی آقا ہوگا، وہ یکسو ہوکر اس کی اطاعت میں مگن رہے گا اور اسے خوش رکھ سکے گا، یہی صورت ایک معبود برحق اور متعدد آلہہ (خداؤں) کے ماننے والوں کی ہے۔ لیکن اس سے بالواسطہ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک چیز میں ایک سے زائد افراد بھی شریک ہوسکتے ہیں۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

آپ کی خالہ نے آپ کو جو رقم اُدھار دی، وہ قرض ہے اور اُس کی ادائیگی آپ پر لازم ہے۔

ایک سے زائد افراد مشارکہ (Partnership) میں اپنے اپنے سرمائے کے ساتھ کاروبار میں شریک بن سکتے ہیں اور اسے شرکت العقد (Contractual Partnership) کہتے ہیں۔ اس کی فقہی تعریف یہ ہے:

شِرْكَةُ الْعَقْدِ عِبَارَةٌ عَنْ عَقْدِ شِرْكَةٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَأَكْثَرَ عَلٰى كَوْنِ رَأْسِ الْمَالِ وَالرِّبْحِ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمْ

ترجمہ: ''دو یا دو سے زائد افراد کی اس شرط پر کسی کاروبار میں شرکت کہ وہ دونوں یا سب سرمائے اور نفع (دونوں) میں شریک ہوں گے، شرکت العقد کہلاتا ہے'' (مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادّہ:1329)۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

عِبَارَةٌ عَنْ عَقْدٍ بَيْنَ الْمُتَشَارِكَيْنِ فِي الْأَصْلِ وَالرِّبْحِ۔

ترجمہ: ''دو شریکوں کے درمیان اصل سرمائے اور منافع میں شرکت کا معاملہ کرنے کا نام شراکت یا مشارکہ ہے''۔ (حاشیہ ابن عابدین، جلد 13، ص:258)

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

وَالضَّرْبُ الثَّانِي: شِرْكَةُ الْعُقُودِ وَرُكْنُهَا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ، وَهُوَ أَنْ يَقُولَ أَحَدُهُمَا: شَارَكْتُكَ فِي كَذَا وَكَذَا، وَيَقُولُ الْآخَرُ: قَبِلْتُ، وَشَرْطُهُ: أَنْ يَكُونَ التَّصَرُّفُ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ عَقْدَ الشِّرْكَةِ قَابِلًا لِلْوَكَالَةِ،

ترجمہ: ''دوسری قسم شرکتِ عقود ہے اور اس کا رُکن ایجاب وقبول ہے، وہ اس طرح کہ ایک شخص کہے کہ میں نے تجھ سے فلاں فلاں چیز میں شرکت کی اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا، شرکتِ عقد میں یہ شرط ہے کہ جس شے پر شرکت ہوئی، وہ قابلِ وکالت ہو۔

(ہدایہ، جلد 4، ص:362)

جب آپ نے بھائی کے ساتھ کاروبار میں شرکت کی، تو آپ دونوں پر لازم تھا کہ اپنے اپنے حصۂ شراکت اور کاروبار میں نفع کے تناسب کا تعین کر دیتے۔ کاروبار کے درمیان میں

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

جب آپ دونوں نے اپنی خالہ کو شریکِ کاروبار بنایا تو ضروری تھا کہ اُس وقت آپ لوگ دکان میں موجود مال اور مارکیٹ میں واجب الوصول رقوم سب کو ملاکر کاروبار کی کل مالیت طے کرتے اور اس میں اپنے اپنے حصے کا تعین کرتے اور پھر اُس میں خالہ کا حصہ شامل کرتے تاکہ تینوں شرکاء کے حصوں (Shares) کا تعین ہوجاتا۔ یہ اس لیے کہ خدانخواستہ نقصان کی صورت میں تمام حصے دار کاروباری سرمائے میں اپنے اپنے حصے کے تناسب سے نقصان برداشت کرتے ہیں، البتہ کاروبار میں نفع کا تناسب (Porportionate) پہلے سے طے کرنا ضروری ہے۔ اور نفع کی تقسیم کے لیے یہ ضروری نہیں کہ سرمائے کے تناسب سے ہو، اس میں کسی کا حصہ زیادہ رکھا جاسکتا ہے، مگر نفع کا تناسب بہرحال پہلے سے طے ہونا ضروری ہے، بعد میں کوئی شخص اپنی کسی خصوصیت کی بناپر نفع میں زیادتی کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی شریک کا کاروبار میں حصہ کم ہو لیکن شرحِ منافع اُسے زیادہ دی جائے، کیونکہ وہ کاروبار میں دوسرے شرکاء کے مقابلے میں زیادہ مہارت رکھتا ہے یا دوسرے شرکاء کی بہ نسبت زیادہ وقت دیتا ہے، تو اُس کے لیے شرح منافع زیادہ طے کی جاسکتی ہے، جیسا کہ فقہ حنفی کی معروف کتاب ''مجلۃ الاحکام العدلیہ'' میں ہے:

يَتَقَوَّمُ الْعَمَلُ بِالتَّقْوِيمِ أَيْ اَنَّ الْعَمَلَ يَتَقَوَّمُ بِتَعْيِينِ الْقِيمَةِ، وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ عَمَلُ شَخْصٍ اَكْثَرَ قِيمَةً بِالنِّسْبَةِ اِلٰى عَمَلِ شَخْصٍ آخَرَ مَثَلًا اِذَا كَانَ رَأْسُ الْمَالِ مَالَ الشَّرِيكَيْنِ فِي شَرِكَةِ عِنَانٍ مُتَسَاوِيًا وَكَانَ مَشْرُوطًا عَمَلُ كِلَيْهِمَا فَاِذَا شَرَطَ لِاَحَدِهِمَا حِصَّةً زَائِدَةً فِي الرِّبْحِ جَازَ، لِاَنَّهُ يَجُوزُ اَنْ يَكُونَ اَحَدُهُمَا اَكْثَرَ مَهَارَةً مِنَ الْآخَرِ فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَعَمَلُهُ اَزْيَدُ وَاَنْفَعُ۔

ترجمہ: '' کام بھی ان چیزوں میں سے ہے، جن کی قیمت مقرر کی جاتی ہے یعنی عمل کی باقاعدہ قیمت مقرر کی جاسکتی ہے، اس لیے یہ جائز ہے کہ ایک شخص کا عمل (اُس کی پیشہ ورانہ مہارت کی وجہ سے) دوسرے شخص کے عمل سے زیادہ قیمتی قرار پائے۔ مثلاً دو شراکت داروں نے ایک شرکت قائم کی، سرمایہ دونوں کا برابر تھا اور یہ بھی شرط تھی کہ دونوں کام کریں گے، اُس

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

کے باوجود اگر معاہدۂ شرکت میں یہ شرط بھی رکھ دی جائے کہ ایک شریک، منافع میں سے زائد حصہ لے گا، تو یہ شرط جائز ہوگی۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایک شریک دوسرے کے بہ نسبت خرید و فروخت میں زیادہ مہارت رکھتا ہو اور اس کا کام زیادہ نفع بخش ہو"۔

(مجلۃ الاحکام العدلیہ، مادہ: 1345)

آپ نے جو صورت بیان کی ہے کہ آپ نے اپنی خالہ سے قرض لیا، اُس قرض پر کوئی منافع جائز نہیں ہے، البتہ اُن سے لیے ہوئے قرض کی واپسی آپ پر لازم ہے۔ جب سے آپ کی خالہ آپ کے ساتھ کاروبار میں شراکت دار بنی ہے تو آپ لوگ سرمائے کے تناسب سے بھی منافع کے حصے مقرر کرسکتے ہیں اور جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا جاچکا ہے، آپ کسی حصے دار کا حصہ اس کی کسی خصوصی قابلیت یا مہارت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے زیادہ بھی مقرر کرسکتے ہیں، مگر یہ سب کچھ پہلے سے طے ہونا چاہیے۔ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے باہمی رضامندی سے نفع نقصان میں برابر کا حصہ بھی مقرر کرسکتے ہیں۔

کرنسی نوٹ کے تبادلے کا حکم

سوال:

ازروئے شریعت اضافی رقم دے کر نئے نوٹ یا پرائز بانڈ خریدنا کیسا ہے؟۔

(عبدالرحیم قادری، گلستانِ جوہر کراچی)

جواب:

نوٹ کی نوٹ سے تبادلہ کی دو صورتیں ہیں:

(۱) ایک ہی ملک کی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ

(۲) ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا دوسرے ملک کے کرنسی نوٹوں سے تبادلہ۔ آپ کا سوال ملکی کرنسی نوٹ کے آپس میں تبادلہ سے متعلق ہے۔ آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ موجودہ دور میں دنیا کے تمام ممالک کے مالیاتی نظام کی اساس کرنسی پر ہے اور نوٹ کی قانونی حیثیت مختلف اَدوار میں بدلتی رہی ہے، اس لیے اِس کا شرعی حکم بھی

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

تبدیل ہوتا رہے گا۔ جب نوٹ کی پُشت پر سونے کی ضمانت تھی، اُس وقت نوٹ سونے کے حکم میں تھا، اسٹیٹ بینک میں نوٹ سونے کے محفوظ ذخائر (Reserves) کی مالیت کے برابر چھاپے جاتے تھے، 15 اگست 1971ء سے نوٹوں کی یہ حیثیت ختم ہوگئی۔ صرف پاکستان کی بات نہیں ہے، دنیا میں کہیں بھی یہ قانونی پابندی نہیں ہے۔ کسی ملک کی کرنسی کی قدر (Value) کامَدار اُس کی دَرآمدات (Imports) اور بَرآمدات (Exports) کے توازن پر ہے، جسے مُروّجہ معاشی اصطلاح میں "توازنِ ادائیگی" (Balance of Payment) کہتے ہیں، یعنی اگر کسی ملک کی بَرآمدات اس کی دَرآمدات سے زیادہ ہیں، تو توازن ادائیگی اُس کے حق میں ہے اور اُس ملک کی معیشت مستحکم ہے، کیونکہ اِس سے ملک کے زَرِمبادلہ کے ذخائر (Foreign Exchang Reserves) میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اوراس کے علاوہ حکومت کے مَحاصل (Revenues) اور مَصارف (Expenditures) کے توازن پر ہے۔ ورنہ حکومت اپنے داخلی مصارف کو پورا کرنے کے لیے نوٹ چھاپتی ہے اور اِس سے اس پیسے کی حقیقی قدر (Value) کم ہوتی رہتی ہے، پیسے کی قدر کا تعیّن اُس کی قوتِ خرید سے ہوتا رہتا ہے، اِسی کو افراطِ زَر (Inflation) کہتے ہیں۔ دَرآمدات وبَرآمدات کے توازن اور بیرونی قرضوں کے بار سے عہدہ برا ہونے کے لیے مزید قرضے لینے پڑتے ہیں اور اِس کے نتیجے میں ملکی معیشت ڈانواں ڈول رہتی ہے۔ اضافی رقم دے کر نئے نوٹ یاانعامی بانڈ خریدنا جائز نہیں ہے، البتہ نئے نوٹ یا بانڈ خریدنے کے لیے کسی کو طے شدہ اجرت دے سکتے ہیں۔

رَہن رکھی ہوئی شے سے نفع اُٹھانے کا شرعی حکم

سوال:

مالکِ مکان نے اپنا مکان کسی کو دولاکھ روپے لے کر رہائش کے لیے دیا، طے یہ پایا کہ کرایہ کچھ نہیں دیا جائے گا لیکن مکان کی ٹوٹ پھوٹ کے اخراجات، یوٹیلیٹی بلز رہنے والے کے ذمے ہوں گے۔ جب وہ مکان خالی کرنا چاہے گا، اُس کے دولاکھ روپے اُسے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

واپس مل جائیں گے۔کیا شرعاً یہ جائز ہے؟۔(محمد سلمان، ملائشیا حال مقیم کراچی)

جواب:

بظاہر جو صورت آپ نے بیان کی ہے، یہ رہن (Pledge) کی صورت ہے۔اور اِس میں راہن (Pledger) نے مُرتَہن (Pledgee) یعنی قرض خواہ کو مالِ رہن یعنی مکان سے استفادے کی اجازت دی ہے اور مال رہن سے نفع اُٹھانے کی یہ صورت ناجائز ہے۔اس میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ قرض کی رقم دولاکھ روپے ادا کیے جانے کے بعد مُرتَہن (Pledgee) راہن یعنی مقروض کو مکان خالی کر کے واپس دے دے گا۔

رہن کی تعریف:

اصطلاحِ شریعت میں رَہن اُس مال کو کہتے ہیں، جو مدیون (مقروض) اپنے دائن (قرض خواہ) کے پاس بطور ضمانت جمع کراتا ہے تاکہ دائن کو قرض کی ادائیگی کا یقین ہوجائے۔مجلّۃ الاحکام العدلیہ میں ہے:

حَبْسُ مالٍ وَتَوقِیْفُهٗ فِیْ مقابَلةِ حَقٍّ یُمْکِنُ اِسْتِیْفَاؤُهٗ مِنْهُ، وَیُسَمّٰی ذٰلِكَ الْمَالُ مَرْهُوْنًا وَرَهْنًا۔

ترجمہ:''مال کو کسی ایسے حق کے مقابل اپنے قبضے میں رکھنا، جس کی ادائیگی اُس مال سے ممکن ہو، (بطور ضمان قرض خواہ کے قبضے میں روکے ہوئے) اُس مال کو مرہون یا رَہن کہا جاتا ہے''۔(مادّہ:701)

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر حنفی لکھتے ہیں:

اَلرَّهْنُ لُغَةً: حَبْسُ الشَّيْءِ بِأَيِّ سَبَبٍ کَانَ، وَفِی الشَّرِیْعَةِ: جَعْلُ الشَّيْءِ مَحْبُوْسًا بِحَقٍّ یُمْکِنُ اِسْتِیْفَاؤُهٗ مِنَ الرَّهْنِ کَالدُّیُوْنِ۔

ترجمہ:''لغت میں رہن کے معنی روکنا ہیں، خواہ اس کا سبب کچھ بھی ہو اور اصطلاحِ شریعت میں دوسرے کے مال کو اپنے حق کے عوض اس لیے روکنا کہ اس کے ذریعہ سے اپنے حق کا (کُل یا جز) وصول کرنا ممکن ہو، جیسے دین کے عوض مدیون کی کوئی چیز روکے

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

رکھنا''۔(ہدایہ، جلد 7،ص:341)

اگر عقد کے وقت مالِ رہن سے رَاہن نے استفادے کی شرط نہ لگائی ہوتو یہ عقد جائز ہے۔ یوٹیلیٹی (بجلی، پانی اور گیس کے) بلز تو اجارہ (Leasing/Hiring) پر مکان لینے کی صورت میں بھی کرایہ دار ہی ادا کرتا ہے، یہاں اس کی ادائیگی کے لیے کوئی اور ضابطہ نہیں ہے کہ یہ چیزیں اِسی کے استعمال میں ہیں۔

امام احمد رضا قادری قُدِّسَ سِرُّہ العزیز اِس عقد کے جواز کی صورت یوں بیان فرماتے ہیں: ''ہاں! اگر مُرتہن بے لحاظِ انتفاع قرض دے اور صرف بغرض وثوقِ وصول، جو تشریعِ رہن سے مقصودِ شارع ہے، رہن لے اور عاقدَین وقتِ عقد، صراحۃً شرط کرلیں کہ مُرتہن کسی طرح نفع اٹھانے کا مُجاز نہ ہوگا۔

وَذٰلِكَ لِأَنَّ مَاصَارَ مَعرُوفًا لَایَصِیرُ مَرفُوعًا بِالسُّکُوتِ فَلَایَکفِی عَدَمُ الشَّرطِ بَل شَرطُ الْعَدَمِ لِیَفُوقَ الصَّرِیحُ الدَّلَالَۃَ۔

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ جو چیز معروف ہوچکی ہو، وہ چپ رہنے سے مرفوع نہیں ہوجاتی، لہٰذا (مال مرہون سے نفع اُٹھانے کی) شرط نہ لگانا کافی نہیں، بلکہ عدمِ نفع کی شرط ضروری ہوگی تاکہ صریح، دلالت پر فوقیت پاجائے''۔یعنی جہاں مَرہون سے نفع اُٹھانے کا عُرف ہے، اُس پر نفع نہ اُٹھانے کی صراحت دلالت پر فوقیت پاجائے، پھر رَاہن اپنی خوشی سے مُرتَہن کو انتفاع (نفع اُٹھانے) کی اجازت دے اور مُرتَہن صرف بربنائے اجازت، نہ کہ اپنا استحقاق جان کر نفع اٹھائے اور حال یہ ہو کہ اگر رَاہن اُس وقت روک دے تو فوراً رُک جائے، یعنی بعد اس شرطِ عدمِ انتفاع کے مالک نے برضائے خود مکان رہن میں رہنے کا اِذن دیا، یہ آکر بیٹھا ہی تھا کہ اُس نے منع کیا تو معاً باز رہے اور اَصلاً چون وچرا نہ کرے، تو ایسا انتفاع جب تک رضائے رَاہن رہے حلال ہوگا''۔(فتاویٰ رضویہ، جلد 25،ص:226-225)

مزید لکھتے ہیں کہ ''اِنتفاع بِالاذن کے یہ معنیٰ ہیں کہ نہ اُس کی شرط ہو، نہ اُس پر اصرار، بلا شرط اگر رَاہن بطورِ خود مثلاً کسی وقت سکونت کی اجازت دے تو صرف اس کے اِذن کی بنا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

پر رہنا چاہیے اور اس میں اپنے کو ہر وقت اُس کے اِذن کا محتاج جانے، یہاں تک کہ وہ جس وقت کہہ دے کہ باہر نکل جاؤ تو وہ فوراً بلا عذر چلا جائے یا اس نے اجازت دی اور نہ اسباب لایا، ایک قدم دروازے کے اندر اور ایک باہر ہے کہ راہن نے کہہ دیا مجھے منظور نہیں، تو فوراً قدم باہر نکال لے، یہ صورت اذنِ راہن کی ہے۔ مگر حاشا اس کا وجود کہاں بلکہ بالیقین بزور رہتے ہیں اور تا ادائے دَین راہن ہرگز نہیں منع کر سکتا ہے اور منع کرے تو ہرگز نہیں مانتے، لاجرم حکم مُطلقاً تحریم ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 25، ص:258)

اِس پوری عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اصولاً مُرتَہِن کے لیے مالِ مرہون سے نَفع اُٹھانا جائز نہیں ہے، بلکہ جب چیز کسی کے پاس گِروی رکھی جائے تو صراحت کر دی جائے کہ مُرتَہِن اس سے نَفع نہیں اُٹھائے گا، محض سکوت کافی نہیں ہے، خاص طور پر جب کہ اُس علاقے میں رَاہِن سے استفادے کا رواج بھی ہو اور یہ امر معروف ہو اور نہ ہی مُرتَہِن نفع اُٹھانے کا مطالبہ کرے۔ ہاں! نَفع نہ اُٹھانے کی شرط کے ساتھ کوئی چیز کسی کے پاس رَاہِن رکھی، بعد میں رَاہِن نے خوش دلی سے مُرتَہِن کو اجازت دے دی کہ آپ اِس سے نَفع اُٹھاتے رہیں، تو اِس صورت میں مُرتَہِن کے لیے نَفع اُٹھانا جائز ہے۔ لیکن اس پر لازم ہے کہ جس مرحلے پر بھی رَاہِن نَفع اُٹھانے سے منع کرے، فوراً کسی تردُّد کے بغیر رُک جائے۔ مندرجہ بالا صورت کے مطابق اگر بعد میں رَاہِن نے مُرتَہِن کو مکان میں رہنے کی اجازت دی ہو تو یہ جائز ہے اور یوٹیلیٹی بلز کی ادائیگی صارف پر ہے۔ اور اگر ابتدا ہی سے نَفع اُٹھانے کی شرط رکھی گئی تھی، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے، تو یہ ناجائز ہے۔

انٹرنیٹ کیفے کا کاروبار

سوال:

دورِ حاضر انٹرنیٹ کا ہے، اگر درج ذیل شرائط پوری کی جائیں، تو کیا اس کی کمائی جائز ہے؟۔

ا۔ جدا جدا کیبن بنا کر مرد وزن کے اختلاط کو روک دیا جائے۔

Scanned with CamScanner

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

۲۔ایسی فلمیں جونفسانی خواہشات کوابھاریں،اَخلاق سوزمواد بلاک کردیا جائے۔

۳۔مناسب معاوضہ رکھا جائے۔دینی ودنیوی معاملات اورمعاشی استحکام کے لیے انٹرنیٹ سے مفید کام لیا جاسکتا ہے،رہنمائی فرمائیں،(ایم مبشر حسین اعوان،تحصیل کوٹلی)۔

جواب:

شریعتِ مُطہرہ میں کسبِ حلال کی تاکید اور اہمیت بہت زیادہ بیان کی گئی ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

(۱)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

مَاکَسَبَ الرَّجُلُ کَسبًا أَطْیَبَ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ ،وَمَاأَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَأَھْلِہٖ وَوَلَدِہٖ وَخَادِمِہٖ، فَھُوَصَدَقَۃٌ۔

ترجمہ:''آدمی کی اِس سے بہتر کوئی کمائی نہیں کہ اپنے ہاتھوں سے کام کرکے کھائے ،وہ جو کچھ اپنی ذات ،اپنے اہلِ خانہ،اپنی اولاد اور اپنے خادم پر خرچ کرتا ہے،وہ سب صدقہ ہوتا ہے''۔(سنن ابن ماجہ:2138)

(۲)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

مَاأَکَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَیْراً مِنْ أَن یَأکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ، وَاَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ دَاوٗدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَأکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ۔

ترجمہ:''کسی شخص نے کوئی کھانا اِس سے بہتر نہیں کھایا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کما کر کھائے، اللہ کے نبی حضرت داوٗد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کما کر کھایا کرتے تھے''۔(صحیح بخاری:2072)

دورِ حاضر کی نئی ایجادات فی نفسہٖ بری نہیں ہیں بلکہ اُن کا استعمال اُنہیں اچھا یا برا بناتا ہے۔انٹرنیٹ ،موبائل اور جدید ٹیکنالوجی کے مزید وسائل بھی اپنے استعمال کی مناسبت سے اچھے یا برے شمار کیے جاسکتے ہیں ۔موبائل کا استعمال ضرورت،فوری اور بروقت رابطے میں آسانی اوروقت کی بچت کے لیے ہو،تو اس کے فوائد ہیں اور استعمال جائز ہے، لیکن اگر معصیت کے ارتکاب یا انسانی جانوں سے کھیلنے کے لیے ہو،تو گناہ ہے اور حرام

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ہے۔ اِسی طرح انٹرنیٹ کا استعمال اپنے اندر اچھائی اور برائی دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ انٹرنیٹ کیفے کو فحاشی کے فروغ کے لیے استعمال کرنے والوں کو قرآنِ کریم کی اس وعید سے ڈرنا چاہیے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی فروغ پائے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اللہ (ہر معاملے کی حقیقت) کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے، (النور:19)''۔

مفتی وقارالدین رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا کہ: ''ریڈیو اور ٹیلی ویژن ٹھیک کر کے جو روزی کمائی جاتی ہے، حلال ہے یا حرام؟''۔ آپ نے جواب لکھا: ''ریڈیو اور ٹیلی ویژن مشینی آلات ہیں، ان سے جائز کام بھی لیے جاتے ہیں اور ناجائز کام بھی۔ یہ صرف حرام کام کے لیے استعمال نہیں ہوتے اور نہ محض غلط کاموں کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ جس طرح چھری اور بندوق وغیرہ جیسے آلات سے جہاد بھی کیا جاتا ہے اور اپنے ذاتی کاموں اور شکار میں بھی استعمال کیے جاتے ہیں اور انہی سے انسان کو قتل کرنے والا فعلِ قبیح بھی کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جو آلاتِ صرف معصیت کے لیے مُتعین نہ ہوں، ان کا بنانا اور مرمت کرنا جائز ہے، تو ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی مرمت کرنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح اس کی مرمت کی اُجرت بھی حلال ہے''۔ (وقار الفتاویٰ، جلد اول، ص:219)

آپ نے سوال میں جو ضابطہ بیان کیا ہے، اگر اِس کے مطابق اپنا کاروبار کریں تو برائی کے احتمالات ختم ہو سکتے ہیں اور رزقِ حلال کا حصول بھی ممکن۔ یہ دراصل اجارہ کا معاملہ ہے، یعنی آپ ایک محدود مدت کے لیے اپنی جگہ (یعنی وہ کیبن) اور انٹرنیٹ کنکشن و کمپیوٹر کرائے پر دیتے ہیں، کرائے پر دینے کا یہ عمل جائز ہے اور اس کا کرایہ بھی آپ کے لیے جائز ہے۔ اَخلاق سوز مواد بلاک کر کے اور مرد و زن کے اختلاط کا موقع ختم کرنے سے

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

انٹرنیٹ کے غیر شرعی استعمال کا کافی حد تک سدِّ باب ہوسکتا ہے۔ انٹرنیٹ کیفے چلانے والے دوسرے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی دنیا سنوارنے کے لیے اپنی اور دوسروں کی عاقبت برباد کردیں۔ اس کے خطرناک نتائج آئے دن میڈیا میں رپورٹ ہوتے رہتے ہیں۔ حکومت کی بھی ذمّے داری ہے کہ اس کاروبار کو قاعدے ضابطے کا پابند بنائے یعنی Regulate کرے۔

دینی اداروں میں اجارے کے احکام

سوالات:

مساجد یا وہ ادارے، جہاں ملازمین کو مُشاہرے عطیات کی رقوم اور مالِ وقف سے دیے جاتے ہیں۔ ایسے اداروں کے ملازمین سے متعلق چند سوالات کا حل مطلوب ہے:

1۔ امام، مؤذن یا خادم کو ماہانہ کتنے دن کی چھٹی کرنے کی عرف وعادت کے اعتبار سے اجازت ہے اور ان چھٹیوں کا مشاہرہ دیا جائے گا یا نہیں؟۔

2۔ اگر عرف کی چھٹیوں سے زائد کریں تو کیا مشاہرے میں کٹوتی کی جاسکتی ہے؟۔ اگر کوئی اجیر سخت بیمار ہوجائے یا اُس کے ہاں کوئی انتقال کرجائے، تو ان صورتوں میں ہونے والی چھٹیوں میں مشاہرہ ادا کیا جائے گا یا نہیں؟۔

3۔ بیرون شہر کے ائمہ حضرات کو سال یا چھ ماہ میں کتنے دن یکمشت چھٹی کرنے کا اختیار ہے۔ بہارِ شریعت میں ہے: ''امام ومؤذن سالانہ کم وبیش ایک ہفتے کے لیے اپنے عزیز واَقربا سے ملنے بیرون شہر جاسکتے ہیں، ان دنوں کی تنخواہ کے حقدار رہیں گے''۔ کیا اِسی کے مطابق عمل کیا جائے گا یا فی زمانہ عُرف تبدیل ہوگیا ہے؟۔

4۔ کیا مُتولیانِ مسجد کی رِضامندی کی صورت میں امام ومؤذن عُرف سے زائد چھٹیوں میں اپنا نائب دے کر جائیں، تو تنخواہ کاٹی جائے گی یا نہیں؟۔

5۔ ایسی مساجد جہاں عملے کو مشاہرہ ایک ہی شخص اپنے ذاتی مال سے دیتا ہو، ایسی مسجد میں بھی امام ومؤذن کی عُرف سے زائد چھٹیوں پر کٹوتی کی جائے گی یا نہیں؟۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

6۔عطیات سے چلنے والے دینی مدارس وجامعات میں بطور مُدرّس یا ناظم یا مہتمم کسی بھی منصب پر اجیر مقرر ہوں، اُنہیں عرف وعادت کے اعتبار سے مہینے میں کتنے دن کی چھٹی کرنے کی اجازت ہے؟۔

7۔مذکورہ بالا اداروں میں وقف کے اجیروں میں سے اگر کوئی حج یا عمرے پر جائیں تو کیا اُن کا مشاہرہ ادا کیا جائے گا یا نہیں؟۔

8۔یہی تمام مسائل اگر کسی فلاحی تنظیم/ادارے کے تحت مساجد یا دینی مدارس وجامعات کے اجیروں کے ساتھ دَرپیش ہوں تو کیا حکم ہوگا؟۔

9۔دیگر اداروں کی طرح دینی مدارس وجامعات میں بھی ششماہی یا سالانہ بونس وقف کی رقم سے ادا کی جاسکتی ہے؟۔

جوابات:

آج کل مدارس ومساجد کے لیے عوام سے جو عمومی چندہ یا عطیات لیے جاتے ہیں، ان میں یہ امر معروف ہے کہ مسجد کے مصارف جاریہ جن میں مساجد کے یوٹیلیٹی بلز، ضرورت کے وقت رنگ روغن، دریاں، قالین، ٹیوب لائٹس، پنکھے، پانی وسیوریج کا انتظام اور مسجد کے عملے کی تنخواہیں اور مصارف سب ہی شامل ہوتے ہیں، لہٰذا انتظامیہ مسجد فنڈ سے امام یا دیگر عملے کو علاج کے لیے بھی اعانت کرسکتی ہے۔البتہ جو رقم تعمیر یا کسی خاص مصرف کے لیے دی جائے یا لی جائے، اسے صرف اسی معیّن مصرف پر خرچ کرنا ضروری ہے۔

فقہائے کرام نے ائمہ اور مُدرسین کے لیے چھٹی کے زمانے کی تنخواہ لینا جائز لکھا ہے، علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

هٰذَا فِي ''الْقُنيَةِ'' مِنْ بَابِ الْإِمَامَةِ: إِمَامٌ يَتْرُكُ الْإِمَامَةَ لِزِيَارَةِ أَقْرِبَائِهِ فِي الرَّسَاتِيقِ أُسْبُوعًا أَوْ نَحْوَهُ أَوْ لِمُصِيبَةٍ أَوْ لِاسْتِرَاحَةٍ لَا بَأْسَ بِهِ، وَمِثْلُهُ عَفْوٌ فِي الْعَادَةِ وَالشَّرْعِ۔

ترجمہ: '''قنیہ' کے 'باب الامامت' میں ہے کہ اگر امام اپنے رشتے داروں کو ملنے کے لیے گیا (اور اپنے منصبِ امامت سے غیر حاضر رہا) دیہاتوں میں ایک ہفتہ یا کسی بیماری یا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

مصیبت کے سبب یا آرام کی غرض سے، امامت کو چھوڑ دیا، تو کوئی حرج نہیں اور اتنی غیر حاضری شرعاً اور عرفاً معاف ہے''۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 6، ص:493، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

سرکاری ونجی اداروں میں بھی عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ سال میں ایک مہینے کی چھٹی مع تنخواہ دی جاتی ہے، علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

قَالَ فِی ''الأَشْبَاہ'': وَقَدْ اِخْتَلَفُوْافِی أَخْذِ الْقَاضِیْ مَا رُتِّبَ لَہٗ فِی بَیْتِ الْمَالِ فِیْ یَوْمِ بِطَالَتِہٖ، فَقَالَ فِی ''الْمُحِیْط'': اَنَّہٗ یَأْخُذُلِاَنَّہٗ یَسْتَرِیْحُ لِلْیَوْمِ الثَّانِیْ، وَقِیْلَ: لَا، وَفِی ''الْمُنْیَۃِ'': اَلْقَاضِیْ یَسْتَحِقُّ الْکِفَایَۃَ مِنْ بَیْتِ الْمَالِ فِی یَومِ الْبِطَالَۃِ فِی الْأَصَحِّ۔

ترجمہ: ''''الا شباہ والنظائر'' میں ہے: فقہاء نے قاضی کو چھٹیوں کے ایام کی تنخواہ لینے میں اختلاف فرمایا ہے، جو قاضی کے لیے بیت المال سے مقرر کیا گیا ہے، ''محیط'' میں فرمایا: ایامِ تعطیلات کی تنخواہ لے گا کیونکہ دوسرا دن آرام کرے گا اور بعض نے کہا کہ (تنخواہ) نہیں لے گا اور ''مُنْیَہ'' میں ہے: صحیح ترین قول یہ ہے کہ قاضی ایامِ تعطیلات کی تنخواہ کفایت کے مطابق لینے کا مستحق ہے''۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 6، ص:444، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

امام کو متبادل انتظام کر کے یا انتظامیہ کو پیشگی اطلاع دے کر جانا چاہیے تا کہ وہ انتظام کر سکیں۔ عُرف وعادت سے زائد چھٹیوں کی صورت میں امام، مؤذن، خادم وغیرہ تنخواہ کا مستحق نہیں ہوگا۔ صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال ہوا کہ:

''مسجد کے امام کے متعلق مُتولّیانِ مسجد یہ طریقہ کریں کہ جس وقت کے نماز میں وہ نہ آئے، اُس وقت کی تنخواہ وضع کرتے ہیں یعنی اس وقت کی تنخواہ نہیں دیتے، کیا یہ عندالشرع جائز ہے اور اس میں امام کی کوئی توہین تو نہیں ہوگی؟''، آپ جواب میں لکھتے ہیں: ''جب وہ امام نماز پڑھانے کے لیے نوکر ہے تو جن وقتوں کی نماز نہ پڑھائے گا، اُن وقتوں کی تنخواہ کا مُستحق نہ ہوگا کہ اَجیرِ خاص جب تک تسلیم نفس نہ کرے، مُستحقِ اجر نہیں اور اگر یہ پڑھانے

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

کے لیے تیار تھا مگر لوگوں نے دوسرے سے پڑھوالی، تو مستحقِ اجر ہے۔ دُرِ مختار میں ہے: وَيَسْتَحِقُّ الْاَجْرَ بِتَسْلِيْمِ نَفْسِهٖ فِي الْمُدَّةِ وَاِنْ لَّمْ يَعْمَلْ۔ طحطاوی میں ہے: فَيَسْتَحِقُّ الْاَجْرَ ذَلِكَ اَيْ بِتَسْلِيْمِ نَفْسِهٖ عَمِلَ اَوْلَمْ يَعْمَلْ اھ "زَيْلَعِي" اِلَّا اِذَا اَبَى الْعَمَلَ وَلَوْ حُكْمًا كَمَرَضٍ اَوْ مَطَرٍ فَلَا اَجْرَلَهٗ اھ۔

ترجمہ: "دُرِ مختار" میں ہے: اجیر ڈیوٹی کے وقت جب اپنے آپ کو مُقررہ کام کرنے کے لیے پیش کر دے، خواہ اس سے کام نہ لیا جائے، تو وہ مُقررہ اُجرت کا حق دار ہے، "طحطاوی" میں ہے: اجیر کام کرے یا نہ کرے (یعنی اس سے کام لیا جائے یا نہ لیا جائے)، اگر وہ مُقررہ وقت ڈیوٹی انجام دینے کے لیے حاضر ہے، تو مُقررہ اُجرت کا حق دار ہے، "زیلعی" میں ہے: "مگر جب وہ ڈیوٹی انجام دینے سے انکار کرے، خواہ یہ انکار حکماً ہی ہو (یعنی حقیقۃً نہ ہو) جیسے بیماری یا بارش کے سبب ڈیوٹی نہ دے سکے، تو مُقررہ اُجرت کا حقدار نہیں ہے"۔

(فتاویٰ امجدیہ، جلد سوم، ص: 274)

آپ کے ابتدائی 1 تا 6 سوالات کے جوابات یہاں تک مکمل ہوتے ہیں۔

7۔ بہتر تو یہ ہے کہ دورانِ ملازمت اپنی چھٹیوں کو محفوظ رکھا جائے تاکہ کسی اتفاقی، حادثاتی صورت یا حج و عمرہ وغیرہ کی ادائیگی کے لیے بچا رکھا جائے۔

8-9۔ مسجد کی جمع شدہ رقم مالِ وقف کہلاتی ہے، جو مصارفِ مسجد کے لیے استعمال کی جاتی ہے، جیسے مسجد کے عملے کا مشاہرہ اور دیگر ضروریات مسجد وغیرہ، جو ضروریات مسجد اور مصالح مسجد میں ہو تو ضرورت اور کفایت کے مطابق اس پر وقف کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ثُمَّ اِلٰى مَاهُوَ اَقْرَبُ اِلَى الْعِمَارَةِ وَاَعَمُّ لِلْمَصْلَحَةِ كَالْاِمَامِ لِلْمَسْجِدِ وَالْمُدَرِّسِ لِلْمَدْرَسَةِ يُصْرَفُ اِلَيْهِمْ بِقَدْرِ كِفَايَتِهِمْ ثُمَّ السِّرَاجُ وَالْبُسُطُ كَذٰلِكَ اِلٰى اٰخِرِ الْمَصَالِحِ، هٰذَا اِذَا لَمْ يَكُنْ مُعَيَّنًا فَاِنْ كَانَ الْوَقْفُ مُعَيَّنًا عَلٰى شَيْءٍ يُصْرَفُ اِلَيْهِ بَعْدَ عِمَارَةِ الْبِنَاءِ كَذَا فِي "الْحَاوِي الْقُدْسِي"۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ترجمہ: ''پھر جو امر (مسجد کی) آباد کاری کے لیے ضروری ہے اور مصلحت ومفادِ وقف میں جو زیادہ شامل ہے (وہ ضروری ہے)، جیسے مسجد کے لیے امام اور مدرسے کے مدرس، ان پر ضرورت اور کفایت کے مطابق وقف کا مال خرچ کیا جائے، پھر چراغ (روشنی) کے لیے اور مسجد کے لیے دری (فرش) وغیرہ کے لیے، اسی طرح مسجد کی دیگر ضروریات کے لیے (وقف کا) مال خرچ کیا جائے، یہ اُس وقت ہے کہ جب وقف معین نہ ہو، پس اگر وقف کسی خاص شے پر معیّن ہو تو بنائے عمارت کے بعد اُسی پر صرف کیا جائے گا، جیسا کہ ''الحاوی القدسی'' میں ہے''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد2، ص:368)

مسجد کے عطیات صدقاتِ نافلہ ہوتے ہیں، اس لیے ان کا مصرف بننے کے لیے امام کا نادار ہونا شرط نہیں ہے۔ زکوٰۃ، فطرہ، فدیہ، کفارات اور صدقاتِ واجبہ کا مصرف بننے کے لیے نادار ہونا شرط ہے۔

اگر مسجد کی انتظامیہ کے افراد یا اہلِ محلہ اُس امام، مؤذن یا خادم کے عمر رسیدہ ہونے کا خیال کرتے ہوئے یا عقیدت کے سبب اس کی مالی مدد کے لیے علیحدہ فنڈ قائم کریں، خود بھی حصہ ڈالیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں، تو یہ اجر کی بات ہے۔ مسجد کے عطیات یا فنڈ اس مقصد کے لیے استعمال نہ کریں۔ لیکن اگر مسجد انتظامیہ نے اپنے عملے کے لیے شرائط ملازمت طے کر رکھی ہوں، جن میں ہفتہ وار یا سالانہ تعطیلات مع تنخواہ اور ایامِ ضعیفی کا گزارہ الاؤنس اور علاج معالجہ وغیرہ شامل ہیں، اور چندہ وعطیات دینے والوں پر بھی یہ مقاصد واضح ہوں اور مسجد فنڈ میں گنجائش ہو تو ایسا کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن امر ہے۔

آج کل وقف حکومت کے نظام میں باقاعدہ رجسٹرڈ ہوتے ہیں اور اُن کے قواعد وضوابط پہلے سے طے ہوتے ہیں۔ بہت سے خیراتی ہسپتال بھی Endorsment یا وقف کے تحت کام کرتے ہیں۔ اُن کے ملازمین کو بالعموم عصرِ حاضر کے عرف وعادت کے مطابق مشاہرے اور سہولتیں دی جاتی ہیں۔ بہتر ہے کہ مساجد کے وقف نامے (Trust Deed) میں ایسے تمام اُمور کی تصریح کر دی جائے۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

امامت اپنی نوعیت اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے کل وقتی (Full Time) منصب ہے اور آئمہ وخطباء بھی اسی معاشرے کے افراد ہیں اور اُن کی بھی وہی انسانی حاجات اور ضروریات ہوتی ہیں، اپنے اپنے خاندانوں کی سماجی تقریبات (شادی/وفات) میں حصہ لینا ہوتا ہے، لہٰذا ان تمام اُمور کو عادلانہ بنیادوں پر طے کر لینا چاہیے تاکہ یہ تاثر نہ ہو کہ امام کے ساتھ یومیہ مزدور (Daily Weges Labour) کی طرح برتاؤ کیا جارہا ہے۔

اجرت مقرر نہ ہونے سے اجارہ فاسد ہوتا ہے

سوال:

میں پان کی ایک کیبن پر ملازمت کرتا ہوں، کیبن کے مالک کا کہنا ہے کہ تمہیں کاروبار کی پوری صورتِ حال معلوم ہے، جو اُجرت تمہیں صحیح لگے، لے لیا کرو۔ لہٰذا میں روزانہ مالک کو بتائے بغیر 1000 روپے لے لیتا ہوں، یہ ہزار روپے نکالنے کے بعد کیبن کے مالک کو 1500 روپے روزانہ منافع مل رہا ہے۔ آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا یہ ہزار روپے مجھ پر حلال ہیں؟، (محمد ریحان، نارتھ کراچی)۔

جواب:

آپ کے بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ پان کی اُس کیبن پر اَجیر (اُجرت پر کام کرنے والے) ہیں، شرائطِ اجارہ میں ایک شرط یہ ہے کہ اُجرت معلوم ہو، یہاں اُجرت مجہول ہے، اگر اُجرت مجہول ہو تو اجارہ فاسد ہو جاتا ہے۔ علامہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اَلْفَسَادُ قَدْ یَکُونُ لِجِهَالَةِ قَدْرِ الْعَمَلِ بِأَنْ لَّا یُعَیِّنَ مَحَلَّ الْعَمَلِ وَقَدْ یَکُونُ لِجِهَالَةِ قَدْرِ الْمَنْفَعَةِ بِأَنْ لَا یُبَیِّنَ الْمُدَّةَ وَقَدْ یَکُونُ لِجِهَالَةِ الْبَدَلِ وَقَدْ یَکُونُ بِشَرْطٍ فَاسِدٍ مُخَالِفٍ لِمُقْتَضَی الْعَقْدِ، فَالْفَاسِدُ یَجِبُ فِیْهِ أَجْرُ الْمِثْلِ وَلَا یُزَادُ عَلَی الْمُسَمّٰی اِنْ سَمّٰی فِی الْعَقْدِ مَالًا مَعْلُومًا وَاِنْ لَّمْ یُسَمِّ یَجِبُ أَجْرُ الْمِثْلِ بَالِغًا مَابَلَغَ۔

ترجمہ: ''اجارہ کبھی کام کی مقدار مجہول ہونے کی وجہ سے بایں طور کہ کام کی جگہ معلوم نہ ہو اور کبھی منفعت کی مقدار کے مجہول ہونے کی وجہ سے فاسد ہو جاتا ہے، اس کی ایک صورت یہ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ہے کہ اجارہ کی مدت نہ بیان کرے اور کبھی بدل یعنی اُجرت کے مجہول ہونے کی وجہ سے فاسد ہوجاتا ہے۔اور کبھی ایسی شرط کی وجہ سے بھی اجارہ فاسد ہوجاتا ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو۔اجارۂ فاسدہ میں اگر اُجرت مقرر نہیں کی گئی،تو اُجرتِ مثل واجب ہوتی ہے، اگر عقد میں اجرت مقرر کی ہے،تو اجرت مثل اُس سے زائد نہیں ہونی چاہیے اور اگر عقد اجارہ کے وقت اجرت مقرر نہیں کی تو اجرت مثل لازم ہوگی،خواہ اس کی مقدار کچھ بھی ہو"۔

(فتاویٰ عالمگیری،جلد 1،ص:439)

آپ کو چاہیے کہ مالک کو اپنی اُجرت بتادیں اور مالک اُس پر راضی ہو تو یہ صحیح ہے،خواہ اس کی مقدار جو بھی ہو،لیکن جو صورتِ مسئلہ آپ نے بیان کی ہے،وہ درست نہیں ہے، کیونکہ آپ نے اپنی حاصل کردہ اجرت کی مقدار پر مالک کی رضامندی حاصل نہیں کی، گزشتہ مُدت کی اُجرت مثل کے آپ حق دار ہیں اور آئندہ کے لیے آپ لوگ آپس میں اُجرت اور دیگر شرائط طے کرلیں۔

(اجارہ کے فاسد ہونے کی چند صورتیں ہیں):

ا۔کبھی اجارہ عمل کی مقدار معلوم نہ ہونے کے سبب فاسد ہوجاتا ہے،وہ اس طرح کہ کام کی جگہ معین نہ ہو۔

(۲) کبھی منفعت کی مقدار معلوم نہ ہونے کی وجہ سے فاسد ہوتا ہے،اس کی صورت یہ ہے کہ مدت اجارہ معلوم نہ ہو۔

(۳) اور کبھی اجرت مقررہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے فاسد ہوتا ہے۔

(۴) اور کبھی کوئی ایسی شرط عائد کرنے سے فاسد ہوتا ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو، (جیسے اپنی کار کسی کو ایک خاص مدت کے لیے اجارے (Lease) پر دے اور شرط لگائے کہ میں اس کو اپنی سواری کے طور پر استعمال کروں گا)۔

پس اجارۂ فاسدہ میں"اجر مثل" واجب ہوتا ہے،اگر اجرت کی کوئی مقدار عقد کے وقت طے کی گئی،تو اس سے زائد نہیں دی جائے گی اور اگر عقد کے وقت اجرت طے نہیں کی

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

گئی تو اجرت مثل لازم ہوگی، خواہ اس کی مقدار کچھ بھی ہو، یعنی یہ دیکھا جائے کہ اس جیسے کام کا اوپن مارکیٹ میں معاوضہ کیا ہے؟

قرض پر نفع لینا حرام ہے

سوال:

میرے سسر صاحب نے مجھے 30 لاکھ روپے قرض کے طور پر دیے، جس سے میں نے آئل ٹینکر خرید لیا اور پورے 30 دن بعد اُس آئل ٹینکر کی رقم کا منافع تقریباً 30 ہزار روپے بنا، وہ میں نے سسر صاحب کو دے دیا۔ اِسی طرح پھر 29 لاکھ روپے کا ٹینکر خریدا اور اُس کے منافع سے 29 ہزار روپے دیے۔ اُن کی رقم کم زیادہ ہوتی رہتی ہے اور منافع بھی اُسی کے اعتبار سے کم زیادہ ہوتا رہتا ہے، کیا کاروبار کا یہ طریقہ جائز ہے؟۔ وضاحت: وہ ہمارے کاروباری شریک نہیں ہیں اور اُن کی رقم بطور قرض ہوتی ہے۔

(مظفر حسین، المدینہ آئل ملز، کراچی)

جواب:

آپ کے بیان کے مطابق آپ کے سسر صاحب نے آپ کو دو مرتبہ بالترتیب تیس لاکھ روپے اور انتیس لاکھ روپے قرض دیے اور آپ نے اُنہیں اس رقم کا منافع دونوں بار بالترتیب 30 ہزار روپے اور 29 ہزار روپے دیے۔ یہ شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ آپ نے لکھا ہے کہ اُس رقم کے منافع میں سے آپ نے اُن کو معہود یہ حصہ دیا۔ یہ منافع خواہ آپ دونوں کے درمیان پہلے سے طے شدہ تھا یا اُن کے ذہن میں معہود (Understood) تھا کہ اُن کو منافع ملے گا اور آپ کے ذہن میں بھی تھا کہ آپ اُن کو منافع دیں گے، تو قرض پر یہ منافع سود ہے۔ امام ابوبکر محمد بن عبداللہ بن ابی شیبہ ''المُصنف'' میں روایت کرتے ہیں: ''(21077: حجاج اور عطاء قرض سے نفع حاصل کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے)۔ (21078: ابراہیم نے روایت کیا کہ قرض سے جو نفع حاصل ہو، وہ رِبا ہے)۔ (21079: حسن اور محمد سے روایت ہے کہ وہ دونوں قرض سے نفع اٹھانے کو ناپسند

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کرتے تھے)''۔(جلد10،ص:648)

علامہ علی المتقی بن حسام الدین روایت کرتے ہیں:

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا، اَخْرَجَهُ الْحَارِثُ عَنْ سَيِّدِنَا عَلِيٍّ كَرَّمَ اللهُ تَعَالٰى وَجْهَهُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

ترجمہ:''یعنی قرض کے ذریعے سے جو منفعت حاصل کی جائے وہ سود ہے،(اس کی تخریج حارث نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے کی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا)''۔(کنزالعمال:15516،مؤسسۃ الرسالہ،بیروت)

اس کا صحیح شرعی طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے سسر صاحب کے ساتھ''عقدِ مُضاربت'' کرلیں،اس میں ایک فریق رَبُّ المال(Capital Provider) ہوتا ہے اور دوسرا مُضارِب(Working Partner)۔آپ نے جو صورتِ مسئلہ بیان کی ہے،اُس کے مطابق آپ کے سسر صاحب ربُّ المال(Capital Provider) ہوں گے اور آپ مُضارِب(Working Partner) ہوں گے۔اس میں آپ کی محنت ہوگی اور اُن کا سرمایہ ہوگا اور یہ بھی پہلے سے طے کرلیں کہ اس رقم پر جو منافع آئے گا،اُس کو آپ دونوں پہلے سے طے شدہ تناسب(مثلاً ہر ایک کو پچاس پچاس فیصد ملے گا یا ایک کو 60 فیصد اور دوسرے کو 40 فیصد یا جو بھی تناسب(Ratio) باہمی رضامندی سے طے ہو) کے مطابق آپس میں تقسیم کریں گے۔اگر خدانخواستہ کوئی منافع نہ ملا تو دونوں کو کچھ نہیں ملے گا اور وہ (آپ کے سسر صاحب) اپنی اصل رقم کے حق دار ہوں گے اور اگر خدانخواستہ نقصان ہوا تو وہ سارا نقصان''ربُّ المال'' کا ہوگا اور مضارب اپنی محنت کے صلے سے محروم رہے گا۔ نقصان کی صورت میں حاصل شدہ کل نفع سے اُس کی تلافی کی جائے گی،تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

(وَمَا هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ يُصْرَفُ إِلَى الرِّبْحِ)لِأَنَّهُ تَبَعٌ(فَإِنْ زَادَ الْهَالِكُ عَلَى الرِّبْحِ لَمْ يَضْمَنْ)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ترجمہ: ''مالِ مضاربت میں سے جو مال ہلاک ہوا، اس کی کمی نفع سے پوری کی جائے گی، کیونکہ نفع اصل زر (رأس المال) کے تابع ہے، پس اگر نقصان اتنا ہوا کہ نفع سے اس کو پورا نہیں کرسکتا، تو مضارب پر ضمان نہیں ہے (بلکہ یہ نقصان ربُّ المال پر عائد ہوگا)''۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 8،ص:385)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

رَجُلٌ دَفَعَ لِآخَرَ أَمْتِعَةً وَقَالَ: بِعْهَاوَاشْتَرِهَاوَمَا رَبِحتَ فَبَيْنَنَانِصْفَيْنِ فَخَسِرَ فَلاَ خُسْرَانَ عَلَى العَامِلِ۔

ترجمہ: ''ایک شخص (رَبُّ المال) نے دوسرے شخص (مُضارِب) کو کچھ سامان دیا اور کہا: اس سے خرید وفروخت (یعنی کاروبار) کرو اور جو نفع آئے، وہ ہمارے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا اور (اگر بالفرض) اُسے (کاروبار میں) نقصان ہوگیا، تو عامل (یعنی مُضارِب) کے ذمے نقصان میں سے کچھ نہیں آئے گا (بس اسے صرف محنت کا اجر نہیں ملے گا)''۔

(ردالمحتار، جلد:8،ص:374)

ہاں! اگر کسی مقام پر مضاربت کا کاروبار کرنے والوں میں یہ عُرف وعادت رائج ہے کہ مُضاربت کے کاروبار میں نقصان کی صورت میں رَبُّ المال اور مضارِب دونوں مل کر نقصان برداشت کریں گے، تو یہ صورت اُس عُرف کی بنا پر جائز ہے۔ ممتاز فقیہ علامہ مفتی نوراللہ بصیر پوری رحمۃ اللہ علیہ سے سائل نے دریافت کیا کہ ہمارے علاقے میں معمول ہے کہ اگر عقدِ مضاربت میں بالفرض نقصان ہوجائے، تو اس نقصان کو ''ربُّ المال'' اور ''مضارِب'' دونوں برابر برابر برداشت کرتے ہیں، حالانکہ فقہ کا مسلّمہ اصول ہے کہ عقدِ مضاربت میں نقصان صرف ''ربُّ المال'' کو برداشت کرنا ہوتا ہے، اور مضارِب صرف اپنی محنت کے اجر سے محروم رہتا ہے۔ انہوں نے جواب میں لکھا: ''حسبِ تصریح فقہاءِ کرام مضاربت میں صورتِ خُسران (Loss) میں شرط اشتراکِ رَبُّ المال ومُضارِب فی الخسر ان باطل ہے اور مضاربت صحیح ہوتی ہے، بدائع الصنائع جلد ۶،ص:۸۶، ہدایہ جلد ۳،ص: ۲۴۲،

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

عالمگیری جلد ۳،ص:۴۳۸ میں ہے: وَالنَّظمُ مِنَ البدائعِ لَوْ شَرَطَا فِی الْعَقْدِ اَنْ تَکُوْنَ الْوَضِیْعَۃُ عَلَیْھِمَا بَطَلَ الشَّرطُ وَالْمُضَارَبَۃُ صَحِیْحَۃٌ، (بدائع میں ہے کہ اگر عقدِ مُضارَبت میں عاقدین نے یہ شرط لگائی کہ نقصان کی صورت میں دونوں فریق نقصان برداشت کریں گے، تو یہ شرط فاسد ہے اور عقدِ مضارَبت صحیح ہے اور اپنے بنیادی مسلمہ اصول پر ہی محمول ہوگا کہ نقصان کا بار صرف ربُّ المال پر ہے) مگر اصل قیاس عدمِ جواز ہے اور جزئیات ومسائل عامّہ کی بنا عرف وعاداتِ تُجّار پر ہے جو صورت رسم وعادتِ تُجّار میں آجائے وہ جائز ہے، جب تک نَصّ آیت وحدیث کی تصریح غیر ماوّل کے متصادم ومتعارض نہ ہو، کتبِ مذہبِ مُہذّب کی عبارات دیکھیے، استدلالات مسائل میں: ''مِن صَنعِ التُّجّارِ، مِنْ رَسْمِ التُّجّارِ، عَادَۃِ التُّجّارِ، عُرفِ التُّجّارِ، مَتعارَفُ التُّجّارِ، اَلمَعرُوف بَینَ التُّجّارِ'' (کہ یہ تاجروں کا تعامل، تاجروں کا دستور ہے، تاجروں کا عرف ہے، کسی جگہ کے تاجروں کے مابین یہ طریقہ معروف ہے اور رائج ہے) کے ہم معنیٰ کلمات بار بار آتے رہتے ہیں، جن سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ معاہدات کی بنا عرف وعادت پر ہے، بلکہ خود فقہائے کرام نے تصریحِ کُلّیتِ عرفُ وعادت فرمادی، بدائع جلد ۶،ص:۸۸ میں ہے: تَصرُّفُ المضارِبِ مَبنِیٌّ عَلیٰ عَادۃِ التُّجّارِ، (مضارِب کا تصرُّف تاجروں کی عادت پر مبنی ہے)۔ مبسوط جلد ۲۲،ص:۳۸ میں ہے: مَا ھُوَ مِن صَنعِ التُّجّارِ یَملِکُ المضارِبُ بِمُطلَقِ العَقدِ، (جو تاجروں کے معمول سے ہے، مضارِب مطلق عقد سے یعنی شرائط کے ذکر کے بغیر بھی، ان کا مالک ہوگا)۔ ہدایہ جلد ۳،ص:۲۵۱ میں ہے: لَہُ الامرُ العامُّ المعروفُ بَینَ النَّاس، نیز مبسوط جلد ۲۲،ص:۷۴ میں ہے: تَصرُّفُ المضارِبِ غَیرُ مقیَّدٍ بِمِثلِہٖ بَل بِمَا ھُوَ مِنْ صَنعِ التُّجّارِ عادۃً، تنویر الابصار میں ہے: أَو اعتَادَہُ التُّجّارُ، ردالمحتار میں ہے: ''ھٰذا ھُوَالأَصْلُ''، ''نھایہ'' اور ''شامی'' نے مکرر کہا ہے، جلد ۴ ص:۶۷۷، نیز مبسوط جلد ۲۲ ص ۴۵ میں ہے: مَالَیسَ مِن صَنعِ التُّجّارِ عادۃً کشراءِ السّفینۃِ یُؤخَذُ باصلِ القیاسِ فیہ اور حدوث وقدومِ عُرف کا اعتبار ہے لِلِاطلَاقَاتِ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اَلْمَذْکُورَۃِ وَالاِطلاقُ حُجَّۃٌ قَوِیَّۃٌ کَمَا بَیّن فِی مَظَانِّہٖ اور جزئیاتِ خاصہ سے بھی ہویدا ہے''۔ (فتاویٰ نوریہ، جلد 4، ص: 74-73)

حضرت شیخ الحدیث مفتی ابوالبرکات سید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کلمات کے ساتھ اس کی توثیق فرمائی: ''حضرت مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ صاحب مَتَّعَ اللّٰہُ المسلمینَ بأنوارِ علومِہٖ نے مُتخاصمین کے بارے جوفتویٰ اِرقام فرما کرحکم صادر فرمایا ہے، اگر تاجروں کے مابین یہی عرف ورواج ہے تو بلا شبہ درست وواجب العمل ہے، فَقَط کَمَا فِی الْمَبْسُوطِ: اَلثَّابِتُ فِی العُرفِ کَالثَّابِتِ بِالنَّصِّ، وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعلَمُ وَعِلمُہٗ جَلَّ مَجْدُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ۔

بیعِ موَجَّل کا صحیح طریقہ

سوال:

ہم مارکیٹ سے آئل ٹینکر خریدتے ہیں، نقد خریدنے کی صورت میں اگر 124 روپے کلو ملتا ہے تو اُدھار کی صورت میں فی کلو ایک روپے زائد طے پاتا ہے، ادائیگی کی مدت 30 یوم مقرر ہوتی ہے، ادھار خریدنے کی صورت میں جو رقم زائد ادا کی جارہی ہے، وہ جائز ہے؟۔ (مظفر حسین، المدینہ آئل ملز، کراچی)

جواب:

آپ کے سوال کا براہِ راست جواب یہ ہے کہ آپ سودے کو مُعلّق (Hung) نہ چھوڑیں کہ نقد قیمت دی تو اتنے روپے اور اُدھار دی تو اتنے روپے بلکہ پہلے سے طے کرلیں، نقد لینا ہو تو نقد طے کرلیں اور اُدھار لینا ہے تو اُس کے حساب سے قیمت اور مدت ادائیگی طے کرلیں تاکہ بعد میں کوئی تنازع پیدا نہ ہو۔ فقہی دلائل حسبِ ذیل ہیں:

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ بیع کے صحیح ہونے کی شرائط کی بابت لکھتے ہیں:

وَمِنْھَا اَنْ یَکُوْنَ الْمَبِیْعُ مَعْلُوْماً وَالثَّمَنُ مَعْلُوْماً عِلْماً یَمْنَعُ مِنَ الْمُنَازَعَۃِ فَبَیْعُ الْمَجْھُوْلِ جَھَالَۃً تُفْضِیْ اِلَیْھَا، غَیْرُصَحِیْحٍ کَبَیْعِ شَاۃٍ مِنْ ھٰذَا الْقَطِیْعِ وَبَیْعِ شَیْءٍ بِقِیْمَتِہٖ وَبِحُکْمِ فُلَانٍ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ترجمہ: ''بیع کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ مبیع اور ثمن اس طرح واضح طور پر معلوم ہوں کہ (آگے چل کر) فریقین میں تنازع پیدا نہ ہو، چنانچہ ایسی مجہول چیز کی بیع صحیح نہیں ہے جو آگے چل کر تنازعے کا سبب بنے، جیسے کہا جائے کہ: میں نے اس ریوڑ میں سے ایک بکری آپ پر (اتنی قیمت پر) فروخت کی (کیونکہ سب بکریاں ایک جیسی نہیں ہوتیں اور قیمتوں میں بہت فرق ہوتا ہے) یا یہ چیز میں نے آپ پر اِس کی قیمت پر فروخت کی یا اس کی قیمت فلاں شخص جو بھی مقرر کرے، (وہ لازم ہوگی)''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 3، ص:3)

بیع کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ:

(ا) لین دین باہمی رضامندی سے ہو۔

(ب) مبیع معلوم ہو۔

(ج) عقدِ بیع کے وقت ثمن (قیمت) مُتعیّن ہو۔

البتہ ثمن کی ادائیگی معلوم مدت کے لیے مؤخر ہوسکتی ہے، اسے ''بیع بثمنِ مُؤجّل'' (Deferred Payment) کہتے ہیں۔ کیونکہ یہاں ایک ثمن مُتعیّن نہیں ہے بلکہ مدّت کے عوض قیمت بڑھ جاتی ہے، جو سود ہے۔ آپ کی بیان کردہ صورت میں دو بیع اس طرح ہیں کہ اُدھار اتنے روپے کی اور نقد اتنے روپے کی، اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ ثمن (قیمت) اور مدت کا تعیّن کرلیں اور ادائیگی میں تاخیر کے سبب قیمت میں اضافہ نہ ہو۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: نَهٰی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو بیعوں کو ایک بیع میں کرنے سے فرمایا ہے''۔ (جامع ترمذی:1231)

امام ترمذی ''بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ'' کی ایک صورت بیان فرماتے ہیں: وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوْا: بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ اَنْ یَّقُوْلَ اَبِیْعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشَرَةٍ وَبِنَسِیْئَةٍ بِعِشْرِیْنَ۔ ترجمہ ''بعض اہل علم نے ''بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ'' کی تفسیر کی ہے کہ ایک شخص کہے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کہ میں تمہیں یہ کپڑا نقد دس کا اور ادھار بیس کا بیچتا ہوں"۔

(سُنن ترمذی: ص: 271، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ شوکانی اس حدیث پر طویل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فِيهَا الدَّلَالَةُ عَلَى الْمَنْعِ مِنَ الْبَيْعِ إِذَا وَقَعَ عَلٰى هٰذِهِ الصُّوْرَةِ وَهِيَ أَنْ يَقُوْلَ نَقْدًا بِكَذَا وَنَسِيْئَةً بِكَذَا إِلَّا إِذَا قَالَ مِنْ أَوَّلِ الْأَمْرِ نَسِيْئَةً بِكَذَا فَقَطْ وَكَانَ أَكْثَرَ مِنْ سِعْرِ يَوْمِهٖ۔

ترجمہ: "اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ جب بیع اس صورت پر واقع ہو کہ بائع کہے کہ یہ چیز نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی تو یہ بیع ناجائز ہے (کیونکہ اس صورت میں قیمت متعین نہیں ہوتی بلکہ معلّق رہتی ہے، نیز نقد وادھار میں سے کوئی ایک متعین نہیں ہوتی)، البتہ اگر وہ ابتداءً کہے کہ یہ چیز اُدھار اتنے کی ہے خواہ وہ مقررہ قیمت اس دن کی بازاری قیمت سے زیادہ ہو، تو یہ بیع جائز ہے"۔ (نیل الاوطار، جلد: 4، ص: 20، دارالوفاء)

فتاویٰ عالمگیری میں بڑی صراحت کے ساتھ اس بیع کو ناجائز قرار دیا ہے:

رَجُلٌ بَاعَ عَلٰى أَنَّهٗ بِالنَّقْدِ كَذَا وَبِالنَّسِيْئَةِ بِكَذَا أَوْ عَلٰى أَنَّهٗ إِلٰى شَهْرٍ بِكَذَا وَإِلٰى شَهْرَيْنِ بِكَذَا لَمْ يَجُزْ كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ۔

ترجمہ: "ایک شخص نے اس طور پر بیع کی کہ یہ چیز نقد اتنے کی ہے اور اُدھار اتنے کی ہے یا ایک ماہ کے اُدھار پر اتنے کی ہے اور دو ماہ کے اُدھار پر اتنے کی ہے تو یہ ناجائز ہے، اسی طرح خلاصہ میں ہے" (فتاویٰ عالمگیری، جلد: 3، ص: 136)۔ اس کا سبب بھی یہی ہے کہ اس صورت میں قیمت معلّق رہتی ہے۔

صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی "فتاویٰ عالمگیری" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مگر صورتِ مسئولہ میں یہ ضرور ہے کہ نقد یا اُدھار دونوں میں سے ایک صورت کو معین کر کے بیع کرے اور اگر معین نہ کیا، یوہیں مجمل رکھا کہ نقد اتنے کو اور اُدھار اتنے کو تو یہ بیع فاسد ہوگی اور ایسا کرنا جائز نہ ہوگا"۔ (فتاویٰ امجدیہ، جلد: 3، ص: 181، مکتبہ رضویہ، کراچی)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

عقدِ مضاربت

سوال:

ایک کمپنی نے موٹر سائیکل بنانے کی فیکٹری قائم کی، ابتدا میں انویسٹرز کو منافع کی ترغیب دلاکر ایک شرح منافع طے کر کے لوگوں کا پیسا انویسٹ کیا اور آئندہ مزید انویسٹرز کو شامل ہونے کا موقع رکھا۔ کیا ایک کاروبار جو شروع ہو چکا ہے، اُس میں مزید لوگ اپنا پیسا انویسٹ کر سکتے ہیں؟۔

منافع کی شرح مقرر ہے، نقصان کی صورت میں انویسٹرز کو کس طرح شامل کیا جا سکتا ہے؟، نیز انویسٹرز کی اصل رقم کمپنی معاہدے کے تحت محفوظ رہتی ہے اور وہ جب چاہے، ایک ماہ کے نوٹس پر اپنی رقم واپس لے سکتا ہے۔ رقم واپس لینے پر اُس ماہ کا منافع ادا نہیں کیا جاتا بلکہ انویسٹ کی ہوئی رقم واپس کر دی جاتی ہے، اس میں بھی کمپنی کا کہنا ہے کہ واپسی کے وقت نقصان کی مد میں 10 فیصد کٹوتی کر کے باقی رقم واپس کر دی جائے گی، کیا اس طرح کاروبار کرنا جائز ہے یا نہیں؟، (اویس محمود، دستگیر کالونی کراچی)۔

جواب:

بظاہر یہ مُضاربت کا عقد ہے۔ کمپنی میں سرمایہ کاری کرنے والے اَربابُ المال (Capital Providers) ہیں اور کمپنی مضارِب (Working Partner) ہے۔ اس میں پہلے سے منافع کو اس طرح متعین کرنا کہ ہر ماہ اتنی رقم ملے گی، ربٰو ہے اور یہ شرعاً حرام ہے۔ جب کہ عقد مُضارَبت میں ربُّ المال اور مُضارِب کے درمیان ممکنہ منافع کی تقسیم کی شرح (Ratio) یا تناسب (Proportionate) یا فیصد (Percentage) میں پہلے سے طے ہونا ضروری ہے، ورنہ بعد میں یہ باعثِ نزاع بنے گا۔ اور مضاربت میں خدانخواستہ نقصان کی صورت میں نقصان ''ربّ المال'' کا ہوتا ہے اور مضارِب اپنی محنت کے اجر سے محروم ہو جاتا ہے۔

''تنویر الابصار مع الدر المختار'' میں ہے:

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

(وَمَا هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ يُصْرَفُ إِلَى الرِّبْحِ) لِأَنَّهُ تَبَعٌ (فَإِنْ زَادَ الْهَالِكُ عَلَى الرِّبْحِ لَمْ يَضْمَنْ)

ترجمہ: ''مالِ مضاربت میں سے جو مال ہلاک ہوا، اس کی کمی نفع سے پوری کی جائے گی، کیونکہ نفع اصل زر (رأس المال) کے تابع ہے، پس اگر نقصان اتنا ہو چکا ہو کہ نفع سے اس کو پورا نہیں کرسکتا، تو مُضارِب پر ضمان نہیں ہے (بلکہ یہ نقصان ربُّ المال پر عائد ہوگا)''۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 8، ص:385)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

رَجُلٌ دَفَعَ لِآخَرَ أَمْتِعَةً وَقَالَ: بِعْهَا وَاشْتَرِهَا وَمَا رَبِحْتَ فَبَيْنَنَا نِصْفَيْنِ فَخَسِرَ فَلَا خُسْرَانَ عَلَى الْعَامِلِ۔

ترجمہ: ''ایک شخص (رَبُّ المال) نے دوسرے شخص (مُضارِب) کو کچھ سامان دیا اور کہا: اس سے خرید وفروخت (یعنی کاروبار) کرو اور جو نفع آئے، وہ ہمارے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا اور (اگر بالفرض) اُسے (کاروبار میں) نقصان ہوگیا، تو عامل (یعنی مُضارِب) کے ذمے نقصان میں سے کچھ نہیں آئے گا (بس اسے صرف محنت کا اجر نہیں ملے گا)''۔

(ردالمحتار، جلد:8، ص:374)

جس ماہ ربُّ المال اپنی رقم نکال رہا ہے، اُس ماہ اگر کاروبار میں منافع ہوا ہے، تو ربُّ المال کو پہلے سے باہم طے شدہ شرح منافع یا فیصد کے اعتبار سے منافع دینا ضروری ہوگا، اُسے منافع نہ دینا شرعاً جائز نہیں۔ اسی طرح رقم کی واپسی کے موقع پر ربُّ المال کے اصل زر سے دس فیصد کی کٹوتی بلا جواز ہے، اسے پوری رقم واپس کرنی چاہیے۔ ہاں! اگر وہ کمپنی حسابات کا ریکارڈ رکھنے اور پھر اُسے بند (WIND UP) کرنے کے لیے کوئی طے شدہ اُجرت وصول کرتی ہے، جو سرمائے کے فیصد پر مبنی نہ ہو، تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اس مقدار اجرت کی تصریح ابتدائے عقد میں ضروری ہے۔ البتہ اگر اُس وقت کاروبار میں نقصان ہوگیا ہو، تو پھر نکلنے والے کی سرمایہ کاری کے تناسب سے اُس کی اصل رقم میں سے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کٹوتی کی جاسکتی ہے۔ کاروبار چونکہ ایک جاری عمل ہے، اس لیے اگر اس میں توسیع کی گنجائش ہے، تو مزید لوگوں کی رقم لے سکتے ہیں، لیکن اَربابُ الاموال اور مضارِب کے درمیان نفع کا تناسب پہلے سے طے ہونا ضروری ہے اور جس وقت رقم لی جارہی ہو، نئے آنے والے سرمایہ کار کا کاروبار میں حصہ تناسب کا تعین بھی کرلیا جائے تاکہ خدانخواستہ نقصان ہونے کی صورت میں اُس کے نقصان کا تعین کیا جاسکے۔ زیادہ مناسب یہ بات ہے کہ اس طرح کی کمپنیاں اپنے عقود (Contracts)، معاہدات (Agreements)، اور طریقۂ کار (Process Flow) کی تفصیلات، الغرض تمام دستاویزات کی کاروبار شروع کرنے سے پہلے کسی ثقہ مفتی یا شرعی اُمور کے ماہر سے منظوری لے لیا کریں۔ اسی طرح اس میں اپنی رقم انویسٹ کرنے والوں کی بھی یہ شرعی ذمہ داری ہے کہ رقم لگانے سے پہلے اطمینان کرلیں کہ یہ سارا کاروبار شریعت کے مطابق (Sharia'h Compliant) ہے یا نہیں۔

یہ معاہدہ حرام ہے

سوال:

زید اور عمرو کے درمیان معاہدہ ہوا، زید نے پانچ لاکھ روپے سامنے رکھ کر کہا: ''دو سال کے ادھار پر آٹھ لاکھ ساٹھ ہزار روپے میں تم پر فروخت کرتا ہوں، عمرو نے کہا کہ مجھے منظور ہے، میں خریدتا ہوں''۔ کیا یہ جائز ہے، سود تو نہیں؟، اس کے جائز ہونے کا کیا طریقہ ہے؟۔

(محمد شہزاد قمر، ملتان)

جواب:

آپ نے سوال میں جو صورتِ معاملہ بیان کی ہے، یہ ربٰوا ہے اور حرام ہے۔ ایک جنس کی کسی چیز کا تبادلہ کمی یا زیادتی کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

مِثْلاً بِمِثْلٍ سَوَآءً بِسَوَآءٍ يَدًا بِيَدٍ فَاِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ اِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ۔

ترجمہ: ''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: سونے کی بیع سونے کے عوض اور چاندی کی بیع چاندی کے عوض اور گندم کی بیع گندم کے عوض اور جَو کی بیع جَو کے عوض اور کھجور کی بیع کھجور کے عوض اور نمک کی بیع نمک کے عوض برابر برابر اور نقد بہ نقد ہو اور جب یہ اَقسام مختلف ہو جائیں تو پھر جس طرح چاہو، بیچو بشرطیکہ نقد بہ نقد ہو''۔ (صحیح مسلم: 4060)

ایک روایت میں فرمایا: فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبَىٰ، اِلَّا مَا اخْتَلَفَتْ اَلْوَانُهُ۔

ترجمہ: ''جس نے زیادہ دیا، یا زیادہ لیا تو اس نے سودی کاروبار کیا، سوائے اِس کے کہ اقسام بدل جائیں''۔ (صحیح مسلم: 4063)

اس کا صحیح شرعی طریقہ یہ ہے کہ فریقین ''عقدِ مُضارَبت'' کرلیں، اس میں ایک فریق رَبُّ المال (Capital Provider) ہوتا ہے اور دوسرا مُضارِب (Working Partner) آپ نے جو صورتِ مسئلہ بیان کی ہے، اُس کے مطابق زید ربُّ المال (Capital Provider) ہوگا اور عمرو مُضارِب (Working Partner)۔ اس میں عمرو کی محنت ہوگی اور زید کا سرمایہ ہوگا اور یہ بھی پہلے سے طے کرلیں کہ اس رقم پر جو منافع آئے گا اُس کو دونوں پہلے سے طے شدہ تناسب (مثلاً ہر ایک کو پچاس پچاس فیصد ملے گا یا ایک کو 60 فیصد اور دوسرے کو 40 فیصد یا جو بھی تناسب (Ratio) باہمی رضامندی سے طے ہو) کے مطابق آپس میں تقسیم کریں گے۔ اگر خدانخواستہ کوئی منافع نہ ملا تو دونوں کو کچھ نہیں ملے گا اور زید اپنی اصل رقم کا حق دار ہوگا اور اگر خدانخواستہ نقصان ہوا تو وہ سارا نقصان ''ربُّ المال'' (یعنی زید) کا ہوگا اور مضارِب اپنی محنت کے صلے سے محروم رہے گا۔ نقصان کی صورت میں حاصل شدہ کل نفع سے اُس کی تلافی کی جائے گی، تنویر الابصار مع الدرالمختار میں ہے:

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

﴿وَمَا هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ يُصْرَفُ إِلَى الرِّبْحِ لِأَنَّهُ تَبَعٌ فَإِنْ زَادَ الْهَالِكُ عَلَى الرِّبْحِ لَمْ يَضْمَنْ﴾

ترجمہ: ''مالِ مضاربت میں سے جو مال ہلاک ہوا، اس کی کمی نفع سے پوری کی جائے گی، کیونکہ نفع اصل زر (رأس المال) کے تابع ہے، پس اگر نقصان اتنا ہوا کہ نفع سے اس کو پورا نہیں کرسکتا، تو مضارب پر ضمان نہیں ہے (بلکہ یہ نقصان ربُّ المال پر عائد ہوگا)''۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 8، ص:385)

مضارِب کا کاروبار میں خیانت کرنا

سوال:

میری چاول کی فیکٹری ہے، میرے چار بیٹے ہیں۔ فیکٹری ایک بیٹے کے سپرد کی اور اُس کا نفع میں 20% حصہ رکھا، باقی تین بیٹوں کا فی کس دس فیصد (یعنی مجموعی طور پر تیس فیصد) حصہ رکھا اور بقیہ 50 فیصد حصہ میرا ہے، علیحدہ سے کوئی تنخواہ کسی کی مقرر نہیں ہے۔ جس بیٹے نے فیکٹری کی ذمہ داری سنبھالی ہوئی تھی اور اس میں اُس کا 20 فیصد حصہ ہے، بقیہ تینوں بیٹوں کا فیکٹری کے کام میں کوئی کردار نہیں ہے۔ ہمارے علم میں لائے بغیر اُس بیٹے نے فیکٹری کے سرمائے سے پلاٹ خریدے اور تعمیر کروائے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ پلاٹ اُس بیٹے کی ذاتی ملکیت شمار ہوں گے یا سب کا اُس میں حصہ ہے اور بیٹے کا یہ فعل کیسا ہے؟

(عبدالرزاق، میر پور خاص سندھ)

جواب:

بظاہر یہ صورت ''عقدِ مضاربت'' کی ہے کہ فیکٹری کے مالک آپ خود ہیں اور آپ نے یہ کاروبار اپنے ایک بیٹے کے سپرد کیا، تو آپ کی حیثیت رَبُّ المال (Capital Providor) کی ہے اور آپ کا وہ بیٹا جسے آپ نے فیکٹری کے کاروبار کا نگراں بنایا ہے، اُس کی حیثیت مضارِب (Working Partner) کی ہے۔ منافع میں اس کا حصہ 20 فیصد رکھا ہے اور آپ کی ہدایت کے مطابق بقیہ 80 فیصد میں سے اُسے 50 فیصد آپ کو دینا تھا اور

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

30 فیصد آپ کے تین بیٹوں کو(بشرح 10 فیصد فی کس) دینا تھا۔اس نے خیانت کی اور آپ کے علم میں لائے بغیر منافع کی رقم سے پلاٹ خریدے اور تعمیر کرائے ، اُنہیں چاہیے کہ یہ سب پراپرٹی آپ کے حوالے کردیں۔حدیث مبارک میں ہے:

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ بُرَیْدَۃَ ،عَنْ اَبِیْهِ ،عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰی عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا أَخَذَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ غُلُوْلٌ۔

ترجمہ:’’حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی کو ہم کسی کام کے لیے مقرر کریں اور اُسے اُس کی اُجرت ادا کردیں، تو اپنی اجرت کے علاوہ وہ جو کچھ بھی لے گا، وہ غبن کے زمرے میں آئے گا‘‘(سُنن ابوداؤد: 2936)۔دوسری حدیث مبارک میں اِس کی شناعت کو یہ بیان فرمایا:

مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا

ترجمہ:’’جس نے ہمیں دھوکا دیا، وہ ہم میں سے نہیں‘‘۔(صحیح مسلم:283)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے امانت کی حفاظت اور ادائیگی کا صراحۃً کئی مقامات پر حکم دیا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ

ترجمہ:’’بے شک اللہ تعالیٰ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کو ان کی امانتیں ادا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو‘‘۔(النساء:58)

(۲) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ:’’اے ایمان والو! اللہ اور (اس کے) رسول سے خیانت نہ کرو اور تم جانتے بوجھتے اپنی امانتوں میں (بھی) خیانت نہ کرو‘‘۔(الانفال:27)

اس آیت سے ثابت ہوا امانت میں خیانت کرنا بہت بڑا جرم ہے۔

(۳) دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا''۔ (الانفال: 58)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی بھی امانت میں خیانت کرنے والا بدترین انسان ہے۔

(۴) مزید ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

ترجمہ: ''جو کوئی خیانت کرے گا تو لے آئے گا (اپنے ہمراہ) خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن''۔ (آل عمران: 161)

(۵) ایک اور مقام پر فرمایا:

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللهَ رَبَّهٗ

ترجمہ: ''پس اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے، اسے چاہیے کہ وہ دوسرے کی امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے، جو اس کا رب ہے''۔

(البقرہ: 283)

ان آیات میں امانت ادا کرنے کا حکم عام ہے، خواہ مذہب میں ہو، عقائد میں ہو، معاملات میں ہو یا عبادات میں ہو۔

احادیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا:

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ''أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ''۔

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو تمہارے پاس امانت رکھے، اس کی امانت ادا کرو اور جو تمہارے ساتھ خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو''۔ (سنن ابی داود: 3529)

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ''آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ''۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور امانت اس کے پاس رکھی جائے تو خیانت کرے“۔ (صحیح البخاری: 33)

(۳) عن عبداللهِ بنِ عمرٍو: اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: ”اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیهِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ کَانَتْ فِیهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ کَانَتْ فِیهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَاِذَا حَدَّثَ کَذَبَ، وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ“۔

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چار باتیں جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس کے اندر ان میں سے کوئی ایک ہو تو اس میں نفاق کا ایک حصہ ہے، یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ جب اسے امانت سپرد کی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب جھگڑے تو بے ہودہ بکے“۔ (صحیح بخاری: 34)

دوسرے تینوں بیٹوں کا چونکہ کاروبار میں کوئی کردار نہیں ہے، تو یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ نے دوسرے تین بیٹوں کو فی کس 10 فیصد ہبہ کیا ہے، تو اِسے (یعنی مُضارِب بیٹے کو) بھی اُن کے مساوی ہبہ دیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہبہ کرتے وقت اولاد میں (بیٹے اور بیٹی کی تمیز کے بغیر) مساوات کا حکم فرمایا ہے اور جو 20 فیصد ایک بیٹے کو دیا ہے، وہ بطور مضارِب اس کی محنت کا صلہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک ہے:

حَدَّثَنِی النُّعْمَانُ بْنُ بَشِیْرٍ اَنَّ اُمَّهٗ بِنْتَ رَوَاحَةَ سَأَلَتْ اَبَاهُ بعضَ الْمَوْهُوْبَةِ مِنْ مَالِهٖ لِابْنِهَا، فالتوٰی بها سنةً، ثُمَّ بَدَا لَهٗ، فَقَالَتْ: لَا اَرضٰی حتّٰی تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علٰی ماوهبتَ لِابْنِی، فَاَخَذَ اَبِی بِیَدِی، وَاَنَا یَوْمَئِذٍ غُلَامٌ، فَاَتٰی رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اِنَّ اُمَّ هٰذَا، بِنْتَ رَوَاحَةَ، اَعْجَبَهَا اَنْ اُشْهِدَكَ عَلَی الَّذِیْ وَهَبْتُ لِابْنِهَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ”یَا بَشِیْرُ! اَ لَكَ وَلَدٌ سِوٰی هٰذَا؟“ قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ: اَکُلَّهُمْ وَهَبْتَ لَهٗ مِثْلَ هٰذَا؟ قَالَ: لَا۔ قَالَ: فَلَا تُشْهِدْنِیْ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اِذْنٌ، فَاِنِّیْ لَا اَشْهَدُ عَلٰی جَوْرٍ''۔

ترجمہ: ''نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کی والدہ حضرت بنت رواحہ نے ان کے والد سے درخواست کی کہ وہ اپنے مال میں سے کچھ ان کے بیٹے (حضرت نعمان) کو ہبہ کر دیں، میرے والد نے ایک سال تک یہ معاملہ ملتوی رکھا، پھر انھیں اس کا خیال آیا، میری والدہ نے کہا میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ تم میرے بیٹے کے ہبہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گواہ نہ کرلو، میرے والد میرا ہاتھ پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس لے گئے۔ اس وقت میں نوعمر لڑکا تھا، انہوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اس کی ماں بنت رواحہ یہ چاہتی ہیں کہ میں آپ کو اس چیز پر گواہ کرلوں، جو میں نے اپنے اس لڑکے کو ہبہ کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا، اے بشیر! کیا اس کے علاوہ تمہاری اور بھی اولاد ہے؟، انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے سب کو اتنا ہی مال ہبہ کیا ہے؟، انہوں نے کہا نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے گواہ نہ بناؤ، کیونکہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا''۔ (صحیح مسلم:4104)

مذکورہ حدیث سے واضح ہوا کہ جب کوئی شخص اپنی حیات میں اپنی اولاد کو کچھ ہبہ کرے تو تمام اولاد کے درمیان مساوات کو روا رکھے۔ ہاں! اگر کسی اولاد کو کسی خاص سبب مثلاً دوسری اولاد کی نسبت زیادہ فرمانبردار اور خدمت گزار ہے یا کوئی معذوری لاحق ہے تو اُسے دوسری اولاد سے زیادہ دے سکتا ہے۔

ایکسپورٹ فنانسنگ یا LC ڈسکاؤنٹ کا شرعی حل

سوال:

ہماری ایک ایکسپورٹ کمپنی ہے جو اپنا مال ملک سے باہر بھیجتی ہے، ہم ایل۔ سی (Letter of Credit) پر کام کرتے ہیں جو کہ 30 دن، 60 دن یا 90 دن پر ہوتی ہے یعنی اتنے دن بعد گاہک ہمیں پیسے ادا کرے گا۔ ہم ایکسپورٹ کرنے کے بعد کاغذات بینک میں جمع کرا دیتے ہیں اور گاہک تقریباً دس پندرہ دن بعد ہمیں کنفرم کر دیتا ہے کہ یہ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

پیسے ہمیں ایکسپورٹ کی تاریخ سے 60 یا 90 دن بعد ادا کیے جائیں گے۔ اِس ادائیگی کا انتظار کیے بغیر ہم بینک سے اتنی رقم اس بل کی مد میں ڈسکاؤنٹ کروا لیتے ہیں اور استعمال کر لیتے ہیں، جس پر بینک ہم سے سروس چارجز کے علاوہ کوئی اضافی چارجز نہیں لیتا، مثلاً اگر مارکیٹ ریٹ 100 روپے ہیں تو بینک ہم کو 60 دن کی مد میں 99 روپے دیتا ہے اور اگر مارکیٹ ریٹ 100 روپے ہے تو بینک 90 دن کی مد میں 98 روپے دیتا ہے پھر جب گاہک سے پیسے آتے ہیں تو بینک اپنی دی ہوئی رقم اور سروس چارجز میں اسے Adjust کر لیتا ہے، کیا یہ بینک سے پیسا ڈسکاؤنٹ کروانا اور استعمال کرنا درست ہے؟۔

(محمد عدنان وہاب، ڈائریکٹر الغوثیہ انڈسٹریز)

جواب:

صورتِ مسئولہ دراصل سود ہی کی ایک صورت ہے، جس میں بینک اپنے کلائنٹ کو اُس کی رقم آنے تک قرض فراہم کرتا ہے اور جب وہ رقم آجاتی ہے، تو بینک اپنی دی گئی رقم سے زائد واپس لیتا ہے۔ حدیث مبارک میں ہے کہ کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ الرِّبٰوا یعنی ہر وہ قرض جو (کسی بھی قسم کی) منفعت لائے، وہ سود ہے۔ جہاں تک سروس چارجز کا تعلق ہے، تو ہماری معلومات کے مطابق بینک صرف سروس چارجز نہیں لیتا بلکہ دنوں کے اعتبار سے بل ڈسکاؤنٹنگ کرتے ہوئے سود بھی چارج کرتا ہے یعنی جتنے دن ہوں، سود کی شرح اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بینک کے ساتھ مذکورہ معاملہ کرنا ازروئے شرع جائز نہیں ہے۔ البتہ مروجہ اسلامی بینکاری نظام میں بل ڈسکاؤنٹ کا متبادل موجود ہے، جسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔

بل ڈسکاؤنٹنگ کا ایک اسلامی طریقہ یہ ہے کہ جس ایکسپورٹر کا پوسٹ شپمنٹ فائنانسنگ کرنے کا ارادہ ہو، وہ شپمنٹ اور سامان بھیجنے سے پہلے بینک کے ساتھ مشارکہ کرلے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایکسپورٹر، امپورٹر کو سامان بھیجنے سے پہلے وہ سامان بینک یا کسی مالیاتی ادارے کو ''LC'' کی قیمت سے کم قیمت پر فروخت کردے اور پھر بینک یا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

مالیتی ادارہ ''امپورٹر'' کو LC کی قیمت پر فروخت کردے اور اس طرح دونوں قیمتوں کے درمیان جو فرق ہوگا، وہ بینک کا نفع ہوگا، مثلاً LC ایک لاکھ روپے کی کھولی ہے، تو اب ایکسپورٹ بینک کو وہ سامان مثلاً پچانوے ہزار روپے میں فروخت کردے اور بینک امپورٹر کو ایک لاکھ روپے میں فروخت کرے اور پانچ ہزار روپے نفع کے بینک کو حاصل ہوجائیں گے۔

یہ دوسری صورت اُس وقت ممکن ہے جب کہ ابھی تک امپورٹر کے ساتھ ''حقیقی بیع'' نہیں ہوئی بلکہ ابھی تک وعدۂ بیع (Agreement to Sale) ہوا ہے۔ لہٰذا اگر امپورٹر کے ساتھ حقیقی بیع ہوچکی ہے تو پھر یہ صورت اختیار کرنا ممکن نہیں، بہر حال اس طرح سے ایکسپورٹر کو اپنی لگائی ہوئی رقم فوراً وصول ہوجائے گی اور اس کو مدت آنے کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

دَین کی وصولی کے لیے کسی کو وکیل یا اجیر بنانا

سوال:

سندھ، پنجاب اور بلوچستان وغیرہ سے جو لوگ چاول وغیرہ کے ٹرک کراچی لاتے ہیں، جس کا مال لے کر آتے ہیں وہ اُنہیں کرائے کی رقم 10 سے 15 دنوں کے بعد دیتے ہیں۔ لیکن ہم اُنہیں وہ رقم اُسی وقت دے دیتے ہیں اور اُس میں سے اپنا کمیشن کاٹ لیتے ہیں۔ اس سارے عمل میں ہمارا اچھا خاصا وقت اور پیٹرول خرچ ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی ٹرک کا کرایہ =/25,000 روپے ہے تو ہم اس کو =/800 روپے یا =/1000 روپے کمیشن کاٹ کر بقیہ رقم اُسی وقت دے دیتے ہیں اور ڈرائیور ہمیں اس مال کی بلٹی (جس میں مال کی تفصیلات اور کرایہ وغیرہ لکھا ہوتا ہے) دے دیتا ہے۔ بلٹی لیتے وقت اکثر مال کا وزن چیک کروایا جاتا ہے، وزن کی پرچی، جس گودام میں مال اترا اُس کی رسید اور بلٹی لے کر ہم پارٹی کے پاس جاتے ہیں، اس کی تصدیق کے بعد پارٹی ہمیں 10 یا 15 دن کے بعد کا چیک دے دیتی ہے۔ کیا یہ صورتِ حال درست ہے؟ (محمد عمران، فیڈرل بی ایریا، کراچی)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جواب:

آپ نے جو صورتِ مسئلہ بیان کی ہے، اُس کی رُو سے یہ کمیشن لینا درست نہیں ہے۔
ٹرک ڈرائیور کا کرایہ اُس شخص پر دَین ہے۔ بلٹی کی رسید اس قرض کی رسید ہے۔ اس کی فقہی اعتبار سے صحیح صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ٹرک ڈرائیور آپ کو متعلقہ پارٹی سے اپنے واجب الادا دَین کی وصولی کے لیے اپنا وکیل اوراجیر بنالے اور اس کام کی اجرت آپ دونوں باہمی رضامندی سے طے کرلیں۔ اور آپ سے وہ ٹرک ڈرائیور مطلوبہ رقم بطور قرض لے لے اور آپ کو یہ اختیار دے کہ جب آپ اس کے قرض کی رقم متعلقہ پارٹی سے وصول کریں تو اپنی اُجرت کی رقم منہا کرکے بقیہ رقم اپنے قرض کے طور پر وصول کرلیں۔ اس میں یہ اَمر ملحوظ رہے کہ اگر خدانخواستہ اس وکیل کو متعلقہ پارٹی سے آپ کا قرض یا دَین وصول نہ ہوا، تو آپ اُس سے بطور قرض لی ہوئی رقم اُسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔
اِسی طرح وکیل بنانے کو اس اَمر کے ساتھ مشروط نہ کیا جائے کہ وکیل اپنے مؤکل کو اپنی اجرت کے مساوی رقم منہا کرکے بقیہ رقم لازماً بطور قرض دے گا۔ اگر کسی کو قرض دینے کی شرط کے بغیر وکیل بنائے اور وکیل قرض کی رقم پارٹی سے وصول کرکے مالک (ٹرک ڈرائیور) کو دیدے، تو اس میں صورۃً اور معنیً کوئی قباحت نہیں ہے یا وکیل کسی مشروط یا مَعہود شرط کے بغیر اپنے مؤکل کو دَین کی رقم کے برابر قرض دیدے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

منصب کا ناجائز فائدہ اٹھانا

سوال:

میں ایک کمپنی میں کام کرتا ہوں، جس کا ڈیری فارمنگ کا ایک سائیڈ بزنس بھی ہے۔ میں اُس بزنس کے لیے چارا فروخت کرتا ہوں۔ کمپنی کے پاس صرف ایک سپلائر تھا، جس سے وہ سارا چارا خریدتے تھے۔ کام بڑھنے کے سبب مزید ایک سپلائر کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں نے اپنے ایک دوست کو مشورہ دیا کہ ہم یہ بزنس شروع کرتے ہیں، میں نے اُس کے ساتھ شراکت کرلی، سرمایہ 100 فیصد میرا ہے اور دوست باقی سب معاملات دیکھتا ہے۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کمپنی کو جتنا چارہ (Stover) درکار ہوتا ہے، اس کے لیے سپلائر سے ریٹ لیتا ہوں اور اپنے منیجر کو دے دیتا ہوں، کبھی منیجر فیصلہ کرتا ہے اور کبھی مجھے فیصلہ کرنے کا کہتے ہیں۔ میں تمام سپلائر کی پڑتال کرنے کے بعد آرڈر دے دیتا ہوں۔ جسے منیجر منظور کرتا ہے۔ کیا اس طرح کاروبار کرنا جائز ہے یا اس کام کو کرنے کے لیے کیا طریقہ اپنانا چاہیے؟

(احمد مجید، کراچی)

جواب:

آپ کا مذکورہ کمپنی سے ملازمت کا جو معاہدہ ہے، اُس کی پابندی آپ پر لازم ہے، اگر اس میں ایسی کوئی شرط نہیں ہے کہ آپ کاروبار نہیں کر سکتے، تو آپ کے کاروبار پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کسی کو بھی اپنا مُضارب بنا کر کاروبار کر سکتے ہیں۔ جس کمپنی میں آپ ملازم ہیں، اس کے ساتھ بالواسطہ کاروبار کرنے کی صورت میں اگر آپ اپنے مضارب کو کوئی بے جا حمایت (Favour) دے رہے ہیں، بذاتِ خود یا کسی بااختیار فرد کے ذریعے مسابقت میں شریک (Competetors) دوسرے افراد کو ان کے حق سے محروم کر رہے ہیں، تو یہ جائز نہیں ہے۔ اور اگر سارا معاملہ شفاف (Transparent) ہے، نہ آپ بے جا فائدہ اٹھا رہے ہیں اور نہ ہی کسی دوسرے کو اس کے جائز حق سے محروم کر رہے ہیں، تو پھر اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ کسی منصب سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی بابت رسول اللہ ﷺ کی یہ وعید یں آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے:

(۱) عَنْ أَبِی حُمَيْدٍ السَّاعِدِيّ: أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ ابْنَ الأُتَبِيَّةِ عَلَی صَدَقَاتِ بَنِی سُلَيْمٍ، فَلَمَّا جَاءَ إِلَی رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَاسَبَهُ قَالَ: هٰذَا الَّذِی لَكُمْ، وَهٰذِهِ هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِی، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَهَلَّا جَلَسْتَ فِی بَيْتِ أَبِيكَ، وَبَيْتِ أُمِّكَ حَتَّی تَأْتِيَكَ هَدِيَّتُكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَخَطَبَ النَّاسَ وَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَی عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّی أَسْتَعْمِلُ رِجَالًا مِنْكُمْ عَلَی أُمُورٍ مِمَّا وَلَّانِی اللهُ فَيَأْتِی أَحَدُكُمْ فَيَقُولُ: هٰذَا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

لَكُمْ، وَهَذِهِ هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي، فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ، وَبَيْتِ أُمِّهِ حَتَّى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ إِنْ كَانَ صَادِقًا، فَوَاللهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مِنْهَا شَيْئًا، قَالَ هِشَامٌ بِغَيْرِ حَقِّهِ، إِلَّا جَاءَ اللهَ يَحْمِلُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، أَلَا فَلَأَعْرِفَنَّ مَا جَاءَ اللهَ رَجُلٌ بِبَعِيرٍ لَهُ رُغَاءٌ، أَوْ بِبَقَرَةٍ لَهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةٍ تَيْعَرُ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ''۔

ترجمہ: ''حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابن الاتبیہ کو بنوسلیم کے صدقات وصول کرنے پر عامل مقرر کیا، پس جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے اور آپ نے ان سے حساب لیا تو انہوں نے کہا: یہ وہ مال ہے جو آپ کے لیے ہے اور یہ وہ مال ہے جو مجھے بطورِ ہدیہ دیا گیا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''پس کیوں نہ تم اپنے باپ کے گھر میں بیٹھ گئے یا اپنی ماں کے گھر میں بیٹھ جاتے حتیٰ کہ تمہارے پاس تمہارے ہدیہ آتے اگر تم سچے ہو؟'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھڑے ہوئے، پس آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اللہ عزوجل کی حمد وثناء کی پھر آپ نے فرمایا: حمد وصلوٰۃ کے بعد، میں تم میں سے چند مردوں کو چند مناصب پر عامل بناتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے والی بنایا ہے، پھر تم میں سے ایک شخص آکر یہ کہتا ہے کہ یہ مال تمہارے لیے ہے اور یہ مال مجھے ہدیہ دیا گیا ہے، پس کیوں نہ وہ اپنے باپ کے گھر میں اور اپنی ماں کے گھر میں بیٹھا حتیٰ کہ اس کے پاس ہدایا آتے اگر وہ سچا ہے تو؟ پس اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی شخص بھی اس میں سے کوئی چیز بھی ناحق نہیں لے گا مگر وہ اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کے دن اس چیز کو اٹھائے ہوئے آئے گا، سنو! پس میں ہرگز نہ پہچانوں کہ اللہ کے پاس کوئی مرد بڑبڑاتے ہوئے اونٹ کو اٹھائے ہوئے آیا ہو، یا ڈکراتی ہوئی گائے کو اٹھائے ہوئے لایا ہو، یا ممیاتی بکری کو اٹھا کر لایا ہو، پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا حتیٰ کہ میں نے آپ کے بغلوں کی سفیدی کو دیکھا، پھر آپ نے فرمایا: سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟''۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۱۹۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۲)

(۲) عَنْ عَدِيِّ بْنِ عَمِيرَةَ الْكِنْدِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم يَقُولُ: ''مَنِ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ، فَكَتَمَنَا مِخْيَطاً فَمَا فَوْقَهُ، كَانَ غُلُولاً يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' قَالَ: فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ أَسْوَدُ، مِنَ الْأَنْصَارِ؛ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ! اِقْبَلْ عَنِّي عَمَلَكَ، قَالَ: ''وَمَا لَكَ؟'' قَالَ: سَمِعْتُكَ تَقُولُ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: ''وَأَنَا أَقُولُهُ الْآنَ: مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ، فَلْيَجِئْ بِقَلِيلِهِ وَكَثِيرِهِ، فَمَا أُوتِيَ مِنْهُ أَخَذَ، وَمَا نُهِيَ عَنْهُ انْتَهَى''۔

ترجمہ:''حضرت عدی بن عمیرہ کندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے جس شخص نے ہمارے لیے کوئی عمل کیا، پھر اس میں سے کوئی چیز چھپالی، خواہ وہ سوئی ہو یا اس سے بھی کمتر چیز، تو وہ خیانت ہے اور وہ قیامت کے دن اس چیز کو لے کر آئے گا۔ پھر ایک سیاہ فام انصاری اٹھا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! اپنا عمل مجھ سے لے لیجیے، آپ نے پوچھا: کیوں؟، اُس نے کہا: میں نے آپ کو اِس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے یہ کہا ہے کہ جس شخص کو ہم کوئی کام سپرد کریں، تو وہ قلیل اور کثیر ہر چیز لے کر آئے، پھر اس کو جو دے دیا جائے وہ لے لے اور جو نہ دیا جائے وہ نہ لے''۔ (صحیح مسلم: ۱۸۳۳، سنن ابوداؤد: ۳۵۸۱)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

وراثت کے مسائل

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ترکے کا ایک پیچیدہ مسئلہ

سوال:

ملک اللہ یار کا انتقال 60 سال پہلے ہوا تھا، مرحوم کا ایک نواسا عبداللطیف بستی سیٹھی ضلع عارف والا کے قریب رہائش پذیر ہے، ہمارے خاندان میں اچھا تعلیم یافتہ نوجوان تھا، انہوں نے ناجائز سفارش اور رشوت کے ذریعے مرحوم کے ایک زندہ بھائی کو سرکاری محکمہ میں مردہ لکھوا دیا۔ مرحوم نے اپنے بھتیجے کے حق میں ایک تہائی کی وصیت چھوڑی، مرحوم کے اُسی نواسے نے کہا کہ یہ وصیت نامہ مرحوم کے مرنے کے بعد تیار کیا گیا ہے اور بعد از وفات انگوٹھے لگائے گئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ایک زندہ بھائی کو حصہ سے محروم کر دیا گیا، وصیت کو جھوٹا قرار دے کر بھتیجے کو محروم کرایا گیا۔ مرحوم کے ورثاء میں صرف ایک بیٹی، دو بھائی اور ایک بہن تھی۔ سرکاری تقسیم کے بعد تنازعات ہوئے تو مرحوم کے نواسے (عبداللطیف) نے یہ فیصلہ کیا کہ ترکے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعتِ طیبہ کے مطابق تقسیم کر دیتے ہیں، بعد میں سرکاری کاغذات میں تصحیح کرادی جائے گی اور موقع محل پر از روئے شرع تقسیم کی گئی۔ لیکن ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد آج پھر عبداللطیف کا اصرار ہے کہ شریعت کی روشنی میں کیا جانے والا فیصلہ ہمیں قبول نہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت طیبہ کا انکار کرنا اور غیر شرعی فیصلے پر اصرار کرنے والوں کا قرآن وسنت کے مطابق کیا حکم ہے؟۔

(۲) کسی مرحوم کی وصیت کو تبدیل کر کے مشکوک بنانے والے شخص کا کیا حکم ہے؟۔

(۳) کسی کے حق کو غصب کرنا کیسا ہے؟۔

(۴) مطلق نظامِ شریعت کا انکار کرنے والے کا کیا حکم ہے؟۔

(۵) شریعت کیا چیز ہے اور اس کی پابندی کیوں لازم قرار دی گئی ہے؟۔

(محمد ابراہیم، صدر جمعیت اتحاد العلماء، کراچی)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جواب:

آپ کے استفتاء میں ایک اہم سوال اس امر سے متعلق ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام یعنی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے یا شرعی فیصلے کو قبول نہ کرے، اس کا کیا حکم ہے۔قرآن مجید میں سورۃ المائدہ آیات :44،45اور 47 میں ایسے شخص کو کافر، ظالم اور فاسق کہا گیا ہے۔قرآن مجید کا یہ حکم بنی اسرائیل یعنی یہود ونصاریٰ کے سیاق وسباق میں ہے،لیکن قرآن مجید کے عمومی اسلوب کے مطابق ایسے احکام کا مورد خاص ہوتا ہے،مگر حکم عام ہوتا ہے۔یعنی مومن کے لیے احکام الٰہی کی تصدیقِ قلبی حقیقتِ ایمان اور جوہرِ ایمان ہے اور زبان سے اقرار شرط ایمان ہے،سوائے اس کے کہ کوئی صورتِ اکراہ ہو، جس کا سورۃ النحل آیت نمبر:106 میں ذکر ہے اور اُن احکام پر عمل لازم ہے،اسی کو تصدیق بالقلب ، اقرار باللّسان اور عمل بالجوارح (اعضا) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ احناف کے نزدیک، جو عقائد میں ماتریدی کہلاتے ہیں،نفیِ تصدیق نفیِ ایمان ہے، بلا اکراہ عدمِ اقرار یا انکار کفر ہے اور ترکِ عمل فسق اور گناہِ کبیرہ ہے۔اگر ایسا شخص اپنے عقیدے میں شریعت کا منکر ہے، احکامِ الٰہی کے حق ہونے کی تصدیق نہیں کرتا ،تو وہ کافر ہے۔اور اگر عقیدتاً تو احکامِ الٰہی کو حق مانتا ہے، اُن کی حقانیت کی دل سے تصدیق کرتا ہے،مگر اپنی سرکشی کی وجہ سے عملاً احکامِ الٰہی پر فیصلہ نہیں کرتا تو وہ ظالم ہے اور اگر اپنی عملی کوتاہی کی وجہ سے احکامِ الٰہی پر عمل نہیں کرتا،تو وہ فاسق ہے اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے۔

ان آیات کی تفسیر وتشریح میں مفسرینِ کرام کے اقوال درج ذیل ہیں:

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی مختلف توجیہات ذکر کرنے کے بعد قول فیصل کے طور پر لکھتے ہیں:

قَالَ عِكْرِمَةُ: قَوْلُهُ: ''مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ''، اِنَّمَا يَتَنَاوَلُ مَنْ اَنْكَرَ بِقَلْبِهٖ وَجَحَدَ بِلِسَانِهٖ وَاَمَّا مَنْ عَرَفَ بِقَلْبِهٖ كَوْنَهٗ حُكْمَ اللّٰهِ وَاَقَرَّ بِلِسَانِهٖ كَوْنَهٗ حُكْمَ اللّٰهِ، اِلَّا اَنَّهٗ اَتٰى بِمَا يُضَادُّهٗ فَهُوَ حَاكِمٌ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلٰكِنَّهٗ تَارِكٌ لَهٗ ، فَلَا يَلْزَمُ دُخُولُهٗ تَحْتَ هٰذِهٖ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

الْاٰیَۃِ، وَھٰذَا ھُوَالْجَوَابُ الصَّحِیْحُ ،وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

ترجمہ: ”عکرمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ”جو اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے، وہی کافر ہیں“، اُس کو شامل ہے جو حکمِ الٰہی کا قلب اور زبان دونوں سے انکار کرے (یعنی ایسا شخص بلاشبہ کافر ہے)، لیکن جو شخص دل سے جانے کہ یہ حکم الٰہی ہے اور زبان سے اُس کے حکمِ الٰہی ہونے کا اقرار بھی کرے، مگر عمل اس کے خلاف کرے، تو وہ (اعتقادی طور پر) حَاکِم بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ ہے، لیکن اس پر عمل نہیں کرتا، تو (اس پر کفر کا اطلاق نہیں ہوگا اور) وہ اس آیت کا مصداق نہیں ہے، یہی صحیح جواب ہے“۔

(التفسیر الکبیر: جزء:12، ص:368-367)

علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں:

فَاِنَّ الْحُکْمَ وَاِنْ کَانَ شَامِلاً لِفِعْلِ الْقَلْبِ وَالْجَوَارِحِ لٰکِنَّ الْمُرَادَبِہٖ ھُنَا عَمَلُ الْقَلْبِ وَھُوَ التَّصْدِیْقُ وَلَا نِزَاعَ فِیْ کُفْرِ مَنْ لَّمْ یُصَدِّقْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی، وَاَیْضًا اَنَّ الْمُرَادَ عُمُوْمُ النَّفْیِ بِحَمْلِ (مَا) عَلَی الْجِنْسِ، وَلَا شَکَّ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِشَیْءٍ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ لَا یَکُوْنُ اِلاَّ غَیْرَمُصَدِّقٍ وَلَا نِزَاعَ فِیْ کُفْرِہٖ۔

ترجمہ: ”آیت میں کفر کا حکم اگرچہ قلب اور جوارح (یعنی ظاہری عمل) دونوں کو شامل ہے، لیکن (آیت نمبر:44 میں) اس سے مراد عمل قلب ہے، یعنی احکامِ الٰہی کی قلبی تصدیق، اور (ظاہر ہے) جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کے حق ہونے کی دل سے تصدیق نہ کرے، اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں ہے، یہاں (”بِمَا“ میں) ”مَا“ جنس پر محمول ہے اور عموم نفی مراد ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کسی حکم پر فیصلہ نہ کرے، وہ حکم الٰہی کا مُصَدِّق نہیں ہے اور اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں ہے“۔ (روح المعانی، الجزء السادس، ص:145)

علامہ پیر کرم شاہ الازہری المائدہ، آیات: 44، 45 اور 47 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”یہاں فرمایا گیا کہ جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کرتے، وہ کافر ہیں۔ اسی رکوع کی آیت نمبر:45 میں ایسے لوگوں کو ظالم کہا گیا اور آیت نمبر:47 میں ایسے لوگوں کو فاسق کہا گیا۔ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ آیات صرف یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئیں، لیکن یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ کسی شخص کے متعلق کسی آیت کے نازل ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ آیت بس اسی سے مخصوص ہوکر رہ گئی، اس کا حکم اب کسی دوسرے شخص پر نافذ نہیں ہوگا۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ اسے یہود کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے، بلکہ اس کا مفہوم عام رکھا جائے۔ چنانچہ علمائے اہلسنّت نے ''مَنْ لَّمْ یَحکُم بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مُسْتَھِیْنًا بِہٖ، مُنْکِرًا لَہٗ'' (کی قید لگائی ہے)، یعنی جو شخص اللہ کے حکم کی توہین اور تحقیر کرتے ہوئے اُس کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا، وہ کافر ہوگا، کیوں کہ احکامِ شرعیہ کی توہین اور تحقیر کی صرف وہی جرأت کرسکتا ہے، جس کا دل ایمان ویقین کے نور سے خالی ہو۔ علامہ بیضاوی نے اس شخص کو کافر، ظالم اور فاسق کہنے کی بڑی لطیف وجہ بیان کی ہے، فرماتے ہیں: فَکُفْرُھُمْ لِاِنْکَارِہٖ وَظُلْمُھُمْ بِالْحُکْمِ بِخِلَافِہٖ وَفِسْقُھُمْ بِالْخُرُوْجِ عَنْہُ، یعنی اس وجہ سے کہ انہوں نے احکامِ الٰہیہ کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا، وہ کافر ٹھہرے۔ اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اس قانون کو چھوڑ دیا، جو عین عدل وانصاف تھا، وہ ظلم کے مرتکب ہوئے۔ اور اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑا، وہ فاسق کہلائے۔ اس کے بعد بیضاوی فرماتے ہیں: یہ بھی جائز ہے کہ یہ تینوں لفظ کفر، ظلم اور فسق احکام الٰہیہ سے سرتابی کرنے والوں کے مختلف حالات کے پیش نظر کیے گئے ہوں، یعنی اگر اُس نے یہ سرتابی ازراہِ تمرُّد وتحقیر کی ہے، تو وہ کافر ہے اور اگر دل میں انکار تو نہیں بلکہ ویسے حکم عدولی ہوگئی ہے، تو وہ ظالم وفاسق ہوگا: وَیَجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ کُلٌّ وَاحِدَۃٍ مِّنَ الصِّفَاتِ الثَّلَاثِ بِاِعْتِبَارِ حَالٍ اِنْضَمَّتْ اِلَی الْاِمْتِنَاعِ عَنِ الْحُکْمِ بِہٖ مُلَائِمَۃً لَھَا

(بیضاوی)، (ضیاء القرآن، جلد:1، ص:475-474)

مفتی محمد شفیع صاحب المائدہ، آیات:44، 45 اور 47 میں تطبیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تیسرا حکم ان آیات میں یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کے

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

خلاف حکم دینا بعض صورتوں میں کفر ہے، جبکہ اعتقاد میں بھی اس کو حق نہ جانتا ہو۔ اور بعض صورتوں میں ظلم وفسق ہے، جب کہ عقیدہ کی رو سے توان احکام کو حق مانتا ہے، مگر عملاً اس کے خلاف کرتا ہے''۔ (معارف القرآن، جلد:3،ص:165)

علامہ غلام رسول سعیدی المائدہ، آیات:44،45اور 47 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس آیت (44) پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے، کفر نہیں ہے۔ اور اس آیت میں اس کو کافر قرار دیا ہے اور اس سے بظاہر خوارج کے مذہب کی تائید ہوتی ہے؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص جائز اور حلال سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کے موافق فیصلہ نہ کرے، وہ کافر ہے اور اس آیت سے یہی مراد ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ جو قرآن کا انکار کرتے ہوئے یا قرآن کا رد کرتے ہوئے یا قرآن مجید کی توہین کرتے ہوئے اُس کے موافق فیصلہ نہ کرے، وہ کافر ہے یا اس سے مراد ہے کہ جو شخص اللہ کے نازل کیے احکام کے موافق فیصلہ نہ کرے، وہ کافر کے مشابہ ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت کا سیاق وسباق یہود سے متعلق ہے؛ سو یہ وعید یہود کے بارے میں ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں، سو وہی لوگ ظالم ہیں، (المائدہ:45)۔ اور اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں، سو وہی لوگ فاسق ہیں، (المائدہ:47)۔ ان آیات کا مفہوم عام ہے، کیونکہ قرآن مجید کے موافق فیصلہ نہ کرنا ظلم اور فسق ہے، خواہ فیصلہ نہ کرنے والا مسلمان ہو یا یہودی ہو یا عیسائی''۔

(تبیان القرآن، جلد:3،ص:199)

☆ شریعت سے مراد وہ احکام ہیں جو قرآن، سنت، اجماع امت اور قیاس سے ثابت ہیں، ان کی تقسیم یہ ہے:

(ا) معروف: انہیں اَوامر اور مامورات بھی کہتے ہیں، انگریزی میں کہتے ہیں:What to do یعنی جن کاموں کے کرنے کا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام اور شریعت نے حکم دیا ہے۔ پھر معروف کی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

درجہ بندی کے اعتبار سے اقسام ہیں: فرضِ اعتقادی، فرضِ عملی، واجبِ اعتقادی، واجبِ عملی، سُنّتِ مؤکّدہ، سُنّتِ غیر مؤکّدہ، مُستحَب، اَولیٰ اور مُباح۔

(۲) منکر: انہیں نواہی اور مُحرَّمات وممنوعات بھی کہتے ہیں، انگریزی میں کہتے ہیں "What not to do"۔ درجہ بندی کے اعتبار سے ان کی اقسام ہیں: حرامِ قطعی، مکروہِ تحریمی، مکروہِ تنزیہی، اساءت اور خلافِ اولیٰ وغیرھا۔

ہمارے علمائے اصول نے درجہ بندی کے اعتبار سے ان کے ثبوت کے معیارات بھی متعین فرمادیے ہیں، ان میں سے جو احکام (خواہ ان کا تعلق اَوامر سے ہو یا نواہی سے) قَطعِیُّ الثُّبوت اور قَطعِیُّ الدَّلالت ہیں، ہر مومن پر دل سے ان کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار لازم ہے اور اُن پر عمل فرض ہے۔ ان کی قلبی تصدیق نہ کرنے والا اور منکر (جاحد) کافر ہے اور جو ان کی دل سے تصدیق بھی کرے اور زبان سے اقرار بھی کرے، مگر عملاً تارک ہو، وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق وفاجر ہے۔ اس کی تفسیق کی جائے گی، مگر تکفیر نہیں کی جائے گی۔ وہ اپنے کیے کی سزا پائے گا۔

سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسے معاف فرمادے، جیسا کہ اُس کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ اس جرم کو تو قطعاً معاف نہیں فرماتا کہ کوئی اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے اور اس کے علاوہ (اپنے کرمِ خاص سے) جسے چاہے، وہ معاف فرمادے''۔ (النساء:48)

شریعت کا منکر کافر و مرتد اور زِندیق وملحد ہے۔ علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان کلیبولی المعروف داماد آفندی متوفّٰی 1078ھ لکھتے ہیں:

وَیُکَفَّرُ بِقَوۡلِہٖ: مَاذَا أَعۡرِفُ الشَّرۡعَ أَوۡ قَالَ: مَاذَا أَصۡنَعُ بِالشَّرۡعِ۔

ترجمہ: ''(کسی شخص نے) یہ کہا: ''میں شریعت کو نہیں جانتا'' یا یہ کہا: ''میں شریعت کا کیا کروں؟''، (تو اپنے اِس قول کے سبب) وہ کافر ہوجائے گا''۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

وَیُکَفَّرُ بِقَوْلِہٖ: لَاتَوحِیْدَ فِیْ عَلَمِ الشَّرِیْعَۃِ أَوْ عِلْمُ الْحَقِیْقَۃِ أَعْلٰی مِنْ عِلْمِ الشَّرِیْعَۃِ أَوْلَاحَقِیْقَۃَ عِلْمَ الشَّرِیْعَۃِ۔

ترجمہ: ''(کسی شخص نے) یہ کہا: توحید علمِ شریعت میں (منحصر) نہیں ہے، یا یہ کہا: علمِ حقیقت، علمِ شریعت سے اعلیٰ ہے یا یہ کہا کہ علمِ شریعت کی کوئی حقیقت نہیں ہے، (تو اپنے اِس قول کے سبب) وہ کافر ہوجائے گا''۔ (مجمعُ الانہر، جلد 2، ص: 511-510)

علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ متوفّٰی 1161ھ لکھتے ہیں:

رَجُلٌ عَرَضَ عَلَیْہِ خَصْمُہٗ فَتْوَی الْأَئِمَّۃِ فَرَدَّھَاوَقَالَ چِہٗ بارنامہ فتویٰ آوردۂ قِیْلَ یُکَفَّرُ لِأَنَّہٗ رَدَّحُکْمَ الشَّرْعِ وَکَذَا لَوْلَمْ یَقُلْ شَیْئًا وَلٰکِنْ أَلْقَی الْفَتْوٰی عَلَی الْأَرْضِ وَقَالَ این چہ شرع است کُفِّرَ۔

ترجمہ: ''ایک شخص پر اس کے فریقِ مخالف نے ائمۂ فقہ کا فتویٰ پیش کیا، اس نے اسے رَد کردیا اور کہا: کتنی بار فتویٰ کا نام لوگے؟، ایک قول کے مطابق وہ کافر ہوجائے گا کیونکہ اُس نے شریعت کے حکم کو رَد کیا ہے، اسی طرح اگر اس نے زبان سے تو کچھ نہ کہا، لیکن (حقارت سے) فتویٰ زمین پر پھینک دیا اور کہا کہ یہ کیسی شریعت ہے؟، اس کی تکفیر کی جائے گی''۔

(فتاویٰ عالمگیری، جلد 2، ص: 272، مکتبۂ رشیدیہ، کوئٹہ)

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز سے سوال کیا گیا: ''زید اور خالد دونوں بھائی حقیقی ہیں، مُسَمّٰی زید قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا اور اس کا برادر خالد موجود ہے اور زید مرحوم کی دو بیویاں اور دو بیٹیاں موجود ہیں۔ زید کے داماد نے خالد کو کہا: شریعت مبارکہ کی رُو سے وراثت تقسیم ہونی چاہیے، کیونکہ ہم سب اہلِ اسلام شریعت کے پابند ہیں۔ شرعِ محمدی پر فیصلہ ہونا چاہیے۔ خالد، جو متروکہ زید پر قابض وجابر ہے، نے صاف کہہ دیا کہ'' ہم کو شریعت نامنظور ہے بلکہ رواج منظور''۔ اب فرمائیے: شریعت کی رُو سے خالد کا کیا حکم ہے، نکاح رہا یا فسخ ہوگیا؟۔ آپ نے جواب میں لکھا: اگر یہ بیان درست ہے تو خالد پر حکمِ کفر

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ہے اور اس کا نکاح فسخ ہوگیا، اس پر توبہ فرض ہے، نئے سرے سے اسلام لائے، اس کے بعد اگر عورت راضی ہو اس سے دوبارہ نکاح کرے، عالمگیریہ میں ہے:

اِذَاقَالَ الرَّجُلُ لِغَیْرِہٖ: حُکْمُ الشَّرْعِ ھٰذِہِ الْحَادِثَۃِ کَذَا، فَقَالَ ذٰلِکَ الْغَیْرُمَنْ بَرسم کار می کنم نہ بشرع، یُکَفَّرُ عِنْدَ بَعْضِ الْمَشَائِخِ

ترجمہ: ''جب ایک شخص نے دوسرے سے کہا: اس معاملہ میں شریعت کا حکم یہ ہے، تو دوسرا جواباً کہتا ہے: میں تو رسم کے مطابق کروں گا نہ کہ شرع کے مطابق، تو بعض مشائخ کے نزدیک کافر ہوجائے گا''۔

أَقُولُ وَصُورَۃُ النَّازِلَۃِ أَشَدُّ مِنْ ھٰذَا بِکَثِیْرٍ فَاِنَّ ھٰذَا اِخْبَارٌ عَنْ عَمَلِہٖ وَالرَّجُلُ بِمَا یَعْمَلُ بِالْمَعْصِیَۃِ وَھُوَلَا یَرْضَاھَا فَیَکُونُ عَاصِیًا لَا کَافِرًا لِعَدَمِ الْإِسْتِحْسَانِ وَالْإِسْتِحْلَالِ بِخِلَافِ مَا نَحْنُ فِیْہِ فَاِنَّہٗ صَرِیْحٌ فِی عَدَمِ قَبُولِ الشَّرْعِ وَتَرْجِیْحِ الرَّسْمِ عَلَیْہِ فَکَانَ کَالْمَسْاَلَۃِ قَبْلَھَا، رَجُلٌ قَالَ لِخَصْمِہٖ اِذْھَبْ مَعِیَ اِلَی الشَّرْعِ قَالَ بیادہ بیار تا بروم بے جبر نروم یُکَفَّرُ لِاَنَّہٗ عَانَدَ الشَّرْعَ۔

ترجمہ: ''میں کہتا ہوں: زیر بحث صورتِ مسئلہ تو اس سے بھی بہت زیادہ شدید ہے، کیونکہ اس میں اس کے عمل کی اطلاع ہے اور آدمی بہت دفعہ معصیت کا عمل کرتا ہے مگر اسے گناہ تصور کرتا ہے اور دلی طور پر خوش نہیں ہوتا، تو اب عاصی ٹھہرا نہ کہ کافر، کیونکہ اس نے اسے پسندیدہ اور حلال تصور نہیں کیا اس کے برعکس سوال میں جو صورت بیان کی گئی ہے، اُس میں شریعت کا انکار کر رہا ہے اور رواج کو شریعت پر ترجیح دے رہا ہے، یہ اس سے قبل والے مسئلے جیسا ہے، کہ کسی نے مخالف سے کہا میرے ساتھ شریعت کی طرف چل، تو وہ کہنے لگا: پیغامِ شریعت لادے تاکہ میں چلوں۔ شریعت کا حکم جانے بغیر میں اُس کی طرف نہیں جاؤں گا، تو وہ کافر ہوجائے گا، کیونکہ اس نے شریعت سے عناد کو روا رکھا ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 19، ص: 692-691، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

الغرض احکامِ الٰہی یا احکامِ شرعیہ پر اپنی سرکشی یا کوتاہی کی وجہ سے عمل نہ کرنا ظلم، فسق

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اور گناہِ کبیرہ ہے، لیکن محض ترکِ فرائض اور ارتکابِ مُحرّمات پر تکفیر نہیں کی جائے گی۔ البتہ احکامِ الٰہی اور احکامِ شرعیہ کا استخفاف (To Belittle، To undervalue) و اہانت (Insult) اور انہیں حقیر جاننا، یہ بلاشبہ کفر ہے۔

اگر آپ کا بیان درست ہے کہ متوفّی ملک اللہ یار کے شرعی ورثاء میں صرف ایک بیٹی، دو بھائی اور ایک بہن تھی، تو ان کا ترکہ دس حصوں میں منقسم ہوگا اور ورثاء کے حصے حسبِ ذیل ہوں گے:

بیٹی پانچ حصے، دو بھائی چار حصے فی کس دو حصے، ایک بہن ایک حصہ۔

آپ نے لکھا ہے کہ ترکے کی تقسیم شریعت کے مطابق ہو چکی ہے، اسے ہر صورت میں قائم رکھا جائے اور اس پر عمل درآمد بھی ہو گیا ہے۔ عبداللطیف کا یہ تقاضا یا اصرار کہ شریعت کا فیصلہ ہمیں قبول نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ عبداللطیف شریعت کے مقابل کس قانون کے تحت تقسیم وراثت کا مطالبہ کر رہے ہیں، زیادہ سے زیادہ ملکی قانون کی بات کریں گے، تو ملکی قانون بھی اسلامی قانونِ وراثت کو تسلیم کرتا ہے، تو ان کے لیے کوئی اور راستہ ہے ہی نہیں۔ یہ شرعاً وقانوناً مردود ہے، اُسے چاہیے کہ توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔

ملک اللہ یار کا بھتیجا چونکہ وراثت میں حصے دار نہیں ہے، اس لیے اس کے حق میں اگر ایک تہائی ترکے کی وصیت کی گئی ہے، تو یہ وصیت جائز ہے، مؤثر ہے اور نافذ العمل ہے۔ لیکن اگر اُس وصیت کے درست ہونے پر کسی کو اعتراض ہے، تو اس کا فیصلہ یا تو عدالت میں ہو سکتا ہے، یا دونوں فریق (ملک اللہ یار کا بھتیجا اور نواسا) اپنے علاقے کے کسی ثقہ عالم اور مفتی کو حکم (ثالث) مقرر کر لیں اور دونوں تحریر لکھ کر دیں کہ اُن کا شرعی فیصلہ انہیں قبول ہوگا اور وہ اسے کسی عدالت میں چیلنج نہیں کریں گے۔

صورتِ مسئولہ میں نواسے کا دعویٰ ہے کہ وصیت جعلی ہے اور بھتیجے کا موقف ہے کہ وصیت اصلی ہے، تو ''اَلْبَیِّنَةُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ''، کے اصول کے تحت یا تو مدعی (ملک اللہ یار کا نواسا) اپنے دعوے کے حق میں گواہ پیش کرے کہ یہ وصیت جعلی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ہے، اگر وہ ثقہ گواہوں کے ذریعے وصیت کو جعلی ثابت کردے اور عدالت یا حکم اس کے دعوے کی صحت کو تسلیم کرلیں تو وصیت کے باطل ہونے کا حکم دیا جائے گا، ورنہ مدعیٰ علیہ (ملک اللہ یار کے بھتیجے) کو قسم دی جائے گی کہ یہ وصیت اصلی ہے اور درست ہے، تو قسم کے ساتھ اس کا موقف تسلیم کرلیا جائے گا اور وصیت مؤثر اور نافذ العمل ہوجائے گی۔

☆ کسی کا حق غصب کرنا ناجائز وحرام ہے، ناجائز غاصبین اور قابضین کو اِس سے باز آنا چاہیے۔ حدیث پاک میں اِس پر شدید وعید آئی ہے، اس وعید کا مصداق بننے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا، طَوَّقَهُ اللهُ اِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِيْنَ''۔

ترجمہ: ''جو شخص کسی کی زمین کا ایک بالشت ٹکڑا بھی ظلماً (یعنی ناحق) لے گا، تو اُسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (سزا کے طور پر) سات زمینوں کا طوق پہنائے گا''۔ (صحیح مسلم:4055)

مُحدّثین کرام نے اس حدیث کی تشریح دو طرح سے کی ہے۔ ایک یہ کہ اس ظلم کی سزا کے طور پر سات زمینوں کا طوق اُس کے گلے میں پہنایا جائے گا، دوسری یہ کہ ناحق غصب کی ہوئی زمین کا طوق اس کے گلے میں پہنایا جائے گا اور اسے حکم دیا جائے گا کہ اسے سات زمینوں تک گھسیٹتا پھرے۔ اُخروی عذاب کی وعیدیں احادیث میں بکثرت موجود ہیں۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

عَنْ اُمِّ سلمۃَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ، فَاَقْضِيْ لَهٗ عَلٰى نَحْوِ مَا اَسْمَعُ مِنْهُ، فَمَنْ قَطَعْتُ لَهٗ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ شَيْئًا، فَلَا يَاْخُذْهُ، فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ بِهٖ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ۔

ترجمہ: ''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے موقف کو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ مؤثر استدلال کے ساتھ پیش کرے اور اس سماعت کے اعتبار سے میں بالفرض اس کے حق میں فیصلہ کردوں، سو جس شخص کو میں اس کے بھائی کا حق دے دوں وہ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اس کو نہ لے، کیونکہ میں اس کو آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں''۔(صحیح مسلم:4470)

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد تعلیم امت کے لیے ہے، آپ ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ اشیاء کے حقائق اور اَسرار پر بھی مطلع فرماتا تھا، لیکن عام حاکم اور قاضی کو ظاہری شواہد اور دلائل پر فیصلہ کرنا ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ بعض صورتوں میں سارے حقائق اور شواہد قاضی کے سامنے نہ آئیں یا کسی فریق کی قوتِ استدلال سے متاثر ہو کر قاضی اُس کے حق میں فیصلہ دے دے، جو اجتہادی خطا پر مبنی ہو، تو اگرچہ فیصلہ قضاءً اور ظاہراً نافذ ہو جائے گا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر قاضی کا وہ فیصلہ حقیقت کے خلاف ہے اور اس کے نتیجے میں دوسرے کا حق اُسے مل گیا ہے، تو وہ آگ کا ٹکڑا ہے، اس کے عوض اسے جہنم کی آگ میں جھلسنا پڑے گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ دنیا کے عارضی نفع سے خود ہی دستبردار ہو جائے، حق دار کو اُس کا حق لوٹا دے، ورنہ آخرت کا خسارہ ہوگا۔

مُتوفّٰی ملک اللہ یار کے نواسے عبداللطیف کا، اُن کے زندہ بھائی کو مُردہ لکھوانا، یہ صریح کذب ہے، خیانت ہے اور اسے حقِ وراثت سے محروم کرنا ہے۔ اگر مُتوفّٰی ملک اللہ یار کے مذکورہ بھائی اُس کی وفات کے وقت زندہ تھے، تو شرعاً اور قانوناً اس کے وارث ہیں۔ لہٰذا وہ عدالت کے ذریعے اس جھوٹ، خیانت اور دھوکا دہی کے تحت کی گئی ساری کارروائی کو باطل قرار دے سکتے ہیں۔

فوت شدہ ملازم کی پنشن اور جی پی فنڈ کا استحقاق

سوال:

میرا بیٹا پولیس میں ہیڈ کانسٹیبل تھا، شہید کر دیا گیا، ورثاء میں میں (یعنی والد)، ایک بیوہ اور دو بیٹے ہیں۔ محکمے کی طرف سے ملنے والی سہولیات، پنشن اور فنڈ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟۔(سید علی جان، کراچی)۔

جواب:

آپ کے بیٹے کی جو رقم اُن کے جی پی فنڈ کی جمع تھی، جو لازمی طور پر اُن کی تنخواہ سے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کٹتی تھی یا رضا کارانہ طور پر وہ ماہانہ کٹوتی کراتے تھے، وہ اُن کا ترکہ ہے اور مجموعی ترکے میں شامل ہوکر شرعی ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ اگر ورثاء وہی ہیں، جن کا آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے، تو ترکہ 24 حصوں میں منقسم ہوگا اور ورثاء کا تناسب حسبِ ذیل ہوگا:

باپ: 5 حصے بیوہ: 3 حصے دو بیٹیوں کو 16 حصے (فی کس 8 حصے)

پنشن حکومت کی طرف سے تبرّع اور احسان ہے اور حکومت کے قانون کے مطابق بیوہ کے نام جاری ہوتی ہے اور بیوہ کی وفات یا اُس کی دوسری شادی کی صورت میں مرحوم کی نابالغ بیٹوں کے نام جاری ہوگی، اِس میں حکومت کے قانون کے مطابق عمل ہوگا، وراثت جاری نہیں ہوگی۔ حکومت دورانِ ملازمت ڈیوٹی ادا کرتے ہوئے شہادت کی صورت میں فوت شدہ ملازم کے ورثاء کو جو زَرِتعاون دیتی ہے، یہ بھی حکومت کے قانون پر منحصر ہے، اگر حکومت کے قانون کے مطابق یہ فوت شدہ ملازم کی بیوہ اور بچوں کے لیے ہے، تو اُن کو ملے گا اور اگر تمام ورثاء کے لیے ہے، تو اوپر بیان کیے ہوئے تناسب کے مطابق تمام ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

دیت قصاص نہیں بلکہ خون بہا ہے

سوال:

ایک آدمی کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوگیا، ورثاء میں ایک بیوہ، چار بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ قصاص کے طور پر ڈرائیور سے ساڑھے چار لاکھ روپے ملے ہیں۔ اس رقم کی تقسیم کس طرح ہوگی؟۔ (ملک محمد شفیق، کراچی)

جواب:

آپ نے سوال میں ''قصاص کے طور پر'' لکھا ہے، خون کے بدلے خون کو قصاص کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ ۚ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ترجمہ:''اور ہم نے اُن پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ناک کا بدلہ ناک اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں میں بدلہ ہے، تو جس نے خوشی سے بدلہ دیا، تو وہ اس (کے گناہ) کا کفارہ ہے''۔(المائدہ:45)

قصاص صرف قتلِ عمد یا ضربِ عمد میں ہوتا ہے، قتلِ خطا میں دیت، کفارہ اور توبہ ہے۔ دیت جانی نقصان کے مالی بدل کو کہتے ہیں۔ٹریفک حادثہ میں جو اَموات ہوتی ہیں، وہ قتلِ خطا کی ذیلی قسم ''قتل بالسّبب'' کے حکم میں ہے۔اس میں ڈرائیور یا اُس کی عاقلہ پر دیت لازم ہوتی ہے، جس کی مقدار شریعت میں مُتعیّن ہے۔آپ نے لکھا ہے کہ دیت کی رقم ڈرائیور سے ساڑھے چار لاکھ روپے ملے ہیں، علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں:

وَقَتْلُ الْخَطَأِ تَجِبُ بِهِ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ، وَالْكَفَّارَةُ عَلَى الْقَاتِلِ، لِمَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ، قَالَ: وَالدِّيَةُ فِي الْخَطَأِ مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ أَخْمَاسًا عِشْرُوْنَ بِنْتَ مَخَاضٍ، وَّعِشْرُوْنَ بِنْتَ لَبُوْنٍ، وَّعِشْرُوْنَ ابْنَ مَخَاضٍ، وَّعِشْرُوْنَ حِقَّةً، وَّعِشْرُوْنَ جَذَعَةً، قَالَ وَمِنَ الْعَيْنِ اَلْفُ دِيْنَارٍ وَمِنَ الْوَرِقِ عَشَرَةُ الْاٰفِ دِرْهَمٍ۔

ترجمہ:''امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک قتلِ خطا میں پانچ قسم کی سو اونٹنیاں ہیں: بیس دوسرے سال کی اونٹنیاں، بیس تیسرے سال کی اونٹنیاں، بیس دوسرے سال کے اونٹ، بیس چوتھے سال کی اونٹنیاں، اور بیس پانچویں سال کی اونٹنیاں یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہوں''۔(الہدایہ، جلد:8،ص:72)

ایک ہزار دینار چار اعشاریہ تین سات چار (۴،۴۷۳) کلوگرام سونے کے برابر ہیں اور دس ہزار درہم چاندی تیس اعشاریہ چھ ایک آٹھ (۳۰،۶۱۸) کلوگرام چاندی کے برابر ہیں یا اس کی موجودہ بازاری قیمت (Market Value) کے مطابق رقم ہے۔ دیت کی رقم مقتول کے ورثاء میں قانونِ وراثت کے مطابق تقسیم ہوگی۔اُس رقم کے 72 حصے ہوں گے، بیوہ کو 9 حصے، چاروں بیٹوں کو 56 حصے (فی کس 14 حصے) اور ایک بیٹی کو 7 حصے ملیں گے۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

تقسیمِ ترکہ اور حقِ ملکیت کے درمیان فرق

سوال:

حاجی عبدالحفیظ نے دوشادیاں کی تھیں، پہلی بیوی ظہیرالنساء کا انتقال 1951ء میں ہوا، اُن سے ایک بیٹا (عبدالعتیق) دو بیٹیاں (کنیز فاطمہ، انیس فاطمہ) تھیں۔حاجی عبدالحفیظ کا انتقال 1989ء میں ہوا، دوسری بیوی شمس النساء کا انتقال 1997ء میں ہوا، شمس النساء سے 8 بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔عبدالحفیظ کے ترکے میں ایک مکان اور ایک دوکان ہے۔شمس النساء کے ترکے میں ایک مکان ہے۔ترکے کی تقسیم کس طرح ہوگی؟۔

شمس النساء کے بیٹوں کے نام:

(۱) عبدالرؤف (۲) عبدالرشید (۳) عبدالمعین (۴) عبدالکلیم (۵) عبدالنعیم (۶) عبدالعلیم (۷) عبدالقادر (۸) عبدالمبین اور ایک بیٹی اعجاز فاطمہ ہیں۔

(۲) عبدالعتیق اور عبدالرؤف کے نام کارخانہ ومکان ہیں، اُن کا کیا حکم ہے؟

(عبدالرؤف، فیڈرل بی ایریا، کراچی)

جواب:

شریعت کی رُو سے کسی بھی وفات یافتہ (فوت شدہ) شخص کا ترکہ تقسیم کرنے سے قبل (1) مصارف تکفین وتدفین (2) متوفی کے ذمہ اگر کسی کا قرض ہو، تو قرض کی ادائیگی (3) اگر متوفی نے کوئی وصیت کی ہوتو زیادہ سے زیادہ تہائی ترکے کی حد تک اس کا نفاذ، بشرطیکہ یہ وصیت کسی شرعی وارث کے حق میں نہ ہو، یہ تین امور تقسیمِ وراثت سے مقدم ہوتے ہیں، ان کو منہا کرنے کے بعد بقیہ ترکہ ورثاء میں تقسیم ہوتا ہے۔حاجی عبدالحفیظ مرحوم کا ترکہ 408 حصوں میں تقسیم ہوگا، ورثاء کے حصص درج ذیل ہوں گے:

عبدالرؤف	عبدالرشید	عبدالمعین	عبدالکلیم	عبدالنعیم	عبدالعلیم
40	40	40	40	40	40

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

[illegible]	عبدالمبین	اعجاز فاطمہ	عبدالعتیق	کنیز فاطمہ	انیس فاطمہ
40	40	20	34	17	17

شمس النساء مرحومہ کا ترکہ اُن کے آٹھ بیٹے اور ایک بیٹی کے درمیان ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ'' ایک لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے، النساء: 11 کے تحت تقسیم ہوگا۔

(۲) مذکورہ کارخانہ و مکان اگر عبدالعتیق اور عبدالرؤف کی ذاتی ملکیت ہیں تو تقسیم کا سوال پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر والد کی طرف سے ہبہ تھا اور قبضہ بھی پایا گیا تو یہ اِن دونوں کی ملکیت شمار ہوگا، بہن بھائیوں کا تقسیم کے مطالبے کا حق حاصل نہیں۔ لیکن اگر محض نام کیا تھا، قبضہ نہیں دیا تھا، تو شرعاً محض نام کر دینے سے ملکیت تام نہیں ہوتی۔ حقیقی یا حکمی طور پر قبضہ ضروری ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

قَالَ فِي التَّتَارْخَانِيَةِ: قَدْ ذَكَرْنَا أَنَّ الْهِبَةَ لَاتَتِمُّ إِلَّا بِالْقَبْضِ وَالْقَبْضُ نَوْعَانِ: حَقِيْقِيٌّ وَأَنَّهُ ظَاهِرٌ، وَحُكْمِيٌّ وَذٰلِكَ بِالتَّخْلِيَةِ۔

ترجمہ: ''تتارخانیہ میں ہے: ہم ذکر کر چکے ہیں کہ بے شک ہبہ قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اور قبضہ کی دو قسمیں ہیں: حقیقی: وہ تو ظاہر ہے اور حکمی تو وہ تخلیہ سے ہوتا ہے''۔

(منحۃ الخالق علی حاشیۃ البحر الرائق، جلد 7، ص: 486)

تخلیہ سے مراد ہبہ شدہ مکان یا زمین کو اپنے استعمال، تصرُّف اور قبضے سے نکال دینا تاکہ جس شخص کو یہ جائیداد ہبہ کی گئی ہے، وہ اس پر قبضہ کر سکے اور اس قبضے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ ہم نے یہ شرعی حکم بیان کیا ہے، قانونی معاملات کے لیے کسی ماہر قانون سے رجوع کریں۔

لاولد پھوپھی کے ترکے میں بھتیجے عصبہ بنیں گے

سوال:

ایک غیر شادی شدہ 71 سالہ خاتون کا انتقال اگست 2013ء میں ہوا، ورثاء میں تین

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

بھائیوں کی اولاد گیارہ بھتیجے اور ایک بھتیجی ہے اور ایک چچا ہے۔ایک بھتیجا 6 سال سے لاپتا ہے، مرحومہ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟۔ (ڈاکٹر کاشف اسلام صدیقی، حیات آباد پشاور)

جواب:

صورتِ مسئولہ میں اگر مُتوفّاۃ کے ذوی الفروض میں سے کوئی قرابت دار موجود نہیں ہے تو گیارہ بھتیجے عصبہ بنیں گے اور کل ترکہ انہیں ملے گا، بھتیجی محروم رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔

ترجمہ: ''ذوی الفروض (یعنی وہ ورثاء جن کے حصے قرآن میں مقرر ہیں) کو ان کے مقررہ حصے دے دو، بعدازاں جو کچھ ان سے بچ رہے تو وہ قریب ترین مرد وارث کے لیے ہے''۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: 6735)

علامہ ابن عابدین شامی ''سراجی'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

مِنْ أَنَّ مَنْ لَا فَرْضَ لَهَا مِنَ الإِنَاثِ وَأَخُوهَا عَصَبَةٌ لَا تَصِيرُ عصبةً بِأَخِيهَا كَالْعَمِّ وَالْعَمَّةِ اذا كَانَا لِأَبٍ وَأُمٍّ أَوْ لِأَبٍ وَكَانَ الْمَالُ كُلُّهُ لِلْعَمِّ دُونَ الْعَمَّةِ۔

ترجمہ: ''وہ عورتیں جن کا شریعت کی رُو سے ترکے میں کوئی حصہ مقرر نہیں ہے اور ان کا بھائی عصبہ ہے تو وہ اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ نہیں بنیں گی، جیسے چچا اور پھوپھی جو حقیقی بہن بھائی ہوں یا علاتی کل ترکہ چچا کو ملے گا نہ کہ پھوپھی کو''۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد: 10، ص: 429، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

اس کی شرح میں مفتی یار محمد قادری لکھتے ہیں:

كَذٰلِكَ اِبْنُ الْعَمِّ يَرِثُ دُوْنَ بِنْتِ الْعَمِّ وَابْنُ الْاَخِ يَرِثُ دُوْنَ بِنْتِ الْاَخِ۔

ترجمہ: ''اور اسی طرح چچا کا بیٹا وارث بنے گا نہ کہ چچا کی بیٹی اور اسی طرح بھتیجا عصبہ بنے گا نہ کہ بھتیجی'' (مشکوٰۃ الحواشی فی شرح السراجی، ص: 60)۔یہی مسئلہ فتاویٰ شامی میں بھی ہے۔

اسلام کے قانون وراثت کی رُو سے عصبات میں جو مرد میت کے زیادہ قریب ہے، وہ مُقدّم ہے، چونکہ بھتیجے چچا کے مقابل زیادہ قریب ہیں لہٰذا چچا محروم رہے گا اور کل ترکہ گیارہ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

بھتیجوں کے درمیان مساوی بنیاد پر تقسیم ہوگا۔

اسلامی قانونِ وراثت کا اصول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص لاپتا ہوجائے اور اُس کی زندگی یا موت کے بارے میں کسی کو حتمی علم نہ ہو تو وہ شخص اپنے مال کے اعتبار سے زندہ تصور کیا جائے گا، یعنی اُس کا مال اُس وقت تک تقسیم نہیں کیا جاسکتا تاوقتیکہ اُس کی موت کے بارے میں کوئی شہادت یا ثبوت حاصل ہوجائے یا قاضی اور حاکم اس کی موت کا حکم جاری کر دیں۔ اسی طرح اگر وہ مفقود الخبر کسی غیر کا وارث بن رہا ہے، تو اس کا حصہ اس کی موت کے ثبوت یا عدالتی فیصلے تک موقوف رکھا جائے گا، اگر اُس کی موت کا ثبوت مل گیا یا اُس کی موت کے بارے میں عدالتی حکم جاری ہوگیا، تو اس صورت میں وہ مال وارثوں کی طرف لوٹایا جائے گا جو مفقود الخبر کے مفقود ہونے کے وقت زندہ تھے۔ لیکن یہی گم شدہ شخص اگر کسی کا وارث ہے تو اِس کو وراثت سے حصہ نہیں ملے گا۔ امام سراج الدین محمد بن عبدالرشید (مُصنفِ سراجی) لکھتے ہیں:

اَلْمَفْقُوْدُ حَیٌّ فِی مَالِهٖ حَتّٰی لَایَرِثَ مِنْهُ اَحَدٌ وَمَیِّتٌ فِیْ مَالِ غَیْرِهٖ حَتّٰی لَایَرِثَ مِنْ أَحَدٍ وَیُوْقَفُ مَالُهٗ حَتّٰی یَصِحَّ مَوْتُهٗ أَوْتَمْضِی عَلَیْهِ مُدَّةٌ۔

ترجمہ: ''مفقود (لاپتا) شخص اپنے مال کے اعتبار سے زندہ ہے یہاں تک کہ اُس کا کوئی وارث نہیں ہوگا (یعنی اس کا مال بطور وراثت تقسیم نہیں ہوگا) اور دوسرے شخص کی میراث کے بارے میں وہ مردہ شمار کیا جائے گا اور وہ کسی کا وارث نہیں بنے گا، اُس کا مال موقوف رکھا جائے گا یہاں تک کہ اُس کی موت ثابت ہوجائے یا اس پر (طویل) مدت گزر جائے''۔

(سراجی، ص:107)

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

''وَیُقْسَمُ مَالُهٗ بَیْنَ مَن یَّرِثُهُ الآنَ وَیُحْکَمُ بِمَوْتِهٖ فِیْ حَقِّ مَالِ غَیْرِهٖ مِنْ حِیْنِ فَقْدِهٖ، فَیُرَدُّ الْمَوْقُوْفُ اِلٰی مَنْ یَرِثُهُ مُوَرِّثُهُ عِنْدَ مَوْتِهٖ''۔

ہم اس عبارت کا مفہوم بیان کرتے ہیں: مفقود الخبر کی موت کا جب ثبوت مل جائے یا

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

عدالت اُس کی موت کا حکم جاری کردے، تو اُس کا اپنا مال اُس کے اُن وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا، جو موت کے ثبوت یا موت کا حکم لگانے کے وقت موجود ہیں۔لیکن کسی دوسرے مُورِث کے مال میں اُس کا جو حصہ موقوف رکھا گیا تھا، اُسے اُس مورِث کے اُن وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا جو اس کے مفقود ہونے کے وقت موجود تھے،یعنی اُن کے حق میں اس کی موت کا حکم مفقود ہونے کے وقت سے لگایا جائے گا۔اس باریک فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔
(حاشیہ ابن عابدین، ج:13،ص:54-253،دارالثقافۃ والتراث دمشق)

امام احمد رضا قادری نے فتاویٰ رضویہ ج:26،ص:99 پر مفقود الخبر کی وراثت کا جو مسئلہ بیان کیا ہے،اس کا خلاصہ بھی یہی ہے۔انہوں نے تنویر الابصار کی عبارت کے ایک حصے ''بَلْ یُوْقَفُ قِسْطُہٗ'' کو کافی فصل کے بعد آنے والی مندرجہ بالا عبارت کے ساتھ جوڑا ہے،جس کے معنی یہ ہیں کہ مالِ غیر میں مفقود الخبر کے حصے کو موقوف رکھا جائے گا اور اُس کی موت کا تعیّن ہونے تک اُس کا وہ حصہ اُس کے مفقود ہونے کے وقت موجود اُس مورِث کے وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

زندگی میں مال کی تقسیم کا حکم

سوال:
میں نے دو شادیاں کی تھیں ،پہلی بیوی کو طلاق دے دی ،اُس سے ایک بیٹی ہے۔دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہے۔میں نے اپنا مکان اپنی دوسری بیوی کو گفٹ کر دیا ہے چونکہ اُسی مکان میں رہتے ہیں،تو بیوی کو مکان کا قبضہ بھی دے دیا ہے۔علاوہ ازیں میرے چار بھتیجے اور ایک بھتیجی بھی ہے۔ بیٹی سے کوئی رابطہ نہیں ہے،اُس کے بارے میں کچھ نہیں پتا کہ وہ کہاں ہے۔معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا میری جائیداد میں بیٹی کا حصہ ہے؟۔
(نصیر احمد فضلی،کراچی)

جواب:
ابھی آپ ماشاءاللہ حیات ہیں،کسی کی زندگی میں اُس کا مال بطور ترکہ تقسیم نہیں ہوتا،

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

تقسیم کا عمل پہلے بتانا اِس لیے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کس کی موت پہلے واقع ہوگی اور کس کی بعد میں، کون وارث بنے گا اور کون مورث (جس کی وراثت دوسروں کو ملے گی)؟۔

آپ کے بیان کے مطابق جو مکان آپ نے اپنی اہلیہ کو ہبہ (Gift) کردیا اور اُس پر قبضہ بھی دے دیا ہے، یہ مکان اب خاتون کی ملکیت ہے اور اُن کے انتقال کے بعد اُن کے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ اگر اُس مکان کے علاوہ آپ کا مزید کوئی مال نہیں ہے، تو آپ نے اپنی بیٹی کو محروم کیا، یہ بہتر نہیں ہے۔ بلاوجہ شرعی وارث کو محروم کرنے پر سخت وعید آئی ہے۔

ایک طویل حدیث میں سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے سال میری عیادت کے لیے تشریف لائے، میں نے اپنی تکلیف کی شکایت کی اور دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس کچھ مال ہے اور میری ایک بیٹی ہے، کیا میں اپنے مال سے دوتہائی صدقہ کروں؟، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، آپ نے پوچھا: نصف (صدقہ کروں) آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، پھر فرمایا:

اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ کَبِیرٌ أَو کَثِیرٌ، اِنَّکَ أَن تَذَرَ وَرَثَتَکَ أَغنِیَاءَ، خَیرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَھُمْ عَالَةً یَتَکَفَّفُونَ النَّاسَ، وَاِنَّکَ لَنْ تُنفِقَ نَفَقَةً تَبتَغِیْ بِھَا وَجهَ اللهِ اِلَّا أُجِرتَ بِھَا، حَتّٰی مَا تَجعَلُ فِیْ فِی امْرَأَتِکَ۔

ترجمہ: ''تہائی (صدقہ کرو) اور تہائی بھی بہت ہے، زیادہ ہے، تمہارا اپنے ورثاء کو مال دار چھوڑنا، اُس سے بہتر ہے کہ تم اپنے عیال کو تنگ دست چھوڑ جاؤ اور وہ دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کریں اور تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو کچھ خرچ کروگے، اُس کا اجر ملے گا یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالوگے'' (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 1295)۔

ایک بیٹی کو ترکے کا نصف حصہ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَةً فَلَھَا النِّصْفُ ؕ

ترجمہ: ''اور اگر صرف ایک بیٹی ہو تو اُس کا حصہ (کل ترکے کا) نصف ہے''۔ (النساء: 11)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

آپ کے انتقال کے بعد آپ کے ترکے سے آپ کی بیٹی کا نصف حصہ محفوظ رکھا جا سکتا ہے کیونکہ وہ آپ کی شرعی وارث ہے، قطع نظر اس کے کہ اُس سے آپ کا اپنی زندگی میں کسی قسم کا کوئی رابطہ ہو یا نہ ہو۔

امدادی رقم اور بیمہ پالیسی بطور ترکہ تقسیم ہونے کا ایک مسئلہ

سوال:

ایک سرکاری ملازم کی فوتگی کے بعد درج ذیل رقم ترکہ ہوگی یا نہیں:

(۱) نجی بیمہ پالیسی (۲) سرکاری بیمہ پالیسی (۳) ساڑھے تین لاکھ روپے بطور امدادی رقم حکومتِ بلوچستان۔ لواحقین میں ایک بیوہ، ایک بیٹا، والد اور والدہ۔ ترکے کی تقسیم، کس طرح ہوگی۔ مہر کی رقم اور قرض کا حکم کیا ہوگا؟، (محمد عیسیٰ، لسبیلہ)۔

جواب:

شریعت کی رُو سے کسی بھی وفات یافتہ (فوت شدہ) شخص کے ترکے کی تقسیم سے پہلے کے تین لازمی امور (مصارف کفن ودفن، قرض کی ادائیگی، اگر میت کے ذمے کوئی قرض ہے، اگر کوئی وصیت کی ہو تو زیادہ سے زیادہ تہائی ترکے کی حد تک اس کا نفاذ بشرطیکہ یہ وصیت کسی وارث کے حق میں نہ ہو) نمٹانے کے بعد جو بچے گا، وہ ورثاء میں تقسیم ہوگا، اگر بیوی کا مہر مؤجل (Deferred) تھا اور شوہر نے اپنی زندگی میں ادا نہیں کیا، تو وہ بھی ورثاء میں ترکے کی تقسیم سے قبل وضع ہوگا۔ کل ترکہ 24 حصوں میں تقسیم ہوگا، بیوہ کو 3 حصے، والد کو 4 حصے، والدہ کو 4 حصے اور بیٹے کو 13 حصے ملیں گے۔ قرض اور مہر کی ادائیگی ترکے کی تقسیم سے قبل ترکے سے کی جائے گی۔

امدادی رقم کی تقسیم کے لیے حکومت کا کوئی قانون یا روایت پہلے سے موجود ہے، تو وہ اس پر عمل کر سکتی ہے، جیسے حکومت وفات یافتہ سرکاری ملازم کی پنشن اس کی بیوہ کو دیتی ہے، لیکن اگر بیوی شوہر کی وفات کے بعد عدت گزار کر دوسری شادی کر لے، تو پنشن روک دی جاتی ہے، یا اگر اس شخص کی نابالغ اولاد ہو تو ان کے نام جاری کی جاتی ہے۔ حکومت

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

بلوچستان کی امدادی رقم بھی حکومت کے قانون کے مطابق تقسیم ہوگی، یعنی اگر وہ صرف بیوہ کودیتے ہیں تو وہی حق دار ہوگی اور تمام ورثاء کودیتے ہیں، تو سب کو حصۂ وراثت کے تناسب سے حصہ ملے گا۔ بیمہ کے عدم جواز کی شرعی حیثیت سے قطع نظر تمام وارثوں کو حصہ ملے گا۔

عام طور پر لوگ بیمہ پالیسی میں کسی وارث کو نامزد کرتے ہیں، لیکن وفات کی صورت میں اس کی حیثیت وصیت کی ہوگی اور کسی وارث کے حق میں وصیت کی بھی ہو، تو وہ غیر مؤثر ہے، کیونکہ ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: اِنَّ اللہَ قَدْ أَعْطٰی کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے (ترکے میں سے) ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے، تو (اب) وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے''۔

(سنن ابی داؤد جلد 3 رقم الحدیث 2862 مطبوعہ، مؤسسۃ الریان، بیروت)

بیٹی کو باپ کے ترکے سے محروم نہیں کیا جا سکتا

سوال:

ایک شخص اپنی بہنوں کو والد کے ترکے سے اُن کا حصہ نہیں دیتا اور یہ کہتا ہے کہ چونکہ والد نے اپنی زندگی میں تمہاری شادیوں پر تمہیں جہیز دیا ہے، لڑکی شادی کی صورت میں باپ کی جائیداد میں لڑکی کا کوئی حصہ نہیں رہتا، کیا یہ شرعاً درست ہے؟۔

(پروفیسر محمد اصغر، ملیر کینٹ کراچی)

جواب:

والد نے اپنی زندگی میں بیٹی کو جو کچھ اُس کی شادی کے موقع پر جہیز وغیرہ کی صورت میں دیا، وہ اُن کی طرف سے ہبہ (Gift) ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

جَهَّزَ اِبْنَتَهٗ بِجَهَازٍ وَسَلَّمَهَا ذٰلِكَ، لَيْسَ لَهُ الاسْتِرْدَادُ مِنْهَا وَلَا لِوَرَثَتِهٖ بَعْدَهٗ اِنْ سَلَّمَهَا ذٰلِكَ فِيْ صِحَّتِهٖ بَلْ تَخْتَصُّ بِهٖ، وَبِهٖ يُفْتٰی۔

ترجمہ: ''کسی شخص نے اپنی بیٹی کو کچھ جہیز دیا اور وہ اُس کے سپرد بھی کردیا، تو اب اُسے یا (اس کی وفات کے بعد) اُس کے وارثوں کو اسے واپس لینے کا حق حاصل نہیں ہے،

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

بشرطیکہ اُس نے یہ جہیز حالتِ صحت میں اپنی بیٹی کے سپرد کیا ہو، بلکہ یہ اسی کے ساتھ خاص ہے اوراسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے''۔(حاشیہ ابن عابدین، جلد8،ص:519-518،دمشق)

جہیز کے عوض بیٹی کو باپ کے ترکے سے محروم نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ باپ کے مال میں بیٹیوں کا حق قرآن کی نَصِ قطعی سے ثابت ہے، جسے قطعاً رَد نہیں کیا جاسکتا۔اگر بیٹا یا کوئی وارث بیٹی کو محروم کرتا ہے تو یہ ظلم ہے اور ایسی تقسیم کو رَد کرنا واجب ہے۔امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:'' جو لوگ بیٹیوں اور بہنوں کو ترکہ نہیں دیتے ،قرآن مجید کے خلاف ہیں،اور جن کا یہ قول ہو کہ ان کو میت کے مال سے کچھ نہیں پہنچتا،جس کے ظاہر معنیٰ یہ ہیں کہ اُن کا ترکہ میں کوئی حق نہیں ہوتا ، یہ صریح کلمۂ کفر ہے، ایسوں پر توبہ فرض ہے، نئے سرے سے کلمۂ اسلام پڑھیں،اس کے بعد اپنی عورتوں سے نکاح دوبارہ کریں''۔(فتاویٰ رضویہ،جلد26،ص:353)

یہ اُس صورت میں ہے کہ کوئی شخص بیٹی/بہن کے حقِ وراثت کا منکر ہو اور یہی عقیدہ رکھتا ہے، کیونکہ یہ قرآن کی نَصِ قطعی کا انکار ہے اور اگر وہ بیٹی کے حقِ وراثت کا عقیدۂ منکر نہیں ہے،لیکن ظلم کرتے ہوئے اُس کے حق کو روکتا ہے،تو یہ گناہ ہے اور غصب ہے اور ریاست وحکومت کا فرض ہے کہ بیٹی کو باپ کی وراثت میں اُس کا حق دلائے۔

مرضُ الموت میں وصیت معتبر نہیں ہے اور جو ہوش وحواس میں نہ ہو اس کے مال پر تصرُّف جائز نہیں

سوال:

میری بیوہ والدہ تین سال سے بستر پر ہیں، نہ کچھ بول سکتی ہیں، نہ چل پھر سکتی ہیں، حواس باقی نہیں ہیں۔میں وقتاً فوقتاً اُنہیں کچھ زیور خرید کر یا نقد رقم دیتی رہتی تھی، جو اُنہوں نے میرے ہی پاس بطور امانت رکھوائی ہوئی ہیں، کسی اور بیٹے یا بیٹی کا دیا کچھ نہیں ہے۔پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے ،سب اپنے اپنے گھروں میں ہیں اور والدہ کی کوئی خدمت نہیں کرتے۔ایک بہن جو طلاق یافتہ ہے،اُس نے والدہ کو اِس شرط پر اپنے پاس رکھا ہوا ہے کہ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

والد کا جو ترکہ والدہ کے لیے بن رہا ہے، وہ اُسے دے دیا اور پنشن بھی وہ لیتی ہے۔ والدہ کبھی نماز روزے کی پابند نہیں رہیں، قرآن مجید کی تلاوت باقاعدگی سے کرتی تھیں۔ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا اُس زیور اور رقم کو کسی ایسی جگہ خرچ کر سکتی ہوں، جس کا ثواب اُنہیں ملتا رہے اور نماز و روزے کی بابت کفارہ ہو جائے، فدیہ اِس لیے نہیں دے سکتی کہ زیور اور رقم ملا کر بھی فدیہ پورا نہیں ہو سکے گا۔ (ذکیہ، بلاک 15 گلستانِ جوہر کراچی)

جواب:

آپ کی سوچ یقیناً قابلِ تحسین ہے، لیکن شرعی حکم یہ ہے کہ آپ نے جو کچھ والدہ کو اپنی رضا سے دیا، اُنہوں نے اُس پر اپنا قبضہ کر لیا، اب وہ اشیاء آپ کی والدہ کی ملکیت ہیں اور آپ کے پاس اُن کی امانت ہیں، اُن پر آپ کسی قسم کا تصرُّف اپنی مرضی سے نہیں کر سکتیں۔ آپ نے جو حالت اُن کی بیان کی ہے، اِس صورت میں تو وصیت کے طور پر بھی اُن کے مال میں تصرُّف جائز نہیں۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

لِاَنَّ الْمَانِعَ مِنَ التَّصَرُّفِ مَرَضُ الْمَوتِ، وَھُوَمَا یَکُونُ سَبَبًا لِلْمَوتِ غَالِبًا، وَاِنَّمَا یَکُونُ کَذٰلِكَ اِذَا کَانَ بِحَیْثُ یَزْدَادُ حَالاً فَحَالاً اِلٰی اَنْ یَکُونَ آخِرُہُ الْمَوتَ۔

ترجمہ: ''کیونکہ تصرف سے مانع مرض الموت ہے اور یہ (وہ بیماری ہے جو) غالباً موت کا سبب ہوتی ہے اور ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ وہ بیماری دن بدن بڑھتی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی انتہا موت پر ہوتی ہے''۔ (جلد 10، ص: 291)

ابھی ماشاء اللہ آپ کی والدہ حیات ہیں، اور زندگی میں کسی کا مال بطور ترکہ تقسیم نہیں ہوتا، نہ ہی کسی کو تصرف کا اختیار حاصل ہے۔ وراثت کا حق مُورِث کی موت کے بعد ثابت ہوتا ہے۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

یُعْتَبَرُ کَونُہٗ وَارِثًا اَوْغَیرَوَارِثٍ وَقتَ الْمَوتِ لَاوَقتَ الْوَصِیَّۃِ۔

ترجمہ: ''وارث ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار (مُورِث کی) موت کے وقت ہوتا ہے نہ کہ وصیت کے وقت''۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد 6، ص: 90)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

لہٰذا آپ کا اپنی والدہ کے ملکیتی مال میں (خواہ ان کی اپنی کمائی سے ہو، انہیں وراثت میں ملا ہو یا کسی نے انہیں ہبہ کیا ہو) کسی قسم کا تصرُّف جائز نہیں ہے، سوائے اُس تصرُّف کے جو ان کی لازمی ضروریات کے لیے کیا جائے، مثلاً خوراک ولباس اور علاج وغیرہ، اور اس میں بھی دیانت وامانت کے اصولوں کی پاس داری ضروری ہے۔ہاں! والدہ کے انتقال کے بعد آپ کا ترکے میں جو حصہ بنتا ہو، اس سے آپ اُن کا فدیہ ادا کرسکتی ہیں، اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ اُن کے حق میں اسے قبول فرمائے۔اسی طرح دیگر ورثاء یعنی آپ کے بہن بھائی چاہیں، تو والدہ کی وراثت میں ملنے والے مال سے رضا کارانہ طور پر اُن کا فدیہ ادا کر سکتے ہیں، اور آپ لوگ ان کے لیے صدقہ جاریہ کی کسی اچھی مد پر اپنے حصہ وراثت کو خرچ کر سکتے ہیں، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ کے تعمیر یا کسی رفاہی کام (مثلاً غریبوں اور ناداروں کے علاج کے لیے اسپتال کی تعمیر وغیرہ) پر خرچ کر سکتے ہیں۔

ترکے کی تقسیم میں تاخیر کا شرعی حکم

سوال:

ایک خاتون کا انتقال ہوا، اُن کے ترکے میں ایک مکان اور کچھ طلائی زیورات اور دیگر اشیاء ہیں۔ورثاء میں ایک بیٹا اور تین بیٹیاں ہیں۔اُن کا ترکہ کس حساب سے تقسیم ہوگا؟۔ اور اگر ترکے کی تقسیم میں تاخیر ہوجائے تو کیا اُن سے قبر میں جواب طلبی ہوگی یا اس کی بنا پر خدانخواستہ ان پر قبر میں تنگی ہوگی؟، (سُہیل شمس، ڈی۔ایچ۔اے، کراچی)۔

جواب:

شریعت کی رُو سے کسی بھی فوت شدہ شخص کا ترکہ تقسیم کرنے سے قبل (۱) مصارف تکفین وتدفین وضع کرنے (2) فوت شدہ شخص کے ذمہ اگر کسی کا قرض ہو، تو اس قرض کی ادائیگی (3) اگر فوت شدہ شخص نے کوئی وصیت کی ہو تو زیادہ سے زیادہ تہائی ترکے کی حد تک اس کے نفاذ (بشرطیکہ یہ وصیت کسی شرعی وارث کے حق میں نہ ہو) کے بعد صورت مسئولہ میں بقیہ ترکہ پانچ حصوں میں تقسیم ہوگا اور ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ'' (یعنی ایک

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

لڑکے کے لیے دولڑکیوں کے حصے کے برابر ہے) النساء: 11 کے اصول کے تحت ایک بیٹے کو دو حصے اور تین بیٹیوں کو مجموعی طور پر تین حصے (یعنی ہر بیٹی کو فی کس ایک حصہ) ملیں گے۔

ترکے کی تقسیم کی ذمہ داری ورثاء کی ہے، نہ کہ میت کی، اسی طرح ترکے کی تقسیم میں اگر غیر معمولی تاخیر ہو یا خدانخواستہ کوئی بے انصافی ہو، تو اس کے لیے میت جوابدہ نہیں ہے، نہ ہی اُس سے کوئی باز پرس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ ہر انسان کو اسی کا عوض ملے گا، جو اُس نے عمل کیا اور یہ کہ اس کا عمل عنقریب دیکھا جائے گا، پھر اس کو پورا پورا عوض دیا جائے گا''۔ (نجم: 38 تا 41)

(۲) لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ

ترجمہ: ''اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مُکلّف نہیں کرتا، ہر شخص کو اپنے نیک عمل کی جزا اور برے عمل کی سزا ملے گی''۔ (بقرہ: 286)

حدیثِ پاک میں ہے:

اِنَّكَ أَن تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ، وَاِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِيْ بِهَا وَجْهَ اللهِ اِلَّا أُجِرْتَ بِهَا، حَتّٰى مَا تَجْعَلُ فِيْ فِي امْرَأَتِكَ۔

ترجمہ: ''تمہارا اپنے ورثاء کو مال دار چھوڑنا، اُس سے بہتر ہے کہ تم اپنے عیال کو تنگ دست چھوڑ جاؤ اور وہ دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کریں اور تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو کچھ خرچ کرو گے، اُس کا اجر ملے گا یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے (اس پر بھی اجر ملے گا)''، (صحیح بخاری: 1295)۔ اِس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ میت کے ترکے (یعنی کسبِ حلال) سے جو عزیز واقارب فائدہ اٹھائیں گے، اس پر اُسے اَجر ملے گا۔ ہاں! میت سے اُس کے اپنے اَعمال کی جواب دہی ضرور ہوگی۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

بیٹی کو باپ کی وراثت سے محروم کرنا غصب ہے اور ظلم ہے

سوال:

ایک شخص اپنے باپ کے ترکے سے اپنی حقیقی ہمشیرہ کو حصہ دینے سے انکاری ہے اور یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ ہمارے ہاں آج تک کسی نے اپنی بیٹیوں/ بہنوں کو والدین کے ترکے سے حصہ نہیں دیا، اِس قبائلی رسم کے تحت میں بھی اپنی ہمشیرہ کو ترکے سے حصہ نہیں دیتا، ہاں! مکان کے لیے فی سبیل اللہ جگہ دے دوں گا۔ ایسے شخص کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟،

(حافظ نبیل احمد، قانون ساز اسمبلی آزاد جموں وکشمیر)

جواب:

بیٹی کو باپ کے ترکے سے محروم نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ باپ کے مال میں بیٹیوں کا حق قرآن کی نَصِ قطعی سے ثابت ہے، جسے قطعاً رَد نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ

ترجمہ: ''اللہ تمہاری اولاد (کی وراثت کے حصوں) کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ (میت کے) ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے حصے برابر ہے، سو اگر صرف بیٹیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ (کل ترکے کا) دو تہائی ہے اور اگر صرف ایک بیٹی ہو تو اس کا حصہ (کل ترکہ کا) نصف ہے''، (النسا: 11)۔ اگر بیٹا یا کوئی وارث بیٹی کو محروم کرتا ہے تو یہ ظلم ہے اور اس طرح کا کوئی بھی عمل شرعاً نا قابلِ قبول ہے۔

امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ''جو لوگ بیٹیوں اور بہنوں کو ترکہ نہیں دیتے، (وہ اس عمل کے سبب) قرآن مجید کے خلاف ہیں، اور جن کا یہ قول ہو کہ ان کو میت کے مال سے کچھ نہیں پہنچتا، جس کے ظاہر معنیٰ یہ ہیں کہ اُن کا ترکہ میں کوئی حق نہیں ہوتا، یہ صریح کلمۂ کفر ہے، ایسوں پر توبہ فرض ہے، نئے سرے سے کلمۂ اسلام پڑھیں، اس کے بعد اپنی عورتوں سے نکاح دوبارہ کریں''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 26، ص: 353)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

لزومِ کفر کا یہ حکم اُس صورت میں ہے کہ کوئی شخص بیٹی/بہن کے حقِ وراثت کا منکر ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ ان کا باپ کی وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہے، کیونکہ یہ قرآن کی نصِ قطعی کا انکار ہے، لیکن اگر وہ بیٹی کے حقِ وراثت کا عقیدۃً تو منکر نہیں ہے، لیکن ظلم کرتے ہوئے اپنی علاقائی یا قبائلی رسوم یا رواج کو بہانہ بنا کر بیٹی یا بہن کو وراثت میں حق دینے سے انکاری ہے، یہ صریح ضلالت اور فسق ہے، کیونکہ اس طرح وہ قرآن میں بیان کردہ اللہ تعالیٰ کے صریح اور قطعی حکم کو رسم ورواج کی بنیاد پر رَد کرتا ہے اور گویا قرآن پر علاقائی یا قبائلی رسم ورواج کو فوقیت دیتے ہوئے بیٹی یا بہن کو اُس کے حقِ وراثت سے روکتا ہے، تو یہ گناہِ کبیرہ ہے اور ظلماً مال غصب کرنا ہے اور اس پر حدیث پاک میں بڑی وعید آئی ہے:

''مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا، طَوَّقَهُ اللهُ اِیَّاهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِیْنَ''۔

ترجمہ: ''جو شخص کسی کی زمین کا ایک بالشت ٹکڑا بھی ظلماً (یعنی ناحق) لے گا، تو اُسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (سزا کے طور پر) سات زمینوں کا طوق پہنائے گا''۔ (صحیح مسلم: 4055)

ریاست اور حکومت کا فرض ہے کہ بیٹی کو باپ کی وراثت میں اُس کا حق دلائے اور ایسا قانون بنائے کہ جس کی رو سے کسی بھی شخص کے انتقال کے بعد اُس کی منقولہ (Movable) اور غیر منقولہ (Immovable) جائیداد میں ہر قسم کا تصرُّف تقسیمِ وراثت سے پہلے ممنوع اور کالعدم قرار دیا جائے اور کسی نے دوسرے وارثوں کی لاعلمی میں بالا ہی بالا باپ کی جائیداد اپنے یا صرف بھائیوں کے نام کر دی ہو تو عدالت فی الفور اسے غیر قانونی قرار دے کر جائیداد کی سابق حیثیت بحال کر سکے۔

ترکے کے کاروبار میں سب ورثاء کا حق ہے

سوال:

ہمارے والد مرحوم نے لیاقت آباد میں ایک دکان میں کاروبار شروع کیا اور اُس کاروبار سے سارے کنبے کی کفالت کرتے تھے، والد نے زندگی میں دکان تینوں بیٹوں کے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

نام کردی تھی۔ بڑے بھائی دکان میں والد کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ 1990ء میں والد کا انتقال ہوا، دکان دونوں بڑے بھائیوں نے سنبھالی۔ 1993ء میں منجھلے بھائی کا بھی انتقال ہوگیا، یہ غیر شادی شدہ تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد میں نے تعلیم چھوڑ کر دکان سنبھالی جواب تک جاری ہے۔ کاروبار کا تمام کنٹرول بڑے بھائی کے ہاتھ میں ہے، اور اس کاروبار سے بھائی نے اپنے نام بہت ساری جائیداد بنائی۔ اس کاروبار سے بہنوں، بھائی کی شادیاں، حج وعمرہ وغیرہ کیے گئے۔ ورثاء میں چھ بہنیں اور دو بھائی موجود ہیں۔ شریعت کی روشنی میں تقسیم کے عمل کا فارمولا کیا ہوگا؟۔ (عدیل علی، نصیر آباد کراچی)

جواب:

باپ کی زندگی میں جو کاروبار تھا، جو بیٹے ساتھ مل کر کام کرتے تھے، وہ مال میں شریک نہیں ہیں، تمام مال باپ کی ملکیت ہوتا ہے اور باپ کے انتقال کے بعد تمام وارثوں کا ہے، اُس میں جتنا اضافہ ہوگا، وہ ورثاء کا ہوگا۔ اگرچہ کاروبار چلانے والے چند افراد ہوں اور باقی ورثاء عملی طور پر کام نہ کر رہے ہوں۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

يَقَعُ كَثِيْرًا فِي الْفَلَّاحِيْنَ وَنَحْوِهِمْ أَنَّ أَحَدَهُمْ يَمُوْتُ فَتَقُوْمُ أَوْلَادُهُ عَلٰى تَرِكَتِهِ بِلَا قِسْمَةٍ وَيَعْمَلُوْنَ فِيْهَا مِنْ حَرْثٍ وَزِرَاعَةٍ وَبَيْعٍ وَشِرَاءٍ وَاسْتِدَانَةٍ وَنَحْوِ ذٰلِكَ. وَتَارَةً يَكُوْنُ كَبِيْرُهُمْ هُوَالَّذِي يَتَوَلّٰى مُهِمَّاتِهِمْ وَيَعْمَلُوْنَ عِنْدَهُ بِأَمْرِهٖ. وَكُلُّ ذٰلِكَ عَلٰى وَجْهِ الْإِطْلَاقِ وَالتَّفْوِيْضِ۔

ترجمہ: ''اکثر کاشتکار اور دیگر (پیشوں سے وابستہ) لوگوں میں یہ ہوتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی فوت ہوجائے، تو اُن کی اولاد تر کے کو تقسیم کیے بغیر اسی طرح قائم رکھتی ہے اور وہ اُس زمین میں کھیتی باڑی، خرید وفروخت، قرض کا لین دین اور دوسرے اُمور جاری رکھتے ہیں۔ اور کبھی فوت ہونے والے کا بڑا بیٹا تمام کاموں کی نگرانی کرتا ہے اور چھوٹے اُس کے حکم پر عمل کرتے ہیں، یہ سب ایک طرح سے غیر رسمی تفویضِ اختیار ہوتا ہے (یعنی وہاں کے لوگوں کا عرف یا عادت ہے)''۔ صاحب تنویر الابصار مع الدر المختار آگے چل کر لکھتے ہیں:

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

فَاِذَا کَانَ سَعْیُھُمْ وَاحِداً وَلَمْ یَتَمَیَّزْ مَاحَصَّلَہٗ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْھُمْ بِعَمَلِہٖ، یَکُوْنُ مَا جَمَعُوْہ مُشْتَرَکًا بَیْنَھُم بِالسَّوِیَّۃِ، وَاِنْ اخْتَلَفُوْا فِی الْعَمَلِ وَالرَّأْیِ کَثْرَۃً وَصَوَابًا، کَمَا أَفْتٰی بِہٖ فِی ''الْخَیْرِیَّۃِ''، وَمَا اشْتَرَاہُ أَحَدُھُمْ لِنَفْسِہٖ یَکُوْنُ لَہٗ وَیَضْمَنُ حِصَّۃَ شُرَکَائِہٖ مِنْ ثَمَنِہٖ اِذَا دَفَعَہٗ مِنَ الْمَالِ الْمُشْتَرَکِ۔

ترجمہ: ''پس جب ان کی سعی ایک ہے اور ہر ایک کی محنت کی کمائی جدا جدا نہ ہو، تو سب جمع شدہ مال میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، اگر چہ ذہنی وفکری عمل کی مقدار ایک جیسی نہ ہو، نہ ہی یہ امتیاز ہو کہ کس کی رائے یا عمل زیادہ نفع بخش ہوا اور کس کا کم، ''فتاویٰ خیریہ'' میں اِسی طرح کا فتویٰ دیا ہے۔ اور ان میں سے اگر کسی نے اپنی ذات کے لیے کچھ خریدا تو وہ اُس کا مالک ہوجائے گا اور اگر اُس نے مشترکہ مال سے قیمت دے کر خریدا تھا، تو اس میں شرکاء کا جو حصہ صرف ہوا، اس کا وہ ضامن ہوگا''۔ (جلد6،ص:372)

مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق اگر ورثاء وہی ہیں جو سوال میں مذکور ہیں تو آپ کے والد کا ترکہ دس حصوں میں منقسم ہوگا، ہر بھائی کو دو دو حصے اور ہر بہن کو ایک حصہ ملے گا۔ بڑے بھائی نے مشترکہ ترکے سے جو جائیداد بنائی ہے، اس کی مالیت میں جو دوسرے وارثوں کا حصہ بنتا ہے، وہ اس کے ضامن ہیں۔ مشترکہ کاروبار سے بہن بھائیوں کی شادیوں اور حج وعمرے پر جو رقم خرچ کی گئی ہے، یہ چونکہ تمام وارثوں کی باہمی رضامندی سے ہوا ہے اور کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا تو یہ سب کی طرف سے تبرع اور فضل واحسان ہوگا، اسے رضائے سکوتی (Silent Permission) کہتے ہیں، لیکن زیادہ درست طریقہ یہ ہے کہ تمام وارثوں سے ہر ایک کے حسبِ حصۂ رسدی (Share) باقاعدہ اجازت لی جائے اور اگر کوئی وارث اجازت نہ دے تو اس پر اس کا بار نہ ڈالا جائے۔ البتہ جو مصارف والد کی حیات میں ہوئے ہیں، تو اُنہوں نے چونکہ اپنی ملکیت میں تصرف کیا ہے، اس لیے جائز ہے۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ترکے کا ایک مسئلہ

سوال:

ہمارے والدین کا انتقال ہو چکا ہے، والد نے 26 سال پہلے 120 گز کے 6 پلاٹ (فی پلاٹ بحساب 28 ہزار روپے) بک کرائے تھے، 6 پلاٹوں کی 72 ہزار روپے ادائیگی کی جا چکی تھی لیکن ترقیاتی کام نہ ہونے کے سبب مزید ادائیگی نہیں کی۔ والدین کے انتقال کے بعد ہم نے بلڈر سے رابطہ کیا تو اس نے کہا کہ بقایا جات ادا نہ کرنے کی وجہ سے پلاٹ کینسل کر دیے ہیں۔ آپ سے شرعی رہنمائی درکار ہے کہ ہم بلڈر سے رقم کا تقاضا کریں یا صبر کریں۔ (جعفر شیخ، سیکٹر 5-G نیو کراچی)

جواب:

آپ کے والدین نے جو رقم بلڈر کے پاس جمع کرائی، وہ اُن کا ترکہ شمار ہوگی، اگر بلڈر نے پلاٹ کینسل کر دیے ہیں تو آپ کے والد اور بلڈر کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا، اُس کے مطابق رقم کی واپسی کا طریقِ کار ہوگا۔ تاہم اگر بلڈر جرمانہ کے طور پر مذکورہ رقم ضبط کر رہا ہے، تو شریعت میں مالی جرمانہ جائز نہیں ہے، ہاں! کوئی شخص اگر کسی شخص کا مال ضائع کر دے تو اس سے مال کی قیمت لی جا سکتی ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ: اَلْمَالُ بِالْمَالِ یعنی اگر کسی کا مالی نقصان ہو جائے تو وہ اس کے بدلے مال لے سکتا ہے۔ شریعت میں تعزیر بالمال منسوخ ہے، علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

مَعْنَی التَّعْزِیْرِ بِأَخْذِ الْمَالِ عَلَی الْقَوْلِ بِهٖ اِمْسَاكُ شَیْءٍ مِّنْ مَّالِهٖ عِنْدَ مُدَّةٍ لِیَنْزَجِرَ ثُمَّ یُعِیْدُهُ الْحَاکِمُ اِلَیْهِ، لَا أَنْ یَّأْخُذَهُ الْحَاکِمُ لِنَفْسِهٖ أَوْ لِبَیْتِ الْمَالِ، کَمَا یَتَوَهَّمُهُ الظَّلَمَةُ، اِذْ لَا یَجُوْزُ لِأَحَدٍ الْمُسْلِمِیْنَ أَخْذُ مَالِ أَحَدٍ بِغَیْرِ سَبَبٍ شَرْعِیٍّ، وَفِی "شَرْحِ الْآثَارِ": اَلتَّعْزِیْرُ بِالْمَالِ کَانَ فِی اِبْتِدَاءِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ نُسِخَ۔

ترجمہ: "(جن فقہاء کرام نے) تعزیر بالمال (یعنی مالی جرمانے کے جواز کی) بات کی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ملزم کا وہ مال کچھ مدت کے لیے روک لیا جائے تا کہ وہ جرم سے باز

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

آجائے، پھر حاکم وہ مال واپس کردے گا، یہ معنی نہیں کہ حاکم اس مال کو اپنے لیے یا بیت المال کے لیے وصول کرے جیسا کہ ظالم (حکمرانوں) نے سمجھ رکھا ہے، کیونکہ کسی مسلمان کے لیے شرعی جواز کے بغیر کسی دوسرے مسلمان کا مال لینا جائز نہیں ہے۔"شرح الآثار" میں ہے کہ تعزیر بالمال ابتدائے اسلام میں جائز تھی، پھر منسوخ ہوگئی"۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد6،ص:77)

اگر بلڈر آپ لوگوں کے ساتھ تبرُّع اور احسان کا معاملہ کرکے اپنے معاہدے پر قائم رہنا چاہتا ہے، تو آپ اور وہ دونوں فریق تجدیدِ معاہدہ کرلیں، ورنہ آپ اپنے والد کی جمع شدہ رقم کے حق دار ہوں گے۔

مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے

سوال:

خورشید انور چوہدری کا انتقال 2010ء کراچی میں ہوا، مرحوم نے دوشادیاں کیں، پہلی بیوی کا انتقال خورشید انور سے پہلے ہوچکا تھا اور اُس سے صرف ایک بیٹی سونیا شکیل ہے۔ جبکہ دوسری بیوی ایک جاپانی عورت ہے، اُس سے دو بیٹیاں ہیں۔ اِن تینوں کے بارے میں قطعاً معلوم نہیں کہ یہ مسلمان ہیں یا نہیں، لیکن دونوں بیٹیوں نے غیر مسلم سے شادیاں کی ہیں۔ خورشید انور کے والدین کا پہلے انتقال ہوچکا ہے، دو بہنیں حیات ہیں، لیکن اُن سے کوئی رابطہ نہیں اور معلوم نہیں کہ کہاں ہیں۔

ان کے ورثاء میں ایک بیٹی سونیا شکیل، دوسری بیوی Michiyo Yauagawaua اور اُس سے دو بیٹیاں Yauagawaua,Mina Yauagawaua Fomi ہیں۔ کیا یہ تینوں خورشید انور کے ترکے سے حصہ پائیں گی؟

(سید محمد رحمت ایڈووکیٹ، DHA، کراچی)

جواب:

اگر مذکورہ چاروں خواتین (یعنی ایک بیوی اور تین بیٹیاں) مسلمان ہیں تو خورشید انور

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

چوہدری کے ترکے سے حصہ پائیں گی، بیوہ کو کل ترکے کا آٹھواں حصہ اور تینوں بیٹیوں کو کل ترکے کا دو تہائی برابر برابر ملے گا، خورشید انور کی دوسری بیوی اور اُس سے دو بیٹیوں کے غیر مسلم ہونے کی صورت میں کل ترکے کا نصف سونیا شکیل کو ملے گا۔ دونوں صورتوں میں خورشید انور کی دونوں بہنیں، بیٹی کے ساتھ عصبہ بنیں گی اور بقیہ ترکے سے حصہ پائیں گی۔

حدیث پاک میں ہے:

اِجْعَلُوا الْاَخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ عَصَبَةً۔

ترجمہ: ''بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ''۔ (سنن دارمی: 2881)

کوئی وارث نہ ہونے کی صورت میں تمام ترکہ سونیا شکیل کو ہی دیا جائے گا۔

سراجی میں ہے:

وَالتَّعْصِيْبُ الْمَحْضُ وَذٰلِكَ عِنْدَ عَدَمِ الْوَلَدِ وَوَلَدِ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفَلَ۔

ترجمہ: ''محض عصبہ بننا، یہ میت کی اولاد اور پوتا وغیرہ نہ ہونے کی صورت میں ہے''۔

(ص:15)

میراث سے محروم کرنے والے اسباب چار ہیں، ان میں سے ایک سبب دِین کا اختلاف ہے، یعنی مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَایَتَوَارثُ أَھلُ مِلَّتَینِ شَتّٰی۔

ترجمہ: ''دو مختلف اَدیان کے افراد ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے''۔

(سنن ابی داؤد: 2903)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لَايَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ۔

ترجمہ: ''حضرت اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: نہ مسلمان کافر کا

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

وارث ہوتا ہے اور نہ ہی کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے''۔

(صحیح مسلم:4031، سنن ابی داؤد رقم الحدیث:2901)

اس حدیث کے تحت علامہ نووی لکھتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّ الْكَافِرَ لَايَرِثُ الْمُسْلِمَ وَأَمَّا الْمُسْلِمُ فَلَا يَرِثُ الْكَافِرَ اَيْضًا عِنْدَ جَمَاهِيْرِ الْعُلَمَاءِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ۔

ترجمہ:''مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے جمہور فقہاء کے نزدیک مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوتا''۔

(شرح مسلم للنووی، جلد رابع، جز:11، ص:52)

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:(وَاخْتِلَافُ الدِّيْنِ) اِسْلَامًا وَكُفْرًا ترجمہ:''(اور دین کا مختلف ہونا) وراثت میں مانع ہے، (یعنی) مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے۔۔۔اس کی تشریح میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: قَيَّدَ بِهٖ لِاَنَّ الْكُفَّارَ يَتَوَارَثُوْنَ فِيْمَا بَيْنَهُمْ، وَاِنِ اخْتَلَفَتْ مِلَلُهُمْ عِنْدَنَا، لِاَنَّ الْكُفْرَ كُلَّهٗ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ۔

ترجمہ:''یہ قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ ہمارے نزدیک کفار ایک دوسرے کے وارث ہوسکتے ہیں، اگرچہ ان کے دین آپس میں مختلف ہوں، کیونکہ (مسلمانوں کے مقابلے میں) تمام کفر ایک ملّت ہے''۔(ردالمحتار علی الدر المختار جلد 10 ص:418)

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

اِخْتِلَافُ الدِّيْنِ بَيْنَ الْمُوْرِثِ وَالْوَارِثِ بِالْاِسْلَامِ وغيرِهٖ مانعٌ من الارثِ بِاتِّفَاقِ المذاهِبِ الاَربعةِ، فَلَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ كَافِرًا، وَلَاالْكَافِرُ مُسْلِمًا، سَوَاءٌ بِسببِ الْقَرَابَةِ أَوِ الزَّوْجِيَّةِ، لِقَوْلِهٖ ﷺ: لَايَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَاالْكَافِرُ الْمُسْلِمَ۔ وقولهٗ: لَايَتَوَارَثُ اَهْلُ مِلَّتَيْنِ شَتّٰى

ترجمہ:''اسلام اور غیر اسلام (کفر) کے اعتبار سے وارث اور مُورِث (جو وراثت چھوڑ کر مرے) کے درمیان مذہب کا اختلاف چاروں مذاہب کے نزدیک متفقہ طور پر وراثت

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

میں مانع ہے۔پس نہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے اور نہ ہی کافر مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے، (اور یہ اصول) سببِ قرابت یا سببِ زوجیت دونوں کے لیے برابر ہے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے، نہ کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے، اور آپ ﷺ کا دوسرا قول یہ ہے کہ: دو مختلف ملتوں کے افراد ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے"۔(الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد 8، ص:263)

ہاں البتہ اگر سونیا شکیل رضا کارانہ طور پر اپنی خوشی سے اُنہیں کچھ دیدے، تو یہ ایک اچھی انسانی قدر ہے اور انسانی ہمدردی کی راہ میں اختلافِ مذہب بھی رکاوٹ نہیں ہے۔ اسے اسلامی اخلاقیات میں تبرع اور فضل واحسان کہا جاتا ہے، یعنی کسی کے شرعی اور قانونی استحقاق کے بغیر اسے کچھ دے دینا یا کسی کو اس کے حق سے زیادہ دے دینا۔

منفعت تقسیم نہیں ہوتی

سوال:

میرے شوہر کا انتقال 2003ء میں ہوگیا تھا، ہمارے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ترکے میں دو گاڑیاں بھی تھیں۔ایک بیٹے نے اپنی مرضی سے علیحدہ رہائش اختیار کرلی۔اس دوران گاڑیاں گھر کے باقی افراد کے استعمال میں رہیں، چھوٹے بیٹے کو گاڑی کی قیمت بتادی گئی تھی، اُس نے گاڑی میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔2012ء میں دونوں بڑے بیٹوں نے میرے کہنے پر یہ گاڑیاں خریدلیں۔اب چھوٹے بیٹے کی ضد ہے کہ جتنا عرصہ گاڑیاں استعمال کیں، اُس کا کرایہ ادا کیا جائے۔شوہر بیوی کا جوائنٹ اکاؤنٹ ہے، شوہر کے انتقال کی صورت میں رقم کس طرح تقسیم ہوگی؟۔شوہر کی منقولہ جائیداد کی تقسیم میں کسی وارث کا حصہ کم پڑنے کی صورت میں اِس کمی کو میں اپنے حصے سے پورا کرسکتی ہوں؟(مسز ارشد، کراچی)

جواب:

شرعاً ہونا تو یہ چاہیے کہ جس قدر جلد ممکن ہو، تمام ورثاء کے درمیان ترکہ (منقولہ وغیر منقولہ) تقسیم کردیا جائے کیونکہ تقسیم میں تاخیر سے پیچیدگیاں اور خرابیاں پیدا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ہوجاتی ہیں۔تمام ورثاء کوحقِ وراثت حاصل ہے اوراپنے اپنے حصوں کے بقدرتمام ورثاء جائیداد میں تصرُّف کا حق رکھتے ہیں۔جتنا عرصہ گاڑی دیگر ورثاء کے استعمال میں رہی، چھوٹے بیٹے کواُس کے کرائے کے مطالبے کا حق نہیں ہے، کیونکہ منفعت تقسیم نہیں ہوتی۔
جوائنٹ اکاؤنٹ میں جمع شدہ ساری رقم اگر شوہر کی ہے، تو پوری رقم بطورتر کہ ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگی، لیکن اگر رقم دونوں کی ہے یعنی اس اکاؤنٹ میں شوہر کے پیسے بھی جمع ہوتے رہے اور بیوی کی اپنے ذرائع سے اگرکوئی تھے، آمدن بھی جمع ہوتی رہی، تو جمع شدہ رقم میں شوہر کا حصہ ترکہ شمار ہوگا اور بیوی اپنے حصے کی جمع شدہ رقم کی مالک ہوگی۔

منقولہ جائیداد میں نقدرقم کے علاوہ باقی اشیاء کی قیمت لگائی جائے گی اور جووارث کسی چیز کولے گا، اگراُس کی قیمت ترکے میں اس کے حصے کی مساوی ہے، تو درست ہے۔اگرکم ہے تو دوسرے ورثاء نقدرقم سے اس کی تلافی کریں گے، اگرزیادہ ہے تو قیمت کی جومقدار اس کے حصہ رسدی سے زائد ہے، یہ دوسروں کوادا کرے گا۔

آپ کے شوہر کا کل ترکہ آٹھ حصوں میں تقسیم ہوگا۔بیوہ کو 1/8، تین بیٹوں کو 6 حصے (فی کس 2 حصے) اور ایک بیٹی کوایک حصہ ملے گا۔

دست برداری کی کوئی شرعی حیثیت نہیں

سوال:

ہمارے والدصاحب کا انتقال 1977ء میں ہوا، والدصاحب کا ایک مکان 600 گز کا ہے۔انتقال سے پہلے والدصاحب نے اپنے قریبی دوستوں کووصیت بنا کردے دی۔ والدصاحب کے انتقال کے بعد وہ چاروں افراد وصیت لے کر ہمارے گھر آئے۔اس وصیت نامے میں والدصاحب نے مکان اپنی زوجہ حشمت بی اور تین بیٹوں بشیر احمد، خادم حسین اور نذیر احمد کے نام برابر برابر حصہ لکھا۔اُس وقت بہنوں نے اعتراض نہیں کیا، چھ بہنوں اور ایک بھائی نے رجسٹرار کے سامنے والدہ اور تین بھائیوں کے حق میں دست برداری لکھ دی۔ایک بھائی غلام محمد نے حصہ مانگا اُس کا حصہ دے دیا گیا۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

1984ء میں والدہ نے اپنا حصہ اپنے چھوٹے بیٹے نذیر احمد کے نام کردیا۔ والدہ کا انتقال 1993ء میں ہوگیا۔ بشیر احمد کا انتقال 1991ء میں ہوا، خادم حسین کا انتقال 1996ء میں ہوا، اب بہنیں حصہ طلب کررہی ہیں، شرعی حکم کیا ہے، تقسیم صرف والدہ کے حصے سے ہوگی یا پوری پراپرٹی سے؟۔(نذیر احمد، فیڈرل بی ایریا، کراچی)

جواب:

آپ کے والد کی وصیت باطل ہے کیونکہ شرعاً ورثاء کے حق میں وصیت معتبر نہیں ہوتی، وصیت غیر وارث یا کسی صدقۂ جاریہ کے لیے صرف تہائی ترکے کی حد تک کی جاتی ہے، تہائی سے زائد میں وصیت نافذ نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّه فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ''۔

ترجمہ: ''ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا: رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمارہے تھے: بے شک اللہ تعالیٰ نے (ترکے میں سے) ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے، تو (اب) وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے''۔(سنن ابی داؤد:2862)

یعنی بیٹے، بیٹیاں شرعی وارث ہیں، وراثت کے احکام قرآن کا ثابت شدہ قانون ہے اور اس کے رد کرنے یا اس میں ردو بدل کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ لہٰذا محض نام کردینے سے مذکورہ چاروں افراد جائیداد کے مالک نہیں بنیں گے اور جائیداد بدستور ترکہ شمار ہوگی۔

شریعت میں دست برداری کوئی شے نہیں۔ دست برداری سے بہنوں کا حقِ وراثت زائل نہیں ہوگا، فقہی اصول یہ ہے کہ وراثت کی ملکیت اختیاری نہیں ہوتی بلکہ جبری ہوتی ہے، لہٰذا محض دست برداری سے حقِ وراثت باطل نہیں ہوتا۔ علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں: لَايَدْخُلُ فِی مِلْكِ الْاِنْسَانِ شَیْءٌ بِغَيْرِ اخْتِيَارِهٖ اِلَّا الْاِرْثُ اِتِّفَاقًا

ترجمہ: ''انسان کی ملکیت میں اس کے اختیار کے بغیر کوئی شے داخل نہیں ہوتی، مگر میراث بالاتفاق داخل ہوتی ہے''۔۔۔مزید لکھتے ہیں: لَوْقَالَ الْوَارِثُ تَرَكْتُ حَقِّی لَمْ يَبْطُلْ حَقُّه

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اِذِالْمِلْکُ لَایَبْطُلُ بِالتَّرْکِ، ترجمہ:"اگر وارث نے کہا: میں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے، تو اس کا حق باطل نہیں ہوگا کیونکہ مِلک چھوڑ دینے (یعنی محض دستبردار ہونے) سے باطل نہیں ہوتا، (الاشباہ والنظائر، ص:340-309)

آپ کی بہنوں کے دستبردار ہوجانے سے شرعاً ترکے سے اُن کا حق باطل نہیں ہوگا، بلکہ بدستور برقرار رہے گا۔ ہاں! جو بھائی بہنیں اپنا حصہ کسی وارث کو دینا چاہتے ہیں، تو اس کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ تمام ورثاء شرعی تقسیم کے مطابق اپنے اپنے حصے کا حقِ ملکیت حاصل کرلیں، جسے CERTIFICATE INHERITANCE یا SUCCESSION CERTIFICATE کہا جاتا ہے۔ اور پھر وہ اپنے اپنے حصے کو اُس وارث کے نام قانونی طریقے سے منتقل کردیں۔

ترکے کی تقسیم آپ کے والد صاحب کی پوری جائیداد میں یعنی 600 گز مکان کی موجودہ مارکیٹ ویلیو پر ہوگی۔ چونکہ آپ نے سوال میں ورثا کی تعداد درج نہیں کی، لہٰذا اُن کے شرعی حصص کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم بیٹے اور بیٹیوں کے درمیان تقسیم "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" (ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے)، (النساء:11)" کے تحت ہوگی۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

حلال وحرام کے مسائل

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

مختلف معاشرتی وگھریلو مسائل پر اسلام کے مُدبرانہ ورہنما اصول

چند مختلف موضوعات پر دینی اور شرعی نقطۂ نظر سے رہنمائی مطلوب ہے، امید ہے کرم فرمائیں گے۔

1۔سنِ بلوغت اور اُس میں رونما ہونے والی تبدیلیاں:

سوال:

وہ وقت جب لڑکے اور لڑکیاں بچپن سے بالغ عمر میں پہنچنا شروع ہوجاتے ہیں۔ عام طور پر لڑکے بلوغت کے وقت کو اس وقت پہنچتے ہیں، جب 10 سے 14 سال کی عمر میں ان کے جسم میں تبدیلیاں آنا شروع ہوجاتی ہیں جبکہ لڑکی بلوغت میں 9 سے 13 سال کی عمر تک پہنچ جاتی ہے، تاہم آب وہوا کی وجہ سے لڑکے اور لڑکی کے جسم میں تبدیلی پہلے یا بعد میں بھی ہوسکتی ہے۔

جواب:

لڑکے میں جب بلوغت کی علامات پائی جائیں تو عمر جتنی بھی ہو اسے بالغ تصور کیا جائے گا، ہمارے فقہائے کرام نے احتلام (Wet Dream)، اِنزال (Discharge) اور اس سے کسی عورت کا حمل قرار پانے کو علامتِ بلوغ قرار دیا ہے۔لیکن اگر بلوغ کی کوئی علامت نہ پائی جائے، تو پندرہ سال کی عمر مکمل ہونے پر اُسے بالغ قرار دیا جائے گا۔اس پر اس حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَرَضَهُ يَوْمَ أُحُدٍ، وَهُوَابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً، فَلَمْ يُجِزْهُ، وَعَرَضَهُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، وَهُوَابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً، فَأَجَازَهُ۔

ترجمہ:''عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ اُحد کے دن جب کہ ان کی عمر چودہ سال تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کا جائزہ لیا اور پھر انہیں (جہاد میں شرکت کی) اجازت نہ دی۔ اور غزوۂ خندق کے روز جب کہ ان کی عمر پندرہ سال تھی، ان کا جائزہ لیا اور انہیں (جہاد میں شرکت کی) اجازت عطا فرمادی''۔(صحیح بخاری، رقم الحدیث:4098)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

''علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شرکت کے لیے حاضر ہوئے تو ان کی عمر چودہ سال تھی اور غزوۂ خندق کے موقع پر حاضر ہوئے تو ان کی عمر پندرہ سال تھی، تو بادیٔ النظر میں غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں ایک سال کا فرق ہونا چاہیے، جب کہ حقیقت حال یہ ہے کہ غزوۂ احد 3ھ کو واقع ہوا اور غزوۂ خندق 5ھ کو (یعنی ان دونوں غزوات کے درمیان دو سال کا وقفہ ہے)، حالانکہ اس کی رو سے غزوۂ خندق 4ھ کو ہونا چاہیے۔ اس کی تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر آپ کی عمر کے چودھویں سال کا آغاز ہوا اور غزوۂ خندق کے موقع پر پندرہویں سال کی تکمیل ہوئی، اس طرح مجموعی طور پر دو سال ہو گئے''۔

(فتح الباری شرح البخاری، رقم الحدیث: 4098)

فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ لڑکے کے لیے کم از کم ممکنہ عمرِ بلوغ بارہ سال ہے، بشرطیکہ اس میں علاماتِ بلوغ ظاہر ہو جائیں، ورنہ عمر کے پندرہ سال مکمل ہونے پر اُسے بالغ تصور کیا جائے گا۔ تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

(بُلُوْغُ الْغُلَامِ بِالِاحْتِلَامِ وَالْإِحْبَالِ وَالْإِنْزَالِ) وَالْأَصْلُ هُوَ الْإِنْزَالُ (وَالْجَارِيَةِ بِالِاحْتِلَامِ وَالْحَيْضِ وَالْحَبَلِ)۔ (وَأَدْنٰى مُدَّتِهٖ لَهٗ اِثْنَتَا عَشْرَةَ سَنَةً وَلَهَا تِسْعُ سِنِيْنَ) هُوَ الْمُخْتَارُ۔

ترجمہ: ''لڑکے کا بالغ ہونا احتلام، احبال (عورت کو حاملہ کر دینا) اور انزال سے معلوم ہوتا ہے اور اُس کی اصل انزال ہونا ہے (یعنی احتلام اور عورت کو حاملہ کرنا انزال کے بغیر نہیں ہو سکتا) اور (اور لڑکی کی بلوغت احتلام ہونے، حیض آنے اور حاملہ ہو جانے سے معلوم ہوتی ہے۔ اسی میں ہے: (لڑکے کے لیے کم از کم ممکنہ عمرِ بلوغ) بارہ سال ہے اور لڑکی کے لیے نو سال ہے، یہی قولِ مختار ہے''۔ (رد المحتار علی الدر المختار، جلد: 9، ص: 185)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ''مندرجہ بالا علامات بلوغت ظاہر ہونے یا عمرِ بلوغ تک پہنچے بغیر لڑکے میں محض زیرِ ناف بالوں یا ڈاڑھی یا پنڈلی، بغل اور مونچھوں کے بالوں کا یا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

آواز کا بھاری پن اور لڑکی میں پستان کا اُبھار بلوغت کی دلیل نہیں ہوگی۔ امام شافعی اور امام ابویوسف نے زیرِ ناف بال یا ڈاڑھی کے بال نکلنے کو بلوغت کی علامت میں اعتبار کیا ہے"۔ (ردالمحتار، جلد9،ص:185 ملخصاً)

خلاصہ یہ ہے کہ لڑکے یا لڑکی کو شرعاً بالغ اسی وقت تسلیم کیا جائے گا، جب بلوغ کی علامتیں ظاہر ہوجائیں، ورنہ لڑکے اور لڑکی دونوں کو پندرہ سال مکمل ہونے پر بالغ تصور کیا جائے گا، تنویر الابصار مع الدرالمختار میں ہے:

(فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ فِيهِمَا) شَيْءٌ (فَحَتَّى يُتِمَّ لِكُلٍّ مِنْهُمَا خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً، بِهِ يُفْتَى)

ترجمہ: "(پس اگر لڑکے اور لڑکی دونوں میں بلوغ کی علامات میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے، تو دونوں کو پندرہ سال کی عمر مکمل ہونے پر بالغ مانا جائے گا، فتویٰ اِسی پر ہے"۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد:9،ص:185)

یہ صاحبین (امام ابویوسف اور امام محمد) کا قول ہے اور امام اعظم سے بھی ایک روایت ہے اور ائمۂ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل) کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام اعظم کے ایک قول کے مطابق لڑکے کے لیے اٹھارہ سال اور لڑکی کے لیے عمر بلوغ سترہ سال ہے۔

2۔ خواتین/لڑکیوں کے ساتھ جنسی اور معاشرتی تشدد

سوال:

اقوامِ متحدہ کے مطابق عورتوں اور لڑکیوں پر تشدد سے مراد ان کو جسمانی، جنسی اور نفسیاتی طور پر اذیت پہنچانا ہے۔ جس میں عورتوں/لڑکیوں کو خارجی یا ذاتی زندگی میں مداخلت کرتے ہوئے ان کو ڈرانا دھمکانا اور ان کی آزادیٔ رائے کو سلب کرنا ہے۔ اسلام اس بارے میں کیا رہنمائی کرتا ہے؟

جواب:

اسلام نے عورت کو عزت وتوقیر کے ساتھ ساتھ تحفظ بھی فراہم کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ

ترجمہ: ''مرد عورتوں پر محافظ ونگہبان ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے بھی کہ مردوں نے (عورتوں پر) اپنا مال خرچ کیا ہے''۔

(النساء:34)

اِس آیت میں بتایا گیا کہ مرد عورت کا محافظ، نگہبان اور اُس کی ضرورتوں کا کفیل ہے، اسلام نے عورت پر کوئی مالی ذمہ داری عائد نہیں کی۔ عورت کے ہر روپ خواہ وہ بیوی ہو، بیٹی ہو، ماں یا بہن ہو، اسلام نے تاریخ میں پہلی مرتبہ عورت کو اُس کی مختلف حیثیتوں میں وراثت کا حق بھی دیا، بیوی ہونے کی صورت میں شوہر پر عائلی ذمہ داریوں کے ساتھ تحفظ کا احساس، اعتماد کا مضبوط رشتہ استوار کیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے میاں بیوی کو ازدواجی زندگی ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک اور اتحاد واتفاق سے گزارنی چاہیے، ایک دوسرے کی خامیوں سے حتّی الوسع صرف نظر کرنا چاہیے۔ خاص طور پر شوہروں کو اُن کی بیویوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''اور تم اُن کے ساتھ نیک سلوک کرو، پھر اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں، تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند نہ کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے''۔ (النساء:19)

یعنی اگر تمہیں اپنی بیویاں پسند نہ آئیں، تو صبر سے کام لو، ممکن ہے کہ اس میں تمہارے لیے کوئی بہتری ہو۔ ان کلماتِ مبارکہ میں شوہروں کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ اگر بالفرض تمہاری بیوی بدصورتی کی وجہ سے تمہیں ناپسند ہو، تب بھی حتی الامکان اپنی طبیعت پر جبر کرکے اسے برداشت کرو اور طلاق نہ دو۔ ہوسکتا ہے شکل وصورت کی کمی کو اللہ تعالیٰ اس کے حسنِ اخلاق سے پوری فرمادے اور اس کی اچھی سیرت وکردار کی بدولت تمہارا گھر امن وسکون کا گہوارہ بن جائے۔ اور اگر وہ بداخلاق ہے اور تم اس کی اخلاقی کمزوری برداشت

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کرلوتو کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس صبر کی جزا وانعام کے طور پر تمہیں خوبصورت اور اعلیٰ ذہنی وجسمانی استعداد کی حامل اولاد سے نواز دے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ شوہر اور بیوی کے مزاج میں پوری مطابقت ہوجائے، دونوں کی سوچ ایک ہوجائے۔ اگر ایسا حسنِ اتفاق ہوجائے تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بندے پر بے پایاں فضل وانعام اور کرم ہوگا۔ شکل وصورت، رنگ روپ اور مزاج میں تنوع اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِکُمۡ وَاَلۡوَانِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡعٰلِمِیۡنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''اس کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے (ایک) آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا (ایک دوسرے سے) مختلف ہونا ہے، بے شک اس میں تمام جہان والوں کے لیے نشانیاں ہیں''۔ (الروم: 22)

لہٰذا اگر شوہر اور بیوی کی سوچ میں فرق ہو بلکہ تضاد ہو، تو شوہروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس ارشادِ مبارک کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے:

عَنۡ اَبِیۡ ھُرَیۡرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ: مَنۡ کَانَ یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَاِذَا شَھِدَ اَمۡرًا فَلۡیَتَکَلَّمۡ بِخَیۡرٍ اَوۡ لِیَسۡکُتۡ وَاسۡتَوۡصُوۡا بِالنِّسَاءِ خَیۡرًا فَاِنَّ الۡمَرۡاَۃَ خُلِقَتۡ مِنۡ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعۡوَجَ شَیۡءٍ فِی الضِّلَعِ اَعۡلَاہُ اِنۡ ذَھَبۡتَ تُقِیۡمُہٗ کَسَرۡتَہٗ وَاِنۡ تَرَکۡتَہٗ لَمۡ یَزَلۡ اَعۡوَجَ اِسۡتَوۡصُوۡا بِالنِّسَآءِ۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ جب کسی چیز کو دیکھے تو یا تو اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔ عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا اوپر کا حصہ زیادہ ٹیڑھا ہے، اگر تم اُس کو سیدھا کرنے لگو گے تو توڑ دو گے اور اگر تم نے اس کو (اُس کے حال پر) چھوڑ دیا تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی، عورتوں سے خیر خواہی کرو (یعنی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

حکمت وتدبیر اور صبر واستقامت کے ساتھ ان کی اصلاح کرو)''۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث:3539)

ایک اور روایت میں ہے:

اِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَّنْ تَسْتَقِيْمَ لَكَ عَلٰى طَرِيْقَةٍ، فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا، اِسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ، وَّاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا۔

ترجمہ:''عورت ''پسلی'' سے پیدا کی گئی، وہ سیدھا کرنے سے سیدھی نہیں ہوگی، اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اس کی کجی کے باوجود اس سے فائدہ اٹھاؤ، اگر تم اس کو سیدھا کرنے لگو گے تو اس کو توڑ دو گے، اور اس کا توڑنا اسے طلاق دینا ہے''۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث:3536)

عورت کو ٹیڑھی پسلی سے تشبیہ دینے کا مقصد یہ نہیں کہ اُس کی اصلاح کی کوشش نہ کی جائے، بلکہ شوہر کو تعلیم دی گئی ہے کہ پیار و محبت اور نرمی سے اسے سمجھائے۔ اور بعض صورتوں میں اس کی طبعی کمزوریوں کے باوجود اس سے نباہ کرے۔ عورت کو پسلی سے پیدا کرنے کی توجیہہ یہ ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا

ترجمہ:''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہا کرو، جس نے تمہیں ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اُسی (ایک جان) سے اُس کی بیوی (حوا) پیدا کی، (النسا:1)''۔

قرآن مجید سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت حوا کی تخلیق وجودِ آدم سے ہوئی۔ قرآن کریم میں اس کی صراحت نہیں ہے، کہ وجودِ آدم کے کس حصے سے ہوئی؟ تاہم اب جدید سائنسی وطبی دعوے سامنے آئے ہیں کہ ایک ذی حیات کے ایک خلیے (CELL) سے اُسی نوع کا دوسرا جاندار پیدا کیا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ قادرِ مُطلق نے حضرت آدم کی پسلی کے خلیے سے حضرت حوا کو پیدا کیا ہو یا بعض عورتوں میں جو ضدی پن ہوتا ہے، اُس کی طرف اشارہ ہو، تاہم مزاج کی سختی یا نرمی کا تعلق مرد یا عورت ہونے پر موقوف نہیں ہے، اس کا تعلق اشخاص

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کے اپنے اپنے مزاج اور جبلّت (Nature) سے ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں جن جرائم پر اللہ تعالیٰ نے سزائیں مقرر فرمادی ہیں، اِن میں ''حدِ حرابہ'' بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ یَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ اَرۡجُلُہُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ؕ ذٰلِکَ لَہُمۡ خِزۡیٌ فِی الدُّنۡیَا وَ لَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿ۙ۳۳﴾

ترجمہ: ''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں ڈاکے ڈالتے ہیں، اُن کی یہی سزا ہے کہ اُن کو چن چن کر قتل کیا جائے یا اُن کو سولی دی جائے یا اُن کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے کاٹ دیے جائیں یا اُن کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکال دیا جائے، یہ اُن کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لیے بڑا عذاب ہے''۔ (المائدہ:33)

بعض مُفسّرین کرام نے زنا بالجبر یا عورت کی عصمت دری (Rape) کو ''حرابہ'' میں شامل کیا ہے، کیونکہ بعض صورتوں میں یہ کئی جرائم (لوٹ مار، عصمت دری اور قتل) کا مجموعہ بن جاتا ہے۔ جو عورت شوہر کے لیے تکلیف وایذا کا سبب بنتی ہو، اُس کے لیے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : لَاتُؤْذِی اِمْرَأَۃٌ زَوجَھَا اِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُہٗ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ: لَاتُؤْذِیْہِ قَاتَلَكِ اللهُ! فَاِنَّمَا ھُوَ عِنْدَكِ دَخِیْلٌ أَوْشَكَ اَنْ یُّفَارِقَكِ اِلَیْنَا۔

ترجمہ: ''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی عورت اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے، تو حوروں میں سے اس کی بیوی کہتی ہے کہ اسے تکلیف نہ دو، اللہ! تجھے ہلاک کرے، یہ تو تیرے پاس چند روز کے لیے ہے۔ عنقریب یہ (وفات کے بعد) تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آجائے گا''۔

(سُنن ابن ماجہ:2014، سنن ترمذی، رقم الحدیث:1177، مسند احمد:22162)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

نوٹ: حدیث کا یہ متن سنن ابن ماجہ کے مطابق ہے، سنن ترمذی میں معمولی لفظی فرق ہے۔
اگر کوئی عورت شریعت کے احکام سن کر بھی اپنے رویے سے باز نہ آئے تو قرآن مجید میں اسے ''ناشزہ'' (نافرمان) قرار دیا گیا ہے اور اس کے لیے قرآن مجید میں تدریجی اصلاح کا جو طریقہ تعلیم فرمایا ہے، وہ یہ ہے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ

ترجمہ: ''اور تمہیں جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو، انہیں سمجھاؤ اور (اگر نصیحت بے اثر ثابت ہو تو) خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہو اور (پھر بھی باز نہ آئیں تو) انہیں (تنبیہ کے طور پر معمولی) مار پیٹ کرو''۔ (النساء:34)

اس آیۂ مبارکہ میں نافرمان بیوی کی اصلاح کے لیے تین مرحلے تجویز کیے گئے ہیں:
(۱) اُسے پیار و محبت سے سمجھائیں، واعظانہ اور ناصحانہ انداز میں اسے اس کے رَدِیّے کے برے نتائج سے آگاہ کریں، چنانچہ فرمایا: فَعِظُوْهُنَّ، یعنی انہیں نصیحت کرو۔
(۲) اگر وعظ و نصیحت کارگر ثابت نہ ہو تو تنبیہ کے طور پر خواب گاہ میں اس سے علیحدگی اختیار کرو، شاید اُسے سمجھ آجائے۔ یہ قطعِ تعلق نفرت کے جذبے سے نہیں بلکہ اصلاح کی نیت سے کیا جائے، اس کے لیے فرمایا: وَاهْجُرُوْهُنَّ، یعنی عارضی طور پر ان سے دوری اختیار کرو۔
(۳) اگر یہ تدبیر بھی کارگر ثابت نہ ہو تو تنبیہ کے طور پر معمولی مار پیٹ کی اجازت ہے، لیکن چہرے پر تھپڑ مارنے یا ضربِ شدید کی اجازت نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اہلِ خانہ سے حسنِ سلوک کی تعلیم دی اور اسے کمالِ انسانیت کا معیار قرار دیا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: خَیْرُكُمْ خَیْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَیْرُكُمْ لِأَهْلِی۔

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے اچھا ہو اور میں تم میں اپنے اہل کے لیے سب

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

بہترین ہوں''۔ (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 1977)

3۔ جذباتی عوامل (لڑکے اور لڑکی کی بڑھتی ہوئی عمر کے جذباتی عوامل)

اِس سے مراد لڑکے اور لڑکی کے سنِ بلوغت میں داخل ہوتے ہوئے نفسیاتی اور ذہنی طور پر ہونے والی تبدیلی کے عمل سے ہے۔ جس میں لڑکا اور لڑکی مختلف طور پر ابھرنے والے جنسی خیالات کو جذبات کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔

جواب:

شریعتِ مُطہرہ میں نسلِ نو کی تربیت کے لیے واضح اصول بیان کیے گئے ہیں اور ان اصولوں کی تدوین میں اِس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ نسلِ نو کی عمدہ تربیت کے ساتھ اُن کے فطری جذبات اور احساسات کی پاکیزگی متاثر نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں جب شعور کی عمر کو پہنچتے ہیں، تو شریعت نے اُن کے باہم اختلاط کو روا نہیں رکھا کہ اِس طرح آزادانہ باہمی اختلاط و میل جول، اُن کی شخصیت، عادات واَخلاق علم وصحت اور جسم واعصاب پر گہرا اثر چھوڑتے ہیں، جو اگر منفی ہو، تو کردار کو ہمیشہ کے لیے داغدار بنا دیتا ہے۔ اس لیے والدین اور سرپرستوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اِس بڑھتی ہوئی عمر میں خصوصاً بچوں کی نگرانی کریں اور نوخیز، قریب البلوغ اور بالغ لڑکے لڑکیوں (خواہ وہ بھائی بہن ہوں) کو خلوت (Privacy) میں میل جول کے مواقع فراہم نہ کریں۔

اِسی اَخلاقی تربیت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ جب بچوں کی عمر دس سال ہو جائے، تو اُن کے بستر بھی علیحدہ کر دو۔ اِس حکم کی حکمت یہ ہے کہ کہیں ایک بستر پر موجود ہونے کے سبب بیداری یا نیند کی حالت میں ایک دوسرے کے جسم کے مستور حصوں پر نظر پڑنے یا جسم کے لمس سے اُن میں اشتعال اور ہیجان پیدا ہو سکتا ہے اور ایسی صورت حال میں بعض اوقات انسان جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ بچوں کی عمدہ تربیت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ، وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ،

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ۔

ترجمہ: ''تمہارے بچے جب سات سال کے ہوجائیں، تو اُنہیں نماز کا حکم دو اور جب وہ دس سال کے ہوجائیں (اور نماز نہ پڑھیں) تو اُنہیں (ادب سکھانے کے لیے ہلکی مار) مارو اور اُن کے بستر علیحدہ کردو''۔ (سُنن ابوداؤد، رقم الحدیث: 496)

اسلام نے انسان کی خلوت (Privacy) کو اتنی اہمیت دی ہے اور ایسے اَحکامِ شرعیہ نافذ فرمائے کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں اُس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہوتا کہ باپردہ خواتین، گھر کا سامان، پوشیدہ چیزیں اور مخفی خزانے دوسروں سے محفوظ رہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو، جب تک اجازت نہ لے لو''۔ (النور: 27)

اِسی سورۂ مبارکہ میں مسلم مرد وخواتین کو مزید تاکید فرمائی گئی ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪

ترجمہ: ''آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہیں پست رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ اُن کے لیے بہت پاکیزہ ہے، بے شک اللہ ان کے کاموں سے باخبر ہے اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود ظاہر ہو اور اپنے دوپٹوں کو اپنے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

گریبانوں پر ڈالے رکھیں اور اپنی زیبائش کو صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں یا اپنے باپ دادا پر یا اپنے شوہروں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی خواتین پر یا اپنی مملوکہ باندیوں (نوکرانیوں) پر یا اپنے ان نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو یا اُن لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں''۔ (النور: 31-30)

حدیث پاک میں ہے:

أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: أَرْدَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ يَوْمَ النَّحْرِ خَلْفَهُ عَلَى عَجُزِ رَاحِلَتِهِ، وَكَانَ الفَضْلُ رَجُلًا وَضِيئًا، فَوَقَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلنَّاسِ يُفْتِيهِمْ، وَأَقْبَلَتِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ وَضِيئَةٌ تَسْتَفْتِي رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَطَفِقَ الفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا، وَأَعْجَبَهُ حُسْنُهَا، فَالْتَفَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا، فَأَخْلَفَ بِيَدِهِ فَأَخَذَ بِذَقَنِ الفَضْلِ، فَعَدَلَ وَجْهَهُ عَنِ النَّظَرِ إِلَيْهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سواری کے پیچھے حضرت فضل بن عباس کو بٹھالیا۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما بہت خوبصورت تھے، یہ دس ذوالحجہ کا دن تھا، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسائل پوچھ رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو جواب دے رہے تھے۔ قبیلہ خثعم کی ایک حسین عورت آئی اور وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنے لگی۔ حضرت فضل کو اُس عورت کی خوب صورتی اچھی لگی اور وہ اس عورت کی طرف دیکھنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے مڑ کر حضرت فضل کو اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فضل کی ٹھوڑی اپنے ہاتھ سے پکڑی اور اُن کا چہرہ اُس عورت کی طرف سے دوسری جانب پھیر دیا''۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: 6228)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

4۔لڑکے اور لڑکی کا ہم عمر دوست/سہیلی کے ساتھ میل جول:

عام طور پر ہم عمر دوست اور سہیلی کی آپس میں ہونے والی گفتگو کے دباؤ کا تعلق نوجوان اور بڑھتی ہوئی عمر کے لڑکے اور لڑکی سے ہوتا ہے، جس میں لڑکا اور لڑکی عمر کے اس حصے میں والدین کے اثر سے باہر ہورہے ہوتے ہیں، مگر وہ ابھی معاشرتی رشتوں اور اقدار کے بارے میں فیصلہ نہیں کر پارہے ہوتے اور نہ ہی اپنے طرزِ عمل کے نتائج سے آگاہ ہوتے ہیں۔

جواب:

بچے کی ابتدائی پرورش اور تربیت کا دور صرف چند اشخاص کے گرد ہی رہتا ہے اور اس وقت میں بچے کی تربیت جن خطوط پر کی جارہی ہوتی ہے، وہ بچے کی عادات واطوار درست یا غلط بناتے ہیں، لیکن جب یہ دور ختم ہوتا ہے اور بچے کا ماحول تبدیل ہوتا ہے، اُس کے حلقۂ احباب میں لوگ بڑھتے ہیں، دوسروں لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اب وہ سوسائٹی کی بنیادی خوبیوں یا خامیوں کو قریب سے دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔اس عمر میں اُسے صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کرنا بعض اوقات مشکل نظر آتا ہے، زیادہ تر اپنے سامنے رونما ہونے والے واقعات کو اپنا آئیڈیل بناتا ہے۔یہ وقت خاص نگہداشت کا ہے۔غلط صحبت برائی کے راستے پر لے جاتی ہے اور اچھا ماحول اُسے کامیاب اور اچھا انسان بننے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ایسے وقت میں والدین کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اُن کی اولاد اچھے دوستوں کا انتخاب کریں، فحش اور غیر معیاری لٹریچر نہ پڑھنے دیں، ماحول اور ذہن دونوں کو پاک وصاف رکھیں، اُنہیں آلودہ نہ ہونے دیں۔اس ضمن میں نمبر 3 کی ذیل میں جو معروضات پیش کی گئیں، اُن پر عمل کافی ہوگا۔آج کل مخلوط تعلیم (Co-Education) ٹی۔وی پر فحش ڈرامے اور فلمیں، فحش مناظر اور انٹرنیٹ بھی اَخلاقی تباہی کا باعث بن رہے ہیں، اس لیے نوعمر لڑکے اور لڑکیوں کو نیٹ تک رسائی عام بیٹھک (Common Room) میں دینی چاہیے، نہ کہ ان کی خواب گاہ (Bed Room) میں، ورنہ اس کے نقصانات فوائد سے زیادہ ہوں گے۔ہمارے لبرل طبقات اپنی دانست میں مغربی آزادی اور آزاد خیالی کی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

تقلید کرنا چاہتے ہیں، شاید اُن کے خیال میں مغرب سائنسی وفنی ترقی کا سبب مادر پدر آزادی ہے، حقیقت اس کے برعکس ہے، اُن کی سائنسی وفنی ترقی کا سبب جدید علوم کی اہمیت کو سمجھنا، اُن کو حاصل کرنا اور اُن علوم میں اَقوامِ عالم کا قائد بننا ہے، بلکہ سپر ٹیکنالوجی پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا ہے، اسی لیے وہاں بیہودہ اور فحش فلمیں ہمارے کیبل کی طرح گھر گھر دستیاب نہیں ہیں۔ ایسی فلمیں اسکول جانے والے بچوں کے سونے کے بعد دکھائی جاتی ہیں اور اُن کی اسکول گریجویشن ہمارے انٹرمیڈیٹ کے برابر ہے اور ایسی فلمیں اور مناظر صرف اُن کا معاوضہ دے کر دیکھے جاسکتے ہیں۔

5۔ خاندانی منصوبہ بندی:

خاندانی منصوبہ بندی کا مطلب ہے کہ ایک شادی شدہ جوڑا (مرد اور عورت) کب اور کتنے بچے پیدا کرنا چاہتا ہے، اس حوالے سے یہ طے کرنا کہ عورت نے کب حاملہ ہونا ہے؟، بچوں کی تعداد کتنی ہونی چاہیے؟ حمل کے مسائل سے کیسے بچا جائے اور غیر ارادی حمل کو کیسے روکا جائے؟، یہ سب خاندانی منصوبہ بندی کا حصہ ہے۔

جواب:

اسلام نے نسلِ انسانی کی بقا اور اُس کے ارتقا کا ذریعہ توالد و تناسل رکھا ہے، جس کے لیے نکاح کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ ترجمہ: ''اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کردو''۔ (النور:32)

نکاح زنا کے سدِّ باب کا ایک قوی ذریعہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ۔

ترجمہ: ''اے گروہِ نوجوانان! تم میں سے جو اسبابِ جماع کی قدرت رکھتا ہو، چاہیے کہ وہ نکاح کرلے کیونکہ یہ نگاہ کو زیادہ محفوظ رکھتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کا زیادہ مؤثر ذریعہ ہے''۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث:5066)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

یہ ایک فطری امر ہے کہ شادی کے بعد زوجین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُن کے اِس رشتۂ نکاح کے نتیجے میں اولاد کی نعمت حاصل ہوجائے، اس حوالے سے یہ طے کرنا کہ بچوں کی تعداد کتنی ہونی چاہیے؟ حمل کے مسائل سے کیسے بچا جائے اور غیر ارادی حمل کو کیسے روکا جائے؟، یہ سب خاندانی منصوبہ بندی کا حصہ ہے۔

زمانۂ قدیم میں امتناعِ حمل کے لیے ایک طریقہ ''عزل'' رائج تھا۔ حدیث پاک میں ہے:

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نَعْزِلُ عَلٰی عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَبَلَغَ ذٰلِكَ نَبِیَّ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ یَنْهَنَا عَنْهُ۔

ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عزل کرتے تھے، نبی ﷺ کو اس کی خبر پہنچی، تو آپ ﷺ نے ہمیں اِس سے منع نہیں فرمایا''۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: 3559)

امام غزالی نے اپنے زمانے کے حالات، ضروریات اور وسائل کے اعتبار سے عزل کی پانچ صورتیں بیان کی ہیں: ایک صورت حرام، ایک بدعت اور تین صورتیں جائز قرار دی ہیں۔ موجودہ ترقی یافتہ دور میں منعِ حمل کے مختلف جدید ذرائع موجود ہیں، بہت سے نئے اسباب اور وسائل وجود میں آچکے ہیں، ضروریات اور تقاضے بڑھ گئے ہیں اور مسائل بھی زیادہ ہیں۔ ہمارے نزدیک امتناعِ حمل کے درج ذیل طریقے شرعاً جائز ہیں:

(1) کھانے والی گولیاں (Tablets)

(2) انجکشن

(3) کیمیاوی اشیاء (Chemical Method) مثلاً فوم جیلی اور کریم وغیرہ کا بیرونی استعمال

(4) کنڈومز (Condoms)

(5) ڈایافرام

(6) چھلا (Loop)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

(7) نل بندی (Tubal Ligation)

(ا) نل بندی (Tubal Ligation):

نل بندی (Tubal Ligation) کے عمل میں عورت کے بیضہ دان کی نالی (Fallopian Tube) کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے، یہ عمل صرف اس صورت میں جائز ہے جب کوئی ماہر مسلمان ڈاکٹر یہ کہے کہ بچہ پیدا ہونے یا مزید بچے پیدا ہونے سے عورت کی ہلاکت کا ظنِ غالب ہے یا یہ کہ عورت کے بچے آپریشن کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتے اور مزید آپریشن کرنے سے عورت کی ہلاکت کا اندیشہ ہے، طبی اصطلاح میں ایسی عورت کو Caesarean کہتے ہیں، ان صورتوں میں نل بندی صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے، کسی طبی سبب کے بغیر یہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) نس بندی (Vasec Tomy):

ضبطِ تولید کا ایک طریقہ نس بندی (Vasec Tomy) ہے، جس میں مرد کی جن نالیوں سے تولیدی جرثومے (Sperm) گزرتے ہیں، ان نالیوں کو کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے، یہ طریقہ شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے، کیونکہ اس سے مرد بانجھ ہوجاتا ہے، اس کے مقابل عورت کی نل بندی کی جاتی ہے، جس کا حکم اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہم نے شرح صحیح مسلم، جلد:3، ص:887 تا 891 میں اس مسئلے پر مفصل بحث کی ہے، جس میں مندرجہ بالا صورتوں کے علاوہ چند صورتیں اور بیان کی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ اگر سلسلۂ تولید کو قائم رکھنے سے عورت کے شدید بیمار ہونے کا خدشہ ہو تو ضبطِ تولید جائز ہے۔

۲۔ مسلسل پیدائش سے بچوں کی تربیت اور نگہداشت میں حرج کا خدشہ ہو تو وقفے سے پیدائش کے لیے ضبطِ تولید جائز ہے، کیونکہ جب گھر میں صرف ایک عورت ہو اور نو، دس ماہ بعد دوسرا بچہ آجائے تو اس کے لیے دونوں کو سنبھالنا مشکل ہوتا ہے۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

۳۔حمل اور وضع حمل کے وقفوں کے دوران بعض صورتوں میں زوجین اپنی جنسی خواہش پوری نہیں کر سکتے ،اس لیے اس مقصد کی خاطر حمل میں وقفہ کرنے کے لیے امتناع حمل کے جائز ذرائع استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

۴۔اگر کوئی شخص عورت سے محبت کی وجہ سے اس کو ایامِ حمل ،دردِ زہ اور زچگی کی تکالیف سے بچانا چاہتا ہو تو یہ جائز ہے۔

۵۔عام طور پر بچوں کی مسلسل پیدائش سے عورت کا حسن و جمال کم یا ختم ہو جاتا ہے،اس لیے عورت کے حسن و جمال کو قائم رکھنے کے لیے امتناعِ حمل کے جائز طریقے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

امام غزالی نے فرمایا ہے:

۶۔زیادہ بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی خاطر انسان کو آمدنی کے لیے زیادہ محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے،انسان دوہری تہری نوکریاں اور اوورٹائم کرتا ہے اور بسا اوقات ناجائز وسیلوں کو بھی اختیار کرتا ہے۔لہٰذا اپنے آپ کو استطاعت سے زیادہ محنت و مشقت سے بچانے اور مالی بوجھ کم کرنے کے لیے یہ عمل جائز ہے، کیونکہ جس قدر آمدنی کے لیے مشقت کم ہوگی وہ اتنا ہی عبادت کے لیے فارغ ہوگا ،امام غزالی نے بھی اس سبب کو جائز قرار دیا ہے۔اس بحث میں انہوں نے لکھا ہے کہ ہم نے اسلامی قانون کی ان حکمتوں کے تحت یہ رائے قائم کی ہے جو عدمِ حرج اور یُسر پر مبنی ہیں۔اس بحث کو خالص مادّہ پرستانہ اور لادینی سوچ سے الگ سمجھا جائے۔

الغرض بعض صورتوں میں امتناعِ حمل کے غیر مُضِر اسباب اختیار کیے جاسکتے ہیں،لیکن استقرارِ حمل اور جنین (رحمِ مادر میں بچے) میں جب جان پڑ جائے،تو اس کے بعد اسقاطِ حمل (Abortion) قتلِ نفس ہے اور حرام ہے۔

6۔جنسی اور تولیدی نظام:

لڑکے اور لڑکی کے جسم میں بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ جسمانی تبدیلیاں آتی ہیں، جس

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

سے لڑکے اور لڑکی کا جنسی تولیدی صحت کا نظام بھی تبدیل ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ لڑکے میں تبدیلیاں: 10 سے 14 سال کی عمر میں لڑکے کے خلیوں میں تبدیلی آنا شروع ہوتی ہیں مردانہ ہارمونز بننے شروع ہوجاتے ہیں، جنسی طور پر متحرک اور رات کو خواب میں احتلام ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ لڑکی میں تبدیلیاں: 9 سے 13 سال کی عمر میں لڑکی کے مخصوص ایام شروع ہوجاتے ہیں اور ہر ماہ لڑکیوں کی بیضہ دانی میں انڈے پیدا ہونا شروع ہوجاتے ہیں، یہ انڈے ماہانہ ایام کی صورت میں جسم سے خارج ہوتے ہیں۔ یہ عمل ماہانہ ایام کے بند ہونے تک جاری رہتا ہے۔

جواب:

اسلام انسانی فطری تقاضوں کی نفی نہیں کرتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ ہر موقع پر، چاہے محبت یا نفرت کا موقع ہو یا انتہائی مسرت یا رنج وملال کا موقع ہو، انسان حدودِ شرع کو پامال نہ کرے، ایسے مواقع پر ان جذبات کو جبراً کچل دینا خلافِ فطرت ہوتا اور انسان کی شخصیت کی نشوونما مُثبت خطوط پر نہ ہوتی۔ بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ ان تمام فطری جذبات ومواقع کے اظہار کو حدودِ شرع کا پابند کردے، نفس کے منہ زور گھوڑے کو شریعت کی لگام دے۔

اسلام نے انسانی جبلّت وفطرت کے تقاضوں کی تسکین کے لیے جوڑے قائم فرمائے۔ زوجین کے درمیان غیر معمولی محبت پیدا کردی، جنسی عمل اپنی اصل کے اعتبار سے ایک حیوانی عمل ہے، لیکن اسلام نے اسے تقدیس اور عبادت کا درجہ عطا کیا۔ اسے بے حیائی کے فروغ کا ذریعہ نہیں بننے دیا بلکہ اسے عِفّت، حیا اور غیرت وحمیّت کا محافظ بنا دیا۔ نسلِ انسانی کی افزائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو زوجین کے حق میں پرکشش فرما دیا اور مرد وعورت کے درمیان اللہ تعالیٰ نے اسے زوجین کی باہم پاکیزہ محبت اور ایک دوسرے کے لیے شفقت پر استوار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ترجمہ: ''اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم کو اُن سے سکون حاصل ہو اور اُس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی''۔ (روم:21)

اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت میں سے ہر ایک کا جسم، دوسرے کے جنسی تقاضوں اور طلب کے موافق بنایا، پھر ایک متوازن اور متناسب تعداد میں ہر ایک کی پیدائش وافزائش کا سلسلہ جاری فرمایا۔ ہزاروں سال سے یہ سلسلہ یونہی جاری ہے اور ایک معروف اور منضبط طریقہ سے انسانوں کی پیدائش کا یہ سلسلہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی قدرت کا شاہکار ہے۔

7۔ جنسی تعلق سے پیدا ہونے والی بیماریاں:

جنسی بیماریاں عام طور پر مرد کے عورت کے ساتھ ہونے والے جنسی تعلق کی بنیاد پر ہوتی ہے، ان بیماریوں کی تعداد 30 کے قریب ہے جو کہ جنسی تعلق کے بکٹیریا، جراثیم اور وائرس سے پھیلتی ہیں۔ بہت سی جنسی بیماریاں خاص طور پر ایچ۔آئی۔وی وغیرہ خون کے انتقال سے منتقل ہوسکتی ہے جبکہ حمل کے دوران ماں سے بچے کو ہونے کے امکانات بھی ہوسکتے ہیں۔ بہت سی جنسی بیماریاں لمبی اور پیچیدہ علامات کے ساتھ ہوتی ہیں، جس میں بانجھ پن، طویل بیماری اور حمل کے مسائل شامل ہیں۔ احتیاط اور صحت مندانہ طرزِ زندگی اپنانے سے ان بیماریوں سے بچا جاسکتا ہے۔

جواب:

اسلام ایک صحت مند مسلم معاشرے کے فروغ کے لیے زریں اصول پیش کرتا ہے، انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں واضح ہدایت اور رہنمائی کرتا ہے۔ حیاتِ انسانی کا کوئی بھی شعبہ ان تعلیمات و ہدایات سے خالی اور اس کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

عَنْ سَلْمَانَ، قَالَ: قِيلَ لَهُ لَقَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ، قَالَ: أَجَلْ لَقَدْ نَهَانَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، وَأَنْ لَا نَسْتَنْجِيَ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

بِالْیَمِیْنِ، وَأَنْ لَا یَسْتَنْجِیَ أَحَدُنَا بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، أَوْ نَسْتَنْجِیَ بِرَجِیْعٍ أَوْ عَظْمٍ۔

ترجمہ:''حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بعض کُفّار نے (طنز وتمسخر کے طور پر) کہا: ''تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو تمہیں سب کچھ سکھا دیا ہے یہاں تک کہ قضائے حاجت کا طریقہ بھی، اُنہوں نے کہا: ہاں! بالکل، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں قضائے حاجت یا پیشاب کے وقت قبلہ رو بیٹھنے، دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے اور (کامل صفائی کے لیے) تین پتھروں سے کم میں استنجا کرنے اور گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے (یعنی تین بار استنجا کرنے کا حکم دیا ہے)''۔ (سُنن ابوداود، رقم الحدیث:7)

اسلام نے طہارت وصفائی کے اعلیٰ اصول بیان فرمائے ہیں یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔

ترجمہ:''بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں اور طہارت رکھنے والوں کو پسند فرماتا ہے''۔ (البقرہ:222)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے طہارت کے متعلق ارشاد فرمایا:

اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِیْمَانِ۔

ترجمہ:''پاکیزگی نصف ایمان ہے''۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث:534)

طہارت کے یہ معنیٰ ظاہر وباطن دونوں کو شامل ہیں۔ فحاشی، زنا، لواطت اور جنسی بے راہ رَوی بہت سی مہلک، متعدی اور خطرناک بیماریوں کا سبب بنتی ہیں، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

یَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِیْنَ! خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِیْتُمْ بِهِنَّ، وَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ أَنْ تُدْرِكُوْهُنَّ لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِیْ قَوْمٍ قَطُّ، حَتّٰی یُعْلِنُوْا بِهَا، إِلَّا فَشَا فِیْهِمُ الطَّاعُوْنُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِیْ لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِیْ أَسْلَافِهِمُ الَّذِیْنَ مَضَوْا۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

ترجمہ:''اے مہاجرین کے گروہ! پانچ باتیں ایسی ہیں کہ اگرتم اُن میں مبتلا ہوگئے اور میں اِس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی اُن میں مبتلا ہو۔(پھر آپ نے اُن کوشمار کروایا:) جب کوئی قوم عَلانیہ (کھلم کھلا) بے حیائی کا ارتکاب کرنے لگے تو اس میں طاعون، مہلک اور تکلیف دہ بیماریاں پھیل جاتی ہیں، جو اُن کے اَسلاف میں نہیں پائی جاتی تھیں''۔(سُنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:4019)

آج ہم اگر مشاہدہ کریں تو ایڈز جیسی مہلک بیماری اُسی جنسی بے راہ روی کا نتیجہ ہے، جس کا انجام متاثرہ شخص کی موت کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''قضائے شہوت کے لیے مرد کا عورت کے ساتھ ازدواجی عمل جانوروں کے شہوانی عمل کے مشابہ ہے، اس عمل کو صرف اس وجہ سے اچھا قرار دیا گیا کہ یہ حصولِ اولاد کا سبب ہے اور جب یہ عمل (اپنی بیوی کے علاوہ غیر عورت کے ساتھ محض حیوانی جذبات اور جنسی شہوت کی تسکین کے لیے) کیا جائے، تو یہ نری حیوانیت ہے اور انسانیت کے مقام سے حیوانوں کی پستی میں جا گرنا ہے''۔

اِسی طرح ہم جنس پرستی (Homosexuality) بھی کئی خطرناک بیماریوں کا سبب بنتی ہے۔اِس بارے میں علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے رحم میں منی کو جذب کرنے کی بہت زبردست قوت رکھی ہے، پس جب مرد عورت کے ساتھ یہ عمل کرتا ہے، تو مرد کے عضو کی نالی سے منی کے تمام قطرات مُنجذِب (Suck) ہوکر عورت کے رحم میں پہنچ جاتے ہیں، اس کے برعکس جب مرد، مرد کے ساتھ یہ عمل کرے گا، تو مفعول کی مَقعَد (Rump) میں چونکہ منی کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، تو اس عمل کے بعد فاعل کے عضو کی نالی میں کچھ قطرات اور ذرات رہ جاتے ہیں، جن میں تعفُّن (Rohenness) پیدا ہوجاتا ہے، جس سے عضو سوج جاتا ہے اور مہلک قسم کے امراض پیدا ہوجاتے ہیں، مثلاً سوزاک وغیرہ''۔(تبیان القرآن، جلد 4، ص:217-216)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

آپ کی اس نشاندہی کا تقاضا یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً میڈیکل ٹیسٹ ہونے چاہییں اور یہ حکومت کی ذمے داری ہے کہ وہ اس کا اہتمام کرے تاکہ جن افراد میں ایسے امراض کی نشاندہی ہو جواز دواجی عمل سے شوہر سے بیوی یا بیوی سے شوہر کو منتقل ہو سکتے ہیں، اُن کے علاج اور حفاظتی تدابیر کا بندوبست کیا جائے۔ زنا اور دَوَاعی ومُحرِّکاتِ (Incentive) زنا کا سَدِّ باب کیا جائے۔ آج کل الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا اور انٹرنیٹ وجنسی بے راہ رَوی اور جنسی اشتعال وہیجان (Sexual Ignation) کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔

8۔ لڑکے اور لڑکی یا عورت ومرد کے درمیان حسنِ معاشرت:

اِس سے مراد معاشرے میں رواج پانے والے عورت ومرد کے درمیان جذباتی اور جنسی لگاؤ ہے۔ جنسی لگاؤ میں دونوں کے درمیان پیار، محبت اور جنسی تسکین کا شامل ہونا ایک قدرتی امر ہے جبکہ جذباتی وابستگی عام طور پر ہر میل جول، انسانی تجربات اور اکٹھے رہنے سے پروان چڑھتی ہے۔ عورت ومرد کے درمیان حسنِ معاشرت سے لوگوں کے درمیان رشتے استوار ہوتے ہیں اور جذباتی لگاؤ اور چاہے جانے کے عالمی جذبے کو بھی پورا کرتے ہیں۔

جواب: اسلام ایک عمدہ معاشرے کی تشکیل کے لیے جو معاشرتی ذمہ داریاں افراد پر عائد کرتا ہے، اُن میں ایک اہم اصول حسنِ معاشرت بھی ہے۔

اِس فریضے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے تعلقات میں حسنِ سلوک کا حکم دیا: **وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا**

ترجمہ: ''اور لوگوں سے اچھی باتیں کہو''۔ (البقرہ: 83)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔

ترجمہ: ''اور لوگوں کے ساتھ حسنِ خُلق سے پیش آؤ''۔ (سُنن ترمذی: 1987)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ؟، أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جب تک تم

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ایمان نہیں لاؤ گے جنت میں داخل نہیں ہو گے اور تم اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہو گے، جب تک آپس میں محبت نہیں کرو گے، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں کہ جس پر عمل کر کے تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟، ایک دوسرے کو بکثرت سلام کیا کرو"۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث:194)

رسول اللہ ﷺ نے بکثرت احادیث میں مسلمانوں کے مابین حسنِ سلوک اور ایک مومن کے دوسرے مومن پر حقوق کو بارہا بیان فرمایا ہے، جیسے ملاقات کے وقت سلام میں پہل کرنا، سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، کسی مسلمان کے انتقال پر اُس کے جنازے میں شریک ہونا، اُس کے لیے دعائے مغفرت کرنا وغیرہ۔ غرض ہر حال اور ہر کام میں مسلمان کی خیر خواہی دینی تعلیمات کا مقصود ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟، قَالَ: لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ۔

ترجمہ: "دین خیر خواہی (کا نام) ہے، ہم (صحابہ) نے عرض کی: حضور کس کی خیر خواہی کریں؟، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی، کتاب اللہ کی، رسول اللہ کی، ائمۂ مسلمین کی اور عام مسلمانوں کی"۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:196)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِنِسَائِهِمْ۔

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومنین میں سب سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے، جس کا خُلق سب سے اچھا ہے اور تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جن کا اپنی بیویوں کے ساتھ خُلق سب سے بہتر ہے"۔

(سُنن ترمذی، رقم الحدیث:1162)

رسول اللہ ﷺ نے اہلِ خانہ سے حسنِ سلوک کی تعلیم دی اور اسے کمالِ انسانیت کا معیار قرار دیا۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا ،عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِأَھْلِہٖ وَأَنَا خَیْرُکُمْ لِأَھْلِی۔

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے اچھا ہو اور میں تم میں سے اپنے اہل کے لیے سب سے بہترین ہوں''۔ (سُنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 1977)

معاشرتی حسنِ سلوک کے لیے باہمی ربط اور میل جول کو اگرچہ لازم قرار دیا گیا لیکن شریعت نے مرد وعورت کے باہمی اختلاط کو ناپسند فرمایا اور اِس سے منع فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو، جب تک اجازت نہ لے لو''۔ (النور: 27)

اِسی سورۂ مبارکہ میں آگے چل کر مسلم مرد وخواتین کو تاکید فرمائی:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪

ترجمہ: ''آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہیں پست رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ اُن کے لیے بہت پاکیزہ ہے، بے شک اللہ ان کاموں کی خبر رکھنے والا ہے، جن کو وہ کرتے ہیں۔ اور آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر جو خود ظاہر ہو اور اپنے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں اور اپنی زیبائش کو صرف اپنے شوہروں پر ظاہر کریں یا اپنے باپ دادا پر یا اپنے شوہروں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی خواتین پر یا اپنی مملوکہ باندیوں (نوکرانیوں) پر یا اپنے ان نوکروں پر جن کو عورتوں کی شہوت نہ ہو یا اُن لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم والی باتوں پر مطلع نہ ہوں''۔ (النور: 31-30)

اسلامی معاشرے میں اجنبی مرد وعورت کے اختلاط سے منع کیا گیا ہے۔ جن خیالات کا آپ نے اظہار کیا کہ ''جنسی لگاؤ میں دونوں کے درمیان پیار، محبت اور جنسی تسکین کا شامل ہونا ایک قدرتی امر ہے جبکہ جذباتی وابستگی عام طور پر ہر میل جول، انسانی تجربات اور اکٹھے رہنے سے پروان چڑھتی ہے''، شریعت نے اِس لگاؤ اور میل جول کو صرف شوہر وبیوی کے درمیان جائز رکھا ہے، اجنبی مرد وعورت کے درمیان جنسی تعلق زنا ہے جو حرامِ قطعی ہے اور اس کے لیے حدِّ شرعی مُقرر ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ اجنبی مرد وعورت کی خَلوت (Privacy)، بوس وکنار، لَمس اور اس موضوع کی باتیں سب حرام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''فَالْعَيْنُ زِنَاهَا النَّظَرُ، وَالْيَدُ زِنَاهَا اللَّمْسُ''

ترجمہ: ''پس آنکھ کا زنا وہ دیکھنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے''۔

(مسند امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث: 8598)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لِكُلِّ بَنِي آدَمَ حَظٌّ مِنَ الزِّنَى، فَالْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ، وَزِنَا هُمَا النَّظَرُ، وَالْيَدَانِ تَزْنِيَانِ، وَزِنَاهُمَا الْبَطْشُ، وَالرِّجْلَانِ تَزْنِيَانِ، وَزِنَاهُمَا الْمَشْيُ، وَالْفَمُ يَزْنِي، وَزِنَاهُمَا الْقُبَلُ۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بنی آدم کے (برے عمل میں) زنا سے حصہ ہے، پس آنکھیں زنا کرنے والی ہیں اور اُن کا زنا (کسی غیر محرم کو بری نظر سے) دیکھنا ہے اور دونوں ہاتھ زنا کرنے والے ہیں اور اُن کا زنا (کسی برائی کی طرف) ہاتھ بڑھانا ہے، آدمی کے دونوں پیر زنا کرنے والے ہیں اور اُن کا زنا

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

برائی کی طرف چلنا ہے اور منہ زنا کرتا ہے اور اُس کا زنا (ناجائز) بوسہ دینا ہے''۔

(مسند امام احمد بن حنبل، رقم الحدیث:8526)

اس ارشادِ نبوی سے مقصود یہ ہے کہ جب نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اُن اسباب وذرائع کو اختیار کریں گے، جو نوجوانوں میں جنسی اشتعال وہیجان کا سبب بنتے ہیں، تو ان کا نتیجہ (Consequence) اکثر صورتوں میں زنا اور دیگر اَخلاقی خرابیوں کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔

قادیانیوں کے ساتھ کاروباری معاملات

سوال:

ہماری مارکیٹ میں قادیانی کمپنی کی مصنوعات فروخت کی جاتی ہیں، کمپنی کی جانب سے فراہم کردہ انعامی رقم کے ذریعے عمرہ پر بھیجا جاتا ہے۔ قادیانیوں سے کاروباری معاملات رکھے جاسکتے ہیں یا نہیں؟۔ ان سے فراہم کردہ رقم سے کسی مسلمان کو عمرہ کرایا جاسکتا ہے۔ (انیس احمد پراچی، گلشن اقبال کراچی)

جواب:

قادیانی شرعی اور آئینی طور پر دائرۂ اسلام سے خارج ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ کو آخری نبی ماننا اُمت مسلمہ کا متفقہ، قطعی حتمی اور لازمی عقیدہ ہے، ایمان کی اساس ہے، قادیانی اِس عقیدے سے منحرف ہیں۔ قادیانیوں کے ساتھ کسی بھی قسم کا کاروباری لین دین کرنا حرام ہے۔ مفتی وقار الدین رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''حکومتِ اسلامی میں کافر اور مرتد کے احکام میں فرق ہے۔ کافر سے معاملات جائز ہیں جبکہ مرتد سے معاملات بھی جائز نہیں ہیں اور مرتد کسی مال کا مالک ہی نہیں رہتا''۔

(وقار الفتاویٰ، ص:273)

اس اصول کی روشنی میں جو شخص پہلے مسلمان تھا، پھر اُس نے قادیانی مذہب اختیار کر لیا، تو وہ مرتَد ہے اور اُس سے کسی قسم کا معاملہ رکھنا اور کاروباری لین دین جائز نہیں ہے۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

لیکن جو پیدائش کے بعد قادیانی عقیدے پر پلا بڑھا، وہ کافر ہے، کیونکہ مرتد کی اولاد کافر ہوتی ہے اور کافر کے ساتھ کاروبار اور لین دین جائز ہے۔ ہمارے ملک میں کافی ملکی اور غیر ملکی کاروباری کمپنیاں ہیں، جن کے مالکان کافر ہیں، لیکن اُن کے ساتھ مسلمان کاروبار کرتے ہیں، اُن کے اداروں میں ملازمت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی غیر مسلم کے ساتھ لین دین ثابت ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اِشْتَرٰی طَعَامًا مِنْ یَھُودِیٍّ اِلٰی أَجَلٍ، وَرَھَنَہٗ دِرْعًا مِنْ حَدِیْدٍ۔

ترجمہ: ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لیے غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنے لوہے کی زرہ رہن رکھی''۔ (صحیح بخاری:2068)

قادیانیوں کے ساتھ مسلمانوں کو معاملات رکھنے میں تردُّد اور تحفظات اس لیے ہیں کہ وہ مسلمان ہونے کے مُدّعی ہیں اور اسی بنا پر وہ دستورِ پاکستان کے بھی منکر ہیں، کیونکہ دستورِ پاکستان کی مُتفقہ طور پر منظور کی گئی ساتویں آئینی ترمیم کی رُو سے قادیانی کافر ہیں۔ جس دن یہ لوگ دستورِ پاکستان کو لفظاً اور معنیً تسلیم کرلیں گے اور اپنے آپ کو غیر مسلم تسلیم کرلیں گے، تو پھر اُن کے ساتھ کاروباری معاملات میں مسلمانوں کا کوئی تحفظ نہیں رہے گا۔

رشوت دینے اور لینے کا حکم

سوال:

رشوت کسے کہتے ہیں؟۔ کوئی سرکاری ملازم تعلقات کی بنا پر کسی کا کام کروادے، اُس کے عوض کچھ دینا بھی رشوت ہے اور اگر طلب کیے بغیر اُس کو کچھ دے دیا جائے تو کیا یہ بھی رشوت کہلائے گا۔ (سید محمد اسلم، گلزار ہجری کراچی)

جواب:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ترجمہ: ''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ (بطور رشوت) وہ مال حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ کے ساتھ کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو (کہ یہ فعل ناجائز ہے)''۔(بقرہ:188)

حدیث پاک میں ہے:

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: لَعَنَ النَّبِیُّ ﷺ اَلرَّاشِیَ وَالْمُرْتَشِیَ وَالرَّائِشَ، یَعْنِی الَّذِیْ یَمْشِی بَیْنَھُمَا۔

ترجمہ: ''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے رشوت دینے والے، رشوت لینے والے اور رائش یعنی دونوں کے درمیان معاملہ طے کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے''۔(مُصنف ابن ابی شیبہ:22398)

علامہ سید شریف جرجانی لکھتے ہیں: ''وہ مال جو کسی کے حق کو باطل کرنے یا کسی باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے دیا جائے''۔(تعریفات:98)

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی لکھتے ہیں: ''رشوت اصل میں ''رشاء'' سے ماخوذ ہے اور ''رشاء'' اصل میں ڈول کی اس رسی کو کہتے ہیں، جس کے ذریعے کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے۔''راشی'' وہ شخص ہے، جو کسی باطل چیز کو حاصل کرنے کے لیے کسی کی مدد کرتا ہے اور ''مُرتشی'' رشوت لینے والے کو کہتے ہیں، ''رائش'' اس شخص کو کہتے ہیں جو راشی اور مرتشی کے درمیان معاملہ طے کراتا ہے۔اور جو چیز حق کو حاصل کرنے کے لیے دی جائے یا ظلم کو دور کرنے کے لیے دی جائے، وہ رشوت نہیں ہے اور ائمۂ تابعین سے منقول ہے کہ اپنی جان اور مال کو ظلم سے بچانے کے لیے رشوت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے''۔ (تاج العروس، جلد10ص:150)۔ یہ اس صورت میں ہے کہ رشوت دینے کے سوا ظلم سے بچنے کی کوئی تدبیر نہ ہو۔

امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی المعروف قاضی خان حنفی مُتوفّٰی 593ھ نے رشوت کی چار اقسام بیان کی ہیں:

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

''ثُمَّ الرِّشْوَةُ عَلٰی وُجُوہٍ أَرْبَعَةٍ: مِنْهَا مَاهُوَحَرَامٌ مِنَ الْجَانِبَيْنِ أَحَدُهَا هٰذِهٖ (یعنی وَاِذَا تَقَلَّدَ الْقَضَاءَ بِالرِّشْوَةِ لَایَصِيْرُ قَاضِيًا وَتَكُوْنُ الرِّشْوَةُ حَرَامًا عَلَى الْقَاضِيْ وَالْاٰخِذِ) وَالثَّانِيْ: اِذَا دَفَعَ الرِّشْوَةَ اِلَى الْقَاضِيْ لِيَقْضِيَ لَهُ وَهٰذِهِ الرِّشْوَةُ حَرَامٌ مِنَ الجَانِبَيْنِ سَوَاءٌ كَانَ الْقَضَاءُ بِحَقٍّ أَوْ بِغَيْرِ حَقٍّ، وَمِنْهَا: اِذَا دَفَعَ الرِّشْوَةَ لِخَوْفٍ عَلٰى نَفْسِهٖ أَوْمَالِهٖ وَهٰذِهِ الرِّشْوةُ حَرَامٌ عَلَى الْاٰخِذِ غَيْرُ حَرَامٍ عَلَى الدَّافِعِ، وَكَذَا اِذَا طَمِعَ فِيْ مَالِهٖ فَرَشَاهُ بَعْضَ الْمَالِ، وَمِنْهَا: اِذَا دَفَعَ الرِّشْوَةَ لِيَسْتَوِيَ أَمْرُهٗ عِنْدَ السُّلْطَانِ حَلَّ لَهُ الدَّفْعُ وَلَايَحِلُّ لِلْاٰخِذِ أَنْ يَاخُذَ۔

ترجمہ: ''پھر رشوت کے لین دین کی چار صورتیں ہیں۔ ان میں سے بعض صورتوں میں رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں، ان میں ایک یہ ہے: (1) یہ کہ قاضی (یعنی جج) کا منصب حاصل کرنے کے لیے رشوت دے، ایسا شخص قاضی بننے کا اہل ہی نہیں رہتا اور اس مقصد کے لیے رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔ (2) دوسری صورت یہ ہے کہ قاضی کو اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے رشوت دے، ایسی رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں، خواہ یہ فیصلہ حق پر مبنی ہو یا ناحق ہو۔ (3) یہ کہ اپنی جان اور مال کو (ناحق) تلف ہونے سے بچانے کے لیے رشوت دے، ایسی صورت میں رشوت لینا تو ہر صورت میں حرام ہے، البتہ اگر حق دار کے لیے اپنا حق حاصل کرنے کا کوئی قانونی اور جائز راستہ باقی نہ رہے، تو بر سبیل تنزل دینے کی رخصت ہے (اگرچہ یہ عزیمت کے خلاف ہے)، اسی طرح اس کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنے مال کا ایک حصہ رشوت کے طور پر دے کر باقی مال حاصل کرلے، (4) یہ کہ حاکم تک (اپنے کسی جائز حق کو حاصل کرنے کے لیے) رسائی کے لیے رشوت دے، اس کا لینا ہر صورت میں ناجائز ہے اور دینے کی بر سبیل تنزل رخصت ہے (لیکن یہ عزیمت کے خلاف ہے)۔ (فتاویٰ قاضی خان علیٰ ہامش الہندیہ، ج:2،ص:363-362)

اس سے یہ نتیجہ اخذ نہ کیا جائے کہ رشوت کے لیے گنجائش نکالی جارہی ہے، ہرگز نہیں۔ عزیمت یہی ہے کہ ہر مشکل کا مقابلہ کرے اور کسی صورت میں رشوت نہ دے، مگر ہر شخص

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

صاحبِ عزیمت نہیں ہوتا۔ زندہ معاشروں کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ برائی کے سامنے سرنگوں ہونے کی بجائے اجتماعی قوت سے برائی کی مزاحمت کرتے ہیں، اسے آج کل Socail Resistance کہا جاتا ہے اور منصبی اختیار اور طاقت سے لیس لوگ پورے معاشرے کو زیر نہیں کرسکتے، مگر جب معاشرہ منقسم ہوجائے اور بعض لوگ شر اور اہلِ شر کے معاون بن جائیں، تو پھر معاشرہ بحیثیت مجموعی اخلاقی زوال کا شکار ہوجاتا ہے اور اجتماعی قوتِ مزاحمت جواب دے دیتی ہے۔

آج کل اِغوا برائے تاوان اور بھتا خوری کا کلچر سب کے سامنے ہے۔ جب حکومت اور قانون تحفظ نہ دے اور جان ومال اور آبرو کے تحفظ کے لیے رشوت یا بھتا یا تاوان ہی کی صورت باقی رہ جائے، تو پھر جان ومال اور آبرو کا تحفظ مقدم ہے اور ایسی ناگزیر اور اضطراری صورتِ حال کے لیے فقہائے کرام نے رخصت بیان کی ہے اور جبر کی یہ صورت سب کے سامنے ہے، کیونکہ جان کا تحفظ بہر حال مقدم ہے، بقائے جان کے لیے حالتِ اضطرار میں شریعت نے بقدرِ ضرورت حرام کھانے کی اجازت دی ہے۔

رشوت کی اِن اقسام کو علامہ کمال الدین ابن ہمام نے فتح القدیر، علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی نے البحر الرائق اور علامہ ابن عابدین شامی نے اپنے حاشیہ میں بیان فرمایا ہے۔

قاضی یا جج یا کسی سرکاری منصب پر فائز افسران یا ملازمین کا لوگوں سے تحفے یا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں ہے۔ کسی منصب سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی بابت رسول اللہ ﷺ کی یہ وعیدیں آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے:

(۱) عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ ابْنَ الأُتَبِيَّةِ عَلَى صَدَقَاتِ بَنِي سُلَيْمٍ، فَلَمَّا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَاسَبَهُ قَالَ: هَذَا الَّذِي لَكُمْ، وَهَذِهِ هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَهَلَّا جَلَسْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ، وَبَيْتِ أُمِّكَ حَتَّى تَأْتِيَكَ هَدِيَّتُكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَخَطَبَ النَّاسَ وَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: ’’أَمَّا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

بَعْدُ، فَإِنِّي أَسْتَعْمِلُ رِجَالًا مِنْكُمْ عَلَى أُمُورٍ مِمَّا وَلَّانِي اللهُ فَيَأْتِي أَحَدُكُمْ فَيَقُولُ: هَذَا لَكُمْ، وَهَذِهِ هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي، فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ، وَبَيْتِ أُمِّهِ حَتَّى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ إِنْ كَانَ صَادِقًا، فَوَاللهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مِنْهَا شَيْئًا، قَالَ هِشَامٌ بِغَيْرِ حَقِّهِ، إِلَّا جَاءَ اللهَ يَحْمِلُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، أَلَا فَلَأَعْرِفَنَّ مَا جَاءَ اللهَ رَجُلٌ بِبَعِيرٍ لَهُ رُغَاءٌ، أَوْ بِبَقَرَةٍ لَهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةٍ تَيْعَرُ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ''۔

ترجمہ:'' حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن الاتبیۃ کو بنو سلیم کے صدقات وصول کرنے پر عامل مقرر کیا، پس جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ نے ان سے حساب لیا تو انہوں نے کہا: یہ وہ مال ہے جو آپ کے لیے ہے اور یہ وہ مال ہے جو مجھے بطورِ ہدیہ دیا گیا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پس کیوں نہ تم اپنے باپ کے گھر میں بیٹھ گئے یا اپنی ماں کے گھر میں بیٹھ جاتے حتیٰ کہ تمہارے پاس تمہارے ہدیہ آتے اگر تم سچے ہو؟'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، پس آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اللہ عزوجل کی حمد وثناء کی پھر آپ نے فرمایا: حمد وصلوٰۃ کے بعد، میں تم میں سے چند مردوں کو چند مناصب پر عامل بناتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے والی بنایا ہے، پھر تم میں سے ایک شخص آکر یہ کہتا ہے کہ یہ مال تمہارے لیے ہے اور یہ مال مجھے ہدیہ دیا گیا ہے، پس کیوں نہ وہ اپنے باپ کے گھر میں اور اپنی ماں کے گھر میں بیٹھا حتیٰ کہ اس کے پاس ہدایا آتے اگر وہ سچا ہے تو؟ پس اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی شخص بھی اس میں سے کوئی چیز بھی ناحق نہیں لے گا مگر وہ اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کے دن اس چیز کو اٹھائے ہوئے آئے گا، سنو! پس میں ہرگز نہ پہچانوں کہ اللہ کے پاس کوئی مرد بڑبڑاتے ہوئے اونٹ کو اٹھائے ہوئے آیا ہو، یا ڈکراتی ہوئی گائے کو اٹھائے ہوئے لایا ہو، یا ممیاتی بکری کو اٹھا کر لایا ہو، پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا حتیٰ کہ میں نے آپ کے بغلوں کی سفیدی کو دیکھا، پھر آپ نے فرمایا: سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟''۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۱۹۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳۲)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

(۲) عَنْ عَدِيِّ بْنِ عَمِيْرَةَ الْكِنْدِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ''مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلٰى عَمَلٍ، فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهُ، كَانَ غُلُوْلًا يَأْتِيْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' قَالَ: فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ أَسْوَدُ، مِنَ الْاَنْصَارِ، كَأَنِّيْ أَنْظُرُ اِلَيْهِ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! اِقْبَلْ عَنِّيْ عَمَلَكَ۔ قَالَ: وَمَالَكَ؟، قَالَ: سَمِعْتُكَ تَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: ''وَأَنَا أَقُوْلُهُ الْآنَ: مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلٰى عَمَلٍ، فَلْيَجِئْ بِقَلِيْلِهٖ وَكَثِيْرِهٖ، فَمَا أُوْتِيَ مِنْهُ أَخَذَ، وَمَا نُهِيَ عَنْهُ اِنْتَهٰى''۔

ترجمہ: ''حضرت عدی بن عمیرہ کندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے جس شخص کو ہم نے کسی کام (یعنی صدقات کی وصولی) پر مقرر کیا، پھر اس میں سے کوئی چیز چھپالی خواہ وہ سوئی ہو یا اس سے بھی کمتر چیز، تو وہ خیانت ہے، اور وہ قیامت کے دن اس چیز کو لے کر آئے گا، تب ایک سیاہ فام انصاری اٹھا اور کہنے لگا، یارسول اللہ! اپنی ذمہ داری مجھ سے لے لیجیے، آپ نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: میں نے آپ کو اِس اِس طرح فرماتے سنا ہے، آپ نے فرمایا: ہاں! میں اب بھی کہتا ہوں، جس کو ہم کوئی کام سونپیں تو وہ قلیل اور کثیر ہر چیز لے کر آئے، پھر اس کو جو دے دیا جائے وہ لے لے اور جو نہ دیا جائے وہ نہ لے''۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 1833، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: 3581)

شمس الائمہ امام سرخسی لکھتے ہیں: ''قاضی ہدیہ اور تحفہ قبول نہ کرے، ہر چند کہ شریعت میں ہدیہ قبول کرنا مستحب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''ایک دوسرے کو ہدیہ دو اور ایک دوسرے سے محبت کرو''۔ لیکن ہدیہ لینے کا یہ جواز اس شخص کے لیے ہے جو مسلمانوں کی طرف سے (سرکاری طور پر) کسی ذمے داری پر مامور نہ ہو اور جو شخص کسی عمل کے لیے متعین ہو گیا جیسے قاضی اور حاکم وغیرہ، اُن پر لازم ہے کہ وہ کسی سے ہدیہ قبول نہ کریں، خصوصاً اس شخص سے جو اس منصب پر مقرر ہونے سے پہلے انہیں ہدیہ نہ دیتا ہو، کیونکہ ہدیہ دینے والا کسی کام یا قضاء کو اپنے حق میں کرنے کے لیے ہدیہ دیتا ہے اور یہ بھی رشوت اور سُحت کی ایک قسم ہے''۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

مزید لکھتے ہیں: ترجمہ: ''جب کسی شخص کو کسی منصب کی جہت سے کوئی ہدیہ ملے، تو وہ رشوت ہے، لہٰذا جو لوگ قاضی کو منصبِ قضاء پر فائز ہونے سے پہلے تحفے دیتے تھے، ان کے سوا اور کسی شخص سے قاضی کو ہدیہ اور تحفہ قبول کرنا جائز نہیں ہے''۔ (المبسوط، جلد16، ص:82)

ویلن ٹائن ڈے یا دیگر غیر اسلامی تہوار

سوال:

ویلن ٹائن ڈے اور نوروز جیسے غیر اسلامی تہوار کی آمد پر خوشی وجشن منانا، تحائف کا تبادلہ، نوجوان لڑکے، لڑکیوں کا مخلوط اجتماع کیسا ہے؟۔ ایسی تقاریب کے منتظمین کے لیے کیا حکم ہے؟ (محمد اقبال اعظم، سید شفیع، اورنگی ٹاؤن کراچی)

سوال:

اسلام ایک مکمل دستور اور ضابطۂ حیات ہے، جس میں کہیں کسی ترمیم، تخفیف یا پیوند کی قطعی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کردیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو (بطور) دین پسند کرلیا''۔ (مائدہ:3)

اسلام نے خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کو گمراہی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: ''آپ کہیے: اے اہلِ کتاب! تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں اور اُنہوں نے بہت زیادہ لوگوں کو گمراہ کیا اور وہ خود راہِ راست سے بھٹک چکے ہیں''۔ (مائدہ:77)

وَ لَىٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ''اور اگر آپ (بھی) اس علم کے آنے کے بعد (بالفرض) ان کی خواہشوں کی پیروی

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کریں گے تو اللہ کے مقابلہ میں آپ کا کوئی مددگار ہوگا نہ بچانے والا''۔ (رعد:37)

احادیث مبارکہ میں ہے:

(۱) خَالِفُوا الْمُشْرِکِیْنَ ترجمہ: ''مشرکین کی مخالفت کرو''۔ (صحیح بخاری:5892)

(۲) خَالِفُوا الْمَجُوْسَ۔ ترجمہ: ''مجوسیوں کی مخالفت کرو''۔ (صحیح مسلم:260)

(۳) مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ترجمہ: ''جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے، وہ ان ہی میں سے ہے''۔ (سنن ابوداؤد:4028)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وَلَا تَدْخُلُوْا عَلَيْهِمْ فِیْ كَنَائِسِهِمْ يَوْمَ عِيْدِهِمْ فَاِنَّ السُّخْطَةَ تَنْزِلُ عَلَيْهِمْ۔ ترجمہ: ''ان کی عید کے دن ان کے کلیساؤں میں نہ جایا کرو، کیونکہ ان پر اللہ کی ناراضی اترتی ہے''۔ (مصنف عبدالرزاق:1611)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

وَبِخُرُوْجِهٖ اِلٰی نَيْرُوْزِ الْمَجُوْسِ وَالْمُوَافَقَةِ مَعَهُمْ فِيْمَا يَفْعَلُوْنَ فِیْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ بِشِرَائِهٖ يَوْمَ النَّيْرُوْزِ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ يَشْتَرِيْهِ قَبْلَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ تَعْظِيْمًا لِلنَّيْرُوْزِ لَا لِلْاَكْلِ وَالشُّرْبِ وَبِاِهْدَائِهٖ ذٰلِكَ الْيَوْمَ لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ بَيْضَةً تَعْظِيْمًا لِذٰلِكَ الْيَوْمِ۔

ترجمہ: ''اور (کسی مسلمان کا) نیروز کے دن نکلنا، مجوسیوں کی موافقت میں ایسے کام کرنا جو وہ اُس دن کرتے ہیں، نیروز کے دن اُس دن کی تعظیم کے ارادے سے کسی ایسی شے کا خریدنا جو وہ پہلے نہیں خریدتا تھا، نہ کہ کھانے پینے کے لیے اور اُس دن مشرکین کے لیے اُس دن کی تعظیم کے لیے تحائف بھیجنا اگرچہ انڈا بھیجے''۔ (البحر الرائق، جلد5، ص:208)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّ التَّشْبِيْهَ بِاَهْلِ الْكِتَابِ لَا يُكْرَهُ فِیْ كُلِّ شَیْءٍ فَاِنَّا نَاْكُلُ وَنَشْرَبُ كَمَا يَفْعَلُوْنَ اِنَّمَا الْحَرَامُ هُوَ التَّشْبِيْهُ فِيْمَا كَانَ مَذْمُوْمًا وَفِيْمَا يُقْصَدُ بِهِ التَّشْبِيْهُ كَذَا ذَكَرَهٗ قَاضِیْ خَانَ فِیْ شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ فَعَلٰی هٰذَا لَوْ لَمْ يَقْصِدِ التَّشَبُّهَ لَا يُكْرَهُ عِنْدَهُمَا۔

ترجمہ: ''جان لو کہ اہلِ کتاب کے ساتھ ہر چیز میں تشبّہ مکروہ نہیں ہے، کیونکہ ہم بھی کھاتے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

پیتے ہیں، جس طرح وہ کھاتے پیتے ہیں، البتہ صرف مذموم کاموں میں ان کے ساتھ تشبُّہ ممنوع ہے یا جس کام کو ان کے ساتھ تشبہ کے قصد کے ساتھ کیا جائے وہ ممنوع ہے، اسی طرح قاضی خان نے جامع صغیر کی شرح میں ذکر کیا ہے، پس اگر قصد وارادہ مشابہت کا نہ ہوتو صاحبین کے نزدیک کراہت نہیں ہے''۔ (البحر الرائق، جلد 2، ص:18، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں: ''تشبُّہ دو وجہ پر ہے: ''التزامی ولزومی''۔ التزامی: یہ کہ یہ شخص کسی قوم کے طرز ووضع خاص اسی قصد سے اختیار کرے کہ اُن کی سی صورت بنائے، اُن سے مشابہت حاصل کرے، حقیقۃً تشبُّہ اسی کا نام ہے۔ فَاِنَّ مَعْنٰی الْقَصْدِ وَالتَّکَلُّفِ مَلْحُوْظٌ فِیْہِ کَمَا لَایَخْفٰی (اس لیے کہ قصد اور تکلف کے مفہوم کا اس میں لحاظ رکھا گیا ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں) لزومی: یہ کہ اس کا قصد تو مشابہت کا نہیں مگر وہ وضع اس قوم کا شِعار خاص ہورہی ہے کہ خواہی نخواہی مشابہت پیدا ہوگی۔ التزامی میں قصد کی تین صورتیں ہیں: اول: اس قوم کو محبوب ومرضی جان کر اُن سے مشابہت پسند کرے، یہ بات اگر مبتدع کے ساتھ ہو، بدعت اور کفار کے ساتھ معاذ اللہ کفر، حدیث مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ (ترجمہ: ''جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے، وہ ان ہی میں سے شمار ہوگا) حقیقۃً صرف اسی صورت سے خاص ہے۔ غمز العیون والبصائر میں ہے:

اِتَّفَقَ مَشَائِخُنَا اَنَّ مَنْ رَأٰی اَمْرَالْکُفَّارِ حَسَنًا فَقَدْ کَفَرَحَتّٰی قَالُوْافِیْ رَجُلٍ قَالَ تَرْکَ الْکَلَامِ عِنْدَ اَکْلِ الطَّعَامِ حَسَنٌ مِنَ الْمَجُوْسِ اَوْ تَرْکَ الْمُضَاجَعَةِ عِنْدَھُمْ حَالَ الْحَیْضِ حَسَنٌ فَھُوَکَافِرٌ۔

ترجمہ: ''ہمارے مشائخ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جو کوئی کافروں کے کسی کام کو اچھا سمجھے تو وہ بلاشبہ کافر ہوجاتا ہے یہاں تک کہ انہوں نے فرمایا: جو کوئی کھانا کھاتے وقت باتیں نہ کرنے کو اور حالتِ حیض میں عورت کے پاس نہ لیٹنے کو مجوسیوں اور آتش پرستوں کی اچھی عادت کہے، تو وہ کافر ہے۔

دوم: کسی غرض مقبول کی ضرورت سے اسے اختیار کرے، وہاں اس وضع کی شناعت اور اس

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

غرض کی ضرورت کا موازنہ ہوگا اگر ضرورت غالب ہو تو بقدر ضرورت کا وقت ضرورت یہ تشبہ کفر کیا معنی ممنوع بھی نہ ہوگا۔ جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی کہ بعض فتوحات میں منقول رومیوں کے لباس پہن کر بھیس بدل کر کام فرمایا اور اس ذریعہ سے کفار اشرار کی بھاری جماعتوں پر باذن اللہ غلبہ پایا، اسی طرح سلطان مرحوم صلاح الدین یوسف أنار اللہ تعالیٰ برہانہ کے زمانے میں جبکہ تمام کفارِ یورپ نے سخت شورش مچائی تھی، دو عالموں نے پادریوں کی وضع بنا کر دورہ کیا اور اُس آتشِ تعصب کو بجھادیا۔ خلاصہ میں ہے:

لَوْشَدَّ الزُّنَّارَ عَلٰی وَسْطِهٖ وَدَخَلَ دَارَالْحَرْبِ لِتَخْلِیْصِ الْاُسَارٰی لَایَکْفُرُ وَلَوْدَخَلَ لِاَجْلِ التِّجَارَۃِ یَکْفُرُ ذَکَرَہُ الْقَاضِیُ الْاِمَامُ اَبُوْجَعْفَرَ الْاَسْتَرُوْشِیُ۔

ترجمہ: ”اگر کوئی شخص اپنی کمر میں زُنار باندھے اور قیدیوں کو چھڑانے کے لیے دارِ حرب میں داخل ہو تو کافر نہیں ہوگا اور اگر اس مدت میں تجارت کرنے کے لیے جائے تو کافر ہو جائے گا۔ امام ابوجعفر استروشنی نے اس کو ذکر کیا ہے“۔

ملتقط میں ہے: اِذَا شَدَّ الزُّنَّارَ اَوْاَخَذَ الْغُلَّ اَوْلَبِسَ قَلَنْسُوَۃَ الْمَجُوْسِ جَادًّا اَوْھَازِلًا، یُکْفَرُ اِلَّا اِذَا فَعَلَ خَدِیْعَۃً فِی الْحَرْبِ۔

ترجمہ: ”جب کسی شخص نے زُنار باندھا یا طوق لیا یا آتش پرستوں کی ٹوپی پہنی، خواہ سنجیدگی کے ساتھ یا ہنسی مذاق کے طور پر تو کافر ہو گیا، مگر جنگ میں (دشمن کو مغالطے میں ڈالنے کے لیے) بطورِ تدبیر ایسا کرے تو کافر نہ ہوگا“۔

منح الروض میں ہے:

اِنْ شَدَّ الْمُسْلِمُ الزُّنَّارَ وَدَخَلَ دَارَالْحَرْبِ لِلتِّجَارَۃِ کَفَرَ اَیْ لِاَنَّہٗ تَلَبَّسَ بِلِبَاسِ کُفْرٍ مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَۃٍ شَدِیْدَۃٍ وَلَافَائِدَۃٍ مُتَرَتَّبَۃٍ بِخِلَافِ مَنْ لَبِسَھَا لِتَخْلِیْصِ الْاُسَارٰی عَلٰی مَاتَقَدَّمَ۔

ترجمہ: ”اگر مسلمان زُنار باندھ کر دارالکفر میں کاروبار کے لیے جائے تو کافر ہو جائے گا اس لیے کہ اس نے بغیر کسی شدید مجبوری کے اور بغیر کسی مترتب فائدہ کے لباس کفر پہنا (جو اس

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

کے لیے روانہ تھا) بخلاف اس شخص کے کہ جس نے قیدیوں کو آزاد کرانے کے لیے لباسِ کفر (برائے حیلہ) استعمال کیا، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا''۔

سوم: نہ تو انہیں اچھا جانتا ہے نہ کوئی ضرورتِ شرعیہ اس پر حامل ہے بلکہ کسی نفع دنیوی کے لیے یا یونہی بطور ہزل واستہزاء اس کا مرتکب ہوا تو حرام وممنوع ہونے میں شک نہیں اور اگر وہ وضع اُن کفار کا مذہبی دینی شعار ہے جیسے زُنار، قشقہ، چُٹیا، چلیپا تو علماء نے حکمِ کفر دیا ہے۔ اور فی الواقع صورتِ استہزاء میں حکمِ کفر ظاہر ہے اور لزومی میں بھی حکمِ ممانعت ہے جبکہ اکراہ وغیرہ مجبوریاں نہ ہوں جیسے انگریزی منڈا، انگریزی ٹوپی، جاکٹ، پتلون، اُلٹا پردہ اگرچہ یہ چیزیں کفار کی مذہبی نہیں مگر آخر شعار ہیں تو اُن سے بچنا واجب اور ارتکاب گناہ ولہٰذا علماء نے فساق کی وضع کے کپڑے موزے سے ممانعت فرمائی۔

مزید لکھتے ہیں: ''مگر اس کے تحقق کو اُس زمان ومکان میں اُن کا شعار خاص ہونا قطعاً ضرور جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں اور اُن میں اور اُن کے غیر میں مشترک نہ ہو ورنہ لزوم کا کیا محل، ہاں وہ بات فی نفسہٖ شرعاً مذموم ہوئی تو اس وجہ سے ممنوع یا مکروہ رہے گی نہ کہ تشبّہ کی رہ سے، امام قسطلانی نے مواہبِ لدنیہ میں دربارۂ طیلسان کہ پوششِ یہود تھی، فرماتے ہیں:

اَمَّا مَاذَکَرَہٗ ابْنُ الْقَیِّمِ مِنْ قِصَّۃِ الْیَھُوْدِ فَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ اِنَّمَا یَصِحُّ الْاِسْتِدْلَالُ بِہٖ فِی الْوَقْتِ الَّذِیْ تَکُوْنُ الطَّیَالِسَۃُ مِنْ شِعَارِھِمْ وَقَدْ اِرْتَفَعَ ذٰلِکَ فِیْ ھٰذِہِ الْاَزْمِنَۃِ فَصَارَ دَاخِلًا فِیْ عُمُوْمِ الْمُبَاحِ وَقَدْ ذَکَرَہٗ ابْنُ عَبْدِ السَّلَامِ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ اَمْثِلَۃِ الْبِدْعَۃِ الْمُبَاحَۃِ۔

ترجمہ: ''رہا یہ کہ جو کچھ حافظ ابن قیم نے یہودیوں کا واقعہ بیان کیا ہے تو اس بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ یہ استدلال اس وقت درست تھا جبکہ مذکورہ چادر اُن کا (مذہبی) شعار ہوا کرتی تھی، لیکن اس دور میں یہ چیز ختم ہورہی ہے لہٰذا اب یہ عمومِ مباح میں داخل ہے، چنانچہ علامہ ابن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بدعتِ مباح کی مثالوں میں ذکر فرمایا ہے''۔

امام اجل فقیہ النفس فخر الملّۃ والدّین قاضی خان پھر امام محمد محمد محمد ابن الحاج حلبی حلیہ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

شرح منیہ ''فصل مکروہات الصلوٰۃ'' پھر علامہ زین الدین بن نجیم مصری بحر الرائق پھر علامہ محمد بن علی دمشقی درمختار میں فرماتے ہیں:

اَلتَّشَبُّهُ بِاَهْلِ الْكِتَابِ لَايُكْرَهُ فِيْ كُلِّ شَيْئٍ فَاِنَّا نَاْكُلُ وَنَشْرَبُ كَمَا يَفْعَلُوْنَ اَنَّ الْحَرَامَ التَّشَبُّهُ بِهِمْ فِيْمَا كَانَ مَذْمُوْمًا اَوْفِيْمَا يُقْصَدُ بِهِ التَّشَبُّهُ۔

ترجمہ: ''ہر چیز میں اہلِ کتاب سے مشابہت مکروہ نہیں جیسے کھانے پینے وغیرہ کے طور طریقے میں کوئی کراہت نہیں، ان سے تَشَبُّہ ان کاموں میں حرام ہے جو مذموم یعنی برے ہیں یا جس میں مشابہت کا ارادہ کیا جائے''۔

مولانا علی قاری شرح فقہ اکبر امام اعظم رضی اللہ عنہ میں فرماتے ہیں:

اِنَّا مَمْنُوْعُوْنَ عَنِ التَّشْبِيْهِ بِالْكَفَرَةِ وَاَهْلِ الْبِدْعَةِ فِيْ شِعَارِهِمْ لَا مَنْهِيُّوْنَ عَنْ كُلِّ بِدْعَةٍ وَلَا كَانَتْ مُبَاحَةً سَوَاءٌ كَانَتْ مِنْ اَفْعَالِ اَهْلِ السُّنَّةِ أَوْمِنْ اَفْعَالِ الْكَفَرَةِ وَاَهْلِ الْبِدْعَةِ فَالْمَدَارُ عَلَى الشِّعَارِ۔

ترجمہ: ''ہمیں کافروں اور منکر بدعات کے مرتکب لوگوں کے شِعار کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے، ہاں! وہ بدعت جو مباح کا درجہ رکھتی ہو، اس سے نہیں روکا گیا خواہ وہ اہلسنّت کے افعال ہوں یا کفار اور اہلِ بدعت کے، لہٰذا مدارِ کار شعار ہونے پر ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 24، ص:32-530)

سوشل بائیکاٹ اور نمازِ جنازہ سے روکنے کا حکم

سوال:

زید کے بیٹوں کے ہاتھ ایک قتل ہو گیا، اس حادثے کے بعد زید نے بیٹوں کو خود پولیس کے حوالے کیا، آٹھ ماہ تک عدالت میں اُن کی طرف سے کوئی وکیل بھی نہیں کیا۔ اب مقتول کے ورثاء اور گاؤں والوں نے مل کر ایک کمیٹی بنا کر فیصلہ کیا ہے کہ زید اور اُس کے تمام بھائی بہن اور رشتے داروں کا بائیکاٹ کیا جائے، وہ نہ کسی نمازِ جنازہ میں شریک ہو سکتا ہے، نہ کسی خوشی میں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ گاؤں کی کمیٹی کا یہ فیصلہ کس حد تک درست ہے، کیا انہیں یہ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اختیار ہے کہ زید کو جنازے کی صف سے نکال دیں، نماز پڑھتے ہوئے مسجد سے نکال دیں؟، (مولوی محمد نواز، آزاد کشمیر)۔

جواب:

آپ نے جو صورتِ مسئلہ بیان کی ہے، اگر وہ درست ہے، تو اُس کی رُو سے زید نے اپنے بیٹوں کو نہ قتل پر ابھارا، نہ ترغیب دی اور نہ ہی ایسا کوئی حکم دیا۔ اور اُنہوں نے واقعۂ قتل کے بعد اپنے بیٹوں کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ تو اس ساری صورتِ حال میں وہ قابلِ ملامت نہیں ہیں۔ اور اس بنا پر برادری یا گاؤں والوں کی طرف سے اُن کا سماجی مقاطعہ (Social Boycott) درست نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اگر برادری یا گاؤں والے کوئی فیصلہ بھی کرلیں، تو اُس کی تعمیل عام مسلمانوں پر لازم نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا طَاعَةَ فِیْ مَعْصِیَةِ اللہِ، اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ۔

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں ہے، اطاعت صرف نیکی اور معروف چیز میں ہے"۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 1840)

رسول اللہ ﷺ کا واضح ارشاد ہے:

"لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ یَّھْجُرَ أَخَاہُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ"۔

ترجمہ: "کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے (مومن) بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطعِ تعلق (Boycott) کرے"۔ (صحیح بخاری: 6077)

زید نے نہ جرم کیا اور نہ جرم پر معاونت کی۔ عاقل وبالغ اولاد اپنے اَعمال واَفعال کی خود ذمے دار ہے اور قانون اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بالکل واضح ہیں:

(۱) لَا یُقَادُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ

بیٹے کے جرم میں باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا"۔ (ترمذی: 1400)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

(۲) لَایُقتَلُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ

بیٹے پر عائد قصاص میں والد کو قتل نہیں کیا جائے گا''۔(ترمذی:1401)

(۳)اسی مفہوم کی احادیث مسند امام احمد بن حنبل میں موجود ہیں''۔(148,147,98)

نماز جنازہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور میت کے لیے دعائے مغفرت ہے۔ اور کسی قرابت یا تعلق کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو چھ حقوق بیان فرمائے ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ کسی مسلمان بھائی کا انتقال ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو۔ ہمارے دیہی معاشرے میں یہ جاہلانہ رسم ہے کہ کوئی شخص خود اپنی زندگی میں وصیت کرے کہ ''فلاں شخص میرے جنازے میں شریک نہ ہو''، ایسی وصیت بھی باطل ہے۔ اسی طرح میت کے ورثاء یا گاؤں برادری والوں کا ایسا فیصلہ بھی خلافِ شرع ہے اور باطل ہے اور ایسا خلافِ شرع فیصلہ کرنے والے گنہگار ہوں گے۔ تاہم چونکہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور چند لوگوں کے ادا کرنے سے سب پر یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے اور کسی کے شریک ہونے سے فساد یا لڑائی مار کٹائی کا ظنِ غالب ہو تو دفعِ شر کے لیے اس سے اجتناب کیا جا سکتا ہے۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

برادری کا غیر شرعی رسوم کا خاتمہ کرنا

سوال:

ہمارے گاؤں میں ایک فلاحی انجمن 1990ء میں بنی، آٹھ سال فعال رہی۔ انجمن کا منشور غیر شرعی رسوم کا خاتمہ، مسائل کا اتفاق رائے سے حل کیا جانا تھا۔ اجلاس میں تمام ممبران سے کلمہ پڑھوا کر حلف لیا جاتا تھا کہ (۱) محلے کی حدود میں ڈھول نہیں بجے گا، (۲) تقاریب میں غیر شرعی رسوم ختم کی جائیں گی، (۳) باہمی جھگڑے مقامی سطح پر حل کیے جائیں گے، پولیس طلب نہیں کی جائے گی۔ پندرہ سال بعد ایک شادی میں محلے کی حدود میں ڈھول بجایا گیا اور تمام اہلِ محلہ شریک ہوئے، مزید تین شادیوں میں پھر ڈھول بجائے گئے۔ دوسری اور تیسری شق کی بھی پابندی نہیں کی گئی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اِس سارے معاملے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (وقاص الحسن، ہجیرہ پونچھ آزاد کشمیر)

جواب:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ہر مسلمان پر بقدرِ استطاعت واجب ہے، عام لوگوں کے لیے اُن کی حیثیت کے مطابق اور خواص (حاکمِ وقت، ریاست کے ذمے دار اشخاص، برادری کے سرپنچ وغیرہ) پر اُن کی حیثیت کے مطابق لازم ہے۔ برادری سے مُنکَرات کے خاتمے، رُشد و ہدایت، وعظ و تذکیر اور معاشرے یا برادری کے اجتماعی اخلاقی دباؤ کے لیے عملی جدوجہد قابلِ ستائش ہے، لیکن اس کے لیے طاقت کا استعمال درست نہیں ہے۔ اگر برادری یا گاؤں کا سربراہ یا پنچایت کمیٹی شریعت کے مطابق کوئی فیصلہ کرے، تو اُس کی تعمیل عام مسلمانوں پر لازم ہوگی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللهِ، اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ۔

ترجمہ: ''کسی ایسے امر میں مخلوق کی اطاعت لازم نہیں ہے (خواہ اس کا مرتبہ کتنا ہی بڑا ہو)، جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو، لازمی اطاعت تو بس صرف نیک کاموں میں ہے''۔ (صحیح مسلم: 1840)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جن لوگوں نے مذکورہ بالا شقوں پر عہد کیا یا حلف لیا، اُن پر اس عہد کی پابندی لازم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ۝

ترجمہ: ''اور عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کے بارے میں قیامت میں جواب طلبی ہوگی''۔ (بنی اسرائیل:34)

(۲) وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ۝

ترجمہ: ''اور (فلاح یافتہ اہلِ ایمان وہ ہیں) جو اپنی امانتوں اور وعدوں (قول وقرار) کی پاس داری کرتے ہیں''۔ (المومنون:8)

اس کے برعکس حدیث پاک میں چار باتوں کو منافق کی نشانی قرار دیا گیا ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) وعدے کی خلاف ورزی کرنا (۲) جھوٹ بولنا (۳) امانت میں خیانت کرنا، اور (۴) معاہدہ کرکے دھوکا دینا۔

مذکورہ بالا معاملات میں ان افراد کی قسم منعقد ہوگئی اور اس قسم کو پورا کرنا بھی اُن کے ذمے لازم تھا، قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ لازم آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاحۡفَظُوۡۤا اَيۡمَانَكُمۡ ؕ

ترجمہ: ''اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو''۔ (المائدہ:89)

آپ کی بیان کی ہوئی صورت میں برادری کے جن لوگوں نے حلف اٹھایا تھا، وہ اپنے حلف پر قائم نہ رہے اور قسم توڑ دی، لہٰذا وہ قسم کا کفارہ ادا کریں۔ قسم کا کفارہ قرآن مجید کی سورۃ المائدہ: کی آیت 89 میں بیان کیا گیا ہے، یعنی اپنے اوسط معیار کے مطابق دس مساکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا یا انہیں لباس فراہم کرنا، اور جو یہ نہ کر سکے تو وہ لگاتار تین دن کے روزے رکھے۔

برادری کے ذمے داران کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے ارکان سے یہ عہد لیا کریں کہ وہ اپنی بساط اور استعداد کے مطابق ڈھول باجے سمیت تمام منکرات کا سدِ باب کریں گے، حلف

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

لینا ضروری نہیں ہے، کیونکہ برادری کے پاس اپنے فیصلوں کو نافذ کرنے کے حکومتی اختیارات نہیں ہوتے، یہ اصلاحِ معاشرہ کا محض ایک رضا کارانہ طریقہ کار ہے اور اس میں خدا خوفی اور شریعت کی پاس داری کی ترغیب ہی ایک مؤثر حکمتِ عملی ہوسکتی ہے۔ البتہ طاقت سے برائی کو روکنا حکومتِ وقت اور حکمرانوں کی ذمے داری ہے، اس لیے محدثینِ کرام حدیث:

''مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ۔ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ، وَذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ۔

ترجمہ: تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اپنے ہاتھوں سے اس کی اصلاح کرے اور اگر (قوتِ بازو سے اُس برائی کو روکنے کی) طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اُس کو روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے'' (صحیح مسلم، رقم الحدیث:78)، کی تشریح میں ''جو کسی برائی کو دیکھے، اُسے اپنے ہاتھوں سے روکے'' کا مُکلّف حکومتِ وقت اور حکمرانوں کو قرار دیا ہے۔ ہاں! علماء اور معاشرے کے بااثر اَفراد کا شرعی فریضہ ہے کہ وہ مُنکَرات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اور جو کسی فساد کے بغیر طاقت سے روک سکتے ہیں، تو ضرور یہ سعادت حاصل کریں۔

صدقے کا وسیع تر اطلاق

سوال:

صدقہ، خیرات، زکوٰۃ اور فطرہ میں کیا فرق ہے، کیا ان کی نیت الگ الگ ہوگی، ادائیگی کے وقت بتانا ضروری ہے؟، (شیخ عبدالباری، کراچی)

جواب:

علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی لکھتے ہیں:

اَلصَّدَقَةُ: هِیَ الْعَطِیَّةُ الَّتِیْ بِهَا الْمَثُوْبَةُ مِنَ اللهِ تَعَالٰی

ترجمہ: ''صدقہ وہ عطیہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات سے اجر اور جزا مقصود ہو

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

(یعنی جو رضائے الٰہی کے لیے کیا جائے''۔(التعریفات:116)

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

وَالصَّدَقَةُ: مَایُخرِجُهُ الْاِنْسَانُ مِنْ مَالِهٖ عَلٰی وَجهِ الْقُربَةِ کَالزَّکَاةِ لٰکِنِ الصَّدقَةُ فِی الْاَصْلِ تُقَالُ لِلْمُتَطَوِّعِ بِهٖ وَالزَّکَاةُ لِلْوَاجِبِ،وَقَدْ یُسَمّٰی الْوَاجِبُ صَدَقَةً،اِذَا تَحَرّٰی صَاحِبُهَا الصِّدْقَ فِیْ فِعْلِهٖ۔

ترجمہ:''صدقہ اُسے کہتے ہیں جسے انسان اپنے مال سے ثواب کی نیت سے نکالے،جیسے زکوٰۃ،لیکن اصل میں صدقہ نفلی عبادت (خواہ مالی ہو یا بدنی) کو کہتے ہیں اور زکوٰۃ صدقۂ واجبہ ہے اور کبھی واجب کو بھی صدقہ کہتے ہیں جب دینے والا اپنے فعل میں صدق واخلاص کا متلاشی ہو''۔

اس کے بعد انہوں نے سورۂ توبہ،آیت:60 اور سورۃ الحدید،آیت:18 نقل کی ہیں،جن میں فرض زکوٰۃ پر صدقہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔(المفردات،ص:278)

انسان اپنے کسی حق سے دست بردار ہو،تو اُسے بھی ''تصدُّق'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورۃ المائدہ،آیت:45 میں''فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ کَفَّارَةٌ لَّهٗ'' قصاص سے کسی مالی بدل یعنی دیت کے بغیر دست بردار ہونے یعنی معاف کر دینے کو بھی ''تصدُّق'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔اسی طرح سورۂ بقرہ،آیت:280 میں تنگ دست مقروض کے قرض معاف کرنے کو تصدق سے تعبیر کیا گیا ہے۔سورۂ نساء،آیت:92 میں قتلِ خطا کی صورت میں ورثاء کی طرف سے مقررہ دیت معاف کرنے کو بھی تصدق سے تعبیر فرمایا گیا ہے،الغرض اپنے حق کو معاف کرنا یا اپنے حق سے دست بردار ہونا بھی ''تصدُّق'' کی ایک صورت ہے۔

کسی کی محنت سے کسی انسان یا جاندار کو غیر ارادی طور پر بھی فائدہ پہنچے،تو حدیث پاک میں اُسے بھی صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہے:رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَامِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا أَوْیَزْرَعُ زَرْعًا، فَیَأْکُلُ مِنْهُ طَیْرٌ،أَوْ اِنْسَانٌ، أَوبَهِیْمَةٌ، اِلَّا کَانَ لَهٗ بِهٖ صَدَقَةٌ۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان بھی کوئی درخت اُگاتا ہے یا کسی کھیت میں کاشت کرتا ہے، پس اس سے کوئی پرندہ یا انسان یا جانور کھاتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے''۔ (بخاری: 2320)

ایک حدیث میں ارشاد ہے انسانی وجود کے ہر ہر جوڑ (Joint) پر صدقہ (یعنی تشکّرِ نعمت) واجب ہے اور پھر احادیثِ مبارکہ میں سلام کرنے، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانے، نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، حج کرنے، حقوقِ زوجیت ادا کرنے، کسی کو اچھی بات کہنے اور دو افراد کے درمیان صلح کرانے اور انصاف کرنے اور بار برداری میں کسی کی مدد کرنے کو بھی صدقے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور اسی طرح سبحان اللہ، الحمدللہ اور اللہ اکبر کہنے یعنی اِن تسبیحات پڑھنے کو بھی صدقے سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور اِن میں سے بعض حَسَنات کا ثواب چاشت کی دو رکعت کے برابر بیان فرمایا گیا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

(۱) يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنِ ابْنِ آدَمَ صَدَقَةٌ: تَسْلِيْمُهٗ عَلٰى مَنْ لَقِيَ صَدَقَةٌ، وَاَمْرُهٗ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيُهٗ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَاِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ، وَبُضْعَةُ اَهْلِهٖ صَدَقَةٌ، وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ رَكْعَتَانِ مِنَ الضُّحٰى''۔ وَزَادَ ابْنُ مَنِيْعٍ فِيْ حَدِيْثِهٖ: قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَحَدُنَا يَقْضِيْ شَهْوَتَهٗ، وَتَكُوْنَ لَهٗ صَدَقَةٌ؟ قَالَ: اَرَاَيْتَ لَوْ وَضَعَهَا فِيْ غَيْرِ حِلِّهَا، اَلَمْ يَكُنْ يَاْثَمُ؟۔

ترجمہ: ''ہر دن کے آغاز کے ساتھ ابن آدم کے ہر ہر جوڑ پر صدقہ ہے، کسی مسلمان بھائی سے ملاقات کے وقت سلام کرنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے، برائی سے روکنا صدقہ ہے، راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا صدقہ ہے، اپنی اہلیہ سے مباشرت صدقہ ہے اور ان سب اعمال کے بدل کے طور پر دو رکعت نمازِ چاشت کافی ہے''۔ ابن منیع نے اس حدیث میں ان کلمات کا اضافہ کیا ہے: صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم میں سے ایک شخص (ازدواجی عمل میں) اپنی شہوت پوری کرتا ہے اور یہ اس کے لیے صدقہ ہے (یعنی انہوں

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

نے حیرت کا اظہار کیا)؟، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بتاؤ اگر وہ اپنی شہوت ناجائز محل میں پوری کرتا، تو گنہگار نہ ہوتا"۔ (سُنن ابوداؤد:1279)

اس سے معلوم ہوا کہ حدیثِ پاک میں جائز خواہشات کی تکمیل کے لیے حرام سے بچ کر حلال ذرائع اختیار کرنے کو بھی صدقے سے تعبیر فرمایا گیا۔

(۲) يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ أَحَدِكُمْ فِي كُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ، فَلَهٗ بِكُلِّ صَلَاةٍ صَدَقَةٌ، وَصِيَامٍ صَدَقَةٌ، وَحَجٍّ صَدَقَةٌ، وَتَسْبِيْحٍ صَدَقَةٌ، وَتَكْبِيْرٍ صَدَقَةٌ، وَتَحْمِيْدٍ صَدَقَةٌ، فَعَدَّ رَسُوْلُ اللهِ مِنْ هٰذِهِ الْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ، ثُمَّ قَالَ: يُجْزِئُ أَحَدَكُمْ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَا الضُّحٰى۔

ترجمہ: "تم میں سے ہر شخص کے لیے ہر جوڑ پر ہر صبح صدقہ ہے، پس ہر نماز صدقہ ہے، روزے صدقہ ہیں، حج صدقہ ہے تسبیح صدقہ ہے، تکبیر صدقہ ہے، تحمید (حمد کرنا) صدقہ ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیگر اعمالِ صالحہ (صدقے میں) شمار فرمائے، پھر فرمایا: تم میں سے کسی کو اس (مذکور) سے چاشت کی دو رکعت (پڑھنا) کافی ہے"۔

(سُنن ابوداؤد:1280)

(۳) امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی صحیح میں: "فَضْلِ الْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ وَالْعَدْلِ بَيْنَهُمْ" (لوگوں کے درمیان صلح کرانا) باب باندھا۔

كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ، كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ، يَعْدِلُ بَيْنَ النَّاسِ صَدَقَةٌ۔

ترجمہ: "ہر روز جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، لوگوں کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہوتا ہے، (اور فرمایا) دو آدمیوں کے درمیان عدل کرنا بھی صدقہ ہے"۔ (صحیح بخاری:2707)

(۴) اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ۔

ترجمہ: "کسی کو اچھی بات کہہ دینا بھی صدقہ ہے"۔ (صحیح بخاری:2989)

الغرض صَدَقہ کے مفہوم میں بہت وسعت ہے اور ہر قسم کے کارِ خیر پر اس کا اطلاق ہوتا

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

...خواہ یہ کارِ خیر کسی مالی مدد اور تعاون کی صورت میں ہو یا بدنی مدد ہو، خواہ اس کا تعلق قول
... ہو یا فعل سے، خواہ معروف کی اطاعت کی صورت میں ہو یا منکر سے اجتناب کی
...رت میں۔ اہل علم کے ہاں مالی صدقات اور غیر مالی صدقات کی ترکیب مروج و مستعمل
...، جس سے اس امر کی مزید تائید ہوتی ہے کہ صدقہ کا تصور صرف مالی انفاق تک محدود نہیں
...، البتہ اس مفہوم میں کثرتِ استعمال کے باعث عُرف میں مالی انفاق کو ہی صدقہ کہا جاتا
...۔ صدقات کی تین اقسام ہیں:

...) فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ (۲) واجب صدقات (۳) نفلی صدقات

...دقاتِ واجبہ مندرجہ ذیل ہیں:

...) قسم توڑنے کا کفارہ (۲) دائمی مرض یا انتہائی ضعف کے باعث عذرِ شرعی کی بنا پر
...ضان کا فرض روزہ رکھنے کی استطاعت نہ رکھنے والوں پر ایک روزے کے عوض ایک
...سکین کو دو وقت کا کھانا بطور فدیہ دینا (۳) ظہار کا کفّارہ (۴) احرام کی حالت میں شکار
...رنے کا کفّارہ اور اِحرام کی حالت میں دوسری جنایات کا کفارہ جسے ہَدْنہ، دم یا صدقہ
...ہا جاتا ہے۔ (۵) صدقۂ فطر (۶) کسی نے مالی نذر مانی ہو تو اُسے پورا کرنا (۷) رمضان کا
...زہ رکھ کر کسی شرعی عذر کے بغیر جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ۔

نیت دل کے ارادے کا نام ہے، فطرہ و زکوٰۃ دیتے وقت یا علیحدہ کرتے وقت نیت
...رط ہے۔ نیت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اگر پوچھا جائے تو بلا تامل بتا سکے کہ زکوٰۃ ہے، ادائیگی
...کے وقت یہ بتانا ضروری نہیں کہ زکوٰۃ ہے یا فطرہ۔ اَحادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ اللہ
...تعالیٰ کسی نیت اور ارادے کے بغیر بھی بعض حسنات کا ثواب عطا فرما دیتا ہے جیسے کسی کے
...لگائے ہوئے درخت کے سائے یا پھل سے لوگوں کا استفادہ کرنا، کسی کے کاشت کیے
...ہوئے کھیت سے انسانوں، پرندوں اور دیگر جانوروں کا غذا حاصل کرنا وغیرہ۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

قطع رحمی کرنے والے کی عبادات کے اجر سے محرومی

سوال:

ابن ماجہ کی اس حدیث کی تشریح کیا ہے: ''مسلمان سے لڑنے والے، قطع تعلق کرنے والے کی نماز سر سے ایک بالشت اوپر بلند نہیں ہوتی''۔ (شیخ عبدالباری، کراچی)

جواب:

مذکورہ بالا حدیث اِس طرح ہے:

ثَلٰثَةٌ لَا تُرْفَعُ صَلَاتُهُمْ فَوْقَ رُؤُسِهِمْ شِبْرًا: رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ، وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَأَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ۔

ترجمہ: ''تین اشخاص کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت برابر بھی بلند نہیں ہوتی، (ان میں سے) ایک وہ شخص ہے، جو کسی قوم کی امامت کرے حالانکہ وہ لوگ اُسے ناپسند کرتے ہوں، وہ عورت جس نے اس حال میں رات گزاری کہ اُس کا شوہر اُس سے ناراض رہا، باہم جھگڑنے والے دو (مسلمان) بھائی۔ (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 971)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ بعض اعمالِ سیئہ کی نحوست عبادات کی مقبولیت پر بھی اثر انداز ہوتی ہے، یعنی شرعی فریضہ تو ساقط ہو جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اُن عبادات کا جو اجرِ کامل مقدر ہے، وہ اُس سے محروم رہتا ہے۔ آخرت میں کیا ہوگا، یہ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ وعید بہت سنگین ہے اور مسلمانوں کو اِس سے عبرت پکڑنی چاہیے۔ حدیثِ پاک میں ہے:

اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مَابَيْنَ عَائِرٍ اِلٰى كَذَا، مَنْ أَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا أَوْ اٰوٰى مُحْدِثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ، لَايُقْبَلُ مِنْهُ صَرفٌ وَلَاعَدلٌ۔ وَقَالَ ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ، فَمَنْ اَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ، لَايُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ، وَمَنْ تَوَلّٰى قَوْمًا بِغَيْرِ اِذْنِ مَوَالِيْهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ، لَايُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

ترجمہ: ''مدینہ عائر سے لے کر فلاں جگہ تک حرم ہے، جس نے اِس میں کوئی جرم کیا یا مجرم کو پناہ دی، تو اُس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، نہ اُس کا کوئی فرض قبول ہوگا اور نہ نفل اور فرمایا: تمام مسلمانوں کا عہد واحد ہے، پس جس نے کسی مسلمان کے عہد کو توڑا، اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اس کا نہ کوئی فرض قبول ہوگا اور نہ نفل اور جو اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر کسی اور کو اپنا مالک بنالے، اُس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی، اُس کا نہ کوئی فرض قبول کیا جائے گا اور نہ نفل''۔

(صحیح بخاری:1870)

اس حدیث مبارک سے بھی معلوم ہوا کہ بعض افعال اعمالِ خیر کی قبولیت میں رکاوٹ بنتے ہیں، تو خالص اور کامل ایمان یہ ہے کہ انسان کے کردار میں نیکی اور بدی جمع نہیں ہونی چاہییں، بلکہ اُسے مجسم خیر بن کر رہنا چاہیے، اِس سے بطور قیاس ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتے ہیں کہ بعض حسنات کی برکت سے نیکیوں کا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کی عطا سے بڑھ بھی سکتا ہے اور یہ تو قرآنِ مجید میں صراحت کے ساتھ ہے کہ: نیکیاں برائیوں کے اثر کو زائل کر دیتی ہیں''۔(ہود:114)

غیر مُصدّقہ خبر کو پھیلانا ناجائز ہے

سوال:

پاکستان میں مختلف NGOs کے تیزی سے پھیلتے ہوئے نیٹ ورک کے ساتھ چند مسائل سامنے آرہے ہیں، جن کے بارے میں دینی رائے جاننا ازحد ضروری ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ مختلف واقعات کے حق میں یا اُن کے خلاف یہ NGOs احتجاج کرتی ہیں یا ریلیاں نکالتی ہیں۔ اکثر اوقات تصدیق کے بغیر محض ناموری، مسابقت کی دوڑ میں آگے رہنے کے لیے یہ سارے معاملات کیے جاتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟۔

(ماجد احمد، نارتھ ناظم آباد کراچی)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

جواب:

آپ نے درست نشاندہی کی ہے کہ موجودہ دور میں NGOs کا وسیع ترنیٹ ورک ہے، جس کے ذریعے مخصوص مسائل پر اپنی رائے کے اظہار کے لیے احتجاج کا راستہ اپنایا جاتا ہے اور اکثر اوقات قومی وملی حمیت کو بھی داؤ پر لگا دیا جاتا ہے۔ اِن NGOs کے مقاصد اور اہداف کیا ہیں، اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اہم بات یہ ہے کہ کیا کسی مسئلے پر اِن کے رَدِّعمل کا طریقہ جائز ہے؟۔ شریعتِ مُطہرہ میں کسی خبر یا کسی بات کو بغیر تصدیق بیان کرنے کی ممانعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۞

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کیا کرو، کہیں تم نادانی سے کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچادو، پھر تمہیں اپنے کیے پر پچھتانا پڑے''۔

(حجرات:6)

حدیث پاک میں کسی بات کو تصدیق کے بغیر آگے بڑھانا انسان کے جھوٹا ہونے کی نشانی شمار کیا گیا ہے، حدیثِ پاک میں ہے: كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔ ترجمہ: ''کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ (تحقیق کیے بغیر) ہر سنی سنائی بات لوگوں کے سامنے بیان کرتا پھرے''۔ (صحیح مسلم:7)

ہمارے ملک میں اس وقت NGOs کا ایک جال بچھا ہوا ہے، اسلام آباد کے بیشتر فائیو اسٹار، فوراسٹار اور تھری اسٹار ہوٹل انہی کے دم سے آباد رہتے ہیں، آئے دن کوئی نہ کوئی ورکشاپ منعقد ہوتی رہتی ہے۔ ان میں سے بیشتر کے مالیاتی ذرائع مغرب میں ہیں، دولت کی ریل پیل ہے۔ لیکن یہ امت مسلمہ کے کسی مسئلے پر، مثلاً یورپ وامریکا میں شانِ رسالت میں گستاخی، قرآن مجید کو اعلان کرکے جلانا، کشمیر، فلسطین اور دیگر خطوں کے مسلمانوں پر مظالم، امریکا ویورپ میں مساجد کو جلانا وغیرہ مسائل پر کبھی بھی آپ کو احتجاج

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

کرتے نظر نہیں آئیں گے۔ انہیں مخصوص ایجنڈے پر کام کرنے کے لیے فنڈز ملتے ہیں، مثلاً مخلوط تعلیم کا فروغ، جنسیات (Sex) کے موضوع کو نصاب میں شامل کرنا، چائلڈ لیبر اور پسند کی شادی جیسے مسائل، اقلیتوں سے متعلق اُمور کو نمایاں (High Light) کرکے دنیا بھر میں پاکستان کی بدنامی کے مواقع تلاش کرنا۔

ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے تلاوت کرنے کا حکم

سوال:

بازار میں اکثر لوگ تلاوتِ قرآن کی ریکارڈنگ بلند آواز میں لگاتے ہیں، اِس دوران گفتگو اور معمولات کی ادائیگی انجام دینے والے گنہگار ہوں گے؟۔

(محمد کاشف رضا، لاہور)

جواب:

جب قرآن مجید پڑھا جائے تو خاموش رہنا اور غور سے سننا فرض ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

ترجمہ: ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔ (الاعراف:204)

لیکن اگر کسی ایسی جگہ کہ جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہیں، وہاں کوئی شخص بلند آواز سے تلاوت کرتا ہے، تو وہ تلاوت کرنے والا خود ہی گناہ گار ہوگا۔

علامہ ابن عابدین شامی ''یَجِبُ الْاِسْتِمَاعُ لِلْقِرَاءَةِ مُطْلَقًا'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

أَیْ فِی الصَّلَاةِ وَخَارِجِھَا، لِأَنَّ الْآیَةَ وَاِنْ کَانَتْ وَارِدَةً فِی الصَّلَاةِ عَلٰی مَا مَرَّ فَالْعِبْرَةُ لِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوصِ السَّبَبِ، ثُمَّ ھٰذَا حَیْثُ لَا عُذْرَ وَلِذَا فِی ''الْقُنیَة'': صَبِیٌّ یَقْرَأُ فِی الْبَیْتِ وَأَھْلُهٗ مَشْغُوْلُوْنَ بِالْعَمَلِ یَعْذِرُوْنَ فِی تَرْکِ الْاِسْتِمَاعِ اِنِ افْتَتَحُوا الْعَمَلَ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَاِلَّا فَلَا، وَکَذَا قِرَاءَةُ الْفِقْهِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ۔ وَفِی ''الْفَتْحِ'' عَنِ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

"اَلْخُلَاصَةِ": رَجُلٌ يَكْتُبُ الْفِقْهَ وَبِجَنْبِهٖ رَجُلٌ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَلَايُمْكِنُهٗ اِسْتِمَاعُ الْقُرْآنِ فَالْاِثْمُ عَلَى الْقَارِئِ، وَعَلٰى هٰذَا لَوْقَرَأَ عَلَى السَّطْحِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ يَأْثَمُ: أَيْ لِأَنَّهٗ يكون سَبَبٌ لِإِعْرَاضِهِمْ عَنْ اِسْتِمَاعِهٖ، أَوْ لِأَنَّهٗ يُؤْذِيْهِمْ بِإِيْقَاظِهِمْ۔ تَأَمَّلْ۔

ترجمہ: "(قرآن مجید کا سننا مطلقاً واجب ہے) یعنی نماز اور خارجِ نماز دونوں حالت میں (قرآن سننا واجب ہے)، یہ آیت اگرچہ نماز کے متعلق وارد ہوئی ہے، جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہوا ہے، لیکن اعتبار خصوصیت سبب کا نہیں، عمومِ الفاظ کا ہوتا ہے۔ اور یہ حکم اُس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو جیسا کہ "قُنیہ" میں مذکور ہے: "بچہ گھر میں قرآن مجید پڑھ رہا ہے اور گھر والے کام کاج میں مصروف ہیں، تو وہ تلاوتِ قرآن نہ سننے میں معذور ہیں، بشرطیکہ انہوں نے اُس کے پڑھنے سے پہلے کام شروع کیا ہو، ورنہ وہ معذور نہیں ہوں گے۔ اور اسی طرح فقہ (کی کتاب) پڑھنے والے کے پاس قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کا حکم ہے (کہ فقہ کی کتاب پڑھنا تلاوت نہ سننے کے لیے عذر ہے) اور "فتح القدیر" میں "خلاصۃ الفتاویٰ" کے حوالے سے منقول ہے: ایک شخص فقہی مسائل لکھ رہا ہے اور اس کے پاس کوئی شخص (بلند آواز سے) قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اور اس کے لیے (اپنی علمی مصروفیت کی وجہ سے) توجہ کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کا سننا عملاً دشوار ہے، تو اس کا گناہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے پر ہوگا، اسی طرح لوگ سوئے ہوئے ہیں اور ایک شخص چھت پر بیٹھ کر (بلند آواز سے) تلاوت کرتا ہے، تو (لوگوں کے نہ سننے کا) گناہ تلاوت کرنے والے پر ہوگا، کیونکہ لوگوں کے تلاوت قرآن کی طرف توجہ نہ کرنے کا سبب وہی شخص بن رہا ہے یا اس لیے کہ وہ انہیں جگا کر اذیت دے رہا ہے، اس مسئلے میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

"غنیۃ المستملی" کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

اِنَّهٗ يَجِبُ عَلَى الْقَارِئِ اِحْتِرَامُهٗ بِأَنْ لَا يَقْرَأَهٗ فِي الْأَسْوَاقِ وَمَوَاضِعِ الْاِشْتِغَالِ، فَإِذَا قَرَأَهٗ فِيْهَا كَانَ هُوَ الْمُضِيْعُ لِحُرْمَتِهٖ، فَيَكُوْنُ الْاِثْمُ عَلَيْهِ دُوْنَ أَهْلِ الْاِشْتِغَالِ دَفْعًا

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

للخاتم۔

ترجمہ: ''قرآن کریم پڑھنے والے پر اس کا احترام واجب ہے اس طور پر کہ وہ بازاروں میں (بلند آواز سے) قرآن مجید نہ پڑھے اور ان مقامات پر بھی قرآن کریم نہ پڑھے جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں، کیونکہ جب کوئی شخص ان مقامات پر قرآن کی (بلند آواز سے) تلاوت کرے گا، تو قرآن مجید کے احترام کو ضائع کرنے والا وہی بنے گا اور گناہ اسی پر ہوگا، نہ کہ اُن لوگوں پر جو اپنے کام کاج میں مصروف ہیں، (عام لوگوں) سے حرج کو دور کرنے کے لیے (یہی مسئلے کی بہتر توجیہ ہے)''۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 2، ص: 237، 238، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

یہی وجہ ہے کہ مقاصدِ شریعت میں سے ایک سَدِّ ذرائع بھی ہے، یعنی ایسے عمل سے اجتناب کرنا جو کسی شرعی حکم کے ترک یا بے توقیری کا سبب بنے۔ پس غور کیجیے جب قرآن مجید کی تلاوت کرنے پر لازم ہے کہ اونچی آواز سے پڑھ کر اُن لوگوں کے گنہگار ہونے کا سبب نہ بنے، جو اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہیں یا ان کے سونے کا وقت ہے، ورنہ قرآن کے عدمِ اِستماع (نہ سننے) کی بے حرمتی کا سبب بننے پر یہ خود گنہگار ہوگا۔ تو خواہ محافلِ نعت ہوں یا مذہبی جلسے، ان لوگوں پر بدرجۂ اَولیٰ لازم ہے کہ بلاضرورت لاؤڈ اسپیکر کی آواز بلند کرکے لوگوں کی نیند، آرام یا مصروفیات میں خلل نہ ڈالیں۔ آواز کا حُجم (Volume) اُن حاضرین کی ضرورت کے مطابق رکھا جائے، جو اس جلسے کو سننے کی نیت سے آئے ہیں۔

موبائل فون پر SMS یا ٹیکسٹ میسیج

سوال:

موبائل پر لوگ SMS یا Text Message بھیجتے ہیں، ان میں کسی حدیث یا کسی دینی بات کا حوالہ ہوتا ہے اور اُس میں ہدایت کی جاتی ہے کہ اسے Forward کریں، جبکہ ہر شخص اس کے بارے میں صحیح معلومات نہیں رکھتا، کیا حقیقت جانے بغیر اسے Forward کرنا چاہیے؟۔ اسی طرح موبائل ٹیکسٹ میسیج میں کسی کی تضحیک کی جاتی ہے،

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اہانت کی جاتی ہے یا اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے، کیا یہ شرعاً درست ہے؟،

(محمد خرم اقبال رحمانی، کورنگی، کراچی)

جواب:

موبائل فون پر اِس طرح کے SMS یا ٹیکسٹ میسیج کسی تصدیق یا تحقیق کے بغیر دوسروں کو Forward نہیں کرنے چاہییں۔ حدیثِ پاک میں ہے:

''کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا أَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ''

ترجمہ: ''کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ (تحقیق کیے بغیر) ہر سنی سنائی بات لوگوں کے سامنے بیان کرتا پھرے''۔ (صحیح مسلم:7)

دوسری قباحت یہ ہے کہ اکثر اس قسم کے SMS کا فروغ لوگوں کو عمل سے دور لے جانے کے مترادف ہے اور اس میں وقت اور پیسے دونوں کا ضیاع ہے۔ نیز لوگوں کو اِس بات کا پابند کردینا بھی قطعاً درست نہیں کہ اِسے مزید آگے Send کریں، تاہم اگر کوئی ایسا کرتا بھی ہے تو مُرسَل الیہ (Receiver) پر اس کی تعمیل لازم نہیں ہے۔

موبائل SMS کو کسی کی توہین، تذلیل یا تحقیر کا ذریعہ بنانا بھی حرام ہے۔ چند احادیث مبارکہ ملاحظہ کیجیے، حدیث پاک میں ہے:

(۱) مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔

ترجمہ: ''جس نے کسی مسلمان (بھائی کے عیوب) کی پردہ پوشی کی، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس کی پردہ پوشی فرمائے گا''۔ (صحیح بخاری:2442)

(۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ أَخِیْهِ الْمُسْلِمِ، سَتَرَ اللهُ عَوْرَتَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، وَمَنْ کَشَفَ عَوْرَةَ أَخِیْهِ الْمُسْلِمِ، کَشَفَ اللهُ عَوْرَتَهٗ حَتّٰی یَفْضَحَهٗ بِهَا فِیْ بَیْتِهٖ۔

ترجمہ: ''جس نے اپنے مسلمان بھائی کے کسی عیب پر پردہ ڈالا، تو (اس کی جزا کے طور پر) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کی پردہ پوشی فرمائے گا اور جس نے اپنے مسلمان بھائی کی پردہ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

دَری کی، تو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اُس کے عُیوب کو (اہلِ محشر کے سامنے) فاش فرمائے گا، یہاں تک کہ اسے اُس کے گھر میں رسوا فرمادے گا''۔(سُنن ابن ماجہ:2546)

(۳) عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْمُسْلِمُ أَخُوالْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ، اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا، وَيُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ۔

ترجمہ:'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اُس پر ظلم نہ کرے نہ اس کو رسوا کرے، نہ اُسے حقیر جانے، حضور ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا: تقویٰ یہاں ہے، کسی شخص کے بُرا ہونے کے لیے یہی (علامت) کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے، ایک مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون، اُس کا مال اور اس کی آبرو''۔(صحیح مسلم:6536)

اِسی طرح دوسروں کا استہزاء، تمسخر، طعن و تشنیع، عیب جوئی، تحقیر اور برے ناموں سے پکارنا، ایسے تمام اُمور ناجائز ہیں، قرآن مجید کی سورۂ ''الحجرات'' کے دوسرے رکوع اور سورۂ ''اَلْھُمَزَہ'' میں اس کے بارے میں تفصیلی اَحکام موجود ہیں اور اس پر وعیدیں بھی ہیں، کسی ترجمے اور حاشیے والے قرآن مجید میں ان مقامات کا مطالعہ کریں۔

میڈیا پر کسی کے راز فاش کرنے کا حکم

سوال:

شریعت ستر پوشی کا حکم دیتی ہے، میڈیا والے بہت سے لوگوں کے راز فاش کرتے ہیں، کیا یہ پردہ دری یا غیبت کے زمرے میں آئے گا؟۔(انیس الرحمٰن، کراچی)

جواب:

شریعت لوگوں کے عیوب کی ستر پوشی کا حکم دیتی ہے، جب تک کسی کا عیب یا خرابی اُس کی ذات تک محدود ہے، اس پر پردہ ڈالنا بہتر ہے اور اگر کوئی اس کی اصلاح کی قدرت

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

رکھتا ہے یا تدبیر کرسکتا ہے، توضرور کرے، کیونکہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟، قَالَ: لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ۔

ترجمہ:''دین (سراسر) خیرخواہی ہے، (صحابۂ کرام بیان کرتے ہیں:) ہم نے عرض کی: حضور! کس کی خیرخواہی؟، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی، اللہ کی کتاب کی، رسول اللہ کی، ائمۂ مسلمین کی اور عام مسلمانوں کی''۔(صحیح مسلم رقم الحدیث:196)

قرآن مجید میں مظلوم کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ حاکم کے سامنے، عدالت کے سامنے یا کسی ایسے شخص کے سامنے جہاں اُس کی دادرسی ہوسکتی ہے، فریاد کرسکتا ہے اور ظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ کسی بری بات کی تشہیر کو پسند نہیں فرماتا، مگر مظلوم کو (دادرسی کے لیے اس کی) اجازت ہے''۔(النساء:148)

اسی طرح اگر کسی باخبر شخص سے کوئی مشورہ طلب کرے کہ فلاں شخص کے ساتھ کاروبار میں شراکت کروں یا نہ کروں یا فلاں شخص کے ساتھ رشتہ کروں یا نہ کروں یا فلاں شخص کے پڑوس میں مکان لوں یا نہ لوں، تو ایسی صورت میں اسے سچ بیان کردینا چاہیے تاکہ حقائق سے لاعلمی کی وجہ سے مشورہ مانگنے والوں کو نقصان نہ ہو اور یہ غیبت کے زمرے میں نہیں آئے گا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ

ترجمہ:''جس سے مشورہ مانگا جائے، وہ امین ہوتا ہے''۔(سُنن ترمذی:2822)

یعنی اسے دیانت داری کے ساتھ سچ بات بتادینی چاہیے۔ اسی طرح اگر کسی کی خرابی سے پورے معاشرے کو دینی، اخلاقی یا مالی اعتبار سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، تو اس صورت میں اُس کے شر اور نقصان سے لوگوں کو بچانے کے لیے خبردار کردینا چاہیے۔ یا حکومت کے ذمّے دار افراد یا مُتعلقہ اداروں کو اطلاع دینا پردہ دری یا غیبت کے زمرے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

میں نہیں آئے گا۔ ابن عیینہ نے کہا: ''تین آدمیوں کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے:
(۱) ظالم حکمران (۲) جو شخص لوگوں کے سامنے اللہ کی نافرمانی کرتا ہو (۳) وہ بدعتی جو لوگوں کو اپنی بدعت کی دعوت دیتا ہو''۔ (الجامع لشعب الایمان:6372)

علامہ یحییٰ بن شرف النووی لکھتے ہیں: جس سبب صحیح اور غرض شرعی کو کسی کے پسِ پشت عیب بیان کیے بغیر پورا نہ کیا جاسکے، اس غرض کو پورا کرنے کے لیے غیبت کرنا مباح ہے اور اس کے چھ اسباب ہیں: پہلا سبب یہ ہے کہ مظلوم اپنی دادرسی کے لیے سلطان، قاضی یا اس کے قائم مقام شخص کے سامنے ظالم کا ظلم بیان کرے کہ فلاں شخص نے مجھ پر یہ ظلم کیا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی برائی کو ختم کرنے اور بدکار کو نیکی کی طرف راجع کرنے کے لیے کسی صاحبِ اقتدار کے سامنے اس کی غیبت کی جائے کہ فلاں شخص یہ برا کام کرتا ہے، اس کو اس برائی سے روکو اور اس سے مقصود صرف برائی کا ازالہ ہو، اگر یہ مقصد نہ ہو تو غیبت حرام ہے۔ تیسرا سبب ہے: استفسار، یعنی یہ کہ کوئی شخص مفتی سے پوچھے: فلاں شخص نے میرے ساتھ یہ ظلم یا یہ برائی کی ہے، کیا یہ جائز ہے؟، میں اس ظلم سے کیسے نجات پاؤں؟، یا اپنا حق کس طرح حاصل کروں؟، اس میں بھی افضل یہ ہے کہ اس شخص کی تعیین کیے بغیر سوال کرے کہ ایسے شخص کا کیا شرعی حکم ہے؟، تاہم تعیین بھی جائز ہے۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کی خیرخواہی کرنا اور ان کو کسی شخص کے ضرر سے بچانا اور اس کی مُتعدد صورتیں ہیں:
(الف) مجروح راویوں پر جرح کرنا اور فاسق گواہوں کے عیوب نکالنا، یہ اجماعِ مسلمین سے جائز ہے بلکہ ضرورت کی وجہ سے واجب ہے۔
(ب) کوئی شخص کسی جگہ شادی کرنے کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص سے شراکت کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص کے پاس امانت رکھنے کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص کے پڑوس میں رہنے کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص سے کسی بھی قسم کا معاملہ کرنے کے لیے مشورہ کرے اور اس شخص میں کوئی عیب ہو تو مشورہ دینے والے پر واجب ہے کہ وہ اس عیب کو ظاہر کردے۔

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

(ج) جب انسان یہ دیکھے کہ ایک طالب علم کسی بدعتی یا فاسق سے علم حاصل کررہا ہے اور اس سے علم حاصل کرنے میں (دینی لحاظ سے) اس کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے تو وہ اس کی خیرخواہی کے لیے اس بدعتی یا فاسق کی بدعت اور فِسق پر اُسے خبردار کرے۔

(د) کسی ایسے شخص کو علاقہ کا حاکم بنایا ہوا ہو جو اس منصب کا اہل نہ ہو، اس کو صحیح طریقے پر انجام نہ دے سکتا ہو یا غافل ہو یا اور کوئی عیب ہو تو ضروری ہے کہ حاکم اعلیٰ کے سامنے اس کے عیوب بیان کیے جائیں تاکہ اہل اور کارآمد شخص کو حاکم بنایا جاسکے۔

(ہ) پانچواں سبب یہ ہے کہ کوئی شخص علی الاعلان فِسق وفُجور اور بِدعات کا ارتکاب کرتا ہو، مثلاً شراب نوشی، جوا کھیلنا، لوگوں کے اَموال لوٹنا، وغیرہ۔ تو ایسے شخص کے اُن عیوب کو پسِ پشت بیان کرنا جائز ہے، جن کو وہ علی الاعلان کرتا ہو، ان کے علاوہ اس کے دوسرے عیوب کو بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

(و) چھٹا سبب ہے: تعریف اور تعیین مثلاً کوئی شخص اَعرج (لنگڑے) اَصَم (بہرے) اَعمیٰ (اندھے)، اَحوَل (بھینگے) کے لقب سے مشہور ہو تو اس کی تعریف اور تعیین کے لیے اس کا ذکر اِن اَوصاف کے ساتھ کرنا جائز ہے۔ لیکن اس کی تنقیص کے ارادے سے ان اوصاف کے ساتھ اس کا ذکر جائز نہیں ہے اور اگر اس کی تعریف اور تعیین کسی اور طریقے سے ہوسکے، تو پھر بھی اس عیب کا ذکر جائز نہیں ہے''۔ (ریاض الصالحین، ص: 579-581)

مرشد یا شیخِ طریقت کا معیار

سوال:

کیا شریعت اور طریقت دو الگ الگ چیزیں ہیں؟، (محمد کاشف رضا، لاہور)۔

جواب:

امام احمد رضا قادری قُدِّسَ سِرُّہ العزیز نے مَقَالُ العُرَفاء میں شریعت وطریقت پر بحث کی ہے، فرماتے ہیں: ''شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع، شریعت مَنبع (Source) ہے اور طریقت اُس سے نکلا ہوا دریا، طریقت کی جدائی شریعت سے محال اور دشوار ہے،

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

شریعت ہی پر طریقت کا دارومدار ہے، شریعت ہی اصلِ کار اور محک ومعیار ہے، شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے، اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا، اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور جا پڑے گا، طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے، شریعتِ مُطَہَّرہ کی اِتّباع کا صدقہ ہے، جس حقیقت کو شریعت رد فرمادے وہ حقیقت نہیں بے دینی اور زندقہ ہے"۔

(فتاویٰ افریقہ، ص:128)

مفتی محمد نور اللہ نعیمی فتوح الغیب کے حوالے سے لکھتے ہیں: حضرت سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی قُدِّسَ سِرُّہ العزیز لکھتے ہیں: کُلُّ حَقِیْقَۃٍ رَدَّتْھَا الشَّرِیْعَۃُ فَھِیَ زَنْدَقَۃٌ

ترجمہ: "ہر وہ حقیقت جس کو شریعت رَد کرے، وہ بے دینی ہے (یعنی ایسا شخص زندیق ہے)"۔ (فتاویٰ نوریہ، جلد5، ص:108)

بے نمازی پیر کا حکم

سوال:

پیر صاحب نماز نہیں پڑھتے، اُن سے بیعت ہونا کیسا ہے؟ (محمد کاشف رضا، لاہور)

جواب:

نماز کسی صورت بھی کسی شخص پر بھی معاف نہیں ہے۔ بیعت کی بابت امام احمد رضا قادری قُدِّسَ سِرّہٗ العزیز نے چند شرائط بیان فرمائی ہیں: مرشد کے لیے چار شرائط ہیں، جس شخص میں یہ چار شرائط نہ ہوں، اس کی بیعت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۱) مسلمان ہو اور اس کا عقیدہ صحیح ہو یعنی اہلسنت وجماعت ہو، علمائے حق نے جن بدعقیدگیوں کا رد کیا ہے ان میں سے کسی میں ملوث نہ ہو۔

(۲) عقائد کے دلائل اور تمام احکامِ شرعیہ کا عالم ہو، حتیٰ کہ پیش آمدہ مسائل کا حل بیان کرسکتا ہو۔

(۳) علم کے مطابق عمل کرتا ہو، فرائض، واجبات اور سُنَن اور مُستَحَبّات پر دائمی عمل کرتا ہو اور تمام مُحَرَّمات اور مکروہات سے بچتا ہو۔

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

(۴) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تک اس کی نسبت متصل ہو یعنی اس کے مشائخ کا سلسلہ کسی انقطاع کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچتا ہو"۔ (الملفوظ، جلد 2، ص:56) (فتاویٰ افریقہ، ص: 147)

پس امام احمد رضا قادری قُدِّسَ سِرُّہُ العزیز نے مرشد کامل اور شیخِ طریقت کے لیے جو کم از کم ظاہری معیارات بتائے ہیں، جو شخص اس میزان پر پورا نہ اترے، وہ بیعت کا اہل نہیں ہے اور اُس کی بیعت روحانی فیوض و برکات اور اصلاح و تربیت کا وسیلہ نہیں بن سکتی۔ امام احمد رضا قادری قُدِّسَ سِرُّہُ العزیز ظاہر داری کی رسمی روایات کو عیاں کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

"اوّل فلاحِ ظاہر: حاشا! اس سے وہ مراد نہیں کہ نِرے ظاہر داروں کو مطلوب، جن کی نظر صرف اعمالِ جَوارِح پر مقصود، ظاہر اَحکامِ شرع سے آراستہ اور مَعاصی سے مُنَزّہ (پاک) کرلیا اور مُتّقی و مُفلح بن گئے، اگرچہ باطن رِیا وعُجب وحَسد وکینہ وتکبّر وحُبِّ مدح وحبِّ جاہ و محبت دنیا وطلبِ شہرت وتعظیم امراء وتحقیرِ مساکین واِتّباعِ شہوات ومُداہَنت (بے دین لوگوں کی بے جا رعایت) وکفرانِ نِعَم (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار)، وحرص وبخل وطول اَمَل (خواہشاتِ نفس کا اسیر ہونا)، وسُوءِ ظن (بدگمانی) وعِنادِ حق (حق کا انکار) واصرار باطل مکر وعذر وخیانت وغفلت وقسوت (سنگ دلی) وطمع وتملّق (کسی صاحبِ منصب کی بے جا خوش آمد) واعتمادِ خَلق ونسیانِ خالق ونسیانِ موت وجرأت علی اللہ ونفاق واتباعِ شیطان، وبندگی نفس ورغبتِ بطالت، وکراہتِ عمل وقلتِ خَشیت وجَزع وعدمِ خشوع وغضب للنفس (ذاتی انتقام) وتسائل فی اللہ وغیرہا مُہلکات آفات سے گندہ رہا ہو جیسے مَزبَلہ (گندگی کے ڈھیر) پر زَربفت (ریشم) کا خیمہ او پر زینت و اندر نجاست، پھر کیا یہ باطنی خباثتیں ظاہری اصلاح پر قائم رہنے دیں گی۔ حاشا! معاملہ پڑنے دیجیے، کون سی ناگفتنی ہے کہ نہ کہیں گے، کون سی ناکردنی ہے کہ اٹھا رکھیں گے اور پھر بدستور صالح، عوام کی کیا گنتی آج کل بہت علمائے ظاہر اگر متقی ہیں بھی تو اسی قسم کے، "اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ" یعنی صرف چند علمائے حق ہی تقوے کے ظاہری اور باطنی معیار پر پورا اتر سکیں گے۔ (فتاویٰ افریقہ صفحہ 128)

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

موبائل فون میں رنگ ٹون کی جگہ تلاوت، اذان، درود یا نعت فیڈ کرنا

سوال:

موبائل فون پر تلاوتِ قرآن یا نعتیہ کلام لگانا کیسا ہے، بعض لوگوں نے موبائل رنگ کی جگہ قرآن کی کوئی سورت مثلاً سورہ ''الرحمٰن'' یا اذان یا نعت Feed کی ہوتی ہے۔ آپ انہیں فون کریں تو سورت قرآن یا اذان یا نعت سنائی دیتی ہے، پھر وہ اچانک اپنا موبائل فون ON کرتے ہیں اور تلاوت یا اذان یا نعت درمیان میں کٹ جاتی ہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟، (محمد کاشف رضا، لاہور)

جواب:

تلاوتِ قرآن، درود پاک یا نعتیہ کلام کو بطور Ring Tone استعمال کرنا خلافِ ادب ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اِسی طرح بعض لوگ Ring Tone کی جگہ اذان یا قرآن کی کسی مُقدّس سورت (مثلاً سورۃ الرحمٰن) کی تلاوت ڈال دیتے ہیں، قرآن مجید کی تلاوت سننا یا اذان کے کلمات ثواب کی نیت سے سننا اور درود پاک سننا یقیناً اجروثواب کا سبب ہے، لیکن ہمارے نزدیک اُن مُقدّسات (Sacreds) کو موبائل فون میں گھنٹی (Ring Tone) کی جگہ استعمال کرنا خلافِ ادب ہے اور اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ہاں! اگر موبائل میں قرآن مجید مکمل یا بعض مُنتخب سورتیں اس لیے ڈالی جائیں کہ فرصت کے وقت ثواب کی نیت سے باوضو تلاوت کی جائے یا تلاوت، اذکار اور درود و نعت کو سننے کی سعادت حاصل کی جائے تو یہ باعثِ اجر ہے اور چونکہ قرآن مجید سافٹ ویر میں ہوتا ہے، اسکرین پر مستقل طور پر ثبت نہیں ہوتا، اس لیے اسے موبائل میں محفوظ رکھنا خلافِ ادب نہیں ہے۔

مُروّجہ نعت خوانی کے حوالے سے چند سوالات

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

سوال:

نعت کے ساتھ ''اللہ، اللہ'' کا ذکر کرنا کیسا ہے؟۔ مسجد کے اندر دف کے ساتھ نعت پڑھنا، گانے کی طرز پر نعت پڑھنا کیسا ہے؟۔

(حافظ وزیر احمد قادری، باغ سرداراں، راولپنڈی، محمد اشفاق، جامع مسجد زہرا، اسلام آباد)

جواب:

نعت کے بیک گراونڈ میں ذکر یعنی ''اللہ، اللہ'' کے جائز نہ ہونے کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس طرح کے ذکر میں عموماً لفظ ''اللہ'' اسمِ جلالت کی ادائیگی میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ عموماً یہ ذاکرین جب ذکر کرتے ہیں تو اسمِ جلالت کی ادائیگی کے دوران جھٹکا دیتے ہیں، جس سے الف اور لام کے درمیان ''ہا'' کی آواز نکلتی ہے اور یہ بلاشبہ اسمِ جلالت کو بگاڑنا ہے اور اسمِ جلالت کو بگاڑنا بلاشبہ ناجائز وحرام ہے اور اس بگاڑ کا سبب نعت خوانی کا یہی انداز ہے۔ لہٰذا اس طرح نعت پڑھنا ناجائز ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں خالق جل جلالہٗ کا ذکر مغلوب ہوتا ہے یعنی بیک گراونڈ میں ذکر کی آواز آتی ہے اور خالق عزوجل کا ذکر مخلوق کے ذکر کے تابع ہوجاتا ہے، کیونکہ ان نعت خوانوں کی عادت سے ثابت ہے کہ جب تک نعت شروع نہ کرلیں، تب تک ذاکر ذکر شروع نہیں کرتا، نیز جب نعت شریف ختم ہوتی ہے، تو ذکرِ الٰہی بھی روک دیا جاتا ہے، یہ سراسر بے ادبی ہے۔

شریعت مطہرہ کا مسلمہ اصول ہے: ''اَلْأُمُوْرُ بِمَقَاصِدِهَا'' (یعنی معاملات کا انحصار اُن کے مقاصد پر ہوتا ہے)۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ اگر مقصد جائز ہو تو حکم بھی جواز کا ہوگا اور اگر مقصد باطل ہو تو حکم عدمِ جواز کا ہوگا۔ ''الاشباہ والنظائر'' میں ہے:

قَالَ قَاضِي خَان: اَلفُقَّاعِي إِذَا قَالَ عِنْدَ فَتْحِ الْفُقَّاعِ لِلْمُشْتَرِي: ''صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ''، قَالُوْا: يَكُوْنُ آثِمًا وَكَذَا الْحَارِسُ إِذَا قَالَ فِي الْحِرَاسَةِ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَعْنِي لِأَجْلِ الْإِعْلَامِ بِأَنَّهٗ مُسْتَيْقِظٌ بِخِلَافِ الْعَالِمِ إِذَا قَالَ فِي الْمَجْلِسِ: صَلُّوْا عَلَى النَّبِيِّ

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

وَکَذٰلِکَ الْغَازِیُ اِذَا قَالَ: کَبِّرُوْا، لِاَنَّ الْحَارِثَ وَالْفَقَاعِیَ یَأْخُذَانِ بِذٰلِکَ اَجْرًا۔

ترجمہ:''قاضی خان نے کہا: جب جو کا شربت بیچنے والا اس شربت کو فروخت کرنے کے لیے کھولتے وقت کہے:''صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ'' یعنی درود شریف پڑھے، تو گناہ گار ہوگا۔ اِسی طرح جب کوئی چوکیدار اپنی ڈیوٹی کے دوران یہ بتانے کے لیے کہ وہ جاگ رہا ہے، یہ کہے:''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ''، (تو ایسا کرنے پر گناہ گار ہوگا)''۔اس کے برعکس جب عالم (مجلسِ درس میں) کہے:''صَلُّوْا عَلَی النَّبِیِّ (نبی پر درود بھیجو)''، تو اُسے اس پر اجر ملے گا، کیونکہ چوکیدار اور شربت فروخت کرنے والا اپنے عمل کی اجرت لیتے ہیں (اور تکبیر یا درود کو اعلان کے مقصد کے لیے استعمال کرنا خلافِ ادب ہے)''۔

(الاشباہ والنظائر صفحہ:32، فن اول: الامور بمقاصدھا، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

تجربے اور مشاہدے سے یہ بات ثابت ہے کہ ذکر کرنے والا جس انداز میں اپنے حلق سے ذکر کی آواز پیدا کرتا ہے وہ موسیقی کی آواز سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور یہ لَہو ولَعب کے زُمرے میں آتا ہے، جس کو شریعت مطہرہ میں ناجائز فرمایا ہے۔ لَہو ولَعب کسی آلات موسیقی (Musical Instruments) کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ جس طرح بھی وہ آواز پیدا کی جائے خواہ کسی آلہ (Instrument) کے ذریعے یا بغیر کسی آلے کے، وہ لَہو وناجائز ہے۔

گانے کی دھن پر بنائی گئی موسیقی اور آلات موسیقی کے ساتھ نعت پڑھنا، پڑھوانا اور سننا سب ناجائز ہے، علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ عَلٰی ضَرْبِ الدَّفِّ وَالْقَضِیْبِ یَکْفُرُ۔ قُلْتُ وَیَقْرُبُ مِنْهُ ضَرْبُ الدَّفِّ وَالْقَضِیْبِ مَعَ ذِکْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَنَعْتِ الْمُصْطَفٰی ﷺ۔

ترجمہ:''جس نے دَف اور ڈانڈیا کے ساتھ قرآن کی تلاوت کی (وہ توہینِ قرآن کی وجہ سے) کفر کا مرتکب ہوا، میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں: اسی حکم کے قریب دف اور ڈانڈیا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر یا نعتِ مصطفیٰ ﷺ پڑھنا بھی ہے''۔ (الفقہ الاکبر:167)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

اسی طرح خواتین کا اس طرح نعت پڑھنا شرعاً ناجائز ہے کہ ان کی آواز نامحرم تک پہنچے، خواہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے ہو یا بغیر لاؤڈ اسپیکر کے۔ اِسی طرح ہمارے زمانے میں رائج ذکر کے ساتھ نعت پڑھنا وسننا نیز مذکورہ بالا تینوں طریقوں پر پڑھی گئی نعت وذکر کی کیسٹیں بنانا، بیچنا اور خریدنا سب ناجائز وگناہ ہے۔ شریعت مُطَہَّرہ نے موسیقی کو حرام فرمایا جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری شریف میں تعلیق کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَیَکُونَنَّ مِنْ أُمَّتِی أَقْوَامٌ یَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِیْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ۔

ترجمہ: میری اُمّت میں ضرور ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور آلات موسیقی کو حلال ٹھہرالیں گے"۔ (صحیح بخاری: 5590)

چنانچہ جب صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے موسیقی کو حرام فرمادیا تو پھر یہ کس طرح جائز ہوسکتی ہے؟، موسیقی خواہ نعت شریف کے ساتھ ہو یا گانے کے ساتھ، بہرحال حرام ہے۔ لٰہذا موسیقی پر پڑھی گئی نعت پڑھنا یا کسی سے پڑھوانا، دونوں صورتیں ناجائز ہیں، اسی طرح ان کا سننا اور سنوانا بھی ناجائز ہے، اِسی طرح اس کی کیسٹ یا سی ڈی وغیرہ بنانا، بنوانا، خریدنا اور بیچنا سب ناجائز ہے۔ نیز مذکورہ بالا حدیث شریف سے نعتیہ طرز پر بنائی گئی موسیقی کی دھن کا حکم بھی ظاہر ہوگیا۔ اِسی طرح مسجد میں دف کے ساتھ نعت پڑھنا آدابِ مسجد کے منافی ہونے کی بنا پر ممنوع ہے۔

عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اِقْرَؤُوا الْقُرْآنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَأَصْوَاتِهَا، وَاِیَّاکُمْ وَلُحُوْنَ أَهْلِ الْعِشْقِ، وَلُحُوْنَ أَهْلِ الْکِتَابَیْنِ، وَسَیَجِیئُ بَعْدِیْ قَوْمٌ یُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْآنِ تَرْجِیْعَ الْغِنَا وَالنَّوحِ، لَایُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُم، مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَقُلُوْبُ الَّذِیْنَ یُعْجِبُهُمْ شَأْنُهُمْ۔

ترجمہ: "حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "قرآن کو اہل عرب کے لہجے میں پڑھو اور اہل عشق اور اہل کتاب کے طرز سے بچ کر (یعنی جو قرآن کو موسیقی کی دھنوں میں ڈھال کر پڑھتے ہیں) اور میرے بعد ایک ایسی قوم آئے گی، جو

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

گانے والوں اور نوحہ خوانوں کے طرز پر کلمات کو بار بار لوٹا کر پڑھتے ہیں، قرآن ایسے لوگوں کے حلق سے آگے ان کے وجود میں نہیں اترے گا۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو (دنیا اور اہلِ دنیا کی محبت اور داد و تحسین) کی آزمائش میں ڈال دیا ہے اور جو لوگ انہیں سن کر ان کی تحسین کرتے ہیں، اُن کے دلوں کو بھی آزمائش میں ڈال دیا ہے''۔ (شعب الایمان: 2649)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے:

حَسِّنُوا الْقُرآن بِأَصْوَاتِکُمْ، فَاِنَّ الصَّوتَ الحَسَنَ یَزِیدُ القُرآن حُسنًا۔

ترجمہ: ''قرآن (کی تلاوت) میں اپنی آوازوں سے حسن پیدا کرو کیونکہ اچھی آواز سے قرآن کی دلکشی میں اضافہ ہوتا ہے''۔ (سُنن دارمی: 3501)

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا:

أَیُّ النَّاسِ أَحسنُ صَوتًا لِلقُرآنِ؟ وَأَحسنُ قِرَاءَۃً؟، قَالَ: مَنْ اِذَا سَمِعْتَہٗ یَقرأُ أُرِیتَ أَنَّہٗ یَخْشَی اللّٰہَ۔

ترجمہ: ''کس کی آواز سے قرآن میں دلکشی پیدا ہوتی ہے اور قراءت میں کشش پیدا ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص کہ جب وہ قرآن پڑھے، تو تجھے لگے کہ اس کے دل میں اللہ کا خوف ہے''۔ (سنن دارمی: 3489)

محافلِ نعت میں مَرد وزَن کا اختلاط

سوال:

عورت کا ایسی محفل جس میں مرد بھی ہوں، لاؤڈ اسپیکر پر نعت پڑھنا، تقریر کرنا اور محفلِ نعت میں مرد وزَن کا اختلاط جائز ہے؟۔

جواب:

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۳۲ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝۳۳

ترجمہ: ''اے نبی کی بیویو! تم (عام) عورتوں میں سے کسی ایک کی (بھی) مثل نہیں ہو، بشرطیکہ تم اللہ سے ڈرتی رہو (اور یقیناً ڈرتی ہو) تو (پسِ پردہ مردوں سے بہ ضرورت) بات کرنے میں (ایسا) نرم لہجہ اختیار نہ کرنا کہ جس کے دل میں (شہوانیت کا) روگ ہے وہ (اپنی خواہش نفس کی تکمیل کا) طمع کرنے لگے اور دستور کے مطابق (اچھی) بات کرنا، اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرنا اور نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو، اے رسول کے گھر والو! اللہ صرف یہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی نجاست کو دور رکھے اور تم کو خوب ستھرا اور پاکیزہ رکھے''۔ (الاحزاب: 33-32)

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ

ترجمہ: ''اور عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اس زینت کا لوگوں کو علم ہو جائے جو انہوں نے چھپا رکھی ہے''۔ (النور: 31)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ عورت کو اتنی بلند آواز کے ساتھ کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے جس کو اجنبی مرد سن لیں، کیونکہ پازیب کی آواز سے اس کی اپنی آواز زیادہ فتنہ انگیز ہے، اسی وجہ سے ہمارے فقہاء نے عورت کی اذان کو مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اس میں آواز بلند کرنی پڑتی ہے اور عورت کو آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے''۔ (احکام القرآن جلد 3 ص: 319 مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور)

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

جس طرح قرآن مجید میں عورت کے آواز بلند کرنے کی ممانعت بطور کنایہ اور مبالغہ ہے، سو اسی طرح حدیث میں بھی عورت کے آواز بلند کرنے کو کنایہ اور مبالغہ سے منع کیا گیا ہے، حدیث پاک میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ''اَلتَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ، وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ''۔

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (امام کو سہو پر مطلع کرنے لیے) مردوں کے لیے تسبیح (سبحان اللہ کہنا) اور عورتوں کے لیے تصفیق (یعنی دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی پشت پر مارنا) ہے''۔ (صحیح بخاری: 1303)

قرآن مجید میں عورت کو زمین پر پیر مارنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ اس کی پازیب کی آواز سن کر اجنبی مرد اس کی طرف متوجہ نہ ہوں اور حدیث میں عورت کو نماز میں سبحان اللہ کہنے کے بجائے ہاتھ کی پشت پر ہاتھ مارنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عورت کا آواز بلند کرنا بھی ممنوع ہے، فقہائے اَحناف کے نزدیک عورت کی آواز عورت ہے، اور جس طرح ماسوائے ضرورت کے وہ اجنبیوں پر چہرہ ظاہر نہیں کرسکتی، اسی طرح ضرورت کے بغیر وہ اجنبی مردوں پر اپنی آواز بھی ظاہر نہیں کرسکتی۔

عورت کا کسی ایسی محفل میں جہاں نامحرم مرد بھی ہوں، لاؤڈ اسپیکر یا بغیر لاؤڈ اسپیکر نعت پڑھنا، تقریر کرنا جائز نہیں ہے۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز سے سوال ہوا کہ ''عورتوں کا بیانِ میلاد شریف آنحضرت ﷺ'' زنانی محفل میں بآوازِ بلند نثر و نظم پڑھنا اور نظم خوش آوازی ولحن کے ساتھ پڑھنا اور مکان کے باہر سے ہمسایہ کے مردوں اور نامحرموں کا سننا، تو ایسا پڑھنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ آپ نے جواب میں لکھا: ''عورت کا خوش الحانی سے بآواز ایسا پڑھنا کہ نامحرموں کو اس کے نغمہ کی آواز جائے، حرام ہے۔ نوازل للامام فقیہ ابواللیث میں ہے: نَغْمَةُ الْمَرْأَةِ عَوْرَةٌ۔

ترجمہ: ''عورت کا اونچی آواز سے شعر پڑھنا ''عورت'' یعنی مَحَلِّ ستر ہے''۔ کافی امام ابو

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

البرکات نسفی میں ہے: لَاتُلَبِّیْ جَهْرًا لِاَنَّ صَوْتَهَا عَوْرَةٌ۔

ترجمہ: ''عورت بلند آواز سے (حج کا) تلبیہ نہ پڑھے اس لیے کہ اس کی آواز قابلِ ستر ہے''۔

امام ابوالعباس قرطبی کی کتاب السماع پھر بحوالہ علامہ علی مقدسی امداد الفتاح علامہ شرنبلالی پھر ردالمحتار علامہ شامی میں ہے:

لَا نُجِيْزُلَهُنَّ رَفْعَ اَصْوَاتِهِنَّ وَلَاتَمْطِيْطَهَا وَلَا تَلْيِيْنَهَا وَتَقْطِيْعَهَا لِمَا فِيْ ذٰلِكَ مِنِ اسْتِمَالَةِ الرِّجَالِ اِلَيْهِنَّ وَتَحْرِيْكِ الشَّهَوَاتِ مِنْهُمْ وَمِنْ هٰذَا لَمْ يَجُزْاَنْ تُؤَذِّنَ الْمَرْأَةُ، وَاللهُ تَعَالٰى أَعْلَم۔

ترجمہ: ''عورتوں کو اپنی آوازیں بلند کرنا، انہیں لمبا اور دراز کرنا، (لہجے کو) نرم (اور پرکشش) بنانا اور ان میں تقطیع کرنا (یعنی ایک ایک لفظ جدا کر کے تحلیلی عروض کے مطابق پڑھنا)، ہم عورتوں کو ان باتوں کی اجازت نہیں دیتے، کیوں کہ ان کے سبب مردوں کا ان کی طرف میلان ہوتا ہے اور ان کے جنسی جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں، اسی وجہ سے عورت کو یہ اجازت نہیں کہ وہ اذان دے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ت)

(فتاویٰ رضویہ ج22، ص: 43-242 رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مصنف بہارِ شریعت علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ''غنیۃ'' کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''عورت کو عورت سے قرآن مجید پڑھنا غیر محرم نابینا سے پڑھنے سے بہتر ہے کہ اگر چہ وہ اسے دیکھتا نہیں مگر آواز تو سنتا ہے اور ''عورت کی آواز بھی عورت ہے''، یعنی غیر محرم کو بلا ضرورت سنانے کی اجازت نہیں''۔ (بہارِ شریعت جلد 1 ص: 207 مکتبۂ رضویہ آرام باغ روڈ کراچی)

محافلِ نعت میں غیر شرعی اُمور

سوال:

نعت خواں یا نقیبِ محفل عوام سے کہتے ہیں کہ'' جو مدینے جانا چاہتا ہے یا جو عاشقِ رسول ہے، وہ ہاتھ اٹھا کر بولے، ہاتھ لہراؤ''، کیا یہ سب جائز ہے؟۔

جواب:

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

نعت خواں یا نقیبِ محفل کا اِس انداز سے عامیانہ جملے کہنا کسی طرح درست اور جائز نہیں اور نہ ہی اُس کے کہنے سے کسی کی دلی خواہشات کی تکمیل یا عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا اظہار ہوسکتا ہے۔ یہ سب تو قلبی کیفیات ہیں، جن کا اِظہار اِس انداز سے نہیں بلکہ محبتِ رسول سے سرشار ہوکر اِطاعت و اِتباعِ رسول ﷺ میں پوشیدہ ہے۔ مروجہ ذکر و نعت کی محافل میں نعت خواں سننے والوں سے کہلواتا ہے کہ ''جھوم جھوم کر بولو، ہاتھ ہلا کر بولو، چلا کر بولو''۔ فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق یہ طرزِ عمل سراسر جہالت اور مکروہ ہے، دین میں اس کی کوئی حقیقت اور اصل نہیں ہے۔ درمختار میں ہے:

وَازعَجُ الْأَعْضَاءِ بِرَفْعِ الصَّوتِ جهلٌ

ترجمہ: ''آواز کے بلند کرنے کے سبب جسم کے اعضاء کو بے قرار کرنا جہالت ہے''۔

اِس کی شرح میں علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

رَفْعُ الصَّوْتِ عِنْدَ سَمَاعِ الْقُرآن وَالْوَعْظِ مَكْرُوْهٌ، وَمَا يَفْعَلُهُ الَّذِيْنَ يدَّعُوْنَ الْوَجْدَ وَالْمَحَبَّةَ لَا أَصْلَ لَهُ، وَيَمْنَعُ الصُّوفِيَّةُ مِنْ رَفْعِ الصَّوْتِ وَتَخْرِيْقِ الثِّيَابِ، كَذَافِي ''السِّرَاجِيَّة''۔

ترجمہ: ''وعظ اور تلاوتِ قرآن سنتے وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے، خودساختہ وَجد اور محبت کے دعویدار جو حرکات وسکنات کرتے ہیں ان کی دین میں کوئی اصل نہیں، آواز بلند کرنے اور کپڑے پھاڑنے سے صوفیہ نے منع فرمایا ہے''۔

(حاشیہ ابن عابدین شامی، ج3، ص:394، دمشق)

مزید لکھتے ہیں:

وَعَنِ النَّبِيِّ ﷺ أنَّهُ كَرِهَ رَفْعَ الصَّوْتِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَالْجَنَازَةِ وَالزَّحْفِ وَالتَّذْكِيرِ، فَمَا ظَنُّكَ عِنْدَ الْغِنَاءِ الَّذِيْ يُسَمُّوْنَهُ وَجْداً وَمَحَبَّةً فَإِنَّهُ مَكْرُوْهٌ لَا أَصْلَ لَهُ فِي الدِّيْنِ۔

ترجمہ: ''نبی ﷺ نے: قرآن کریم کی قراءت، جنازہ، لشکر کے آمنا سامنا ہونے کے

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

موقع پر اور وَعظ و تذکیر کے وقت آواز بلند کرنے کو ناپسند کیا، پس تمہارا کیا گمان ہے، سماع کے وقت (خودساختہ حرکات وسکنات کو) وَجد اور محبت کا نام دیتے ہیں، پس یہ مکروہ ہے، ان کی دین میں کوئی اصل نہیں"۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد9،ص:485، بیروت)

سوال:

نعت خواں حضرات کا مہینوں پہلے بکنگ اور نذرانے طے کرنا، محفلِ نعت میں لوگوں کا نعتیں سن کر اُن پر نوٹ نچھاور کرنا شرعاً کیا معنیٰ رکھتا ہے؟۔ اگر کوئی ازخود بطور تحفہ کچھ عطا کر دے تو کیا اس کی اجازت ہے؟

جواب:

آج کل جو کلچر بن گیا ہے کہ نعت خوانی یا وعظ کے دوران نعت خوان یا واعظ پر نوٹ نچھاور کیے جاتے ہیں، اس میں ابتذال ہے اور نعت پاک اور وعظ و تذکیر کے وقار کے منافی ہے۔ اب تو جن لوگوں سے نوٹ ملنے کی توقع ہو، نعت خواں بھرے مجمع میں کہتے ہیں کہ یہ شعر اُن کی نذر ہے۔ جو نعت خوان یا واعظ کی خدمت کرنا چاہے، وہ پروگرام کے بعد باوقار انداز میں کرسکتا ہے۔ نعت خوانی کی اجرت مشروط ہو یا معہود (Understood) امام اہلسنت نے اسے ناجائز لکھا ہے۔ البتہ وقت کا اجارہ کرنا درست قرار دیا ہے۔ اس وقت میں اس سے نعت خوانی کرانا جائز ہے اور اس کا اپنے وقت کی طے شدہ اجرت لینا جائز ہے۔

سوال:

مُروجہ نعت خوانی میں مشہور اور خوش آواز نعت خوانوں کو بھاری نذرانوں سے نوازا جاتا ہے، دین کی ترجیحات میں مدارس و مساجد کا قیام، معلّمین و مُدرّسین کی اُجرت زیادہ اجر کا باعث ہے یا اِن پروفیشنل نعت خوانوں کو پالنا؟۔

جواب:

جو علمائے کرام اور مُدرّسین کل وقت دینی خدمات پر مامور ہیں، ان کی خدمت کو ترجیح اوّل بنانا چاہیے اور معاشرے کی ذمّے داری ہے کہ انہیں فکرِ معاش سے آزاد کریں تاکہ وہ

Scanned with CamScanner
Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook

استغنا کے ساتھ دین اور علم دین کے فروغ کا ذریعہ بنیں ۔ اسی طرح مدارس ومساجد اور ایسے تعلیمی اداروں کے قیام کو بھی ترجیح دینی چاہیے تاکہ ہماری نئی نسل عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم اور اَخلاقی تربیت سے آراستہ ہو۔

سوال:

نعت خواں کا مقام ومرتبہ زیادہ ہے یا ایک باعمل عالمِ دین کا ،ہمیں اپنی محافل میں نعت خوانی کو عروج دینا چاہیے یا جید علماء کے اصلاحی بیانات کو ترجیح دینی چاہیے؟۔

جواب:

نعت خوانی یقیناً محبتِ رسول کا ایک مظہر ہے،لیکن زیادہ افادیت اصلاحی وعظ وتذکیر میں ہے۔مہذب معاشروں میں اہلِ علم کا اکرام کیا جاتا ہے۔

اہم یادداشت

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner

Fazail e Sahaba Wa Ahle Bait Library Islamic Ebook
Scanned with CamScanner